

فتاوی محمودیہ

فقیہ الامت حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی نور اللہ مرقدہ

تبویب، تخریج اور تعلیق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم

زیر نگرانی

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست عنوانات

کتاب الصوم

باب رؤية الهلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مطالع کا بیان)

باب مایفسد الصوم ومالایفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

باب صوم النفل وغیرہ

(نفلی روزوں کا بیان)

باب قضاء الصوم و کفارته و فديته

(روزے کی قضاء، اس کے کفارہ اور فدیہ کا بیان)

فصل فی التسحر و الإفطار

(سحری اور افطار کا بیان)

باب المتفرقات

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

کتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

بابٌ فی واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

باب المقامات المتبركة

(متبرک مقامات کا بیان)

بابٌ فی أحكام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

باب القِران والتمتع

(حجِ قران اور تمتع کا بیان)

باب الحج عن الغیر

(حجِ بدل کا بیان)

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

باب زیارة المدینة المنورة

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

باب المتفرقات

کتاب النکاح

باب النکاح الصحیح

(نکاحِ صحیح کا بیان)

فصل فی خطبة النکاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

فصل فی مجلس العقد وتسجیله

(نکاح کی تقریب اور رجسٹر میں اندارج کرنے کا بیان)

فصل فی الشهود فی النکاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

فصل فی الإکراہ علی النکاح

(زبردستی نکاح کرانے کا بیان)

فصل فی ألفاظ النکاح

(نکاح کے الفاظ کا بیان)

فصل فی النکاح بالکتابة والهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون سے نکاح کرنے کا بیان)

فصل فی نکاح الشغار

(نکاحِ شغار کا بیان)

☆......☆......☆......☆......☆

کتاب الصوم

جہاں اٹھارہ گھنٹہ کا دن ہو، وہاں روزہ کی صورت

سوال[۴۷۵۲]: جہاں دن اٹھارہ گھنٹے سے زیادہ بھی کا ہوتا ہے اور رات چھ گھنٹے یا اس سے کم، اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے۔ کیا روزہ دن کے تناسب سے رکھا جائے گا یا کوئی دوسرا حساب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

وہاں کے قوی مزاج لوگ اتنے بڑے دن کا عموماً تحمل کرتے ہیں، اس لئے وہاں خود ان کا ہی دن معتبر ہوگا، کسی دوسرے حساب کی ضرورت نہیں، جیسا کہ مجموعة الفتاوی: ۶۹۶/۱ میں ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

---

(۱) ''صوم وصلوۃ وغیرہ کے احکام کے نصوص جمیع مکلفین کے لئے ہر شہر اور ہر زمانہ میں عام ہیں، لہٰذا اختلافِ اقالیم اور طولِ نہار کی وجہ سے کوئی خلل نہ پڑے گا اور یہ خیال کرنا کہ ''جہاں دن بہت بڑا ہوتا ہے وہاں روزہ ہلاکت کا باعث ہے'' غلط ہے، کیونکہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی احکام کو عام کر رکھا ہے اسی طرح جہاں روزہ رکھنا طاقتِ بشریہ سے خارج معلوم ہوتا ہے، وہاں ابن آدم کا مسکن نہیں بنایا.........اھ۔

اور بلغار میں زمانۂ صیف میں رات اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ بعض اوقات غروبِ شفق کے ساتھ ہی صبح صادق کا طلوع ہوتا ہے، وہاں مسلمان لوگ روزہ رکھتے ہیں، رمضان جاڑے میں پڑے یا گرمی میں اور آفاقی بھی جو وہاں ہوتے ہیں، روزہ رکھتے ہیں، اور کوئی روزہ رکھنے کی وجہ سے مرتا نہیں''۔ (مجموعة الفتاویٰ: ۲۹۶/۱، کتاب الصلوۃ، سعید)

'''لم أر من تعرض عندنا لحكم صومهم فيما إذا كان يطلع الفجر عندهم كما تغيب الشمس أوبعده بزمان، لايقدر فيه الصائم على أكل مايقيم بنيته، ولا يمكن أن يقال بوجوب موالاة الصوم عليهم؛ لأنه يؤدي إلى الهلاك، فإن قلنا بوجوب الصوم، يلزم القول بالتقدير. وهل يقدّر ليلهم بأقرب البلاد إليهم كما قاله الشافعية هنا أيضاً، أم يقدرلهم بما يسع الأكل والشرب، أم يجب عليهم القضاء فقط=

مطلع میں ۲۴/گھنٹہ کا فرق ہوتو روزہ کا کیا حکم ہے؟

سوال[۴۷۵۳]: ہوائی جہاز سے ہوائی کھیل ایجاد ہے، وہاں سے کھلاڑی گیند کھیلتے ہیں تو گیند اسی جگہ لڑھک کر جاتا ہے، وہاں کے مطلع میں ۲۴/گھنٹہ کا فرق ہوجاتا ہے۔ اگر ہوائی والے شنبہ کو روزہ رہیں تو کیا قریبی ملک والے کو اُسی دن روزہ رکھنا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہاں رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہوجائے تو دن میں روزہ کا حکم ہوگا، ورنہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

مطلع کتنے فاصلہ پر بدلتا ہے؟

سوال[۴۷۵۴]: شرعاً کتنے فاصلے پر واقع بلاد کا مطلع ایک سمجھا جاتا ہے اور کتنے بُعد میں مطلع بدل جاتا ہے؟ مسئلہ کی پوری شرح فرمائیں۔ جن دوشہروں یا ملکوں کا مطلع ایک ہو اور رُؤیت کی خبر صحیح ہو تو اس رؤیت

= دون الأداء؟ كل محتمل، فليتأمل.

ولا يمكن القول هنا بعدم الوجوب أصلاً كالعشاء عند القائل به فيها؛ لأن علة عدم الوجوب فيها عند القائل به عدم السبب، وفي الصوم قد وجد السبب وهو شهود جزء من الشهر وطلوع فجر كل يوم، هذا ماظهرلي، والله تعالىٰ اعلم". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، مطلب في طلوع الشمس من مغربها: ۱/۳۶۶، سعيد)

(۱) "وفي القدوري: (إذا كان بين البلدتين تفاوتٌ لايختلف المطالع، لزم حكم أهل إحدى البلدتين البلدة الأخرى، فأما إذا كان تفاوت يختلف المطالع) لم يلزم حكم إحدى البلدتين البلدة الأخرى. وذكر الشيخ الإمام شمس الأئمة الحلواني أن الصحيح من مذهب أصحابنا أن الخبر إذا استفاض وتحقق فيما بين أهل إحدى البلدتين، يلزمهم حكم أهل هذه البلدة". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الصوم، الفصل السادس فيما يتعلق برؤية الهلال: ۲/۳۶۹، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۵۷۹، دارالكتب العلمية بيروت)

کی اطلاع پر دوسرے شہر والے روزہ یا عید منا سکتے ہیں یا نہیں؟ کبھی اگر رُویت کی کہیں سے غلط خبر نشر ہوگئی تو پھر کبھی وہاں کے رؤیت کی خبر کو قبول نہیں کی جائے گی۔ جنتریوں اور کلنڈروں میں جو غروبِ آفتاب کے اوقات لکھے ہوتے ہیں اس کے کتنے دیر بعد اذانِ مغرب دی جائے؟ منٹ کی وضاحت کریں گے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایک ہزار میل کے بُعد پر مطلع بدل جاتا ہے(۱)۔ اگر رؤیت بطریقِ شرعی ثابت ہوجائے تو روزہ اور عید کا حکم ہوگا ورنہ نہیں (۲)۔ جنتریوں اور کلنڈروں میں خود ہی اختلاف رہتا ہے۔ آج کل عامۃً طلوع غروب استقراء کا مشاہدہ کرکے جنتریوں کو مرتب نہیں کیا جاتا ہے، زیادہ تر نقل ہی پر اعتماد ہوتا ہے، پھر مرتب کرنے والے اپنے مزاج کے اعتبار سے احتیاط کی بھی رعایت رکھتے ہیں کوئی کم کوئی زیادہ گھڑیوں میں سستی اور تیزی کا

---

(۱) "وقدّر البُعد الذی تختلف فیه المطالع مسیرة شهر، وقد نبه التاج التبریزی علی أن اختلاف المطالع لا یمکن فی أقل من أربعة وعشرین فرسخاً، وأفتی به الوالد، والأوجه أنها تحدیدیة، کما افتی به أیضاً". (ردالمحتار، کتاب الصوم، مطلب اختلاف المطالع: ۲/۳۹۳، سعید)

(۲) "ولو صام أهل بلد ثلاثین یوماً، وصام أهل بلد آخر تسعةً وعشرین، فإن صوم أهل ذلک البلد برؤیة الهلال، وثبت ذلک عند قاضیهم أوعدّوا شعبان ثلاثین یوماً، ثم صاموا رمضان، فعلی أهل البلد الآخر قضاء یوم؛ لأنهم أفطروا یوماً من رمضان .... هذا إذا کانت المسافة بین البلدین قریبةً لاتختلف فیها المطالع". (بدائع الصنائع، کتاب الصوم، فصل فی شرائطها: ۲/۵۷۹، دارالکتب العلمیة بیروت)

"(وقُبل بلادعوی) و بلا لفظ "أشهد" وبلا حکم ومجلس قضاء؛ لأنه خبر لاشهادة (للصوم مع علة کغیم) وغبار (خبرُ عدل) .... (ولو) کان العدل (قناً أو أنثی أو محدوداً فی قذف تاب) .... اهـ. (وشرط للفطر) مع العلة والعدالة (نصابُ الشهادة ولفظ "أشهد") وعدم الحد فی قذف لتعلق نفع العبد، لکن (لا) تشترط (الدعوی) .... (و) بلاعلة جمعٌ عظیمٌ یقع العلم الشرعی وهو غلبة الظن (بخبرهم وهو مفوض إلی رأی الإمام من غیر تقدیر بعدد)". (الدرالمختار، کتاب الصوم: ۲/۳۸۵-۳۸۸، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال: ۱/۱۹۷، ۱۹۸، رشیدیه)

فرق ہوتا رہتا ہے، اس لئے کوئی حتمی تعین نہیں کی جا سکتی، بس اتنا ہے کہ غروب متعین ہونے کے بعد اذان کا وقت ہے، نہ یہ کہ ہر جگہ ہر موسم پر گھڑی کا پابند کر دیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

رمضان میں یکسوئی حاصل ہونے کی تدبیر

سوال [۴۷۵۵]: رمضان المبارک کے متعلق کچھ ہدایت فرمائیں، دنیوی تفکرات سے قلب کو یکسوئی حاصل ہونے کا حضرت والا کوئی علاج بتلائیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اپنا نظام الاوقات بنا کر تمام اوقات کو کام میں مشغول رکھیں، کوئی وقت ضائع نہ ہونے دیں، قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کریں (۲)، فضائلِ رمضان اپنے مکان پر یا مسجد میں سننے یا سنانے کا اہتمام کریں، اس سے رمضان کی عظمت دل میں پختہ ہو کر اعمالِ صالحہ کی رغبت میں اضافہ ہوگا اور انشاء اللہ تعالیٰ یکسوئی میسر ہوگی،

---

(۱) "وعن عمر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلي الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا أقبل الليل من ههنا وأدبر من ههنا، وغربت الشمس، فقد أفطر الصائم". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، الفصل الأول: ١/١٧٥، قديمى)

"قلت: ومقتضى قوله: (لابأس بالفطر بقول عدل) أنه لايجوز إذا لم يصدقه، ولا بقول المستور مطلقاً .... فلا بدّ حينئذ من التحرى، فيجوز؛ لأن ظاهر مذهب أصحابنا جواز الإفطار بالتحرى، كما نقله في المعراج عن شمس الأئمة السرخسى؛ لأن التحرى يفيد غلبة الظن، وهى كاليقين .... وفي البحر عن البزازية: ولايفطر مالم يغلب على ظنه الغروب وإن أذن المؤذن".

(ردالمحتار، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده: ٢/٤٠٧، سعيد)

(٢) "فأن لايتكلم إلابخير .... ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبى صلى الله عليه وسلم وإخبار الصالحين وكتابة أمور الدين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٢١٢، كتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار: ٢/٤٥٠ باب الاعتكاف، سعيد)

(ومراقى الفلاح، ص: ٧٠٤، ٧٠٥، باب الاعتكاف، قديمى)

خدا دین و دنیا کی ترقیات سے نوازے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روزہ میں مسواک سنت ہے

سوال[۴۷۵۶]: ماہ رمضان المبارک میں روزہ کی حالت میں مسواک کرنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

درست بلکہ سنت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۵/ ۱۳۹۰ھ۔

ستائیسویں رات کو شبِ قدر کی تعیین

سوال[۴۷۵۷]: شبِ قدر کو رمضان شریف کے اخیر دس دنوں کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کا حکم ہے تو پھر ہمیشہ اور ہر سال رمضان شریف کی ستائیسویں شب کو ہی شبِ قدر منانا اور اسی شب کو قرآن شریف کا ہر سال ختم کرنا بدعت ہوگا یا نہیں؟ صرف اسی رات کو زیادہ عبادتیں کرنا، تلاوت قرآن شریف اور خصوصاً حافظوں کا ختم قرآن کرنا اسلاف اور کسی حدیث سے ثابت ہے کیا؟ اور کیا حکم ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

شبِ قدر عشرۂ اخیرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے، مگر بہت سے علماء نے قرائن سے ستائیس کو ترجیح دی ہے کہ ظنِ غالب یہ ہے کہ ستائیسویں شب ہے، لیکن اس پر یقین نہیں، اس طرح کہ دوسری راتوں کی نفی کردی جائے، ظنِ غالب کی بنا پر اگر ستائیس کو ختم قرآن پاک تراویح میں کیا جائے تو یہ

---

(۱) "عن عبد الله بن عامر بن ربيعة عن أبيه رضي الله تعالیٰ عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم يستاك، وهو صائم". (سنن أبي داؤد: ۱/ ۳۲۹، كتاب الصوم، باب السواك للصائم، إمداديه ملتان)

(وصحيح البخاري: ۱/ ۲۵۹، كتاب الصوم، باب السواك الرطب واليابس للصائم، قديمي)

(وجامع الترمذي: ۱/ ۱۵۴، كتاب الصوم، باب ما جاء في السواك للصائم، سعيد)

افضل و مستحب ہے، کذا فی البحر الرائق(۱)۔

یقینی طور پر اسی رات کو شب قدر کہنا اور دوسری راتوں کی نفی کر دینا غلط ہے، ختم کا بھی اس شب میں التزام نہ کیا جائے، عبادت، تلاوت، نماز وغیرہ کے لئے مساجد میں اس رات یا کسی اَور رات میں جمع ہونا یا جماعت سے اہتمام کے ساتھ نوافل پڑھنا بدعت و مکروہ ہے، کذا فی مراقی الفلاح (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ۔

مغرب پڑھ کر سفر کیا جہاں ابھی غروب نہیں ہوا، تیس روزے پورے کر کے سفر کیا ایسی جگہ جہاں انتیسواں روزہ ہے

سوال[۴۷۵۸]: ایک شخص یہاں مغرب کی نماز ادا کر کے ہوائی جہاز کے ذریعہ مکہ پہونچ جائے، مکہ میں مغرب کی نماز تفاوتِ وقت کے سبب ابھی ہی ہوتی ہے۔ کیا پھر دوبارہ اس کو مغرب کی نماز ادا کرنا لازم ہے؟ علی ہذا مکہ سے روزہ افطار کر کے یا عید کی نماز ادا کر کے ہندوستان آیا ہے کہ یہاں لوگ روزہ سے ہیں اور نماز عید ادا نہیں کی ہے۔ اب کیا کرے، روزہ رکھے، عید کی نماز دوبارہ ادا کرے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتراماً للوقت وموافقةً للمسلمین وہ نماز بھی پڑھے اور روزہ بھی رکھے، اگر چہ اس کا فریضہ ادا و

---

(۱) "والجمهور على أن السنة الختم مرةً، فلا يترك لكسل القوم، ويختم في الليلة السابع والعشرين لكثرة الأخبار أنها ليلة القدر". (البحر الرائق: ۲/ ۱۲۰، كتاب الصلوة، باب الوتر والنوافل، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار: ۲/ ۴۶، باب الوتر والنوافل، مبحث صلوة التراويح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۱۸، الباب التاسع في النوافل، فصل في التراويح، رشيديه)

(۲) "ويكره الاجتماع على إحياء ليلة من هذه الليالي في المساجد وغيرها؛ لأنه لم يفعله النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ولا أصحابه، فأنكر أكثر العلماء من أهل الحجاز وقالوا: ذلك كله بدعة".

(مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۴۰۲، فصل في تحية المسجد الخ، قديمي)

مکمل ہو چکا(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۸/۱۲/۲۹ھ۔

مسافر کو فرض روزہ توڑنے کی اجازت

سوال[۴۷۵۹]: زید نے فرض روزے کی نیت کی اور دن کا کچھ حصہ گزرا تھا کہ وہ اتفاقیہ سفر پر روانہ ہوگیا، سفر کافی طویل ہے۔کیا زید اس روزے کو توڑ سکتا ہے؟

حاجی عبدالحیٔ لکھنؤ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر مشقت ہے، پورا کرنا دشوار ہے تو اس کو توڑ سکتا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "هل يكره لها التشبه بالصوم أم لا؟ .... واعترض بأنه يستحب لها الوضوء والقعود فى مصلاها وهو تشبه بالصلوة. (قوله: ولو شرعت تطوعاً فيهما): أى فى الصلوة والصوم". (ردالمحتار: ۲۹۱/۱، سعيد)

"وقال: يتشبه بالمصلين وجوباً، فيركع ويسجد، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: وقالا: يتشبه بالمصلين): أى احتراماً للوقت .... (قوله: كالصوم): أى فى مثل الحائض إذا طهرت فى رمضان، فإنها تمسك تشبهاً بالصائم لحرمة الشهر .... وكذا المسافر إذا أفطر فاقام". (الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲۵۲/۱، ۲۵۳، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲۸٦/۱، رشيديه)

(۲) "الأعذار التى تبيح الإفطار منها السفر الذى يبيح الفطر .... فلو سافر نهاراً، لايباح له الفطر فى ذلك اليوم. وإن أفطر، لاكفارة عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۰٦/۱، الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار على الدر المختار: ۴۳۱/۲، فصل فى العوارض، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانية: ۳۸۳/۲، الفصل السابع فى الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراچى)

حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم

سوال[۴۷۱۰]: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱/ بجے سے قبل پاک ہوجائے تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لئے واجب ہوگا، اور اس دن کے روزہ کی قضاء ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس دن کا روزہ نہیں ہوا، بعد میں قضاء رکھے، البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پئے نہیں: "یجب الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه، وعلى حائض ونفساء طهرتا بعد طلوع الفجر". مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فرض روزہ ذمہ میں رہتے ہوئے نفلی روزہ رکھنا

سوال[۴۷۱۱]: ایک شخص جس کے ذمہ زکوۃ واجبہ یا فرض روزہ باقی ہے اس کے باوجود وہ عطیہ یا نفلی روزہ رکھتا ہے تو اس کا یہ فعل درست ہے یا نہیں؟ نیز اگر کسی نے ایسا کیا تو فرض میں وضع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عطیہ دینے سے ثواب ملے گا(۲)، نفلی روزہ سے بھی ثواب ملے گا(۳)، لیکن فرض وواجب کی فکر نہ کرنا اور نفل میں مشغول ہونا ناسمجھی اور کم عقلی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (مراقی الفلاح، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم اھ، فصل: یجب الإمساک، ص: ۶۷۸، قدیمی)

(۲) "عن سهل بن معاذ، عن أبيه، عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "من أعطى لله تعالىٰ، ومنع لله تعالىٰ، وأحب لله تعالىٰ، وأبغض لله تعالىٰ، وأنكح لله تعالىٰ، فقد استكمل إيمانه". (مسند الإمام أحمد، :۴۴۲/۳، (رقم الحديث: ۱۵۱۹۰)، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "الصِّيام جُنّة فلا يَر فُثُ ولا يَجهل، فإن امرأ قاتَله أو شَاتَمَه فليقل: إني صائم" مرتين "والذي نفسي بيده! لَخلوف فم الصائم أطيبُ عند الله من ريح المسك، يترك طعامه وشرابه وشهوته من أجلي، الصيام لي وأنا أجزي به، والحسنة بعشر أمثالها". (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب فضل الصوم: ۲۵۴/۱، قديمي)

باب رؤية الهلال

(رمضان کا چاند دیکھنے اور اختلافِ مَطالع کا بیان)

روزہ کا سبب رؤیتِ ہلال ہے یا شہودِ رمضان؟ (اختلافِ مطالع کی تفصیل)

سوال[۴۷۶۲]: رویتِ ہلال رمضان میں سب کا اتفاق ہے اس پر کہ اختلافِ مطالع سے حکمِ صوم مختلف ہوجاتا ہے، بعض نے حدیثِ حضرت کُریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دلیل بنایا اور بعض دوسری دلیل پیش کرتے ہیں اور بعض اسی کو حق اور مطابقِ نصِ قرآنی بتاتے ہیں، کیونکہ قرآن شریف میں ہے: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾ (۱) أی رمضان الخ". اور اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ "جو شخص ماہ رمضان پاوے، یا داخل ہو، اس پر روزہ واجب ہے" اور یہی مذہبِ حق اور ٹھیک ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں، اگر مشرق والا ہلالِ رمضان کی خبر دے اہلِ مغرب کو تو اہل مغرب پر روزہ واجب ہوگا یا اس کا عکس۔ یہ مذہب کے خلاف حدیث اور نص قرآنی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کبھی یہ صورت واقع ہوگی، ایک ملک میں آج شعبان ہے تو دوسرے ملک میں رمضان جیسے امریکہ میں رات اور یہاں دن، بلکہ لندن اور ہندوستان میں بھی بہت فرق ہے کیونکہ معظم کا خبرِ انتقال یہاں ہندوستان کو دیا ہے۔ ایک جگہ رات کے دس بجے ایک جگہ دن کے دس بجے۔ اور بلغار کی خبر مشہور ہے اور فقہ کی کتاب میں ہے کہ اہل بلغار پر صلوۃ عشاء واجب نہیں ہے، مغرب کے بعد فجر ہوجاتی ہے۔

الغرض جس پر ماہ رمضان حاضر ہوئے پھر اس پر روزہ واجب کس طرح ہوتا ہے؟ کیونکہ وجوبِ صوم کا سبب حاضر ماہ رمضان میں ہونا، یا ماہ رمضان میں پانا ہے اور ہرگاہ مشرق میں رویتِ ہلال ہوا ہے، اہلِ مغرب حاضر ماہِ رمضان نہیں ہے پھر وہاں کی خبر سے روزہ کس طرح واجب ہوگا؟ مثلاً: اگر ایک ملک میں وقتِ ظہر ہوا ہے اور دوسرے ملک میں وقت فجر ہوا ہے، اگر کوئی خبر ظہر کی وہاں سے لاوے تو اس وقت دوسرے ملک کے

---

(۱) (سورۃ البقرۃ: ۱۸۵)

باشندوں پر ظہر پڑھنا واجب ہوگا یا فجر پڑھنا واجب ہوگا؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ امام شعرانی رحمہ اللہ تعالیٰ وغیرہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مسائل کے ماخذ قرآنی اور حدیث اور قیاس اور اجماع ہے۔ الغرض رویتِ ہلال کے بارے میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی کیا دلیل ہے کہ رویتِ ہلال کے مسئلہ کے مطابق شریعتِ غراء اور ملتِ بیضاء ہے؟ دلائل سے مزین فرماویں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ کہنا کہ علمائے مجتہدین سب کے سب رویتِ ہلال رمضان شریف کے بارے میں متفق ہیں کہ اختلافِ مطالع سے حکم صوم مختلف ہوجاتا ہے، ان کے مذہب سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ ان کے مذاہب کی تفصیل یہ ہے:

"نیل المآرب" فقہ حنبلی میں لکھا ہے:

"يجب صوم رمضان برؤية هلاله على جميع الناس، و حكم من لم يره حكم من رآه، ولو اختلفت المطالع، اه".(۱)۔فقہ حنبلی کی دوسری کتاب "الروض المربع" میں اور زیادہ واضح طور پر ہے:

"إذا رآه أهل بلد: أى متى ثبتت رؤيته ببلد، لزم الناس كلهم الصوم، لقوله عليه السلام: "صوموا لرؤيته". وهو خطاب للأمة كافةً، فإن رآه جماعة ببلد، ثم سافروا لبلد بعيد، فلم ير الهلال به في الشهر، أفطروا" اهـ(۲). یہ تو حنابلہ کا مذہب ہوا۔

(۱) "قوله: (وإذا رأى الهلال أهل بَلَدٍ، لزم الناس كلهم الصوم).

لاخلاف في لزوم الصوم على من رآه، وأما من لم يره، فإن كانت المطالع متفقةً، لزمهم الصوم أيضاً، وإن اختلفت المطالع، فالصحيح من المذهب لزوم الصوم أيضاً.

قدمه في الفروع، والفائق، والرعاية، وهو من المفردات. وقال في الفائق: والرؤية ببلد تلزم المكلفين كافةً .... وقال في الرعاية الكبرى: يلزم من لم يره حكم من رآه .... قوله: ويقبل في هلال رمضان قول عدل واحد". (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف: ۲۷۳/۳، كتاب الصيام، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المغني، كتاب الصيام: ۵/۳، دارالفكر بيروت)

(۲) (الروض المربع، كتاب الصوم: ۱۳۷/۱، دارالكتب العلمية بيروت)

فقہ مالکیہ کی "شرح کبیر الدردیر" میں ہے: "عم الصوم سائر البلاد قریباً أو بعيدًا، و لا يراعى في ذلك مسافة قصر، ولا اتفاق المطالع و لا عدمها، فيجب الصوم على كل منقول إليه (إن نقل) ثبوته (بهما): أى بالعدلين أو بالمستفيضة (عنهما): أى عن العدلين، اهـ"(۱)۔

یہ مالکیہ کا مسلک ہوا۔ اور حنفیہ کا قولِ راجح معلوم ہی ہے۔

پس معلوم ہوا کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہ کرنے میں ائمۂ ثلاثہ متفق ہیں، حنفیہ منفرد نہیں۔ شافعیہ البتہ اختلافِ مطالع کا اعتبار کرتے ہیں (۲)، لیکن ان کے یہاں بھی یہ تفصیل ہے:

"و ثبتت الرؤية في حق من لم يره: أى ممن مطلعه موافق مطلع محل الرؤية، بأن يكون غروب الشمس والكواكب و طلوعها في البدلين في وقت واحد، فإن غرب شيء من ذلك، و طلع في أحد البلدين قبله في الآخر أو بعدُ، لم يجب علىٰ من لم يره برؤية البلد الآخر، حتى لو سافر من أحد البلدين فوجدهم صائمين أو مفطرين، لزم الشهر موافقتهم، سواء في أول الشهر أو اخره. و هذا أمر مرجعه إلى طول البلد و عرضها، سواء قربت المسافة أو بعُدت، و لا نظر إلى مسافة القصر و عدمها، نعم! متى حصلت الرؤية للبلد الشرقي لزم رؤيته في البلد الغربي، و عليه كما في مكة المشرفة و مصر المحروسة، فيلزم من رؤيته بمكة لا في عكسه، اهـ". حاشیة شرح اقناع (۳)۔

---

(۱) (الشرح الكبير، بابٌ ذُكر فيه حكم الصيام وما يتعلق به: ۱/۵۱۰، دارالفكر بيروت)

(۲) "و أما الشافعية فقالوا: إذا رُؤى الهلال ببلد لزم حكمه البلد القريب لا البعيد، بحسب اختلاف المطالع في الأصح، و اختلاف المطالع لا يكون في أقل من أربعة و عشرين فرسخاً". (الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/۱۶۵۹، المطلب الثالث اختلاف المطالع، رشيديه)

(۳) "ما وجدنا حاشية شرح الإقناع، لكنّ الأستاذ الدكتور وهبة الزحيلي بيّن تفصيل هذه المسئلة في مذهب الشافعية حيث قال: "وإذا لم نوجب على البلد الآخر وهو البعيد، فسافر إليه من بلد الرؤية من صام به، فالأصح أنه يوافقهم وجوباً في الصوم آخراً، وإن كان قد أتم ثلاثين؛ لأنه بالانتقال إلى بلدهم صار واحداً منهم فيلزمه حكمهم .... الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۶۵۹، كتاب الصيام، المطلب الثالث اختلاف المطالع، رشيديه)

تو درحقیقت ائمۂ ثلاثہ ایک طرف ہیں اور شافعیہ ایک طرف۔ شیخ محمد بن عبدالرحمٰن دمشقی شافعی "رحمة الامة فی اختلاف الأئمة" میں لکھتے ہیں:

"واتفقوا على أنه إذا رُئی الهلال فی بلد رؤيةً فاشيةً، فإنه يجب على سائر أهل الدنيا، إلاأن أصحاب الشافعی صححوا أنه يلزم حكمه أهل البلد القريب دون البلد البعيد، اهـ "(۱)۔

یہاں تک تو مذاہب معلوم ہوئے، رہا دلائل کا قصہ: سومقلد عامی کو دلائل کی ضرورت نہیں، نہ دلائل اس کی سمجھ میں آئیں گے اور نہ کچھ نفع ہوگا، بلکہ عجب نہیں کہ قصورِ فہم اور عدمِ علم کی بنا پر کچھ الجھن پیدا ہو، لہذا اس کے امام نے قرآن وحدیث کو سامنے رکھ کر جو مسائل استخراج کئے ہیں ان پر عمل کر لینا کافی ہے، البتہ اہلِ علم کو اگر تحقیق اور اضافۂ معلومات کا شوق ہو تو ان کے لئے دلائل کا ذخیرہ کتب میں کافی موجود ہے۔ جن شافعیہ نے اختلافِ مطالع کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے آیت سے استدلال نہیں کیا، بلکہ حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے استدلال کیا ہے:

میں اولاً آیت کا مطلب لکھتا ہوں، اس کے بعد حدیث کے متعلق عرض کروں گا:

اس میں شک نہیں کہ روزہ کی فرضیت موقوف ہے شہودِ شہرِ رمضان پر: ﴿فمن شهد منكم الشهر فليصمه﴾، مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ رؤیتِ ہلال پر موقوف ہے: "صوموا لرؤيته". الحديث(۲)۔

---

(۱) (رحمة الأمة فی اختلاف الأمة، كتاب الصيام، ص: ۹۴، مصطفىٰ البابی الحلبی، مصر)

(۲) "عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ذكر رمضان، فضرب بيديه، فقال: "الشهر هكذا وهكذا" ثم عقد إبهامه فی الثالثة: "صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن أغمی عليكم فاقدروا له ثلثين".

"عن أبی هريرة رضی الله تعالىٰ عنه أن النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غمی عليكم فأكملوا". (الصحيح للإمام مسلم: ۱/۳۴۷، كتاب الصيام، باب وجوب صوم رمضان لرؤية الهلال والفطر لرؤية الهلال الخ، قديمی)

(وصحيح البخاری: ۱/۲۵۶، كتاب الصوم، باب قول النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا رأيتم الهلال فصوموا وإذا رأيتموه فأفطروا"، قديمی) .... =

اس لئے جمع کی صورت یہ ہے کہ شہو دِشہر کو موقوف کیا جائے رؤیتِ ہلال پر، اب رویتِ ہلال کی دو صورتیں ہیں: یا تو ہر شخص کے حق میں خود اسی کی رؤیت معتبر ہو، کسی دوسرے کی رؤیت کافی نہ ہو، تب تو اندھے ضعیف البصر، مستورات جو کسی بلند مقام سے پہلی شب کو چاند نہ دیکھ سکیں، ابر وغبار ودخان والی جگہ کے رہنے والے یہ سب لوگ صوم سے مستثنیٰ ہوجائیں گے، بعض کچھ وقت کے لئے، بعض مدت العمر کے لئے۔اس کا بطلان تو بدیہی اور مجمع علیہ ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ بعض کی رؤیت سب کے حق میں معتبر اور کافی ہوجائے (بشرطیکہ شرعی طریق پر قابلِ قبول شہادت حاصل ہوجائے) یہی حق ہے۔اب جس کو بھی رؤیت کا علم (شرعی شہادت سے) حاصل ہوگیا۔دیکھنے والے کی طرح اس کے حق میں بھی شہودِشہر ہوگیا۔

یہ کہنا کہ "مشرق کی رؤیت سے (باوجود شرعی شہادت پہنچنے کے) مغرب میں شہودِشہر نہیں ہوا" غلط ہے، جس طرح نزدیک کی شہادت پر شرعی احکام نافذ ہوتے ہیں اسی طرح دور کی شہادت پر بھی جاری ہوتے ہیں، دور ونزدیک کی تفریق حدود وقصاص (جن کو ادنیٰ سے شبہ کی بنا پر ساقط کردینے کا حکم ہے) میں بھی نہیں، بلکہ شریعت میں اس کی نظیر ملنا دشوار ہے۔

پس مذہبِ حنفیہ نصِ قطعی یا حدیث یا اجماع یا قیاس سے بالکل خلاف نہیں، بلکہ عین موافق ہے۔

التفسیر تبصیر الرحمٰن میں ہے:"﴿فمن شهد﴾: أي علم ﴿منكم الشهر﴾ باسكتمال شعبان أو برؤية عدل الهلال ﴿فليصمه﴾ اهـ(۱)۔ صاوی شرح جلالین میں ہے:﴿فمن شهد منكم الشهر﴾ إن كان المراد به الأيام، فالمعنى: شهد بعضه، وإن كان المراد به الهلال فالمعنى: علمه، إما أن يكون رآه أو ثبت عنده، اهـ"(۲)۔

اس مسئلہ میں غیر مقلدین کے امام علامہ شوکانیؒ بھی حنفیہ کے ساتھ ہیں، وہ حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب دیتے ہیں۔حدیثِ کریب جس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، یہ ہے:

= (وجامع الترمذي، أبواب الصوم، باب ماجاء أن الصوم لرؤية الهلال والإفطار له، سعيد)

(۱) لم اجده

(۲) (حاشية الصاوي على تفسير الجلالين: ۱/۱۱۲، دارالكتب العلمية بيروت)

"حدثنا موسى بن إسماعيل، نا إسمعيل يعنى ابن جعفر، أخبرنى محمد بن أبى حرملة، أخبرنى كريب رضى الله تعالىٰ عنه: أن أم الفضل ابنة الحارث بعثته إلى معاوية بالشام، فقال: قدمت الشام فقضيت حاجتها، فاستهل رمضان وأنا بالشام، فرأينا الهلال ليلة الجمعة، ثم قدمت المدينة فى اخر الشهر، فسألنى ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، ثم ذكر الهلال، فقال:" متى رأيتم الهلال"؟ قلت: رأيته ليلة الجمعة. قال:" أنت رأيته"؟ قلت: نعم، و رآه الناس وصاموا وصام معاوية. قال:" لكنا رأيناه ليلة السبت، فلا نزال نصومه حتى نكمل الثلاثين أو نراه". فقلت:" أفلا نكتفى برؤية معاوية و صيامه"؟ قال: لا، هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم"(١).

علامہ شوکانی نے لکھا ہے کہ:"واعلم أن الحجة إنما هى فى المرفوع من رواية بن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما، لا فى اجتهاده الذى فهم عنه الناس. والمشار إليه بقوله: "هكذا أمرنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم". وهو قوله: "فلا نزال نصوم حتى نكمل ثلاثين". والأمر الكائن من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم هو ما أخرجه الشيخان وغيرهما بلفظ: "لاتصوموا حتى تروا الهلال، و لا تفطروا حتى تروه، فإن غُمّ عليكم فأكملوا العدة ثلثين". و هذا لا يختص بأهل ناحية على جهة الانفراد، بل هو خطاب لكل من يصلح له من المسلمين، فالاستدلال به على لزوم رؤية أهل بلد لغيرهم من أهل البلاد أظهرُ من الاستدلال به على عدم اللزوم؛ لأنه إذا رآه أهل بلد، فقد رآه المسلمون، فيلزم غيرهم ما لزمهم.

ولو سُلّم توجه الإشارة فى كلام ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما إلى عدم لزوم رؤية أهل بلد اخر، فكان عدم اللزوم مقيداً بدليل العقل، وهو أن يكون بين القطرين من البُعد ما يجوز معه اختلاف المطالع، و عدم عمل ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما برؤية أهل الشام مع عدم البُعد الذى يمكن معه الاختلاف عمل بالاجتهاد، و ليس بحجة. و لو سُلّم عدم لزوم التقييد بالعقل، فلا يشك عالم أن الأدلة قاضية بأن أهل الأقطار يعمل بعضهم بخبر بعض و شهادته فى

(١) (سنن أبى داؤد: ١/٣٢٦، باب: إذا رؤى الهلال فى بلد قبل الآخرين بليلة، إمداديه ملتان)

جميع الأحكام الشرعية، والرؤية من جملتها. و سواء كان بين القطرين من البُعد ما يجوز معه اختلاف المطالع أم لا، فلا يقبل التخصيص إلا بدليل، ولو سلم صلاحية حديث كريب رضي الله تعالىٰ عنه هذا للتخصيص، فينبغي أن يقتصر فيه على محل النص إن كان النص معلوماً، أو على المفهوم منه إن لم يكن معلوماً لوُروده على خلاف القياس.

ولم يأت ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما بلفظ النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم و لا بمعنى لفظه، حتى تنظر في عمومه وخصوصه، إنما جاء نا بصيغةٍ مجملةٍ أشار بها إلى قصةٍ هي عدم عمل أهل المدينة برؤية أهل الشام على تسليم أن ذلك المراد، و لم نفهم منه زيادةً على ذلك، حتى نجعله تخصيصاً لذلك العموم، فينبغي الاقتصار على المفهوم من ذلك الوارد على خلاف القياس، و عدم الإلحاق به، فلا يجب على أهل المدينة العمل برؤية أهل الشام دون غيرهم، و يمكن أن يكون في ذلك حكمة لا نعقلها، اهـ"(۱)۔

معلوم ہوا کہ حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ علامہ شوکانیؒ کے نزدیک بھی قابلِ استدلال نہیں اور حنفیہ جو جوابات دیتے ہیں ان کو، نیز حنفیہ کے نقلی و عقلی استدلالات کو مفصلاً دیکھنا ہو تو "أوجز المسالك شرح موطأ إمام مالك" جلد ثالث دیکھئے (۲)۔

اوقاتِ صلوٰۃ اور بلغار کا تذکرہ سوال میں استطراداً آیا ہے، اصل مقصود، رویت ہلالِ رمضان کا ہے اور استدلال آیت: ﴿فمن شهد منكم الشهر﴾ اور حدیث کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ پس نفسِ مسئلہ اور اس کا استدلال اچھی طرح واضح ہوگیا اور حدیثِ کریب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھی بقدرِ ضرورت جواب دیدیا گیا۔ امورِ استطرادیہ کو بھی بالقصد اگر دریافت کرنا ہو تو تحریر کیجئے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۲/۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۲/ ذی الحجہ/ ۵۸ھ۔ صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (نيل الأوطار للشوكاني: ۴/۲۶۸، ۲۶۹، باب الهلال إذ رآه أهل بلدة هل يلزم بقية البلاد الصوم، دار النشر والتوزيع مكة المكرمة)

(۲) (أوجز المسالک، باب ماجاء من الروايات والآثار في رؤية الهلال: ۳/۳-۵۱، إداره تاليفات أشرفيه، ملتان)

رؤیتِ ہلال اور کتاب القاضی الی القاضی کی تفصیل

سوال[۴۷۶۳] : ۲۹/ رمضان المبارک/ ۶۹ھ، یوم یکشنبہ کوخیرآباد مطلع پراَبرمحیط تھا، اس لئے چاند نظر نہ آسکا اور اطراف ونواح سے شہادت بھی نہ گزری، البتہ لکھنؤ میں ثبوت رؤیت ہوجانے کی وجہ سے ۱۲/ بجے شب کو وہاں عید کا اعلان کردیا گیا۔ سیتاپور (جو خیرآباد کا ضلع اور یہاں سے پانچ میل دور ہے) کے ذمہ دار حضرات نے فون سے معلوم کرکے رات ہی کو بذریعۂ موٹر دوثقہ آدمی روانہ کردیئے جوعلی الصباح مفتی صاحب فرنگی محلی کی تحریر لے آئے جس کی بناپر سیتاپور میں عید کا اعلان کردیا گیا۔ خیرآباد میں جہاں کا نظامِ افتاء سیتاپور سے علیحدہ ہے، جب صبح ۶/ بجے خبر ہوئی تو مفتی خیرآباد نے دوآدمی فوراً لکھنؤ روانہ کئے جو چار بجے شام کی ٹرین سے مفتی صاحب فرنگی محل لکھنؤ کا خط لائے جس کے بعد فوراً روزہ توڑنے کا اعلان کردیا گیا۔ وقت نہ ہونے کی وجہ سے نماز دوسرے روز ادا کی گئی۔

یہاں سے لوگوں کو اس بات پر اصرار تھا کہ سیتاپور کے اعلان پر یہاں بھی اعلان کردیا جائے، لیکن یہاں کے مفتی نے اس وجہ سے کہ لکھنؤ کے مفتی صاحب کا خط خاص سیتاپور کے مفتی صاحب کے نام تھا ناقابلِ عمل سمجھتے ہوئے عید کا اعلان نہیں کیا، اس لئے کہ کتبِ فقہ میں تصریح کردی گئی ہے کہ جب خط عام نہ ہو، مکتوب الیہ کے علاوہ دوسرے کے لئے قابلِ عمل نہیں ہوسکتا، اس کے باوجود لوگوں کی بڑی تعداد نے روزہ توڑ دیا اور چند نفوس نے نماز بھی پڑھ لی، شرعی ثبوت حاصل ہونے کے بعد اعلان کی قطعاً پرواہ نہ کی۔

اس سلسلہ میں حسبِ ذیل امور دریافت طلب ہیں:

۱...... کتاب القاضی الی القاضی جب کہ کسی خاص قاضی کے نام ہو دوسرے کے لئے قابلِ عمل اس وقت ہوسکتی ہے جب کہ مکتوب الیہ کے نام کے بعد عموم کردیا گیا ہو جیسا کہ درمختار اور شامی میں ہے: "و كذا بموت المكتوب إليه و خروج من الأهلية"۔ قال الشامي: " إلا إذا عمم بأن قال: إلى فلان قاضي بلد كذا و إلى كل من يصل إليه كتابي هذا من قضاة المسلمين و حكامهم"(۱)۔

یہ عموم صرف اسی شہر کے لئے ہے جہاں کے لئے خط لکھا گیا ہے، یا جس جگہ بھی یہ خط مع ان گواہوں کے پہونچ جائے کافی ہے؟ نیز "و حكامهم" سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے ذمہ دار حضرات کو بھی وہی درجہ

---

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار : ۴۳۸/۵، كتاب القضاء ، باب كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

حاصل ہے جو قاضی کو ہے جب عموم کر دیا جائے۔

۲..... سیتاپور کے مفتی صاحب کے پاس لکھنؤ کے مفتی کی جو تحریر آئی ہے، اب اگر سیتاپور کا مفتی کسی دوسرے مقام کے مفتی کے پاس دو گواہوں کے ساتھ ایک تحریر اس مضمون کی بھیجے کہ "لکھنؤ کے مفتی کی تحریر میرے پاس بشہادتِ شاہدین آگئی ہے جس میں یہ درج ہے کہ لکھنؤ میں شہادتِ رویتِ ہلال گزر گئی ہے"۔ اب دوسرے مقام کے مفتی کے لئے سیتاپور کے مفتی کی یہ تحریر- جو ثبوتِ رؤیت پر نہیں، بلکہ جس مفتی کے پاس ثبوت رؤیت ہوا ہے اس کی تحریر کی تصدیق ہے- قابلِ عمل ہو سکتی ہے یا نہیں؟

پھر یہ سلسلہ تیسرے مفتی تک محدود رہے گا، یا تیسرے کو چوتھے علی ہذا القیاس سلسلہ بسلسلہ مفتیوں کو تحریر روانہ کرنے کا حق باقی رہے گا اور سب مکتوب الیہ عمل کرنے کے مجاز ہوتے رہیں گے؟ کتب فقہ میں کوئی اس کی نظیر یا جزئیہ نظر سے نہیں گزرا۔ اگر یہ صورت جائز ہے تو بحوالۂ کتاب تحریر فرمایا جائے۔

۳..... فتاویٰ شامی میں ہے:"و عن أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ: إن كان في مكان لو غدا لأداء الشهادات لا يستطيع أن يبيت في أهله، صح الإشهاد و الكتابة"(۱)۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر سوال نمبر:۲ کی بنا پر لکھنؤ کی تحریر پر سیتاپور کا مفتی دوسرے مقام کے مفتی کو لکھ سکتا ہے اور وہ اس پر عمل کا مجاز ہے تو خیرآباد یا کوئی دوسرا مقام جو سیتاپور سے اس مقدار مسافت سے کم ہے جس کا عبارتِ مذکورہ بالا میں بیان ہے تحریر بھیجنے کی کیا صورت ہوگی؟ نیز خود اگر سیتاپور میں شہادت علی الرؤیۃ گزر جائے تو خیرآباد کا مفتی وہاں کے مفتی کے بیان پر کس طرح عمل کرے؟ جب کہ قولِ مفتی بہ مسافتِ مذکورہ کتاب القاضی الی القاضی کے لئے ضروری ہے، قال في الدر المختار:"وجوّزهما الثاني إن بحيث لا يعود في يومه، وعليه الفتوىٰ"(۲)۔ یہ بھی تحریر فرمائیے کہ شہادت علی القضاء کے لئے تو مسافت شرط نہیں ہے؟

۴..... مفتی خیرآباد نے اعلانِ عید کے بارے میں لکھنؤ کے آدمیوں کی واپسی تک توقف کیا۔ یہ فعل شرعاً صحیح تھا یا غلط؟ اور بغیر اس کے محض سیتاپور کی عید کا حال معلوم کر کے اعلان عید کر دینا (جب کہ یہاں کا نظامِ افتاء

---

(۱) (ردالمحتار: ۵/۴۳۷، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب في دفتر البياع و الصراف والسمسار، سعيد)

(۲) (الدر المختار: ۵/۴۳۷ كتاب القضاء، باب كتاب القاضي إلى القاضي، سعيد)

جداگانہ ہے) جائز تھا یا نہیں؟

۵...... خیرآباد کے جن لوگوں نے شرعی ثبوت کا انتظار کئے بغیر روزہ توڑ ڈالا، یا نماز عید ادا کی، یہ گنہ گار ہوئے یا نہیں؟ اور نماز صحیح ہوئی یا اعادہ ضروری ہے؟

۶...... خیرآباد کے بعض لوگ جو اپنی ملازمت یا دوسری ضرورت سے سیتاپور گئے ہوئے تھے وہاں کے اتباع میں انہوں نے نماز بھی ادا کی، روزہ بھی توڑا۔ اس میں کوئی حرج تو نہیں ہے؟

۷...... بعض باشندگانِ خیرآباد خاص طور سے نماز ادا کرنے کے لئے سیتاپور گئے، ان کا یہ فعل کیسا ہے؟ خیرآباد کی اتباع ضروری تھی یا سیتاپور جانا صحیح تھا؟

۸...... پاکستان اور حیدرآباد میں ۲۹/ کی رؤیت رمضان کی ہوئی تھی یعنی یہاں سے ایک روز قبل روزہ رکھا تھا، بعض لوگ جو وہاں موجود تھے عید کے لئے یہاں آ گئے تو یہاں تیسویں کو ان کا اکتیسواں روزہ پڑ رہا تھا، اس لئے انہیں روزہ رکھنا چاہئے تھا یا ترک کر دینا چاہئے تھا؟

۹...... رؤیتِ ہلال میں تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی اطلاع معتبر ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ پاکستان چونکہ مسلم سلطنت ہے اس لئے وہاں کا ریڈیو معتبر ہونا چاہئے؟

۱۰...... اگر جس قاضی کے پاس شہادت گزری ہے، مفتی خود جائے یا اپنا نائب بنا کر بھیج دے، تب بھی شاہدین کی ضرورت ہوگی، قاضی خود آ کر مفتی سے زبانی کہہ دے کہ میرے پاس شہادت گزر گئی اور میں نے تسلیم کر لی۔ بلا شہادت یہ قول صحیح ہے یا نہیں؟

۱۱...... سیتاپور جہاں کتاب القاضی الی القاضی کے اصول پر عید ہوئی ہے رؤیت سے نہیں ہوئی ہے، اگر وہاں سے مختلف جماعتیں خیرآباد آ کر عید ہونا بیان کر دیں یا خیرآباد کی مختلف جماعتیں وہاں جا کر دیکھ آئیں اور مفتی سے آ کر عید کا ہونا بیان کریں تو یہ امر خیرآباد میں عید کا حکم دینے کے لئے کافی ہے یا نہیں جب کہ فقہاء نے مجرد شیوع کو بے اصل قرار دیا ہے؟

۱۲...... عید میں جب شہادت مستور غیر معتبر ہے تو باہر کے آئے ہوئے لوگوں کی گواہی کیسے مانی جائے کیونکہ وہ مستور الحال ہیں؟ حالانکہ شہادتِ اہل الشرق لاہل الغرب کو رؤیت میں معتبر مانا گیا ہے، اگر عیدین کا ثبوت باب شہادت سے ہے تو پھر خبر مستفیض جہاں عدالت بھی ضروری نہیں، صرف تعداد کافی ہے کیونکہ معتبر

ہے؟ نیز ریڈیو اور ٹیلیفون کی خبر- جب کہ متعدد جگہوں سے ہو یا ریڈیو کا نظام جب کہ مسلمان عملہ کی زیرنگرانی ہو-
کیوں غیر معتبر ہے؟

۱۳......اگر ہلالِ رمضان محض ایک عادل سے ثابت ہوا ہے تو تیس دن پورے کر کے بغیر چاند دیکھے ہوئے عید کرنا جائز ہے یا نہیں، خصوصاً جب کہ مطلع صاف ہو اور تیس کو چاند نظر نہ آئے؟ بینوا توجروا۔

پوری توجہ اور غور وفکر کے بعد جواب تحریر فرمایئے گا، معاملہ بہت اہم اور وقت نازک ہے۔ مورخہ ۲۲/شوال/ ٦٩ھ۔

رشید احمد بھینڈھ ضلع حیدرآباد، سندھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آج کل شرعی قاضی تو یہاں موجود نہیں اور مفتی و قاضی میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے، یعنی اول مخبرِ حکم ہے اور ثانی ملزم ہے، جس جگہ حاکمِ ملزم نہ ہو وہاں مفتی کا فتویٰ ہی عامی کے حق میں بمنزلۂ حکمِ حاکم کے ہے، اس بناء پر مفتی کی تحریر کو کتاب القاضی کا حکم دیا جاتا ہے: "و لا فرق بين المفتي والحاكم إلا أن المفتي مخبر بالحكم والقاضي ملزم به، اهـ". شرح عقود رسم المفتي(۱)۔

۱.... اگر قاضیٔ کاتب نے کسی خاص قاضی مکتوب الیہ کے نام خط لکھ کر عموم کر دیا ہو تو تمام قضاۃ وحکام کے لئے وہ قابلِ عمل ہے، اگر ابتداءً ہی عموم کر دیا ہو تب بھی قاضی القضاۃ امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ قابلِ عمل ہے اور بہت سے مشائخ کے نزدیک بھی وہ قابلِ عمل ہے، یہ ہی اوجہ ہے، اسی پر عمل ہے۔ مسائلِ قضاء وشہادت میں امام ابویوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ دیا جاتا ہے:

"إلا إذا عمّم بعد تخصيص اسم المكتوب إليه بخلاف مالو عمّم ابتداءً، وجوزه الثاني، وعليه العمل، خلاصه، اهـ". درمختار۔

"(قوله: بخلاف ما لو عمم) بأن قال: إلى كل ما يصل إليه كتابي هذا من قضاة المسلمين و حكامهم. (قوله: وجوزه الثاني)، و كذا الشافعي وأحمد، فتح. (قوله: وعليه العمل) قال الزيلعي: واستحسنه كثير من المشايخ، و في الفتح: وهو أوجه؛ لأن إعلام

(۱) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۲۷، سعيد)

المكتوب وإن كان شرطاً فبالعموم يُعلم كما يعلم بالخصوص، و ليس العموم من قبيل الإجمال والتجهيل، فصار قصديته و تبعيته سواء. نهر، اهـ". شامی(۱)۔

"وفي القنية من باب المفتي: الفتوىٰ على قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ فيما يتعلق بالقضاء .... زادفي شرح البيرى على الأشباه: إن الفتوىٰ علىٰ قول أبي يوسف رحمه الله تعالىٰ أيضاً في الشهادات، اهـ". شرح عقود رسم المفتي(۲)۔

اگر کسی خاص شہر کے قضاۃ کومکتوب الیہم قرارنہیں دیا، بلکہ عموم رکھا ہے تو کسی خاص شہر کی تعیین نہیں ہوگی اورمفتی کی طرح ہروہ شخص اس صورت میں مکتوب الیہ سمجھا جائے گا جس کی طرف عوام ایسے مسائل میں رجوع کرتے ہوں اوروہ ذمہ دارہو، بشرطیکہ شہادتِ شرعیہ کے ساتھ یہ تحریراس کے پاس پہونچ جائے۔

۲...... یہ جزئیہ اوراس کی نظیریں کتب فقہ میں موجود ہیں: "و يجوز للقاضي المكتوب إليه أن يكتب كتاباً إلى قاضي آخر إذا تعذر حضوره عنده، و كذا للمكتوب إليه ثانياً أن يكتب إلى اخر ما لا يتناهي؛ لأن الشهادة الواقعة عند الأول صارت منقولةً إلى المكتوب إليه حكماً، فصاروا كأنهم شهدوا عنده حقيقةً، فجاز له أن ينقلها إلى غيره، إذِ الحاجةُ إلى نقلها مراراً ماسةٌ، و هي المجوزة للنقل، اهـ". زيلعي شرح كنز(۳)۔

"[فرع]: لو سمع الخصم بوصول كتاب القاضي إلى قاضي بلدة، فهرب إلى بلدة أخرىٰ، كان للقاضي المكتوب إليه أن يكتب إلى قاضي تلك البلدة مما ثبت عنده من كتاب

---

(۱) (رد المحتار: ۴۳۷/۵، باب كتاب القاضي إلى القاضي، مطلب في دفتر البياع والصراف والسمسار، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۸۷/۴، باب كتاب القاضي إلى القاضي، إمداديه ملتان)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۶۷/۲، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، بيروت)

(۲) (شرح عقود رسم المفتي، ص: ۱۱۱، مطلب في قواعد الترجيح التسعة، الفتوى على قول أبي يوسف في القضاء و ما يتعلق بها، مير محمد كتب خانه)

(۳) (تبيين الحقائق: ۱۰۵/۵، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دارالكتب العلمية بيروت)

القاضی، کما جوّزنا للأول الکتابة نجوّز للثانی والثالث و هلم جراً للحاجة، اهـ". فتح القدیر(۱)۔

۳......امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ظاہر الروایۃ کے خلاف ہونے کے باوجود ان کے قاضی ہونے کی بنا پر مفتی بہ قرار دیا گیا ہے، لیکن امام محمد رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرط نہیں لگائی اور بعض فقہاء نے امام محمد رحمہ اللہ علیہ کے قول کو اختیار کیا ہے:

"ثم لا بد من مسافة بین القاضیین حتی یجوز کتاب القاضی. و اختلفوا فی تلك المسافة، منهم من قال: هی معتبرة بالشهادة علی الشهادة، وهی مسیرة ثلاثة أیام فی ظاهر الروایة. وعن أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ أنه إن کان فی مکان لو غدا لأداء الشهادة لا یستطیع أن یبیت فی أهله، صح الإشهاد. وعن محمد رحمه الله تعالیٰ أنه تجوز الشهادة علی الشهادة، وإن کان الأصل صحیحاً فی المصر. و ذکر الکرخی رحمه الله تعالیٰ فی اختلاف الفقهاء: أن کتاب القاضی إلی القاضی مقبول وإن کان فی مصر واحد، فکأنهما اعتبراه بالتوکیل، و فی الظاهر اعتبر بالعجز، اهـ". زیلعی(۲)۔

"فی الخصاف: وروی عن محمد أنه قال فی مصرٍ فیه قاضیان فی کل جانب قاضی، یکتب أحدهما إلی الآخر کتاباً: یقبل کتابه، ولو أتی أحدهما إلی صاحبه فأخبره بالحادثة بنفسه، لم یقبل قوله؛ لأن فی الوجه الأول کان الأول خاطبه فی موضع القضاء وفی الثانی خاطبه فی غیر موضع القضاء، اهـ". شامی(۳)۔

اس قول کی بنا پر مسافتِ مذکورہ فی الدر المختار سے کم کی صورت میں بھی تحریر قابلِ عمل ہوسکتی ہے۔

(۱) (فتح القدیر: ۷/۲۹۵، کتاب القاضی إلی القاضی، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) (تبیین الحقائق: ۵/۱۰۳، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۳) (حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق: ۵/۱۰۳، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، دار الکتب العلمیة بیروت)

(و کذا فی رد المحتار: ۵/۴۳۷، کتاب القضاء، باب کتاب القاضی إلی القاضی وغیره، مطلب فی دفتر البیاع والصراف والسمسار، سعید)

۴...... مفتی خیرآباد کا عمل صحیح رہا، روزہ توڑنا جائز نہیں تھا۔

۵...... یہ روزہ توڑنا اور عید پڑھنا خلافِ شرع ہوا، پھر اگر کسی نے یہ سمجھتے ہوئے نمازِ عید پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت نہیں ہوا تو اس کو آئندہ روز جب کہ اَور آدمیوں نے ثبوت ہونے پر پڑھی ہے ان کے ساتھ پڑھنا چاہیے، پہلی دفعہ کا پڑھنا کافی نہیں اور اگر یہ سمجھتے ہوئے پہلی دفعہ پڑھی ہے کہ عید کا ثبوت ہوگیا تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں: "صلى الفرض و عنده أن الوقت لم يدخل، فظهر أنه كان قد دخل، لا يجزيه؛ لأنه عنده إن فعله غير جائز، اهـ". کبیری(۱)۔

۶...... نہیں، کوئی حرج نہیں۔

۷...... ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔

۸...... ایسے لوگوں کو روزہ رکھنا چاہیے جیسے کہ اگر کوئی شخص عید کا چاند دیکھ لے، مگر اس کا قول قبول نہ کیا جائے تو اس کو عید کرنا درست نہیں بلکہ روزہ رکھنا چاہیے، تاہم اگر روزہ نہیں رکھا یا رکھ کر توڑ دیا تو کفارہ لازم نہیں (۲)۔

۹...... جن مسائل میں شہادتِ شرعیہ ضروری ہے ان میں تار، ریڈیو، ٹیلفون کی اطلاع معتبر نہیں خواہ پاکستان سے یہ اطلاع آئے خواہ عربستان سے۔ اور جن مسائل میں خبر بھی کافی ہے، ان میں اگر متعدد تار، ریڈیو، ٹیلفون کی اطلاع سے ظنِ غالب حاصل ہوجائے تو ان مسائل میں معتبر ہے خواہ پاکستان سے اطلاع ملے خواہ کسی اَور جگہ سے۔ پاکستان کی اسلامی حکومت کا ہندوستان پر ایسے مسائل میں کوئی اثر نہیں جیسے کہ عرب وغیرہ کی حکومت کا کوئی اثر نہیں۔

۱۰...... جواب نمبر: ۳ کے اخیر میں شلبی کی عبارت منقولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر قاضی خود آکر دوسرے قاضی سے معاملہ بیان کرے تو اس کا قول قبول نہیں، والعلة مذكورة ثَمّ۔

۱۱...... جب کہ خیرآباد کا نظامِ افتاء جداگانہ ہے، سیتاپور کے ماتحت نہیں تو صورتِ مسئولہ میں عید کا حکم

---

(۱) (الحلبي الكبير، الشرط الرابع، ص: ۲۲۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۲) "(رأى) مكلف (هلال رمضان أو الفطر ورد قوله) بدليل شرعي (صام) مطلقاً وجوباً، وقيل: ندباً". (الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۴، سعيد)

صحیح نہیں۔

۱۲......جی ہاں! مستور الحال کی شہادت رؤیتِ ہلالِ عید کے متعلق معتبر نہیں، شاہد کا عادل ہونا ضروری ہے، خواہ وہ مقامی ہو خواہ باہر سے آنے والا ہو، جو فائدہ شہادت سے حاصل ہوتا وہ فائدہ خبرِ مستفیض سے بطریقِ اتم حاصل ہوجاتا ہے، اس لئے یہاں بھی خبرِ مستفیض معتبر ہے:

"فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ" درمختار۔ "كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهدا على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". شامی(۱)۔

"وقُبل بلا علةٍ جمعٌ عظيم يقع العلم الشرعي، وهو غلبة الظن بخبرهم، اهـ". درمختار۔ "(قوله : وقبل بلا علة): أى إن شرط القبول عند عدم علة فى السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما، اهـ. (قوله: و هو غلبة الظن)؛ لأنه العلم الموجب للعمل، اهـ". شامی(۲)۔

ریڈیو اور ٹیلیفون اور تار کی شہادت کا نہ ہونا تو ظاہر ہے، دو چار خبریں اگر آ بھی جائیں تو وہ حدِ استفاضہ تک نہیں پہونچتی، ریڈیو کا نظام مسلمان عملہ کے زیرِ نگرانی اگر ہو تب بھی اس کو شہادت کا درجہ نہیں دیا جاتا (۳) "لأن النغمة تشبه النغمة" ہر مسلمان عادل مقبول الشہادۃ ہی نہیں ہوتا۔

۱۳......ایسی صورت میں عید کرنا جائز نہیں: "وإذا تم العدد: أى عدد رمضان ثلاثين بشهادة فرد برؤيته، و لم ير هلال الفطر، والسماء مصحية، لايحل الفطر اتفاقاً على ما ذكره شمس الأئمة، و يعزر ذلك الشاهد، كذا فى الدر. و فى التجنيس: إذا لم ير هلال شوال، لا يفطرون حتى يصوموا يوماً اخر. و قال الزيلعي: والأشبه أن يقال: إن كانت السماء مصحيةً لايفطرون

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار : ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم ، مطلب فى اختلاف المطالع، قبيل باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، سعيد)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار : ۲/۳۸۷-۳۸۸، كتاب الصوم ، مطلب: ماقاله السبكي من الاعتماد على قول الحساب مردود، سعدى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/۱۹۸، الباب الثانى فى رؤية الهلال، رشيديه)

(۳) (سيأتى تخريجه تحت عنوان "ٹیلیفون کی خبر کا حکم")

لظهور غلطه، و إن كانت متغيمةً يفطرون لعدم ظهور الغلط، اهـ". مراقی الفلاح(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ذی قعدہ/ ۶۹ھ۔

ہلالِ رمضان وعید کے لئے ریڈیو کی خبر

سوال[۴۷۶۴]: اسلامی سلطنت میں خواہ والی ملک کی جانب سے یا مسلمانانِ شہر کی جانب سے ایک محکمہ رؤیتِ ہلال کے متعلق ایسا قائم کیا جائے کہ جب چاند ۲۹/ کا نظر آ جاوے تو وہ بڑے بڑے شہروں میں تار یا ریڈیو کے ذریعہ خبر پہونچادیں اور اس تار یا ریڈیو کی خبر معتبر سمجھی جا کر روزہ رکھیں یا روزہ افطار کریں یا عید کریں۔لہذ اعلمائے کرام سے عرض ہے کہ کیا اس محکمہ کی تار یا ریڈیو کی خبر از روئے شرع معتبر سمجھی جائے گی اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا شرعاً درست ہوگا؟ جو حکم ہو تحریر فرمادیں۔بینوا توجروا۔

المستفتی: بابو عبدالغفور غزالی بیاوری، ڈونگری والے بیاور، ضلع اجمیر شریف۔

الجواب حامداً مصلياً:

اگر وہ محکمہ رؤیتِ ہلال کی شرعی طور پر تحقیق کر کے والی ملک کے امر سے تار یا ریڈیو کے ذریعہ رؤیت کا اعلان کردے تو خاص اس شہر میں نیز ان مقامات میں جو اس شہر کے تابع ہوں جیسے قرب وجوار کے قصبات اس اعلان کا اعتبار کر کے عمل کرنا شرعاً درست ہے(۲)، جو شہر یا قصبات اس کے تابع نہیں، وہاں یہ اعلان کافی نہیں، جیسے ایک قاضی کی قضا دوسرے قاضی کے شہر میں نافذ نہیں ہوتی۔جن مقامات پر اس اعلان کو معتبر مانا جائے گا وہاں بھی بہت سے علماء کے نزدیک شرط یہ ہے کہ اس کی صحت وصدق کا غلبۂ ظن حاصل ہو، حکومت کی طرف سے اس کا انتظام ضروری ہے کہ کوئی اور شخص ایسی جعلی کاروائی نہ کرنے پائے:

---

(۱) (مراقی الفلاح علی نور الإيضاح، ص: ۶۵۵، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمی)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثانی فی رؤية الهلال، رشيديه)

(و كذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۹۸، الفصل الأول فی رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) (سيأتی تخريجه تحت عنوان "ریڈیو کی خبر کب معتبر ہے؟")

"فی تعبير المصنف كغيره "بالظن" إشارة إلى جواز التسحر والإفطار بالتحرى، وقيل: لا يتحرى فى الإفطار وإلى أنه يتسحر بقول عدل، و كذا بضرب الطبول، واختلف فى الديك. وأما الإفطار، فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنىٰ، و ظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلاً صدقه، كما فى الزاهدى، وإلى أنه لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانّين أنه يوم العيد، وهو لغيره لم يكفّروا، كما فى المنية، قهستانى.

قلت: و مقتضى قوله: لا بأس بالفطر بقول عدل صدقه أنه لا يجوز إذا لم يصدقه، و لا بقول المستور مطلقاً، و بالأولىٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث فى زماننا، لاحتمال كونه لغيره، و لأن الغالب كون الضارب غير عدل، فلا بد حينئذ من التحرى فيجوز؛ لأن ظاهر مذهب أصحابنا جواز الإفطار بالتحرى، كما نقله فى المعراج عن شمس الأئمة السرخسى؛ لأن التحرى يفيد غلبة الظن، و هى اليقين، كما تقدم. فلو لم يتحر، لا يحل له الفطر لمافى السراج وغيره: لو شك فى الغروب لا يحل له الفطر؛ لأن الأصل بقاء النهار، اهـ".

"وفى البحر عن البزازية: و لا يفطر مالم يغلب على ظنه الغروب، وإن أذن المؤذن، اهـ. و قد يقال: إن المدفع فى زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن الموقت يذهب إلى دار الحكم اخر النهار، فيعين له وقت ضربه و يعينه أيضاً للوزير وغيره، وإذا ضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير و أعوانه للوقت المعين، فيغلب على الظن لهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الإفساد، و إلا لزم تأثيم الناس، وإيجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم، فإن غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحر و لا غلبة ظن"(١)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/ ۶۷ھ۔

---

(١) (رد المحتار: ٢/٤٠٧، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، مطلب فى جواز الإفطار بالتحرى، سعيد)

(و كذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٥، كتاب الصوم، الباب الأول فى تعريفه و تقسيمه، رشيديه)

(و كذا فى المحيط البرهانى: ٢/٥٤٤، الفصل الأول فى بيان وقت الصوم و ما يتصل به، غفاريه)

یہ حکم محض اعلان کا ہے جیسے بھنگی کے ذریعہ حکومت کوئی اعلان کرادیتی ہے نفسِ ثبوت رؤیت یا شہادت کے حق میں سب طریقہ شرعاً معتبر نہیں۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟

سوال [۴۷۶۵]: مؤدبانہ التماس ہے کہ آپ ہند و بیرونِ ہند مسلمانوں کے دینی معاملات میں رہبرِ اکبر مانے جاتے ہیں اور مسلم قوم کو دینی امور میں آپ پر کامل بھروسہ ہے، اس لئے آپ کو بھی یہ سمجھنا اور دیکھنا ہوگا کہ بوقت موجودہ ایک مسئلہ سامنے آیا ہے، آج کے حالات میں اس کو ٹھیک طریقہ سے سمجھانے کا کیا راستہ اختیار کیا جائے؟ اگر وقت کو نہیں سمجھایا گیا اور مسائل دینی کو پندرہ سو سال پرانے طور پر ہی سلجھانے کی کوشش کی تو اس طرح عوام کا اطمینان حاصل کرنا مشکل ہو جائے گا۔ ساتھ میں یہ کہنا نہیں چاہتا کہ زمانہ کو دیکھ کر آپ نمازوں کے اوقات گھٹادیں، زکوۃ کم کردیں، ایک آدھ بار شراب کی چھوٹ دیدیں، یا ایک بیوی تک شادی کا مسئلہ طے کردیں، اس لئے کہ بنیادی چیزوں پر تبدیلی کی توجہ دلانا بھی دینِ محمدی سے انحراف ہے، لیکن جہاں احادیث کے مسائل ہیں وہاں وقت کی ضرورت کو سمجھ کر مسائل حل کرنا ضروری ہے، میرا مقصد رؤیتِ ہلال سے ہے، چاند دیکھ کر روزہ رکھنا اور چاند دیکھ کر عید کرنا مسئلہ ہے، لفظ ''دیکھنے'' کی بات چیت کہی گئی ہے۔

اس وقت انسان کے پاس جو ذرائع تھے وہ صرف دیکھنے کے تھے، اللہ تعالیٰ کی طویل وعریض زمین اور اس پر طلوع وغروب کی حالت ایک ملک سے دوسرے ملک کے جداگانہ ہے اور اس اعتبار سے دیکھ کر عمل کرنا بہترین ضابطہ ہے، لیکن آج وقت نے ایسی تبدیلیاں کھڑی کی ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ لاسکی پیغامات تک ہم نے جو دلیلیں چاند کے معاملے میں آپ کے سامنے رکھی تھیں وہ لائق قبول نہیں، اس لئے عوام میں تار اور ٹیلیفون ایجاد ہونے تک بھی بحث نہیں چھڑی، لیکن یکایک برقی بے تار طاقت نے ایک نیا ماحول سامنے رکھدیا ہے اور وہ ہے ٹیلی ویژن، ریڈیو۔ ان آلوں نے ملکوں اور قوموں کی موت وبقاء تک اپنا دسترس حاصل کرلیا ہے۔

اگر مشرقی بنگال میں کوئی حادثہ ہوا تو اس کی خبر فی الوقت دینے والے یہی آلے اور انہیں جیسی برقی طاقت کے آلے ہیں جن پر بھروسہ کر کے دفاع یا حملہ وغیرہ کا انتظام ہوتا رہتا ہے، کیا ان سے انکار کرنا اللہ تعالیٰ

کے انعامات سے منکر ہونا نہیں ہے؟ اگر مسلمان کسی شئ کو حاصل نہ کر سکا تو کیا اس بنا پر ان انعامات کو جھٹلانا، ان میں تاویلیں پیدا کرنا مناسب ہے؟ ہمارے علماء میں کثرت ان کی ہے جو دینِ محمدی کو محض ایک گھیرے میں دکھا کر عوام کو اس سے باہر جانے نہیں دینا چاہتے، لیکن ان علماء کو جھٹلانے سے کثرت والی پارٹی کیا عوام میں مقبول ہوگی جنہوں نے علامہ اقبال کی اور مولانا ابوالکلام آزاد وغیرہ جیسے دقیق مطالعہ نے زمین کے ساتھ آسمانوں تک انسان کی دسترس کو قرآن حکیم سے ثابت کیا ہے، قرآن حکیم کے ان رازوں کی عقدہ کشائی کی ہے جن کو سمجھنے میں علماء کی عقل نے ساتھ نہیں دیا؟

نشر و اشاعت پر ہندوستان میں بھی اختیار دے رکھا ہے، جہاں مسلم حکومتیں ہیں وہاں سب آپ ہی ہیں پھر کیا سبب ہے کہ آپ ایران، پاکستان، مکہ، مدینہ، انڈونیشیا اور دیگر اسلامی ممالک کے بذریعہ ریڈیو کے اس اعلان کی مخالفت کرتے ہیں جو رمضان المبارک کے چاند سے بطور خاص متعلق ہے؟ اور اگر اس کتاب کے مضمون کو پڑھا جائے جو ''فتاویٰ دارالعلوم دیوبند'' کے نام سے موسوم ہے اور جو حضرت مفتی اعظم عزیز الرحمن صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب نے لکھی ہے۔ اور جہاں '' کشف الظنون فی حکم الخط والتلفون '' کی سرخی دیکھ کر ہلال پر بہت وقت صرف کرنے کے بعد بھی حق اور ظاہر پر قطعی فیصلہ نہ کر کے عوام کو الجھن میں ڈالا ہے، ایسے مضامین جن کے پڑھنے کے بعد بھی انسان قطعی فیصلہ پر نہ پہونچے کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

کیا شہادت زیادہ قابلِ یقین ہے؟ جب کہ وہ شاہد جس کی تعریف کی گئی ہے اس جمہوری دور میں غائب ہیں جیسے کبھی نہ تھے اور کیا اسلامی ممالک کے ریڈیو کی نشریات پر شبہ ظاہر کرنا مناسب ہے؟ علماء کے رویہ سے مسلم عوام کس طرح مستفید ہوں؟ نتیجہ یہ ہے کہ ہر سال دو دو دن مسلمانوں کے رمضان اور عید ہو رہی ہے گویا اس طرح تفریق کی دعوت دی جا رہی ہے۔ بہتر ہو کہ آپ اتنی اتنی چھوٹی بات سے مسلمانوں کو دو اور تین روز تک علیحدہ علیحدہ رمضان اور عید کے جھگڑے سے بچائیں اور اس ریڈیو پر اظہار اطمینان کریں جو ملکوں اور قوموں کے تحفظ کی ڈیوٹی دے رہے ہیں۔ فقط والسلام۔

نوٹ: اگر طبیعت پر ناراضگی آئے تو حقائق پر نظر رکھ کر معاف فرمائیں۔

محمود خان قصبہ تال۔

باسمه سبحانه تعالیٰ!

الجواب حامداً و مصلیاً:

دینِ اسلام اور اس کے بنیادی احکام وہی ہیں جو پندرہ سو سال پہلے عطا ہوئے اور احکم الحاکمین نے زبردست سند عطا فرمائی: ﴿أليوم أكملت لكم دينكم و أتممت عليكم نعمتي و رضيت لكم الإسلام ديناً﴾ (۱) نیز ارشاد فرمایا: ﴿و من يبتغ غير الإسلام ديناً فلن يقبل منه، وهو في الأخرة من الخاسرين﴾ (۲)۔ جس کی تفصیلات وتشریحات حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے احادیث میں فرمائی ہیں۔

الحمدللہ ثم الحمدللہ آپ بنیادی طور پر پختگی سے قائم ہیں اور کسی ترمیم کے روادار نہیں، بلکہ ترمیم کو دین سے انحراف تصور کرتے ہیں، اللہ پاک مزید استقامت عطا فرمائے۔ اتنا تو ذہن نشین رکھیں کہ نئے مسائل کو حل کرنے کے لئے اصل بنیادیں تو وہی ہیں جن پر پندرہ سو سال گزر چکے، حق تعالیٰ نے ان بنیادوں میں ایسی گہرائی رکھی ہے کہ نئے مسائل کے لئے ان سے خوب روشنی ملتی ہے اور علمائے امت نے ہمیشہ اسی روشنی سے نئے مسائل کو حل کیا ہے، ٹرین پلین میں نماز (۳)۔ ایک نماز مثلاً: مغرب پڑھنے کے بعد جب ہوائی جہاز سے سفر کیا، دیکھا

---

(۱) (المائدة: ۳)

ترجمہ: ''آج کے دن تمہارے لئے دین کو میں نے کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارے دین بننے کے لئے پسند کر لیا''۔ (بیان القرآن)۔

(۲) (آل عمران: ۸۵)

ترجمہ: ''اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کریگا، وہ اس سے مقبول نہ ہوگا اور وہ آخرت میں تباہ کاروں میں ہوگا'' (بیان القرآن)۔

(۳) اس کی نظیر فقہائے کرام نے یہ بیان کی ہے کہ ایسی سواری جسے جانور کھینچ کر لے جائے اور اس کا کوئی حصہ جانور کے جسم پر رکھا ہوا نہ ہو، کو ''سریر'' یعنی تخت کے درجے میں رکھا ہے اور بلاعذر اس پر نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے: ''أما الصلوٰة على العجلة، إن كان طرف العجلة على الدابة، وهي تسير أو لا تسير، فهي صلوٰة على الدابة، تجوز حالة العذر، ولا تجوز في غيرها. وإن لم يكن طرف العجلة على الدابة، جاز، وهي بمنزلة الصلوٰة على السرير''. (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۱۷۱، باب صلاة المسافر، رشیدیه)

کہ آفتاب موجود ہے تو اس وقت اس پڑھی ہوئی نماز کا حکم اور وہاں غروب ہونے پر دوبارہ پڑھنے کا حکم (۱)،

---

(۱) مفتی نظام الدین دامت برکاتہم فرماتے ہیں: "نام رسولُ الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فی حجر علی رضی الله تعالیٰ عنه حتی غربت الشمس، فلما استیقظ ذکر له أنه فاتته الصلوة فقال: "اللهم إنه کان فی طاعتک وطاعة رسولک فارددها علیه". فرددت حتی صلی العصر، فکان ذالک بخیبر". (شامی: ۱/ ۳۶۰، سعید)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں وقت کو خاص اہمیت حاصل ہے جب ہی تو ان کے لئے سورج کا اعادہ کرایا گیا ہے۔ وقت کی اسی اہمیت کی بناء پر فقہاء نے اس کو سببِ وجوب کہا ہے جیسا کہ مشہور ہے: "وسببها أو قاتها عند الفقهاء". (البحر الرائق) لیکن اگر ایسا ہے تو واقعۂ دجال کے متعلق کیا کہا جائے جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر وقت ایک سال تک بھی نہ آئے تو نمازیں برابر تقدیر واندازہ کے ساتھ ادا کی جاتی رہیں گی.......... علماء کا ایک طبقہ اس طرف گیا ہے کہ وقت سببِ وجوب نہیں ہے، صرف علامت ہے، محقق ابن الہمام علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں: "جعل علامةً علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الأمر" (فتح القدیر) .... ان وجوہات کی بنا وقت کو سببِ وجوب قرار دینا خدشہ سے خالی نہیں۔ اگر وقت سببِ وجوب نہیں تو کیا اس کو علامت سمجھا جائے جیسا کہ محقق ابن ہمام کی رائے ہے، وہ فرماتے ہیں: "کجعل الوقت علامةً علی الوجوب الخفی الثابت فی نفس الأمر" .... البتہ وقت کو علامت تسلیم کرنے سے ایک اور مسئلہ اٹھ کھڑا ہوتا ہے کہ ہوائی جہازوں کے مذکورہ بالا حالات میں وجوبِ نماز کا علم کس طرح حاصل ہو، علامہ شامیؒ نے اس کا حل تجویز فرمایا کہ: "إنا لا نسلم لزوم وجوب السبب حقیقةً بل یکفی تقدیره کما فی أیام الدجال". (شامی: ۱/ ۳۶۶) .... بنابریں احقر کی رائے یہ ہے کہ ہم خواہ چاند پر ہوں یا راکٹ اور ہوائی جہاز میں یا لینین گراڈ اور ماسکو میں ہر جگہ ہم کو ۱۲/ گھنٹے کے دن اور ۱۲/ گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الأوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہئیں۔

الجواب .... وبالله التوفیق

جناب کا تحریر کردہ جواب بغور پڑھا، جناب نے خلاصہ جواب جو اخیر میں بایں الفاظ: "ہم خواہ چاند پر ہوں، یا راکٹ میں ہوں، یا ہوائی جہاز میں، یا لینین گراڈ یا ماسکو میں ہر جگہ کو ۱۲/ گھنٹے کے دن اور ۱۲/ گھنٹے کی رات کے معتدل نظام الأوقات کے مطابق نمازیں ادا کرنی چاہئیں" تحریر فرمایا، اسے ہمیں پورا اتفاق اور وہ بالکل صحیح ہے.......... نماز پنجگانہ میں اصل علت وجوب حکم باری تعالیٰ عز اسمہ ہے اور وہ حکم ان اوقات پنجگانہ میں متوجہ ہوتا ہے، لیکن انتہائی خفی ہوتا ہے، اس لئے اس پر شریعتِ غراء اور دربارِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام نے کچھ اسباب وعلامات مقرر فرما کر رہبری فرمادی ہے جن سے حکم خداوندی (جو اصل علت وجوب ہے) کا پتہ چل جاتا ہے اور امتثال امر سہل ہوجاتا ہے۔

پھر بعض کتبِ مذہب میں جو اوقات کو سبب اور بعض میں علامت ذکر کیا گیا ہے، ان میں نزاع حقیقی نہیں ہے، محض تعبیر=

پیٹرول سے کپڑے دھونے کا حکم (۱)، انجکشن کے ذریعہ جانوروں کو گابھن کرانے اور عورتوں سے بچہ پیدا کرانے کا حکم (۲) وغیرہ وغیرہ سارے ہی مسائل کا حل کیا ہے جس کی وجہ سے یہ سب مسائل بھی دائرے کے اندر آ گئے ہیں، دائرہ سے خارج نہیں۔

حق تعالیٰ نے زندگی کے مختلف شعبوں کے احکام کو بیان کر کے قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ارشاد فرمایا ہے: ﴿تلك حدود الله﴾ اوران حدوداللہ سے خارج ہونے پر ارشاد فرمایا ہے: ﴿و من يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه﴾ (۳)۔ رہا عوام کا اطمینان، ان بیچاروں میں اتنی صلاحیت اور استعداد کہاں ہے کہ مسائلِ شرعیہ کی گہرائی تک پہونچ سکیں۔ اکثریت کا فیصلہ کوئی شرعی فیصلہ نہیں ہوتا: ﴿وإن تطع أكثر من في الأرض يضلّوك عن سبيل الله، إن يتبعون إلا الظن﴾ الآية (٤)۔

= وعنوان کا فرق ہے"۔ (نظام الفتاویٰ: ۱/ ۵۲، ۵۷، رحمانیہ)

"قوله: في حديث: "صوموا لرؤيته" بخلاف أوقات الصلوة) فيه أن الخطاب عام أيضاً في أوقات الصلوة مع أنه اعتبر فيها كل قوم بحسبها مثلاً الدلوک جعله الله تعالىٰ سبباً للظهر، وعلّق وجوبه به، ومع ذالک إنما خوطب كل قوم بالدلوک الواقع عندهم لا بما عند غيرهم". (تقريرات الرافعي علي ردالمحتار، كتاب الصوم: ۲/ ۱۴۸، سعيد)

وقت کو نماز میں ایک خاص اہمیت حاصل ہے یہاں تک کہ بعض علماء کے نزدیک وجوبِ صلوۃ کے لئے سبب ہے، چنانچہ ان کے ہاں جن مقامات میں اوقاتِ صلوۃ نہ پائے جاتے ہوں، ان پر نماز فرض نہیں اور نماز کو دوبارہ پڑھنے میں کوئی قباحت بھی نہیں لہٰذا احتراماً للوقت وموافقةً للمسلمين غروب ہونے پر دوبارہ مغرب کی نماز پڑھی جائے اگر چہ اس کا فریضہ مکمل ادا ہو چکا ہے۔ (فضل مولی ابن القاضی)

(۱) "ويجوز تطهيرها بالماء، وبكل مائع يمكن إزالتها كالخل وماء الورد". (الهداية: ۱/ ۵۴، باب الأنجاس، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۲) "انجکشن کے ذریعے توالد و تناسل اس میں کوئی ایسی ضرورت نہیں کہ اس پر انسان کا وجود اور اس کی بقاء موقوف ہو، اس لئے مذکورہ طریقہ کار یقیناً اسلامی اصول کے خلاف ہے"۔ (جدید فقہی مسائل: ۱/ ۱۵۲، ٹیسٹ ٹیوب سے تولید کے احکام)

(۳) (الطلاق: ۱) **ترجمہ:** "اور جو شخص احکام خداوندی سے تجاوز کرے گا، اس نے اپنے اوپر ظلم کیا"۔ (بیان القرآن)۔

(۴) (الأنعام: ۱۱٦) **ترجمہ:** "اور دنیا میں زیادہ لوگ ایسے ہیں کہ اگر آپ ان کا کہنا ماننے لگیں، تو وہ آپ کو اللہ کی راہ سے بے راہ کر دیں، وہ محض بے اصل خیالات پر چلتے ہیں اور بالکل قیاسی باتیں کرتے ہیں"۔ (بیان القرآن)۔

پورے انتظامات اہل اسلام کے ہاتھ میں ہونے کے باوجود بھول چوک غلطی سے تحفظ کا کیا اطمینان ہے، چند سال ہوئے پاکستان میں مولانا احتشام صاحب نے ریڈیو کو ایک تقریر ریکارڈ کرائی تھی جس میں اہل پاکستان کو عید کی مبارک باد اور پھر اس کے متعلق ہدایات دی تھیں، ریڈیو کے ذمہ داروں کو غلط فہمی ہوئی، انہوں نے رؤیتِ ہلال سے پہلے ہی اس کو نشر کردیا جس سے تمام پاکستان میں ہیجان پیدا ہوگیا، پھر ریڈیو کو اپنی غلطی پر معذرت کرنے کی نوبت آئی۔

اسمبلی میں یہ مسئلہ زیر بحث آیا کہ ریڈیو سے آنے والی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ ان لوگوں نے اس پر اطمینان نہیں کیا۔ عدالتوں، کچہریوں (میں) ریڈیو اور ٹیلیفون سے شہادت نہیں قبول کی جاتی، شاہد خود حاضرِ عدالت ہو یا پھر اس کے پاس کمیشن جائے تب وہ شہادت معتبر ہوتی ہے، شرعاً بھی پسِ پردہ کی شہادت معتبر نہیں: "النغمة تشبه بالنغمة" (۱)۔ کوئی شخص اپنی تحریر بذریعہ ڈاک بھیج دے وہ بھی شرعاً کافی نہیں: "الخط يشبه الخط" (۲)۔

جن بلادِ اسلامیہ کا آپ نے تذکرہ کیا ہے، کیا ان میں ٹیلی ویژن کی شہادت پر مقدمہ فیصل کردیا جاتا ہے؟

چاند کا نکلنا سب مقامات پر بیک وقت نہیں ہے، بلکہ اس میں قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے، کہیں ایک دن پہلے طلوع ہوتا ہے، کہیں دو دن پہلے۔ اگر شرعی اصول کے مطابق ایک ملک میں چاند کی رؤیت ثابت ہوجائے اور دو عادل شاہد بذریعہ ہوائی جہاز ایسے ملک میں آکر شہادت دیں جہاں اس روز اٹھائیس تاریخ ہو تو شاہدوں کے عادل وثقہ ہونے کے باوجود ان کی شہادت قابلِ سماعت نہیں ہوگی۔

شہادت کے لئے محل ہونا ضروری ہے، اس کا محل یوم الشک ہے، یعنی ۲۹/ تاریخ اور ۲۸/ تاریخ کو تو شہادت لی بھی نہیں جائے گی، نہ شاہد کا ذب قرار دیا جائے گا۔ اگر چار آدمی عادل معتبر کسی شخص کے متعلق گواہی دیں کہ ہم نے اس کو زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے، لیکن تفتیش سے معلوم ہوا کہ وہ شخص مجبوب ہے یعنی اس کے پاس

---

(۱) (الفتاوی العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الثاني: ۳/۴۵۲، رشيديه)
(وكذا في الهداية مع فتح القدير، كتاب الشهادة: ۷/۳۸۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)
(۲) (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب: لا يعتمد على الخط إلا في مسائل: ۴/۴۱۳، سعيد)
(وكذا في فتح القدير، كتاب الشهادة: ۷/۳۸۷، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

آلہ ہی موجود نہیں بلکہ مقطوع ہے تو ان شاہدوں کی وجہ سے اس شخص کو سنگسار نہیں کیا جائے گا، نہ شاہدوں پر حدّ قذف جاری ہوگی (۱)۔

آفتاب غروب ہونے پر مغرب کا وقت ہوجاتا ہے، مغرب کی نماز کا پڑھنا فرض ہوجاتا ہے، اگر ٹیلی ویژن سے معلوم ہوا کہ فلاں مقام پر آفتاب غروب ہوگیا تو کیا اس کی وجہ سے ایسی جگہ پر بھی نماز کا حکم کیا جائے گا جہاں سورج سامنے ہو؟ اسی طرح ٹیلی ویژن کے ذریعہ رؤیتِ ہلال ثابت ہونے پر کیا دو روز پہلے حج کا بھی حکم کردیا جائے گا؟

یہ چاند سورج کا اختلاف قدرت کا پیدا کیا ہوا اختلاف ہے جو رہتی دنیا تک باقی رہے گا اور جو مسائل چاند و سورج سے متعلق ہیں ان میں بھی اختلاف ظاہر ہوکر رہے گا، اس کے متعلق یہ کہنا کہ ''علماء تفریق کی دعوت دیتے ہیں'' یہ سوءِ ظن ہے، یا مسائل سے عدمِ واقفیت پر مبنی ہے۔

اطمینانِ قلبی حاصل ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک یہ کہ اسلام کے بنیادی اصول کی گہرائی تک آدمی پہونچ جائے تو وہ بہت جلد سمجھ جائے گا کہ یہ مسئلہ کس اصل پر مبنی ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قلب میں اسلام اور اس کے احکام کی انتہائی عظمت ہو تب اطمینان حاصل ہوتا ہے، لیکن اگر ہر شخص اپنی عقل کی کسوٹی بنا کر ہر مسئلہ کو اس پر پرکھنے کی کوشش کرے یا دوسروں کو دعوت دے تو اس کی سعی لا حاصل ہے، عقلاً، شرعاً، عرفاً کسی طرح بھی درست نہیں اور جن لوگوں نے ایسا کیا ہے وہ کبھی صراط مستقیم پر قائم نہیں رہے ''ضلوا فأضلوا''۔ ممکن ہے کہ آپ کے سامنے بھی اس کے کچھ نمونے ہوں، ممکن کیا ضرور آپ کے سامنے بھی نمونے ہیں۔

جو شخص تحقیقِ حق کے لئے مسئلہ دریافت کرے اس پر ناراض ہونا بے محل ہے، اگر چہ وہ حقیقت سے ناواقف ہو، نامناسب بھی لکھدے تو وہ معذور ہے، اس کا علاج ناراضگی نہیں بلکہ نرمی وشفقت سے افہام وتفہیم ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ افہام وتفہیم میں کوئی جملہ سائل کے مزاج کے خلاف آگیا ہو تو اس کے لئے معذرت خواہ ہوں، معاف فرمائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۱/۱۱/۸۸ھ۔

---

(۱) ''ولو شهدوا على زناها ولكن هي بكر ...... لم يُحدّ أحدٌ، وكذا لو شهدوا على زناه فوجدوه مجبوباً''. (الدر المختار، كتاب الحدود، باب الشهادة على الزنا: ۴/۳۳، سعيد)

ٹیلیفون کی خبر کا حکم

سوال[۴۷۶۶]: ۱......خبرِ ٹیلیفون جب کہ کسی معتبر شخص کی طرف سے ہو مفید ظن ہے اور غلبۂ ظن عمل کے لئے حجت ہے، پس خبرِ ٹیلیفون جب کسی معتمد علیہ عالم کی طرف سے ہو اس پر صوم و افطار درست ہے یا نہیں؟

۲......فقہ کی کتابوں میں کتاب القاضی إلی القاضی کو مشابہ خطاب القاضی الی القاضی بنا کر حجت مانتے ہیں تو ٹیلیفون قاضی شہر، مثلاً یہ قاضی کو ہاٹ خود جو کہ بعینہ خطاب القاضی الی القاضی ہے کیونکر حجت نہ ہوگی؟

۳......اختلافِ مطالع کے اعتبار اور عدمِ اعتبار کے تحت میں قولِ فقہاء کہ:"فیلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب" کا محمل اگر خبرِ ٹیلیفون قرار دیا جائے تو اس میں کیا خرابی یا مخالفتِ روایات ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......محض ٹیلیفون کی خبر پر صوم و افطار درست نہیں۔

۲......کتاب القاضی الی القاضی کو شرعاً معاملات میں حجت مانا ہے نہ کہ جمیع امور میں اور یہ بھی خلافِ قیاس حجت ہے۔ اور اس کے لئے جس قدر شروط ہیں کیا تمام ٹیلیفون میں موجود ہیں؟:

"يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي صار حجةً شرعاً في المعاملات، بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل ويزوّر، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجةً بالإجماع، و لكن إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، ومن جملة الشرائط: البينة، حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه، الخ". فتاویٰ عالمگیری:۳۸۱/۳(۱)۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳۸۱/۳، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون في كتاب القاضي إلى القاضي، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱۶۵/۲، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۹۶/۵، ۹۹، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۱۱۵/۹، فصل في شرائط القضاء، دارالكتب العلمية بيروت)

اس کے علاوہ اَور بھی شرائط ذکر کئے ہیں، ان میں سے کیا کیا شرطیں یہاں پائی جاتی ہیں؟ کم ازکم اس ایک شرط پر غور کرلیا جائے، کیا شرعی بینہ اس بات پر قائم ہے کہ یہ ٹیلیفون قاضیٔ شہر ہی دے رہے ہیں؟ ٹیلیفون کو خطاب بعینہٖ قرار دے کر حجت سمجھنا تفقہ سے بعید ہے:

وفي التبيين: "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لا حتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة" (١)، دیکھئے! پسِ پردہ آواز سن کر شہادت دینا درست نہیں، مگر اس شرط سے: "إلا إذا كان في الداخل وحده، و علم الشاهد أنه ليس فيها غيره، ثم جلس على المسلك، و ليس له المسلك غيره، فسمع إقرار الداخل و لا يراه؛ لأنه يحصل به العلم" (٢)۔

اس کے بعد بھی اگر شاہد نے قاضی کے یہاں پوری تفصیل وتفسیر کے ساتھ یہ شہادت دی تو قاضی قبول نہیں کرے گا: "و ينبغي للقاضي إذا فسر له أن لا يقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة" (٣)۔ پسِ پردہ سے اگر کوئی شخص بولے اور دو گواہ بھی اس کو دیکھ رہے ہیں اور کسی اَور شخص کے سامنے یہ دو شخص گواہی دیں کہ فلاں شخص نے ہمارے سامنے بولا ہے تو جس نے فقط پسِ پردہ سے آواز سنی ہے اس کو بغیر دیکھے محض آواز سن کر باوجود دو گواہوں کی گواہی کے اس بولنے والے کے متعلق گواہی دینا درست نہیں:

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لا يجوز أن يشهد عليها، إلا إذا كان يرى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، و شهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لا يجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رآى شخصها حال ماأقرت، فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها، اهـ". مجمع الأنهر: ١٩١/٢ (٤)۔

---

(١) (تبيين الحقائق: ١٢٠/٥، كتاب الشهادات، دار الكتب العلمية، بيروت)

(٢) (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

(٣) (تبيين الحقائق، المصدر السابق)

(٤) (مجمع الأنهر: ١٩١/٢، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ما سمعه أو رأه، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ١٥٨/١٠، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة =

۳.....خرابی یہ ہے کہ عبارتِ مذکورہ کے بعد کچھ اَور بھی عبارت ہے جس کو آپ نے کسی مصلحت کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ:

"إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، كما مر". اس کی شرح اس طرح کی ہے:

"كأن يتحمل اثنان الشهادة أو يشهد على حكم القاضي أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل البلد كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". رد المحتار: ۱/۱۴۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

آلاتِ جدیدہ سے رؤیتِ ہلال کا ثبوت

سوال[۴۷۶۷]: ۱.....ہمارے شہر دہرہ دون سے کوہ منصوری چودہ میل کے فاصلہ پر ہے، جہاں کی بلندی سے قدرتی طور پر چاند دیکھنے کی آسانی ہے، لہذا اگر منصوری کی جامع مسجد کا امام مع دیگر متشرع مسلمانوں کے ۲۹/ شعبان، ۲۹/ رمضان اور ۲۹/ ذیقعدہ کو دیکھ کر چاند ہونے کی اطلاع بذریعہ ٹیلیفون دے تو ممبرانِ رؤیتِ ہلال کمیٹی دہرہ دون ان کی رویت ہلال کو مستند سمجھ کر اعلانِ رؤیت ہلال کریں یا نہیں؟

۲.....اگر صدر رؤیتِ ہلال کمیٹی دہرہ دون اپنے کسی متشرع ممبر کو بغرضِ رؤیتِ ہلال منصوری بھیجے اور وہ ممبر مع دیگر مسلمانانِ منصوری چاند دیکھ کر ہمیں بذریعۂ ٹیلیفون اطلاع دیں تو اس پر عمل کیا جائے گا یا نہیں؟ یا وہ ممبر بذاتِ خود منصوری سے واپس دہرہ دون آکر چاند دیکھنا بیان کرے اور ثبوت میں امامِ جامع مسجد منصوری ودیگر مسلمانانِ منصوری کی تحریریں تصدیق کے ساتھ اور چاند دیکھنا بیان کرے تو ایسی صورت میں رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کی اعلان رؤیت ہلال کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

۳.....بذریعۂ تار یا خطوط دیگر اضلاع مثلاً: بمبئی، کراچی، مرادآباد، دہلی، سہارنپور سے رؤیت ہلال کی مستند خبر آئے تو کیا حکم ہے جب کہ تار دہندہ وخط نویسندہ جانتے بھی ہیں، یا دریافت کرنے پر انہوں نے تار دیا

= وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفاريه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۵/۴۶۸، كتاب الشهادات، سعيد)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۴، كتاب الصوم، قبيل باب ما يفسد الصوم، سعيد)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۱۴، فصل في رؤية الهلال، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، ۱۹۹، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

ہے یا خط لکھا ہے؟

۴......ریڈیو کے ذریعہ سے رؤیت ہلال کی خبر کا کیا حکم ہے؟

۵......اگر بعد تصدیقِ شرعی ممبرانِ رؤیت ہلال کمیٹی دہرہ دون کے اعلان کو امام عیدگاہ یا امام جامع مسجد قبول نہ کرے تو ایسی حالت میں ممبران رؤیت ہلال کمیٹی کیا کریں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ٹیلیفون کے ذریعہ سے اطلاع ملنے پر اگر چہ امام جامع مسجد نے اطلاع دی ہو اعلان اطلاع رؤیت ہلال کرنا شرعاً درست نہیں (۱)۔

۲......اس پر بھی عمل درست نہیں (۲)۔ وہ ممبر اگر ثقہ اور مقبول الشہادۃ ہے تو رمضان شریف کے چاند کے مطابق اس کا تنہا آکر شہادت دینا بھی کافی ہے جیسا کہ کوئی اَور ثقہ شہادت دیتا تو وہ کافی ہوتی (۳)، غیر رمضان کے لئے ایک شخص کی شہادت کافی نہیں ہوتی، ہاں! اگر جامع مسجد کے امام صاحب اور دیگر مسلمانان

---

(۱)" إذا سمعه من وراء الحجاب ، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".
(تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادات ، دار الكتب العلمية بيروت)

"قالوا: إذا سمع صوت امرأة من وراء الحجاب، لايجوز أن يشهد عليها، إلاإذا كان يرى شخصها وقت الإقرار. قال الفقيه أبو الليث: إذا أقرت امرأة من وراء حجاب، وشهد عنده اثنان أنها فلانة بنت فلان بن فلان، لايجوز لمن سمع إقرارها أن يشهد عليها، إلا إذا رأى شخصها حال ما أقرت، فحينئذ يجوز أن يشهد على إقرارها برؤية شخصها، لا رؤية وجهها". (مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل: يشهد بكل ما سمعه أورآه، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۵۷/۱، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها، والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئٹه)

(۲) (راجع رقم: ۱)

(۳) "إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحدعلى هلال رمضان مقبولة إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أو عبداً، ذكراً أو أنثى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱۹۶/۱، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲۱۵/۱، كتاب الصوم، مكتبه شركة علميه ملتان)

کم از کم شرعی دوشہادتیں قلمبند کرکے کم از کم دو معتبر مسلمانوں کے ہاتھ بھیجیں اور وہ اپنے ساتھ لکھوا کر بحفاظت لائیں تو پھر اعلانِ رؤیت درست ہوگا (۱)۔

۳......تار، یا بذریعۂ ڈاک سرکاری آئے ہوئے خطوط سے رؤیت درست نہیں، خواہ وہ تار یا خط مرسل نے ازخود روانہ کیا ہو، خواہ دریافت کرنے پر (۲)۔

۴......ریڈیو کے ذریعہ سے بھی شرعی شہادت حاصل نہیں ہوتی (۳)۔

۵......شرعی شہادت کا قبول کرنا واجب ہے، ممبرانِ کمیٹی کو چاہیے کہ امام عیدگاہ اور امام جامع مسجد کے سامنے اپنے ذرائعِ تصدیق بیان کریں، اگر وہ ان ذرائع میں کوئی شرعی نقص بتائیں تو ان کا تدارک کریں، اگر باوجود شرعاً قابل قبول ہونے کے وہ قبول نہ کریں اور کوئی شرعی نقص بھی نہ نکال سکیں تو پھر ممبران کو رؤیت ہلال کے احکام پر عمل کرنا چاہئے، مثلاً: اگر رمضان شریف کا چاند تھا تو روزہ رکھیں، مگر فتنہ وفساد سے حتی الوسع پرہیز کریں (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "وإذا كان بالسماء علة، لم يقبل في هلال الفطر إلا شهادة رجلين أو رجل و امرأتين". (الهداية: ۲/۲۲۵، فصل في رؤية الهلال، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۱۹۶، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "لا يعمل بالخط إلا في مسألة كتاب الأمان، و يلحق به البراء ات". (الدرالمختار). "عبارة الأشباه: لا يعتمد على الخط، و لا يعمل بمكتوب الوقف الذي عليه خطوط القضاة الماضين. قال البيري: المراد من قوله: (لا يعتمد): أي لا يقضي القاضي بذالک عندالمنازعة؛ لأن الخط ما يزوّر و يفتعل". (ردالمحتار: ۵/۴۳۵، كتاب القضاء، مطلب: لا يعمل بالخط، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۲۶، رقم الحاشية: ۱)

(۴) قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لاتصوموا حتى تروا الهلال، ولاتفطروا حتى تروه، فإن غمّ عليكم فاقدروا له". وفي رواية قال: "الشهر تسع وعشرون ليلةً، فلا تصوموا حتّى تروه، فإن غمّ عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلثين". (مشكوٰة المصابيح، ص: ۱۷۴، باب رؤية الهلال، قديمي)

ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟

سوال[۴۷۶۸] : امسال ہمارے یہاں مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا اور نہ بدلی کی وجہ سے اطراف ہی کے کسی گاؤں سے چاند دیکھنے کی اطلاع ملی، ریڈیو نے ملک کے مختلف حصوں میں چاند دیکھنے اور عیدالفطر کی نماز ادا کرنے کی اطلاع دی، ریڈیو پر اعتماد کر کے ہمارے گاؤں میں عید پڑھ لی گئی، کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ریڈیو کے اعتماد پر عید کی نماز پڑھنا شرعاً غلط ہے۔ اب جناب والا ہی بتائیں کہ ریڈیو پر اعتماد کر کے عید کی نماز ادا کرنا صحیح تھا یا غلط؟ اور اگر صحیح نہیں تھا تو کیا اس معاملہ میں کسی شکل سے بھی ریڈیو پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا؟ اگر اس سلسلہ میں کچھ تفاصیل ہوں تو تحریر فرمادیں تا کہ اس طرح کے موقع پر صحیح مسئلہ پر عمل کیا جاسکے۔ فقط۔

محمد طیب سلطانپوری۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر حاکم مسلم یا رؤیت ہلال کمیٹی جس کے افراد حدود شرع سے واقف اور متبع شریعت ہوں، ثبوت رؤیت کے بعد (شہادت لیکر) ریڈیو پر اعلان کرے یا اعلان کرائے اس طرح پر کہ ہم نے شہادت لی ہے اور رؤیت کا ثبوت ہو گیا ہے لہذا فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو اتنی دور تک کہ اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے اور ۳۱/ کا نہ ہو جائے، یہ اعلان شرعاً قابلِ تسلیم ہوگا جب کہ رؤیت یوم الشک یعنی ۲۹/ شعبان میں ہو اور مطلع نہ صاف ہو(۱)۔

---

(۱) "والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجةٌ موجبةٌ للعمل كما صرحوا به". (ردالمحتار: ۲/ ۳۸۶، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديو بندي رحمه الله: " البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے =

ایسے اعلان پر بھی عوام کو پیش قدمی نہیں چاہئے ، بلکہ ریڈیو کے اعلان کی پوری تفصیل ذمہ دار اہلِ علم کے سامنے رکھدیں، وہ تحقیق وتفتیش سے اطمینان کرلیں تو ان کی ہدایت پر عمل کریں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۷۶۹] : عید یا رمضان کے بارے میں ریڈیو کی خبر کا اعتبار ہے یا نہیں، اگر ہے تو کس صورت سے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۲۹/ شعبان کو اگر مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور متعدد ریڈیو سے چاند کی خبر آئے جس سے ظنِ غالب ہو جائے تو ثبوتِ رمضان کے لئے اتنا بھی کافی ہے، لیکن ثبوتِ عید کے لئے شہادت ضروری ہے، پس اگر ۲۹/ رمضان کو مطلع صاف نہ ہو اور چاند نظر نہ آئے اور مسلم حاکم یا رویتِ ہلال کمیٹی جو کہ ذی علم اور دیانتدار افراد وارکان پر مشتمل ہوں باقاعدہ شرعی شہادت حاصل کر کے اعلان کرے، یا ریڈیو پر اس طرح اعلان کرائے کہ فلاں مقام پر رویتِ ہلال کمیٹی کے پاس شرعی شہادت پہونچ گئی ہے اور رویت کا ثبوت ہو گیا ہے، اب وہ رویت ہلال کمیٹی اعلان کراتی ہے کہ کل فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو یہ اعلان اتنی دور تک معتبر ہوگا کہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا نہ رہ جائے یا ۳۱/ کا نہ ہو جائے (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی غفرلہ۔

اختلافِ رؤیتِ ہلال کا سوال

سوال[۴۷۷۰] : گذارش خدمت یہ ہے کہ پاکستان میں ہلال کمیٹی حکومت کی طرف سے قائم ہے، وہ کمیٹی بذریعۂ ریڈیو چاند دیکھنے کا اعلان کرے تو ہندوستان والوں کو ان کی خبر کو ماننا چاہیے یا نہیں؟

ہندوستان کے ریڈیو سے دہلی کے مقامی مفتی صاحب جو اعلان کرتے ہیں وہ قابلِ اعتبار ہے یا نہیں

=اس کو دیا ہے"۔(آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام،ص:۱۷۷،باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۴/ ۴۲۱، رویت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق ،سعید)

(۱) تقدم تخريجه تحت عنوان: "ریڈیو کی خبر کب تک معتبر ہے؟"

اوراس کو مانا جائے یا نہیں؟

اس زمانے میں جب کہ ریڈیو، ٹیلی فون کا زمانہ ہے، کوئی صحیح بات بتائی جائے جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جاسکے یا نہ کی جاسکے، نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان کمیٹی خواہ کراچی کی ہو یا لاہور کی، راولپنڈی اسلام آباد کی ہو، بذریعۂ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لئے قابلِ حجت بن سکتی ہے یا نہیں؟ اوراگر پاکستان کی خبر نشر کرکے لکھنؤ، کان پور، دہلی، حیدرآباد سے معلوم ہوتو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور نیز مطلع فرماویں کہ پہلا روزہ جمعہ کو ہوا، یا سنیچر کو ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چاند کے مسئلے میں گڑبڑ اوراختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی، قرونِ مشہود لہا بالخیر: خلافتِ راشدہ کے دَور میں بھی یہ رہا۔ اس اختلاف کوختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے، اس لئے کہ **پہلاسبب** اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی ۲۹/کونظر آتا ہے، کبھی ۳۰/کو۔ **دوسراسبب** یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ کا مطلع صاف نہیں رہتا، کہیں صاف، کہیں غبارآلود، اس لئے کہیں نظر آیا، کہیں نظر نہ آیا۔ **تیسراسبب** یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا، کبھی باریک کبھی موٹا۔ **چوتھا سبب** یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا، کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب، کبھی عینِ مغرب میں، کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی سب کی نظر ایک نہیں، کسی کی قوی کسی کی ضعیف، کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔ **چھٹا سبب** یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں، کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔ **ساتواں سبب** یہ ہے کہ کوئی شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کوسب تیار ہوجائیں جس کا شکوہ آپ کو بھی ہے۔ **آٹھواں سبب** یہ ہے کہ ہرجگہ رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود نہیں، نہ بنانے کے لئے تیار ہیں باوجودیکہ بارہادرخواست کی گئی۔

نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی اس کے تمام ارکان مسائلِ شرع کے ماہرواحکامِ سنت کے پابند نہیں۔ **دسواں سبب** یہ ہے کہ ہرریڈیو پراپنا قبضہ نہیں کہ پابندی عائد کی جاسکے کہ اعلان کی جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہرجگہ عالم کواس کا مکلّف کیا جاسکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پرآکر خوداعلان کرے، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسبابِ عشرہ کے پیشِ نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف

بتائیں گول مول نہیں جس سے سب کو اطمینان ہوجائے۔

تنبیہ: اختلافِ مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات آٹھ ذی الحجہ ہو اور مکہ معظمہ میں حج ہورہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے(۱)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلے کو پورے طور سے واشگاف فرمایا ہے۔ میری درخواست ہے کہ آپ ان دونوں کتابوں کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ کا مستقل ایک رسالہ ہے(۲)، ریڈیو کے مسئلہ پر بھی مدد مل سکتی ہے۔ یہاں ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نہیں آیا، اس لئے تراویح نہیں پڑھی گئی۔ جمعہ کو روزہ نہیں ہوا، مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہوگیا اور اعلان کردیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے۔ جمعہ کے روزہ کی قضا بعد عید لازم ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

ثبوتِ رؤیت میں اختلاف کے اسبابِ عشرہ

سوال[۴۷۷۱]: **استفتاء:** آپ کا ادارہ دارالعلوم دیوبند اور اس کا شعبۂ دارالافتاء عالمِ اسلام میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے، اس کے فیصلے اور فتوے ہند اور بیرونِ ہند بھی ہر جگہ مقبول و مسلّم ہیں، ساری نگاہیں آپ ہی کی طرف مرکوز ہیں، اس کی بنا پر اگر آپ کی سمع خراشی نہ ہو اور ساتھ ہی ساتھ گستاخی کی معافی بھی

---

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ادارۃ المعارف، کراچی)

(وكذا جواهر الفقه: ۱/ ۳۹۷، دارالعلوم کراچی)

(ایضاً راجع احسن الفتاویٰ، کتاب الصوم، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق: ۴/ ۴۰۹، سعید)

(ورسالة: رؤیت ھلال کا مسئلہ، ص: ۵۷، دارالکتب، کراچی)

(۲) (تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان (رسائل ابن عابدين): ۱/ ۲۳۳، سهيل اكيڈمی، لاهور)

ہوتی چلے تو چند باتیں عرض کرنے کی آپ سے جرأت کررہا ہوں، امید ہے کہ توجہ دیں گے اور اس کا اولین فرصت میں معتبر اور معتمد اور معقول جواب دیتے ہوئے دل کو مطمئن فرمائیں گے:

رؤیت ہلال رمضان المبارک میں اور عید الفطر میں اکثر گڑبڑ ہوتی ہے اور کوئی صحیح فیصلہ اس بارے میں علمائے کرام کی جانب سے صادر نہیں ہوتا اور نہ اس کا کوئی معقول انتظام ہوتا ہے۔ خط، تار، ٹیلیفون، ریڈیو، اس قدر ذرائع شائع ہیں کہ عوام ان ہی کی خبروں پر اعتماد اور اعتبار کر لیتے ہیں اس وقت مقامی علماء کی کوئی نہیں سنتا، مجبوراً مقامی علماء کو بھی عوام کے فیصلہ شدہ نظریہ کی طرف جھکنا پڑتا ہے، اسی اختلاف میں دو دو [۲،۲] عیدیں ہوجاتی ہیں اور پہلا روزہ افطار، عدمِ افطار کی کشمکش میں پڑ جاتا ہے۔ علمائے کرام سے اگر فتویٰ منگایا جاتا ہے تو وہ ایسی گول مول بات لکھ کر شروط سے مقید کر دیتے ہیں کہ خود مستفتی اور عوام صحیح نتیجہ نکالنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اب موجودہ دور کا حال یہ ہے کہ کہیں دہلی سے مفتی صاحب کا اعلان آل انڈیا ریڈیو سے نشر کیا جارہا ہے تو کہیں لکھنؤ فرنگی محلی سے اعلان شائع کیا جارہا ہے، ادھر کانپور سے کوئی صاحب بول رہے ہیں اور دیکھئے ریڈیو کا بینڈ بدل کر پاکستان لگایا جارہا ہے اور وہ وہاں سے اور کراچی کی موجودہ ہلال کمیٹی کی جانب سے چاند ہوجانے کی خبر دی جارہی ہے، ادھر فتاوی عبدالحئ اور فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، بہشتی زیور جیسے معتبر فتاویٰ کھنگالے جارہے ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر ہلال رمضان ہلال عید کی معتبر نہیں ہے اور اگر معتبر بھی ہے تو بایں شرط کہ اعلان کرنے والا معتبر مسلمان ہو یا عالم۔

اس وقت نہ کوئی عالم بولتا ہے نہ مفتی، بلکہ ان کی جانب سے اعلان یہ اعلان کئے جاتے ہیں۔ خود بولنے والے کے متعلق پتہ نہیں چلتا کہ مسلمان ہے یا کوئی اَور قوم، اگر مسلمان بھی ہے تو قابلِ اعتبار ہے یا نہیں۔ بہرنوع! کوئی صحیح پوزیشن اعلان کرنے والے کی واضح اور ظاہر نہیں ہوتی۔ اب اس صورت میں مقامی علماء اور عوام میں ٹکراؤ ہوتا ہے، جو جس پر غالب آجائے بس وہی فیصلہ قابلِ تسلیم ہوتا ہے خواہ غلط ہو یا صحیح۔

علمائے کرام کو خود اپنی ذمہ داریاں محسوس کرتے ہوئے خود ریڈیو اسٹیشن آکر رؤیت ہلال کی اطلاع دیتے ہوئے شرعی فیصلہ سنائیں تاکہ عوام اس پر کاربند ہوں اور قبل اعلان اپنا تعارف کرائیں اور اگر اعلان کرنے والا عالم کے علاوہ کوئی اَور مسلمان ہو تو اس کو اپنا تعارف کرانا چاہئے تاکہ ان کی خبروں پر اعتماد کیا جاسکے۔

اب عرض مدعا یہ ہے کہ اس بارے میں موجودہ دور کے مطابق جب کہ لوہا لنگر (ریڈیو، ٹیلیفون) کا دور

ہے،کوئی صحیح بات بتائی جائے،جس سے ان کی خبروں کی تصدیق کی جاسکے یا نہ کی جاسکے۔

نیز بہ نسبت ہندوستان خاص پاکستان ہلال کمیٹی،خواہ کراچی کی ہو یالاہور کی،راولپنڈی کی یا اسلام آباد کی بذریعۂ ریڈیو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور وہاں کی ہلال کمیٹی ہمارے لئے حجت ہے یا نہیں؟ اور اگر پاکستان کی خبر ریلے کر کے لکھنؤ،کانپور، یادہلی،حیدرآباد سے معلوم ہو تو تسلیم کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

اب اخیر میں یہ عرض کرنا ہے کہ امسال بھی یہی گڑبڑ رہا،اگر تصدیق ہوگئی ہو تو براہ کرم اطلاع دیجائے کہ پہلا روزہ جمعہ کو ہوا یا شنبہ کو؟

نوٹ: اگر واقعی ریڈیو کی خبر معتبر نہیں تو برائے کرم آل انڈیا جمعیۃ العلماء کے ذریعہ اس کا اہتمام کیا جائے کہ چاند کی خبر ریڈیو سے نشر نہ کی جائے کہ عوام گڑبڑ میں پڑجائیں،صرف رؤیتِ دہلی پر اعتماد کریں۔

المستفتی:اختر علی،مقام کرست ضلع اناؤ،یوپی،۲۹/نومبر/ ۶۸ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

چاند کے مسئلہ میں گڑبڑ اور اختلافی صورت ہمیشہ سے رہی ہے اور ہمیشہ رہے گی،قرون مشہود لہا بالخیر: خلافتِ راشدہ کے دور میں بھی یہ رہا،اس اختلاف کو ختم کرنے کی سعی قدرت کا مقابلہ کرنا ہے،اس لئے کہ پہلا سببِ اختلاف تو یہ ہے کہ چاند کبھی انتیس کو نظر آتا ہے کبھی تیس کو۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ جب چاند نظر آتا ہے ہر جگہ مطلع صاف نہیں رہتا،کہیں صاف کہیں غبار آلود،اس لئے کہیں نظر آیا کہیں نہ آیا۔

تیسرا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند برابر نہیں ہوتا کبھی باریک کبھی موٹا۔

چوتھا سبب یہ ہے کہ ہر مہینہ کا چاند ایک جگہ سے نظر نہیں آتا،کبھی مغرب سے مائل بہ جنوب،کبھی عین مغرب میں،کبھی مائل بہ شمال نظر آتا ہے۔

پانچواں سبب یہ ہے کہ دیکھنے والوں کی نظر سب کی یکساں نہیں ہوتی،کسی کی قوی کسی کی ضعیف،کوئی بغیر چشمہ کے دیکھے،کسی کو چشمہ سے بھی نظر نہ آوے۔

چھٹا سبب یہ ہے کہ گواہی دینے والے سب یکساں نہیں ہوتے،کسی کی گواہی مقبول کسی کی مردود۔

ساتواں سبب یہ ہے کہ کوئی ایک شخص ایسا نہیں کہ جس کی بات ماننے کو سب تیار ہوجائیں جس کا شکوہ

آپ کو بھی ہے۔

آٹھواں سبب یہ ہے کہ ہر جگہ رؤیتِ ہلال کمیٹی موجود نہیں نہ بنانے کے لئے تیار ہیں باوجودیکہ بارہا درخواست کی گئی۔

نواں سبب یہ ہے کہ جہاں رؤیت ہلال کمیٹی موجود ہے وہاں بھی ہر جگہ اس کے تمام ارکان مسائل شرعی کے ماہر اور احکام سنت کے پابند نہیں۔

اور دسواں سبب یہ ہے کہ ہر ریڈیو پر اپنا قبضہ نہیں کہ ان پر پابندی عائد کی جائے کہ اعلان کیا جائے یا نہ کیا جائے، نہ ہر جگہ کے عالم کو اس کا مکلّف کیا جا سکتا ہے کہ ریڈیو اسٹیشن پر آ کر خود اعلان کرے، نہ یہ اس کے قبضہ میں ہے۔ ان اسبابِ عشرہ کے پیشِ نظر آپ ہی بتائیں کہ یہ مسئلہ کیسے حل کیا جائے؟ مگر صاف صاف بتائیں جس سے آدمی کو اطمینان ہو جائے۔

تنبیہ: اختلافِ مطالع کی بحث مستقل بحث ہے، اس کے چھیڑنے کا یہ موقع نہیں، ورنہ شاید مطالبہ یہ بھی ہو کہ جس روز یہاں سات یا آٹھ ذی الحجہ اور مکہ مکرمہ میں حج ہو رہا ہو تو وہاں کا حج معتبر نہ ہو۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب نے مستقل کتاب شائع فرمائی ہے، جس میں ریڈیو کے ذریعہ حاصل ہونے والی خبر پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے (۱)۔ نیز مولانا محمد میاں صاحب نے بھی اس مسئلے کو پورے طور سے واشگاف فرمایا ہے، میری درخواست ہے کہ ان دونوں کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ شامیؒ کا مستقل ایک رسالہ ہے اس میں بھی کافی تفصیل موجود ہے جس سے ریڈیو کے مسئلہ پر مدد مل سکتی ہے (۲)۔ یہاں انتیس ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، اس لئے تراویح نہیں پڑھی گئی، جمعہ کو روزہ رکھنا نہیں ہوا، مگر بعد میں شہادت سے ثابت ہو گیا اور اعلان کر دیا گیا کہ جمعہ کو رمضان کی پہلی تاریخ ہے، جمعہ کے روزے کی قضاء بعد عید لازم ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) (آلاتِ جدیدہ، ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، إدارة المعارف، کراچی)

(۲) ("تنبيه الغافل والوسنان على أحكام هلال رمضان، (مجموعه رسائل ابن عابدين): ۱/ ۲۳۲، سهيل اكيڈمى، لاهور)

رویتِ ہلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟

سوال [۴۷۷۲] : رمضان المبارک میں عید، بقرعید کی رویت ہلال سے متعلق ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں، خواہ ریڈیو ہندوستان کا ہو یا پاکستان کا، عرب کا یا مصر کا، اس کا کیا حکم ہے؟ امسال مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا، لیکن بعض مقامات پر پاکستان اور ہندوستان میں دونوں جگہ چاند ہوگیا اور اس کا اعلان ریڈیو پر ہوا، اس کو مان کر روزہ افطار کرنا اور عید کرنا کیسا ہے؟ آپ تفصیلی جواب لکھیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

شاہد کا مجلسِ شہادت میں حاضر ہونا ضروری ہے، پسِ پردہ آواز سن کر شہادت قبول نہیں کی جائے گی لہذا ریڈیو پر جو شہادت سنی جائے وہ قبول نہیں، نہ نزدیک سے نہ دور سے یعنی نہ ہندوستان سے نہ پاکستان سے نہ مصر، نہ مکہ مکرمہ سے۔ پس اگر ریڈیو پر کوئی شخص شہادت دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس شہادت پر عید کرنا درست نہیں اگر چہ یہ شاہد ثقہ اور متدین ہو، ریڈیو پر اگر اس طرح خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ہے یا فلاں جگہ عید ہے تو یہ خبر بھی کافی نہیں (۱)۔ اگر باقاعدہ شرعی شہادت ذمہ دار حضرات حاصل کریں، مثلاً: قاضیٔ شرعی، مسلمان وزیر، رؤیت ہلال کمیٹی، جمعیۃ العلماء، امارتِ شرعیہ جب کہ ان کے افراد باعلم اور متبعِ سنت ہوں اور پھر ان کی طرف سے ریڈیو پر اس طرح اعلان کیا جائے کہ ہمارے پاس چاند دیکھنے والے ثقہ گواہوں نے شہادت دی ہے اور ان کی شہادت سے رؤیت ہلال تسلیم کرلی گئی ہے، لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک سے متعلق مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں معتبر ہوگا (۲) خواہ ہندوستان کا اعلان ہو یا کسی

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راٰه، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفارية)

(۲) قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر =

اُور جگہ کا، جس مقام پر اس اعلان کے تسلیم کرنے سے مہینہ ۲۸/ دن کا رہ جائے یا ۳۱/ دن کا ہوجائے وہاں یہ اعلان تسلیم نہ ہوگا۔ مطلع صاف ہونے کی صورت میں بھی اس قسم کا ایک دو اعلان کافی نہیں ہوگا تاوقتیکہ خبرِ مستفیض کے درجہ تک نہ پہونچ جائے۔

جن صورتوں میں یہ اعلان معتبر ہوگا ان صورتوں میں بھی عوام کو جلدی اور پیش قدمی نہیں چاہئے کہ جیسے ہی اعلان سنا فوراً روزہ توڑ کر عید الفطر منانا شروع کردیں، بلکہ اہل علم حضرات کی طرف رجوع کیا جائے کہ وہ دینی حدود و قیود کو پوری طرح سمجھتے ہیں، ایسے اعلان کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اعلان کرنے والا خود بھی مقبول الشہادۃ ہو، بلکہ ذمہ دار مقبول الشہادۃ حضرات کی طرف سے اگر غیر مقبول الشہادۃ شخص اعلان کردے تو وہ بھی کافی ہے جیسا کہ منادی کا حال ہوتا ہے۔ امید ہے کہ اس میں آپ کے جملہ سوالات کا جواب مل جائے گا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

ریڈیو کے ذریعہ رؤیتِ ہلال کا ثبوت

سوال [۴۷۷۳]: ہم لوگ مشرقی یوپی ضلع بستی کے رہنے والے ہیں، اکثر ایسا ہوتا ہے کہ مطلع صاف ہوتا ہے مگر چاند نظر نہیں آتا، زمانہ کی ترقی اور ریڈیو کی ایجاد نے پوری دنیا کو ایک محلّہ بنادیا ہے، رؤیت ہلال نہ ہونے کے باوجود ایسا ہوتا ہے کہ کبھی پٹنہ، کبھی حیدرآباد، کبھی لکھنؤ، کبھی کانپور سے اطلاع آتی ہے کہ ان جگہوں میں کسی جگہ یا تمام جگہوں میں چاند ہوگیا وہاں کل عید ہے اور اطلاع یہ دی جاتی ہے کہ وہاں کے قاضی نے یا وہاں کے جامع مسجد کے امام نے رؤیت ہلال کا اعلان کردیا ہے۔ بتایا جائے کہ ایسی اطلاع پر ہم لوگوں کا عید کرلینا

= اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف)

(وكذا في أحسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

جائز ہے یا نہیں؟ یا ایسی حالت میں جو روزہ رکھ لیتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے یا غیر مناسب، مثلاً: اسی سال راقم السطور نے تراویح سے فارغ ہونے کے بعد دہلی ریڈیو اسٹیشن سے سنا کہ دہلی کی جامع مسجد کے امام صاحب نے اعلان کیا ہے کہ چاند کا ثبوت ہو چکا ہے کل عید ہے، حیدرآباد کی رؤیت ہلال کمیٹی نے چاند کی رؤیت تسلیم کرلی ہے اور کل عید ہے۔

ریڈیو کی ان خبروں کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ آج کل ریڈیو کی خبروں پر بہت سے کام ہوتے ہیں، چاند کی بات تو میں نہیں کہہ سکتا لیکن فسادات انتخابات کے موقعوں پر ممبران کی کامیابی یا ناکامی کی اطلاع، حکومت بننے کے بعد عہدوں کی تقسیم کا اعلان، کسی بڑے آدمی کے انتقال کی خبر اگر ریڈیو پر آجاتی ہے تو اس کو تسلیم کیا جاتا ہے، پھر بھلا کسی کی جانب سے خصوصاً مفتی اور قاضی کی طرف سے رویت ہلال کے ثبوت کا اعلان کیونکر قابل تسلیم نہیں ہے؟

یا ایسا ہے کہ ہندوستان کے کسی علاقہ کے لئے کسی علاقہ کی خبر نا قابل تسلیم ہے، مثلاً: حجاز مقدس میں عید ہمیشہ یہاں سے پہلے ہوتی ہے تو ہندوستان میں بھی کوئی علاقہ ایسا ہی ہو کہ اس میں عید یہاں سے پہلے ہی ہوتی ہو، اگر ایسا ہو تو اس کی نشاندہی کا آرزومند ہوں، ہم کم پڑھے لکھے لوگ تو بہشتی زیور (جو معتبر کتاب اور اہل دیوبند کے نزدیک قابل اعتبار ہے، نیز اس کی مقبولیت کا عالم یہ ہے کہ اس کے تمام مسائل کو مدلل کردیا گیا ہے) دیکھتے ہیں اس میں یہ ملتا ہے کہ:''ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں پر بھی حجت ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا ہی فصل کیوں نہ ہو، حتی کہ اگر ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر انتہائے مشرق کے رہنے والوں پر پہونچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا''۔ (بہشتی زیور حصہ یازدہم)(۱)۔

نہیں کہا جاسکتا ہے کہ یہ حکم صرف روزہ کے بارے میں ہے یا عید کے بارے میں بھی۔ حاشیہ پر عبارت ملتی ہے:

"واختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذاهب، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب". درمختار: ۱/۱۴۹(۲)،

---

(۱) (بهشتی زیور، ص: ۸۱۹، حصه یاز دهم، تتمه حصه سوم، دارالاشاعت کراچی)

(۲) (الدر المختار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، کتاب الصوم، سعید)

عالمگیری: ۱/۱۹۷(۱) بحر: ۲/۲۷۰(۲)۔

بہت سے معتبر علماء کی رائے میری نگاہ سے ایسی بھی گزری کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر اس طرح کی اطلاع ریڈیو پرآ جائے کہ فلاں جگہ کے مفتی یا قاضی یا امام یا رؤیت ہلال کمیٹی نے رویت ہلال کا اعلان کر دیا ہےتو اس صورت میں اس کوتسلیم کر لینا چاہئے اور اس پر کار بند ہونا چاہئے ،لیکن اگر یہاں کے صاحب علم اور اہلِ وجاہت اسے تسلیم نہ کریں تو میرے لئے روزہ رکھنا یا افطار کر لینا شرعی حیثیت سے جائز ہے یانہیں؟ امید ہے کہ جواب باصواب سے نوازیں گے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسائل دوقسم کے ہیں: ایک وہ کہ جن میں خبرمعتبر بھی کافی ہے، دوم وہ کہ ان میں شہادت ضروری ہے۔ ریڈیو پر خبریں تو آپ سنتے اور معتبر مانتے ہیں اور یہ بھی دیکھتے ہیں کہ لوگوں نے ایسی خبروں کو معتبر مانا ہے، مگر کبھی یہ بھی دیکھا اور سنا ہے کہ کسی مجسٹریٹ نے کسی مقدمہ میں گواہی ریڈیو پر لے لی ہو اور اس پر فیصلہ کر دیا ہو، یا کسی قاضی نے مردوعورت کا ایجاب وقبول ریڈیو پر کرادیا ہو اور وہاں گواہ موجود نہ ہوں اور شرعاً وہ نکاح معتبر مان لیا گیا ہو۔علاوہ ازیں دو باتیں اَور بھی غور طلب ہیں: ایک یہ کہ جب مطلع صاف ہو گیا اس وقت بھی ایک دوآدمی کی خبر یا گواہی کافی ہے یا جمِ غفیر کی رؤیت ضروری ہے، دوسری بات یہ ہے کہ مطلع صاف نہ ہونے کی صورت میں جس مقام پر رؤیت ہوگئی ہے، وہاں سے خبر طریقِ موجب کے ساتھ پہونچنا ضروری ہے، جیسا کہ آپ نے عالمگیری کے حوالہ سے بہشتی زیور سے نقل کیا ہے۔

خبروں کا حال خاص کر ہنگاموں کے وقت مثلاً: الیکشن اور جنگ وغیرہ کے وقت ایسا ہوتا ہے کہ ہرفریق اپنے حریف کوشکست دینے کے لئے جوتدبیر مناسب سمجھتا ہے اختیار کر لیتا ہے، پھر بعد میں ظاہر ہوتا ہے کہ فلاں فلاں خبر غلط تھی، اہلِ تدبیر وتجربہ شروع ہی سے بتلا دیتے ہیں کہ فلاں خبر غلط ہے، بعض دفعہ وہ بھی فریب میں آجاتے ہیں صحیح کو غلط اور غلط کو صحیح سمجھ جاتے ہیں، یہ آئے دن کا حال ہے۔

پس کلیۃً یہ رائے قائم کر لینا کہ ریڈیو کی ہر خبر معتبر اور کافی ہے صحیح نہیں ہے۔عید کے لئے خبر محض کافی

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۸، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)

(۲) (البحر الرائق: ۲/۴۷۱، کتاب الصوم، رشیدیة)

نہیں، بلکہ شہادت ضروری ہے، یا خبر مستفیض ہو(۱)، اس کے شرائط، شامی، بحر وغیرہ میں مذکور ہیں۔

خبر یا شہادت قبول کرنے کا محل بھی ذہن میں رکھیں وہ ۲۹/ تاریخ ہے، اگر حجازِ مقدس سے بذریعہ ہوائی جہاز یہاں آکر گواہی دیں کہ ہم نے کل چاند دیکھا ہے جو کہ ہمارے حساب سے ۲۸/ تاریخ تھی، تو ان کی گواہی سنی بھی نہیں جائے گی کیونکہ اس کے اعتبار سے ہمارا مہینہ ۲۸/ کا رہ جائے گا اور حدیث شریف میں ہے کہ مہینہ ۳۰/ کا ہوتا ہے یا ۲۹/ کا (نہ ۲۸/ کا ہوتا ہے نہ ۳۱/ کا) امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد آپ کے اشکالات کا جواب واضح ہو گیا ہوگا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۱۰/ ۹۱ھ۔

ریڈیو کے اعلان کی حیثیت

سوال[۴۷۷۴]: ۱...... پاکستان ریڈیو سے یا ہندوستان ریڈیو سے اگر چاند کی خبر آوے تو وہ معتبر ہے یا نہیں؟ جب کہ ریڈیو پاکستان مسلمانوں کی ریڈیو ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ اس کی خبر معتبر نہ مانی جائے؟

۲...... صبح کو ہی جب بمبئی سے چاند ہونے کی خبر امام صاحب جامع مسجد دلی کے پاس آ گئی تو اس وقت انہوں نے بمبئی کی بات کیوں نہیں مانی اور بعد میں ایک بجے کیوں افطار کرایا؟ عجیب معمہ ہے، یہ سب واقعات ریڈیو سے معلوم ہوتے رہے، لہذا صحیح جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر کوئی شخص ریڈیو پر شہادت دے کہ میں نے عید کا چاند دیکھا ہے تو یہ شہادت سننے والوں کے حق میں

---

(۱) "وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ "أشهد" .... وقيل: بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم". (الدرالمختار). "والصحيح من هذا كله أنه مفوض إلى رأي الإمام: إن وقع في قلبه صحةُ ما شهدوا به و كثرت الشهود، أمر بالصوم". (ردالمحتار: ۲/ ۳۸۶، ۳۸۸، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/ ۴۶۸، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

معتبر نہیں (۱)، نہ بمبئی کی ریڈیو سے نہ لاہور کی ریڈیو سے نہ کسی اَور اسلامی یا غیر اسلامی ملک سے۔قبولِ شہادت کے لئے شاہد کا مجلسِ شہادت میں حاضر ہونا شرط ہے،وھو مصرح فی کتب الفقه(۲)۔

اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ہے یا عید ہے تو یہ خبر کافی نہیں، اس میں بھی سب جگہ کا ریڈیو برابر ہے، اگر مسلم باشرع رؤیت ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی یا حاکم مسلم باقاعدہ شہادت لے کر ریڈیو پر اعلان کرے یا کرائے کہ یہاں شہادتِ شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہوگیا، اس بنا پر اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک میں یعنی ۲۹/ رمضان کے بعد والے دن کے لئے مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں معتبر مانا جائے گا، جہاں اس کے مان لینے سے مہینہ ۲۸/ یا ۳۱/ کا نہ ہونے پائے، وہ ریڈیو کسی جگہ کا ہو سب کا یہی حکم ہے، ایسے ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا اور نمازِ عید ادا کرنا درست ہوگا (۳)۔

ضلع سہارنپور میں متعدد مقامات پر لوگوں نے چاند دیکھا اور ان کی باقاعدہ شہادت لی گئی، اس پر عید کا حکم کیا گیا اور یہ حکم بھی رات میں ہی کردیا گیا تھا، بعض جگہ اس کی اطلاع دن میں پہونچی، اس شہادت پر اتوار کو

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق : ۵/ ۱۲۰، كتاب الشهادة ،دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۱۹۱، فصل : يشهد بكل ماسمعه أوراه، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/ ۱۵۷، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة، الخ ، غفارية)

(۲) "فيشترط لجوازها شروط: الأول أن تكون الشهادة عند قاضي عدل عالم". (البحر الرائق، كتاب الشهادات: ۷/ ۱۱۱، رشيديه)

قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: شرائط مكانها واحد): أي مجلس القضاء، متح .... ومايرجع إلى مكانها واحد وهو مجلس القضاء" (ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵/ ۴۶۲، سعيد)

(۳) قال الشیخ المفتی محمد شفیع الدیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کرکے عید وغیرہ کا اعلان کردیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے، صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے"۔(آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)

(وكذا فی أحسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

عید ہوئی، کسی ریڈیو پر عید نہیں کی گئی۔ جس وقت بھی عید کے چاند کا ثبوت پہونچ جائے گا خواہ دوپہر سے پہلے یا بعد، اسی وقت روزہ افطار کردیا جائے گا، عید کے دن روزہ رکھنا جائز نہیں (۱)۔ اگر ثبوت نہ پہونچا اور روزہ رکھ لیا گیا تو گناہ نہیں ہے، اگر محض ریڈیو یا کسی اَور تار وغیرہ کی ایسی خبر پر روزہ افطار کردیا گیا کہ جو شرعاً کافی نہیں تو گناہ ہوا، لیکن اگر پھر ثابت ہوگیا کہ وہ عید کا دن تھا تو اس روزہ کی قضا یا کفارہ بھی لازم نہیں (۲)۔

بمبئی اور دوسرے شہروں کی پوری تفصیل ہمیں معلوم نہیں کہ وہاں شہادت پر عید کی گئی یا کس طرح۔ چاند سے متعلق آپ کے سوالات کا جواب تحریر بالا میں آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱۱/ ۸۵ھ۔

ریڈیو کا اعلان

سوال[۴۷۷۵]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان عظام اس مسئلہ میں کہ:

دہلی میں جو ہلال کمیٹی ہے اس کا اعلان جو آل انڈیا ریڈیو دیتی ہے اس کی حیثیت کیا ہے، آیا اس خبر پر عمل کیا جائے یا نہیں؟ کیونکہ کمیٹی کے صدر یا اس کا کوئی بھی رکن ریڈیو سے اعلان نہیں کرتا بلکہ صرف خبروں میں کمیٹی کے صدر کا حوالہ دیا جاتا ہے، اسی طرح پاکستان میں بھی ہلال کمیٹی ہے، اس کا صدر عام طور پر خود ریڈیو پاکستان پر چاند کا اعلان فرماتے ہیں۔ آیا اس اعلان کا اطلاق صرف پاکستان پر لاگو ہوگا یا ہندوستان والے اس

---

(۱) "وأقسامه فرض و واجب و مسنون و مندوب و نفل و مكروه .... ومكروه تحريماً أيام التشريق والعيدين". (فتح القدير: ۲/۳۰۳، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۳۴۰، فصل في صفة الصوم و تقسيمه، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداءً وقضاءً، إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي". (ردالمحتار على الدر المختار، فصل في العوارض المبيحة للصوم: ۲/۴۲۸، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، فصل في العوارض، ص: ۱۹۱، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في حكم من أفسد صومه: ۲/۲۲۶، دار الكتب العلمية، بيروت)

اعلان پر عمل کر سکتے ہیں؟ شرعی حیثیت کے مطابق آپ مع حوالہ جواب تحریر فرما کر مشکور فرمائیں اور اس رمضان کی پہلی تاریخ اور دن سے بھی مطلع فرمائیں۔ فقط

الجواب حامداً و مصلیاً:

باسمہ سبحانہ وتعالیٰ

اگر ہلال کمیٹی جس کے افراد اہل علم واہل دیانت ہو شرعی قاعدے کے مطابق ثبوتِ رویت ہلال حاصل کر کے ریڈیو کے ذمہ دار کو تحریر لکھ کر دیدیں کہ ہمارے پاس شرعی شہادت ہے، فلاں روز رؤیت ہلال کا ثبوت ہوگیا ہے، اس بناء پر ہم اعلان کرتے ہیں کہ کل فلاں دن روزہ رکھا جائے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ ۲۹/ کو مطلع صاف نہ ہو۔

اعلان کرنے والا ریڈیو پر اگرچہ غیر مسلم ہو لیکن جب اس کا پورا اعتماد ہے کہ رؤیت ہلال کمیٹی کے صدر صاحب نے اس کو یہ تحریر دی ہے جس کا اس نے ان کی طرف سے یہ اعلان کیا ہے تو یہ اعلان معتبر ہے جیسے سرکاری حکم، اعلان کوئی بہت چھوٹا آدمی بذریعۂ منادی کرتا ہے اور یہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے یہ اعلان نہیں کر رہا ہے، بلکہ سرکاری تحریر کا اعلان کر رہا ہے تو اس کے اعلان کا اعتبار کرلیا جاتا ہے، جہاں تک اس ریڈیو کے اعلان تسلیم کرنے سے مہینہ اٹھائیس کا نہ رہ جائے یا اکتیس کا نہ بن جائے وہاں تک اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، یہی حال پاکستان کے اعلان کا ہے کہ اگر وہ باضابطہ شرعی شہادت کے بعد کیا گیا ہے تو معتبر ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل رسائل بھی لکھے گئے ہیں ان میں دلائل بھی مذکور ہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۸/۹/۱۴۰۲ھ۔

---

(۱) "والظاهر أنه يلزم أهل القرى الصوم بسماع المدافع أورؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن، وغلبة الظن حجةٌ موجبةٌ للعمل". (ردالمحتار: ۳۸٦/۲، مبحث فی صوم یوم الشک، سعید)

قال الشيخ المفتي محمد شفيع الديوبندي: "البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات ودیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ=

ریڈیو، تار وغیرہ کی خبر

سوال[۴۷۷۶] : ۱......رؤیت ہلال کے لئے چاند ثابت ہونے کے واسطے کتنے آدمیوں کی گواہی معتبر ہے؟ تار، ٹیلیفون، ریڈیو کی خبر معتبر ہے یا نہیں؟ کتنے میل کا فاصلہ معتبر ہے؟ کہیں چاند دیکھا گیا اور وہاں پر لوگوں نے اسے معتبر سمجھ لیا، وہاں سے ایک دو آدمی خبر لے کر آویں تو معتبر ہے یا نہیں؟ بمبئی میں جب چاند ہو گیا تو وہاں کی گواہی دوسری جگہ کیوں نہیں مانی گئی؟

شہادت دیر سے پہونچنے پر نماز عید کو مؤخر کرنا

سوال[۴۷۷۷] : ۲......زوال سے ایک دو گھنٹہ پہلے چاند کی خبر آوے تو عید کی نماز دوسرے روز پڑھنا جائز ہے یا نہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ عیدگاہ میں صفیں بچھانے کا کام ایک دو گھنٹے میں نہیں ہوسکتا، وضو وغیرہ میں بھی کچھ وقت لگتا ہے تو یہ عذر شرعاً معتبر ہے یا نہیں، بغیر صفوں کے عید کی نماز پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......عید کے چاند کے لئے یوم الشک میں مطلع صاف ہونے کے وقت دو عادل گواہوں کی شہادت ضروری ہے(۱)، خبرِ محض کافی نہیں، نہ ریڈیو کی، نہ تار کی، نہ ٹیلیفون کی، اس طرح ان ذرائع سے جو شہادت ہے وہ بھی کافی نہیں (۲)۔ البتہ اگر رؤیت ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی باقاعدہ شہادتِ شرعیہ حاصل کر کے اعلان کرے، یا کرائے کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے، اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ آج فلاں روز عید ہے تو یہ

= ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص:۱۷۷، باب: ہوائی رؤیتِ ہلال کی شرعی حیثیت)

(و كذا في أحسن الفتاویٰ : ۴/ ۴۲۱، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۱) "وشرط للفطر بلاعلة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم، وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب، وعن الإمام أنه يكتفي بشاهدين". (الدرالمختار) "وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة". (ردالمحتار: ۲/۳۸۷، ۳۸۸، كتاب الصوم، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق : ۲/۴۶۸، كتاب الصوم ، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ٹیلیفون کی خبر کا حکم")

اعلان شرعاً معتبر ہوگا(۱)، گواہوں کے لئے شرط یکساں ہیں خواہ سودوسومیل کے فاصلے سے آ کر گواہی دیں یا کہ زیادہ سے، اگر کسی جگہ معتبر گواہوں کی گواہی قبول کی گئی اور وہاں کے ذمہ دار نے ایک تحریر دومعتبر آدمیوں کے ذریعہ سے بھیجی تو وہ معتبر ہوگی۔ بمبئی میں چاند دیکھنے والے معتبر گواہ اگر سودوسومیل کے فاصلہ پر جاکر گواہی دیں تو ان کی گواہی بھی معتبر ہوگی۔

۲......اگر چاند کا ثبوت قبل زوال ایسے وقت ہوگیا کہ نمازی عیدگاہ میں وضوکر کے آسکتے ہیں اور زوال سے پہلے نماز ادا کر سکتے ہیں تو محض صفیں بچھانے کی وجہ سے آئندہ روز کے لئے نماز کو مؤخر نہ کیا جائے، اگر اتنا وقت بھی نہیں کہ وضوکر کے نماز کے لئے جمع ہوسکیں تو آئندہ روز کے لئے مؤخر کردیا جائے:

"و تؤخر بعذر كمطر إلى الزوال من الغد فقط، اهـ". درمختار- "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام، و أما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال، اهـ". شامي: ۱/۷۸۳(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ریڈیو کا اعلان، غلط شہادت پر اعلانِ عید

سوال[۴۷۷۸]: فخر الاماثل مفتی صاحب دامت برکاتہم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

حضرت! یہاں پر امسال عید کے موقع پر ایک بہت بڑا فتنہ برپا ہوا اور ہمیشہ سے یہاں کے لوگ اثر،

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے"؟)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: ("آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام"، ص:۱۷۷) (واحسن الفتاویٰ:۴/۴۲۱)

(۲) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(و كذا في الهداية: ۱/۱۷۴، كتاب الصلوة، باب العيدين، شركة علميه ملتان)

فتنہ میں مبتلا ہیں، چنانچہ حضور والا کے تائیدی جواب کے بعد انشاء اللہ یہ فتنہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دفن ہوجائے گا۔

آسمان ابر آلود ہے اور یہاں کے برادری کے منتظمین نے اپنے قدیم غیر شرعی دستور ونظام کے موجب انتیس رمضان ۶۹ھ کو ایک بالکل فاسق فاجر مزدور لڑکے کو- جو نہ تو کبھی نماز پڑھتا ہے، نہ کبھی روزہ رکھتا ہے بلکہ ہمیشہ فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے- سورت کے ایک تاجر کے پاس پرچہ دے کر بھیجا کہ اگر وہاں چاند ہوا اور عید ہو تو اس مزدور لڑکے کے ہاتھ چٹھی لکھ کر بھیج دینا، اس پر ہم عمل کریں گے۔

یہ لڑکا صبح چار بجے کے قریب ان تاجر صاحب کی چٹھی لے کر آیا، اس میں لکھا تھا کہ یہاں عید کا نقارہ پٹ گیا اور صبح عید کی عید مبارک۔ مجھے جب اس کی اطلاع پہونچی تو میرے پاس حضرت العلامہ مفتی کفایت اللہ صاحب دہلویؒ کا فتویٰ موجود تھا جو میں نے پہلے ہی منگا رکھا تھا، اس فتویٰ میں لکھا ہوا ہے کہ "باہر سے خبر یا تحریر لانے والے دو عادل مسلمان ہونے ضروری ہیں خواہ وہ ہلال رمضان ہو یا عیدین"۔ سو میں نے یہاں کے لوگوں کو مذکورہ فتویٰ کی بناء پر روکا، بعض نے افطار نہیں کیا اور دوسرے دن میرے ہمراہ عید منائی اور یہاں کی اکثریت نے افطار بھی کرلیا اور عید بھی منالی۔

اب سورت کی شہادت کا حاصل کیا ہوا، وہ ملاحظہ ہو:

میں نے یہاں تین ثقہ اشخاص کو- جن میں دو عالم ایک متشرع مستور الحال ہیں- راندیر بھیجا تاکہ ان کی شہادت پر عمل کیا جائے، یہ لوگ راندیر کے علماء سے ملے، چنانچہ انہوں نے ان حضرات سے کہا اور تحریر بھی لکھدی جس پر مولوی عبدالرحیم صادق صاحب اور حافظ صالح صاحب کے جو وہاں کے ایک مسلم بزرگ ہیں دستخط تھے۔

زبانی روئیداد یہ بیان کی کہ یہاں کے شہر قاضی نے بھی نقارہ پیٹ دیا تھا، مگر ہم ان کے پاس گئے اور کہا کہ آپ کے پاس شہر سورت سے جن چاند دیکھنے والوں کے نام آئے ہیں ان کے نام ہم کو دو اور اپنی موٹر بھی دو، ہم ابھی تحقیق کرکے آتے ہیں اور چنانچہ یہ حضرات سورت گئے اور نام بنام سب سے دریافت کرنا شروع کیا تو سب ہی نے کہا کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا، ہمارا نام کسی نے غلط اڑایا ہے۔

بہر حال یہ راندیر کے علماء رات بارہ بجے سے تین بجے تک موٹر میں گھومے اور شہر کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ چھان مارا اور جن جن لوگوں کے نام لئے گئے ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے صاف انکار کیا اور بعض نے کہا کہ صاحب! ہم ٹھیک تو نہیں کہہ سکتے مگر ایک سیکنڈ کے لئے کچھ سفیدی سی معلوم ہوگئی۔ اخیر میں ایک شخص ایسا ملا جس

نے کہا کہ ہاں میں نے بھی دیکھا ہے اور شہر قاضی نے بھی دیکھا ہے، چنانچہ یہ حضرات سورت کے شہر قاضی کے پاس گئے، ان سے دریافت کیا گیا کہ آپ نے کس شہادت کی بنا پر شہر میں عید کا اعلان کرایا ہے، انہوں نے کہا کہ میرے کچھ لوگ دو چار لوگوں کو لے کر آئے اور کہا کہ یہ آدمی اچھے ہیں جھوٹ نہیں بولتے، ان لوگوں نے چاند دیکھا ہے، میں نے ان کے دستخط لے لئے اور عید کا نقارہ پٹوا ڈالا۔

ا...... ان حضرات نے قاضی صاحب سے کہا کہ فلاں صاحب تو آپ کا نام بھی لیتے ہیں کہ قاضی صاحب نے چاند دیکھا ہے، جواباً کہا کہ حاشا وکلا، وہ جھوٹے ہیں میں نے ہرگز چاند نہیں دیکھا، صرف ان لوگوں کے کہنے سے نقارہ پٹوا ڈالا۔ ان حضرات نے کہا کہ یہ حضرات تو انکار کرتے ہیں کہ ہم نے چاند نہیں دیکھا اور یہ دستخط بھی ہمارے نہیں ہیں۔ اس پر قاضی صاحب خاموش ہوگئے مگر عید تو صبح کو قاضی صاحب کے حکم سے ہو ہی گئی، راندیر والوں نے نہیں کی۔

بہرحال جس شہر کی شہادت کی بنا پر یہاں کٹھور میں عید منائی گئی اس شہادت کا یہ حشر ہوا اور قطع نظر اس کے کہ سورت میں شرعاً عید درست ہوئی یا نہیں، صرف ایک بالکل فاسق و فاجر لڑکے کے وہاں کے کسی تاجر کی تحقیق لانے پر صرف یہاں والوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کی دوگانہ ادا کرلی گئی۔ سو اگر جن لوگوں کو روزہ توڑنے سے پہلے میں نے روکا اور مسئلہ بتلایا ایسے لوگوں نے روزہ توڑ ڈالا اور عید کرلی تو آیا ان لوگوں پر روزہ کی قضاء اور کفارہ دونوں ہیں یا نہیں؟ نیز وہ دوگانہ واجب الاعادہ ہے یا نہیں؟ نیز جن لوگوں کو اس مسئلہ کا علم ہی نہیں ہوا اور اس غیر شرعی شہادت پر روزہ توڑ ڈالا اور عید منائی ان کے قضاء اور کفارہ اور اعادہ عید کا کیا حکم ہے؟

۲...... پاکستان ریڈیو سے اعلان ہوا ہے کہ آئندہ رمضان اور عیدین کے موقع پر پاکستان ریڈیو سے ایک ثقہ عالم رؤیت ہلال کی اطلاع دیدیا کریں گے، جن کا نام پروگرام میں بتلایا جائے گا، سو اس اطلاع کی بنا پر تمام مسلمان عمل کرلیا کریں، اول تو ریڈیو کی اطلاع، پھر وہ بھی بولنے والا صرف ایک ہی، کم از کم دو بھی نہیں، اس خبر پر عمل کر کے صوم و افطار کا حکم دیا جاسکتا ہے؟

۳...... یہاں قاضیٔ شرعی تو کوئی ہے نہیں صرف نکاح خواں اور فاتحہ خواں شخص کو یہاں عرفاً قاضی کہتے ہیں جو علاوہ جاہل ہونے کے ان میں عدالت تو کجا مستور الحال ہونے کی بھی اہلیت نہیں، سو ایسی صورت میں ایک مقام سے دوسرے مقام پر رؤیت یا شہادت کی تحریر لانے کے باب میں کتاب القاضی الی القاضی کی تو

گنجائش ہے نہیں تو جس مقام سے تحریر منگائی جاتی ہے اس مقام کا بذریعۂ تحریر خبر دینے والا شخص کس قماش کا ہونا چاہیے؟ نیز تنہا ایک ہی شخص کی تحریر اور دستخط دو عادل اور ثقہ آدمی لے کر یا اس تحریر پر دو شخصوں کے دستخط ہونے چاہئیں، نیز تحریر کے شاہدین عادلین کا حضور اس محرر کے سامنے ضروری ہے یا نہیں، نیز ان شاہدین کے لئے ضروری ہے کہ وہ قسم کھا کر کہیں کہ یہ تحریر فلاں فلاں حضرات نے ہمارے حضور میں لکھی ہے؟ امید کہ جواب سے جلد مشرف فرمائیں گے۔

مولوی محمد عبدالرحیم حوالدار بدات، محلّہ کٹھور، ضلع سورت۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱.....سورت کی اس شہادت اور قاضی صاحب کی حالت اور کٹھور کی پبلک کے (باوجود منع کرنے کے) روزہ توڑنے اور عید منانے پر حسرت وافسوس ہے، اللہ پاک صلاحیت عطا فرمائیں اور احکامِ شرع پر عمل کی توفیق دیں۔ دیانات میں فاسق کی خبر معتبر نہیں (۱)، شہادت کا درجہ خبر سے بڑھ کر ہے، وہ کیسے معتبر ہوگی۔ سورت کے قاضی صاحب کو جب تحقیق ہوگئی کہ چاند نہیں ہوا اور ان کے سامنے جو بیانات دیئے گئے تھے وہ غلط تھے تو ان کے ذمہ لازم تھا کہ فوراً اعلان کراتے کہ عید کے لئے جو نقارہ پٹوایا گیا ہے وہ غلط ہے، اس نقارہ کی بناء پر کل ہرگز عید نہ کی جائے، اور بھی جن لوگوں کو اس غلط بیانی کی اطلاع ہوئی ان کو لازم تھا کہ وہ روزہ رکھتے اور عید کی نماز اس روز نہ پڑھتے اور جب وہاں ثبوتِ رؤیت نہیں ہوا تو اس روزہ کی قضا لازم ہے۔ دوگانۂ عید کی نماز لازم نہیں، اعادہ بھی نہیں، روزہ کا کفارہ بھی لازم نہیں، کفارہ شبہ سے بھی ساقط ہوجاتا ہے:

"لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلثين ظانّين أنه يوم العيد، فهو لغيره، لم يكفّروا، كما في المنية، اهـ". طحطاوی، ص: ۲۲۹ (۲)۔

---

(۱) "و لا يقبل شهادة الكافر و الفاسق". (المحيط البرهانی: ۲/۵۴۷، الفصل الثانی فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(و كذا فی الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۷، الباب الثانی فی رؤية الهلال رشيديه)

(و كذا فی الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) (حاشيه الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۶۷۵، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمی)

۲......اگر حکومت رؤیتِ ہلال کا انتظام معتبر ومعتمد علماء کے سپرد کرے کہ وہ باقاعدہ شہادت لیں، اس کے بعد حکومت کی طرف سے ذمہ دارانہ حیثیت سے کوئی عالم ریڈیو پر بطورِ اعلان نشر کردے اور اس امر کا پورا پورا انتظام ہو کہ کوئی دوسرا شخص اعلان نہ کرے اور بغیر شہادتِ شرعیہ کے اعلان نہ کیا جائے، غرض کسی قسم کی تلبیس نہ ہو تو اس علاقہ کے لوگوں کو بحیثیتِ اعلانِ حکومت اس اعلان کا اعتبار کرنا ہوگا جیسے کہ دیگر اعلاناتِ حکومت بذریعۂ منادی کئے جاتے ہیں جن کا اعتبار کیا جاتا ہے اور جو مسلمان اس علاقہ کے رہنے والے نہیں وہ اس اعلان کے بھی پابند نہیں (۱)۔

۳......اگر وہاں کے عام مسلمین ان قاضی صاحب پر امورِ دینیہ میں اعتماد کرتے اور ان کے اعلانات پر عمل کرتے ہیں تو ان کا تنہا کا ایک تحریر دو ثقہ معتبر آدمی کے سامنے لکھ کر ان کو سنا کر ان کے حوالہ کر دینا کافی ہے، وہ دونوں ثقہ جب بیان کریں کہ ہمارے سامنے یہ تحریر لکھی ہے اور اس میں یہ تحریر ہے تو اعتبار کر لیا کریں (۲) اور اگر ان قاضی صاحب پر عام مسلمین کو اس قدر اعتماد نہیں تو تنہا کا لکھنا کافی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/شوال/ ۶۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۷/شوال/ ۶۹ھ۔

= (وكذا في ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۴۰۷، مطلب في جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۹۵، الفصل التاسع فيما يصير به شبهة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن كراچي)

(۱) ''البتہ جس شہر میں باقاعدہ قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے''۔ (آلاتِ جدید کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت، ادارۃ المعارف کراچی)

اگر بذریعۂ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریقِ شہادت شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدود ولایت تک معتبر ہے، حدود ولایت سے خارج معتبر نہیں''۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۲) "يجب أن يعلم أن كتاب القاضي إلى القاضي، صار حجةً شرعاً في المعاملات بخلاف القياس؛ لأن الكتاب قد يفتعل و يزوَّر والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم، ولكن جعلناه حجةً بالإجماع، ولكن =

ریڈیو، ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ چاند کا ثبوت

سوال[۴۷۷۹]: ریڈیو،ٹیلیفون، تار برقی کی اطلاع پر کیا رویت ہلال یا عیدین کے چاند ہونے اور نہ ہونے کا فیصلہ ہوسکتا ہے، درآنحالیکہ حکومت خود ان ایجادات کو اس درجہ میں معتبر نہیں سمجھتی ہے کہ اس کی آواز پر کوئی عدالت کسی مقدمہ کا فیصلہ کردے؟ ان ایجادات کے جو موجد ہیں، جب ان کی نگاہوں میں یہ چیزیں اتنا اعتبار نہیں رکھتی ہیں تو پھر کیا شریعتِ مطہرہ کے احکامات پر یہ ایجادات حاکم ہوسکتی ہیں؟ اور تمام علمائے متقدمین ومتاخرین کے طریق کار اور تحقیق کو لغو، فضول، دقیانوسی اور بیکار جیسے الفاظ سے یاد کیا جاسکتا ہے؟ رؤیتِ ہلال کے مسئلہ کی تحقیق کس طرح کی جائے؟ شریعتِ مطہرہ نے اس کے متعلق کیا ہدایت فرمائی ہے؟ اور ان آلات وایجادات کے اعتبار کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ براہ عنایت جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمائیں تاکہ رفع فتنہ ہو۔ بینوا توجروا۔

محمد احمد عفی عنہ رحمانی لدھیانوی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

عیدین کے چاند کے لئے شہادت ضروری ہے(۱)، مثلاً: اگر ۲۹/ رمضان المبارک کو مطلع صاف نہ ہوتو

= إنما يقبله القاضي المكتوب إليه عند وجود الشرائط، و من جملة الشرائط: البينة حتى أن القاضي المكتوب إليه لا يقبل كتاب القاضي مالم يثبت بالبينة أنه كتابه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۳/ ۳۸۱، كتاب أدب القاضي، الفصل الثالث والعشرون كتاب القاضي إلى القاضي، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۱۶۵، كتاب القضاء، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۵/ ۹۶، ۹۹، باب كتاب القاضي إلى القاضي، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۹/ ۱۱۵، فصل في شرائط القضاء، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة و لفظ أشهد". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/ ۳۸۶، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۸، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۶، الفصل ألاول في رؤية الهلال، رشيديه)

آئندہ دن کو ۳۰/ رمضان مانتے ہوئے روزہ رکھنے کا حکم دیا جائے گا، اِلّا یہ کہ چاند دیکھنے کی شہادت حاصل ہوجائے اور وہ شہادت اصولِ شرعیہ پر قابلِ قبول ہو جس کے لئے ایک امر یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد مجلسِ شہادت میں (جہاں پر شہادت قبول کی جارہی ہو اور شاہد پر جرح کی جاسکتی ہو) حاضر ہو(۱)، پسِ پردہ کی شہادت یعنی غائبانہ آواز پر حکمِ شہادت نافذ کرکے احکامِ شرعیہ کو جاری نہیں کیا جائے گا، اس سے ریڈیو، ٹیلیفون، تار برقی کا حکم سمجھ میں آگیا ہوگا (۲)۔

رمضان المبارک کے چاند کے لئے شہادت ضروری نہیں، صرف خبر کافی ہے، پس اگر ریڈیو، ٹیلیفون، یا تار سے خبریں آجائیں اور ان پر وثوق ہو یعنی خبر دینے والے رؤیت کی خبریں دیں اور یہ پورا امن ہو کہ کوئی دوسرا شخص نہیں بول رہا ہے، نہ دوسرے شخص نے تار دیا ہے بلکہ بولنے والے اور تار دینے والے خوب اچھی طرح پہچانا جاتا ہے اور وہ ثقہ ہے مجروح نہیں ہے (تار میں تو یہ چیز ممکن ہی نہیں) تو اگر ایسی خبروں سے صدق کا ظنِ غالب ہوجائے تو ان کو معتبر مان لیا جائے گا۔ اگر مطلع صاف ہو تو اس میں ان آلات میں سے کوئی آلہ بھی کارگر نہیں بلکہ جمِ غفیر کا چاند دیکھنا ضروری ہے، خواہ رمضان شریف کا چاند ہو خواہ عیدین کا ہو:

"والظاهر أنه يلزم أهل القرىٰ الصوم ، بسماع المدافع أو رؤية القناديل من المصر؛ لأنه علامة ظاهرة تفيد غلبة الظن ، وغلبة الظن حجة موجبة للعمل كما صرحوا به، واحتمال كون ذلك لغير رمضان بعيدٌ؛ إذ لا يفعل مثل ذلك عادةً في ليلة الشك إلا لثبوت رمضان".

---

(۱) "(الشهادة) فهو إخبار صدق لإثبات حق بلفظ الشهادة في مجلس القضاء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۳/ ۴۵۰، كتاب الشهادات ، الباب الأول في تعريفها، رشيديه)

(و كذا في الدر المختار: ۵/ ۴۶۱، كتاب الشهادات،سعيد)

(۲) "لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة". (تبيين الحقائق: ۵/ ۱۲۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل يشهد بكل ماسمعه أو رأه ، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۱۰/ ۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في تحمل الشهادة و حل أدائها و الإمتناع عن ذلك، غفارية)

ردالمحتار(۱)۔

"وشرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، ولفظ: "أشهد" وعدم الحد في قذف لتعلق نفع العبد". درمختار۔ "(قوله: مع العلة): أي من غيم وغبار ودخان. (قوله: لتعلق نفع العبد) علةٌ لاشتراط ماذكر في الشهادة على هلال الفطر بخلاف هلال الصوم؛ لأن الصوم أمر دينيٌّ، فلم يشترط فيه ذلك، أما الفطر فهو نفع ديني للعباد فأشبه سائر حقوقهم، فيشترط فيه مايشترط فيها". ردالمحتار(۲)۔

"الشهادة هي إخبار صدق لإثبات حق بلفظ "الشهادة" في مجلس القاضي". درمختار(۳)۔ "(قوله: في مجلس القاضي) خرج به إخباره في غير مجلس، فلا يعتبر". طحطاوی(٤)۔

البتہ اگر باقاعدہ شرائط کے ساتھ رؤیت کا ثبوت ہوجائے اور حکومتِ مسلم کے انتظام سے (جس میں کسی غلطی یا تلبیس کا احتمال نہ ہو) اس رؤیت کا اعلان کیا جائے تو ماتحت علاقہ میں یہ اعلان قابلِ قبول ہوگا جیسے کہ دوسرے اعلانات قابلِ قبول ہوتے ہیں اگرچہ یہ اعلان ریڈیو ہی کے ذریعے کیوں نہ ہو(۵)، مگر ذمہ دار حکومت کے ریڈیو اور انتظام اور اعلان کا ایک نمونہ پیش کرتا ہوں:

قیاس کن ز گلستان من بہارِ مرا؟

---

(۱) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۸۲/۲، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۲) (ردالمحتار، المصدر السابق)

(۳) (الدر المختار: ٤٦١/ٵ، كتاب الشهادات، سعيد)

(٤) (حاشية الطحاوي على الدر المختار، كتاب الشهادات: ۲۲۷/۳، دارالمعرفة بيروت)

(۵) "البتہ جس شہر میں قاضی ہو یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو، اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو ریڈیو کے اس اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے"۔ (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷)

ہلالِ رمضان وعیداور ریڈیو کی اطلاع

سوال[۴۷۸۰]: رمضان المبارک کے روزے رکھنے اور شعبان کا ۲۹/ کا چاند دیکھنے کے بارے میں شہر بھر میں اور اطراف شہر کے کسی نے چاند نہیں دیکھا اور نہ قصبہ میں دیکھا گیا، لیکن لوگوں نے صرف جنتری کے حساب سے گاؤں اور دوسرے بہت سے قصبوں میں بغیر چاند دیکھے روزہ شروع کر دیا ہے، یہ روزہ رمضان کا ہے یا نہیں؟ شہر سے ایک شخص نے پچاس میل دور ۲۹/ شعبان کے چاند دیکھنے کی خبر دی ہے، باقی دیکھنے والے ہندو تھے، صرف اکیلا ایک مسلمان شہادت دیتا ہے اور اس شخص کی نمازیں قضاء ہوتی رہتی ہیں اور چاند دیکھنے کی حالت اس طرح بتلاتا ہے کہ کبھی کہتا ہے کہ میں نے خود چاند دیکھا ہے اور کبھی کہتا ہے کہ ایک ہندو نے دیکھا ہے اور اس نے مجھے بتلایا اور کبھی کہتا ہے کہ میں نے موٹر روک کر خود دیکھا ہے اور یہ بات عشاء سے پہلے ایک دو شہر کی مسجد والوں سے بتلائی اور ایک دو مسجد میں تراویح بھی ہوئی۔

ہم سے جب اس ڈرائیور نے آ کر خبر دی اور اس نے بذریعۂ خط ہم کو خبر دی، لیکن لکھی ہوئی عبارت کی وجہ سے ہم لوگوں نے اس شخص کی خبر معتبر طریقہ سے نہیں معلوم کی، اس لئے ہم نے ۲۹/ شعبان کا روزہ نہیں رکھا اور کچھ لوگوں نے شہر میں روزے کا اعلان کر دیا۔ آپ مطلع فرماویں کہ ایک مسلمان کی شہادت معتبر ہے یا نہیں؟ اور چاند ۲۹/ شعبان کا ہوا ہے یا نہیں؟

دوسری بات یہ ہے کہ عید مبارک کے چاند کا کیا مسئلہ ہے؟ فاسق، فاجر، ہندو، کافر، غلام وغیرہ کی شہادت ان مسائل میں معتبر ہے یا نہیں؟ ٹیلی فون، ٹیلی گرام، ریڈیو، مشرق وسطی کے ریڈیو کی خبریں جو رؤیتِ ہلال سے متعلق ہوں وہ معتبر ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۲۹/ شعبان کو اگر مطلع صاف نہ ہو تو ایک مسلمان کا چاند دیکھ کر بیان کر دینا بھی کافی ہے بشرطیکہ وہ ظاہر الفسق نہ ہو(۱)۔ امسال یہاں بھی ۲۹/ شعبان جمعرات کو چاند نظر نہیں آیا، لیکن بعد میں متعدد مقامات سے چاند

(۱)"و قُبل بلا دعوى و بلا لفظ: "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور .... لا فاسق اتفاقاً".
(الدر المختار). "و قول الطحاوی: أو غير عدل محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن ....أما مع تبيّن الفسق فلا قائل به عندنا". (ردالمحتار : ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشک، سعيد)=

ہونے کی اطلاع آئی اور دیکھنے والے معتبر گواہوں نے خود جمعرات کو چاند دیکھنے کی گواہی دی اس وجہ سے یہاں جمعہ کو یکم تاریخ رمضان کی قرار پائی اور جن لوگوں نے جمعہ کو روزہ نہیں رکھا، ان کو ایک روز بعد میں روزہ رکھنے کا حکم کردیا گیا اور اس چیز کو بذریعۂ اعلان طبع کرا کر شائع کرادیا گیا۔ جن لوگوں نے محض جنتری دیکھ کر جمعہ کا روزہ رکھا انہوں نے ٹھیک نہیں کیا، یہ شرعی حکم نہیں کہ محض جنتری دیکھ کر روزہ رکھا جائے یا عید کی جائے، تاہم ان کا روزہ صحیح ہوگیا اور ان کے ذمہ قضاء لازم نہیں۔

ریڈیو کے ذریعہ آنے والی خبر کے متعلق بڑی تفصیل ہے، بعض صورتوں میں معتبر ہوتی ہے بعض میں نہیں، رسالہ آلاتِ جدیدہ اور ریڈیو کے متعلق احکام میں وہ تفصیل مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۸ھ۔

رؤیتِ ہلال کمیٹی اگر فتویٰ کے خلاف کرے تو کیا کیا جائے؟

سوال [۴۷۸۱]: رؤیت ہلال کمیٹی میں کوئی شخص دینی علم رکھنے والا نہ ہو اور اگر ہو بھی تو اس کی رائے غلبۂ آراء میں دب کر رہ جائے اور خلافِ فتوائے مفتی رؤیت ہلال کمیٹی شہر کی اپنا حکم نافذ کرنا چاہے تو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رؤیت ہلال کمیٹی کو مفتی کے فتویٰ کے ماتحت رہنا اور کام کرنا ضروری ہے ورنہ وہ کمیٹی شرعاً معتبر نہیں ہوگی اور اس کے اعلانات شرعی اعلانات نہ ہوں گے، ان پر عمل کرنے کی اجازت نہ ہوگی، جو کمیٹی عالمِ دین کی بات - جب کہ وہ شرعی دلیل کے ساتھ ہو- تسلیم نہ کرے تو عالم دین کو کمیٹی سے علیحدہ ہو کر اعلان کردینا چاہئے کہ یہ لوگ حکمِ شرعی تسلیم نہیں کرتے ہیں اپنی رائے پر عمل کرتے ہیں، ان کی رائے شرعاً معتبر نہیں، میں ان سے علیحدہ

= (وكذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۴۲، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيدية)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/ ۱۶۰، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملے میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ، ادارۃ المعارف)

ہوتا ہوں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بغیر ثبوتِ رؤیت کے عید کرنا درست نہیں

سوال[۴۷۸۲]: ۱...... اگر کوئی شخص بلا چاند دیکھے صرف ریڈیو کی خبر پر۳۰/ رمضان کو عید کرے تو جائز ہوگا یا نہیں؟

بغیر ثبوت کے محض ریڈیو کی خبر پر عید کرنا

سوال[۴۷۸۳]: ۲...... قریبی شہر کلکتہ سے بذریعۂ ریڈیو اگر یہ خبر پہونچے کہ اگرچہ کلکتہ میں چاند نہیں دیکھا گیا لیکن چونکہ ڈھاکہ، دہلی وغیرہ شہر سے چاند کی خبریں بذریعہ ریڈیو آرہی ہیں اسی بنا پر کلکتہ میں عید ہورہی ہے، اس خبر پر کلکتہ والوں کو اور کلکتہ کی خبر پر دیہاتوں میں عید کرنا جائز ہوگا یا نہیں؟

۳......اگر۳۰/ رمضان کو ایسی خبر پر عید کرے اور بعد کو اگلے روز چاند ہونے کی تحقیق ہوجائے تو ان کو عید بلا تحقیق کرنا جائز ہوا یا نہیں؟

۴......اور اگرچہ بعد میں چاند کی تحقیق ہوئی، لیکن چونکہ وہ لوگ ۳۰/ رمضان کو آٹھ بجے تک روزہ میں تھے، ریڈیو کی ایسی خبر پر کلکتہ کے مسلمان آکر دیہات میں کہیں اور وہ لوگ روزہ توڑ کر عید کرلیں تو قضاء و کفارہ یعنی ۶۰/ روزے لازم ہوں گے؟

۵......یا صرف ایک روزہ رکھے؟

۶......یا کچھ کرنا نہیں پڑے گا؟

۷......اور جو لوگ ایسی خبروں کو غیر معتبر سمجھ کر ۳۰/ رمضان کو عید نہ کرکے پورا ۳۰/ روزہ رکھ کر اگلے دن عید کریں تو وہ حق پر تھے یا نہیں؟

۸......اگرچہ بعد میں ۲۹/ رمضان کے چاند کا تحقق ہو تب بھی کیا ہوگا؟

۹......چونکہ صرف ریڈیو کی خبر تھی جس کے مشتہر غیر مسلم ہوتے ہیں۔

۱۰......یا ڈھاکہ کی خبر جو مسلمین دے رہے ہیں ان کے احوال معلوم نہیں کہ متقی ہیں یا نہیں؟

١١......اور دہلی چونکہ کلکتہ سے قریب ہزار میل ہے جس کا طلوع وغروب کلکتہ کے ساتھ متفق نہیں ہوسکتا کہ وہاں ٢٩/ رمضان کو چاند ہوا ہو اور یہاں نہیں، اس لئے اس کو غیر معتبر سمجھ کر۔

١٢......اور چونکہ کلکتہ والے خود چاند نہیں دیکھے صرف ڈھاکہ یا دہلی کی خبر پر عید کررہے ہیں۔

١٣......لہٰذا اس خبر کو بھی غیر معتبر سمجھ کر ٣٠/ رمضان کو عید نہ کریں بلکہ روزہ رکھیں تو ان کا یہ روزہ رکھنا حرام تو نہیں ہوگا؟

١٤......نیز امسال دیوبند وسہارنپور میں روزہ کتنے ہوئے؟

١٥......عید کب ہوئی؟

١٦......اچھا! شریعت میں کوئی ایسی حد متعین ہے کہ اگر مثلاً پانچ سو میل کے اندر والے کے لئے حجت ہو، اس سے اگر دور ہو تو حجت نہیں؟

یہ کل سولہ سوالات ہیں، امید ہے کہ ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، حقیقت میں سوال ایک ہی ہے اس لئے آپ کے قانون کے خلاف نہیں ہوا۔

ضروری گزارش: چونکہ اس مسئلہ پر پوری مغربی بنگال میں اختلاف ہے اور شدید اختلاف ہے اس لئے برائے کرم ہر ہر سوال کے جواب سے سرفراز فرمائیں، کیونکہ اس کا ہر سوال حقیقی اور واقعی ہے مخترعہ نہیں، جس کا جواب نہیں آئے گا، پھر اسی کو لے کر جھگڑا ہوگا، ٢٢/ شوال کو ہمارا ایک اجلاس ہوگا جس میں یہی مسئلہ لے کر گہری بات ہوگی، لہٰذا قبل اس تاریخ کے اگر جواب پہونچے تو بڑا احسان ہوگا، خط پہونچنے میں چھ روز لگتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

١......اگر ٢٩/ کو مطلع صاف ہو کر نہ بادل ہو، نہ غبار، نہ دھواں، نہ بارش ہو، نہ سرخی ہو تو محض کسی ریڈیو کی اتنی خبر پر کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا ٣٠/ رمضان کا عید کرنا درست نہیں (١)۔

---

(١) "لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبيين الحقائق: ١٦٠/٥، كتاب الشهادة، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ١٩١/٣، فصل يشهد بكل ما سمعه أو راٰه، دارالكتب العلمية بيروت) ...... =

۲......اتنی خبر بھی کافی نہیں (۱)۔

۳......بلاتحقیق عید کرنا جائز نہیں تھا اگرچہ بعد میں تحقیق سے حجت کا علم ہو جائے۔

۴......جب تک شرعی طور پر تحقیق نہ ہو جائے روزہ توڑنے کی اجازت نہیں لیکن بعد میں تحقیق ہونے پر کہ اسی روز عید تھی، قضاء و کفارہ کا وجوب نہ ہوگا (۲)۔

۵، ۶......نہ قضاء ہے نہ کفارہ، بلاتحقیق روزہ توڑنے پر استغفار کرے۔

۷......جب تک تحقیق نہ ہو جائے روزہ رکھنا ہی لازم ہے، عید کرنا درست نہیں لہذا انہوں نے ٹھیک کیا (۳)۔

۸......انھوں نے ٹھیک کیا، وہ گنہگار نہیں۔

۹-۱۲......محض یہ خبر کہ چاند ہوگیا یا عید ہے کسی کی بھی معتبر نہیں اگرچہ ریڈیو پر خبر دینے والے مسلم متقی ہوں۔

۱۳......آپ کی تحریر کردہ صورت میں وہ لوگ گنہگار نہیں۔

۱۴......۲۹/ ہوئے۔

= (وكذا في المحيط البرهاني : ۱۵۸/۱۰، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة الخ، رشيديه)

(۱) (راجع، ص: ۹۶، رقم الحاشية : ۱)

(۲) "لزم نفلٌ شرع فيه قصداً أداءً و قضاءً إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي". (ردالمحتار على الدرالمختار : ۴۲۸/۲، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۱۹۱، فصل في العوارض، قديمى)

(وكذا في بدائع الصنائع : ۲۲۶/۲، فصل في حكم من أفسد صومه، دارالكتب العلمية، بيروت)

(۳) "وإذا لم تكن بالسماء علة، لم تقبل الشهادة حتى يراه جمع كثير يقع العلم بخبرهم". (الهداية، ص: ۲۱۵، كتاب الصوم، شركت علميه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۸/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني : ۵۴۷/۲، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، غفارية)

۱۵......عید سنیچر کو ہوئی۔

۱۶......ایک قول میں اس کا بھی اندازہ کیا گیا ہے:"وقدر البُعد الذی تحتلف فیه المطالع مسیرة شهر فأکثر علی ما فی القهستانی". ردالمحتار (۱)۔ شامی نے اس کی دلیل کے ضعف کی طرف بھی اشارہ کیا ہے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۱۰/۹۱ھ۔

رؤیتِ ہلال کا ثبوت پاکستانی ریڈیو سے

سوال [۴۷۸۴]: امسال ہندوستان میں ۲۹/ رمضان کو چاند نہیں دیکھا گیا، مگر ریڈیو پاکستان نے آٹھ بجے شب میں خبر دی کہ ۲۹/ کا چاند ہو گیا ہے، اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا جس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں، انہوں نے روزہ توڑا اور دوسروں سے بھی توڑوادیا۔ دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ صرف ریڈیو پاکستان کی خبر یا شہادت پر روزہ افطار کرنے والوں نے کیسا فعل کیا؟ اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا، ان لوگوں کا فعل کیسا ہے؟ مولوی صاحب کا کہنا یہ ہے کہ پاکستان مسلم حکومت ہے وہ غلط خبر نہیں دے گی۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

"صورتِ مسئولہ میں ریڈیو کی خبر کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں، پاکستانی ہو یا ہندوستانی یا عربی۔ جن مولوی صاحب نے پاکستان کی خبر پر روزہ توڑ دیا اور لوگوں سے توڑوادیا انہوں نے سخت غلطی کی اور قضاء لازم ہے (۳) اور جن لوگوں نے پاکستان کی ریڈیو کی خبر پر روزہ

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۳۹۳، مطلب فی اختلاف المطالع، سعید)

(۲) قال ابن عابدین رحمه الله تعالیٰ: "ولا یخفی مافی هذا الاستدلال .... وقد نبه التاج التبریزی علی أن اختلاف المطالع لایمکن فی أقل من أربعة وعشرین فرسخاً، وأفتی به الوالد، والأوجه أنها تحدیدیة، کما أفتی به أیضاً". (ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/۳۹۳، کتاب الصوم، مطلب فی اختلاف المطالع، سعید)

(۳) "لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل یوم الثلثین ظانّین أنه یوم العید، فهو لغیره، لم یکفّروا، کما فی المنیة". (ردالمحتار: ۲/۴۰۷، مطلب فی جواز الإفطار بالتحری، سعید) .... =

نہیں توڑا شریعت کے حکم کے مطابق کیا"۔

مفتی عبدالجبار الحنفی مدرس مدرسہ مفتاح العلوم مئو، ۲۵/شوال المکرّم/۸۶ھ۔

الجواب: "ریڈیو کی خبر شرعاً معتبر نہیں، اس پر جن لوگوں نے روزہ توڑا ان پر قضاء کے ساتھ کفارہ بھی لازم ہوگیا جس میں مولوی صاحب بھی شامل ہیں اور روزہ تڑوانے کی وجہ سے تمام روزہ توڑنے والوں کا گناہ بھی اس کے سر عائد ہوگا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا انہوں نے بالکل درست کیا۔ واللہ اعلم وحکمہ احکم"۔

حررہ ابوالقاسم محمد عتیق غفرلہ فرنگی محلی ،۴/ ذیقعدہ/۱۳۸۶ھ۔

سوال: امسال بھی عید کے چاند میں بہت گڑ بڑ ہوگئی، ابر کی وجہ سے ۲۹/ کا چاند نہیں دیکھا گیا، مگر آٹھ بجے رات کے بعد ریڈیو پاکستان (بمبئی واحمد آباد) حیدرآباد سے چاند کی خبر ملی، وہاں کے مولوی صاحب نے آپ کے فتویٰ کے پیش نظر ریڈیو پاکستان کی خبر مانتے ہوئے چاند کا اعلان کرادیا اور جمعرات کو نماز عید ادا کی، ہمارے پاس تین جگہ کے فتاویٰ موجود ہیں، ان کو دیکھ کر طبیعت پریشان ہے کہ کس کو مانا جائے، بلیاء کے علمائے کرام کا کہنا ہے کہ پاکستان ایک الگ حکومت ہے وہاں کی خبر یا شہادت ہمارے لئے معتبر نہیں اور ہندوستان میں کوئی وزیر یا قاضی اعلان کرتا ہی نہیں اس لئے یہاں کی بھی خبر معتبر نہیں۔

الجواب حامداً و مصلياً:

دارالعلوم کے فتوی محررہ ۲۷/۳/۸۶ھ میں شروع ہی میں بتادیا گیا ہے کہ آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے تو اس خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں اور فرنگی محل لکھنؤ اور مفتاح العلوم مئو کے فتاوی منقولہ کی بنیاد بھی یہی چیز ہے، اس لئے اتنی بات میں ہر سہ فتاویٰ متفق ہیں، کوئی اختلاف نہیں۔ البتہ دارالعلوم کے فتوے میں ایک دوسری شق بھی مذکور ہے جس سے ریڈیو کی خبر محض خبر کے درجہ سے نکل کر ذمہ دارانہ اعلان کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے، اس کی کوشش بھی کی جارہی ہے اور بعض جگہ کامیابی بھی ہوگئی ہے۔ رہی یہ بات کہ "پاکستان کی

= (وكذا في التاتارخانية : ۲/۳۹۵، الفصل التاسع فيما يصير به شبهة في إسقاط الكفارة، إدارة القرآن، كراچی)

(وكذا في حاشية الطحطاوی ،ص : ۶۷۵، كتاب الصوم ، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمی)

خبر یا شہادت ہمارے لئے معتبر نہیں'' یہ تو بالکل بے بنیاد ہے، اگر ۲۹/ کو مطلع صاف نہ ہو اور دو مقبول الشہادۃ مرد آ کر گواہی بھی دیں تو ان کی شہادت کو محض اس وجہ سے رد کر دینا کہ یہ الگ حکومت کے آدمی ہیں ہرگز صحیح نہیں، اختلافِ دارین کو فقہاء نے موانعِ ارث میں تو شمار کیا ہے وہ بھی بحقِ اہل اسلام نہیں، مگر قبول شہادت کے موانع میں شمار نہیں کیا۔ لاہور اور امرتسر دو شہر قریب قریب ہیں مطلع بھی متحد ہی ہے، اگر ایک جگہ رؤیت ہو جائے اور چاند دیکھ کر دوسری جگہ شرعی شہادت پہونچ جائے تو یقیناً قابلِ قبول ہوگی، اگر اختلافِ مطالع کی بحث کو نہ لایا جائے تو فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ مغرب کی رؤیت سے اہلِ مشرق پر بھی یہی حکم لازم ہو جائے گا جب کہ رؤیت بطریقِ موجب ثابت ہو جائے:

"فیلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ". درمختار۔ "(قوله: بطريق موجب) كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهد على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر بخلاف ما إذا أخبرا أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". الدر المختار: ۲/۱۳۲(۱)۔

مشرق و مغرب سب جگہ ایک حکومت اس وقت بھی نہیں تھی جب یہ مسئلہ فقہاء نے تحریر فرمایا تھا۔ بلیا کے علمائے کرام کے قولِ مذکور کا ماخذ ان سے دریافت کر کے ہم کو بھی مطلع فرمائیں تو احسان ہوگا اور مزید غور کا موقع ملے گا۔ رؤیت ہلال پر علامہ شامی کا مستقل رسالہ ہے جس میں مفصل بحث ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

رمضان کا چاند اور ریڈیو پاکستان کی ایک غلطی

کراچی ۱۰/ مارچ (بذریعہ ڈاک) ریڈیو پاکستان کراچی نے اپنی نادانستہ غلطی سے کراچی کے

---

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/۳۹۴، مطلب فی اختلاف المطالع، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۸، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۲/۱۶۴، کتاب الصوم، دار الکتب العلمیة، بیروت)

(۲) (تنبیه الغافل والوسنان علی أحکام هلال رمضان، من مجموعة رسائل ابن عابدین: ۱/۲۳۲، سهیل اکیڈمی، لاهور)

باشندوں کو الجھن میں ڈال دیا ہے بتایا گیا ہے کہ مولانا احتشام الحق تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کا چاند نظر آنے کی صورت میں ریڈیو پاکستان سے نشر کرنے کے لئے اپنی تقریر ریکارڈ کرائی تھی، آج چاند نظر آنے کی امید تھی، لیکن نظر نہیں آیا، ادھر ریڈیو پاکستان کے ذمہ داروں نے سمجھا کہ چاند نکل آیا ہے، چنانچہ اس غلط فہمی کے نتیجہ میں انہوں نے مذکورہ بالا تقریر کا ریکارڈ نشر کردیا ہے جس میں مولانا نے کراچی کے باشندوں کو یہ خوشخبری سنائی تھی کہ ماہ رمضان شروع ہوگیا ہے، بعد میں ریڈیو پاکستان نے اپنی غلطی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے معذرت چاہی۔

اخبار روزنامہ سیاست کانپور، ۱۸/ مارچ/ ۵۹ء۔ ۸/ رمضان/ ۷۸ھ۔

تار کا یہ حال ہے کہ روزانہ اس میں غلطی ہوتی ہے، ڈاکخانہ کے کہنہ مشق کچھ کا کچھ لکھتے ہیں اور کچھ کا کچھ پڑھتے ہیں، چنانچہ ایک تار آیا ''کتا بے دین'' ڈاکیہ تلاش کرتا پھرتا ہے، اس نام کا کوئی نہیں ملتا اور جس سے پڑھوایا سب نے یہی ''کتا بے دین'' پڑھا، یہ ناس مارا گیا تھا ''قطب الدین'' کا۔

غرض ان آلات وایجادات پر خود ان کے استعمال کرنے والوں کا جس قدر اعتماد ہے وہ سائل کے علم میں ہے، پھر ان کے مقابلے میں شرعی احکام واصول پر اس نوع کا کلام کرنا شرعی احکام سے بے خبری اور ان کی بے وقعتی ہے اور آلات مذکورہ کی صحیح حیثیت سے عدم واقفیت پر مبنی ہے، اگر اصل حقیقت سے واقفیت ہوتو ایسے کلام کی جرأت نہ ہوسکے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

ریڈیو کی اطلاع پر روزہ

سوال[۴۷۸۵]: گذارش یہ ہے کہ آپ حضرات نے آج تک رؤیتِ ہلال کے متعلق کچھ فیصلہ نہیں فرمایا، اور احکامِ رمضان المبارک جو دارالعلوم سے شائع ہوا ہے، اس میں بھی آپ نے یہی لکھا ہے کہ اس کو مستند اور غیر مستند ہونے کے متعلق علماء سے معلوم کرلیا جائے۔ اگر آپ ریڈیو کو لے کر دیتے ہیں کہ خبر فلاں فلاں شکل میں معتبر ہوگی تو ہم لوگوں کو آسانی ہوجائے گی۔ امام صاحب دہلی نے گذشتہ عیدالفطر کے موقع پر اعلان کرکے ہر جگہ روزہ کو افطار کرا کر عید دوسرے دن منائی۔ اس مرتبہ میں بھی وہ جمعہ کے روزہ کا اعلان کرچکے ہیں اور جابجا عمل اس پر ہورہا ہے اور ہر جگہ روزہ جمعہ وہفتہ کا ہوا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ اور حضرت مفتی سعود صاحب باجازتِ حضرت شیخ الادب رحمۃ اللہ

علیہ اور سید عبدالقادر فرنگی محل لکھنؤ، مفتی مظہر اللہ صاحب دہلی وغیرہ ان سب حضرات نے اس کو غیر معتبر فرمایا ہے اور آپ نے صرف خبرِ مستفیض کی بحث چھیڑ دی۔ ہندوستان میں بنگلور اور پٹنہ کی روایت کی خبر بذریعہ ریڈیو پہنچتی ہے۔ اور پاکستان میں ہمیشہ چاند ۲۹/ کا ہوتا ہے۔ وہ لوگ بذریعۂ ہوائی جہاز اور دُوربین تلاش کر لیتے ہیں، پھر بھی ان میں اختلاف رہتا ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ ۲۱/ دسمبر اور ۲۹/ شعبان اور ۳۰/ شعبان پاکستان بروز سنیچر اگر مطلع ابر آلود ہو اور چاند نہ دیکھا گیا ہمارے قرب وجوار میں، اور ریڈیو میں یوپی سے اطلاع ملے تو اس ریڈیو کی خبر پر ہم لوگ عید کریں یا نہ کریں؟ ریڈیو کی اور چاند کی خبر کے معتبر اور غیر معتبر ہونے میں اختلاف کا ہونا قدرت کی طرف سے ہے، وہ یہ کہ چاند ہمیشہ ۲۹/ کو نظر نہیں آتا، بلکہ ۳۰/ تاریخ کو نظر آتا ہے۔ مطلع ہمیشہ صاف نہیں رہتا، کبھی ابر آلود رہتا ہے، ہر شخص کی نظر صاف نہیں دیکھ سکتی۔ اختلاف تو ہمیشہ سے چل رہا ہے، البتہ اس کو خلاف قرار دینا - جو کہ نتیجہ ہے عناد کا، جس کا ثمرہ فساد ہے - شرعاً وعقلاً ہر طرح سخت مذموم اور ممنوع ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ریڈیو کے ذریعہ موصول ہونے والے خبروں کے متعلق تفصیل سے کلام کیا اور اس کو شائع کیا ہے کہ کس صورت میں ایسی چیزیں معتبر ہوں گی، کس صورت میں معتبر نہیں ہوں گی (۱)، یہاں سے بھی چند شرائط کے ساتھ معتبر ہونے کو لکھا جاتا ہے، نہ یہ بات ہے کہ ہر حال میں ان کو معتبر مانا جائے، نہ یہ ہے کہ کسی حال میں معتبر نہ مانا جائے، جیسے کہ بغیر ریڈیو کی خبر نہ معتبر ہوتی ہے نہ غیر معتبر ہوتی ہے۔ مولانا محمد میاں صاحب نے بھی دہلی سے اس کی تفصیل عرصہ ہوا شائع کر دی ہے۔

ہمارے پاس امسال معتبر آدمیوں نے خود اپنا دیکھنا اور جمعہ کو روزہ رکھنا بیان کیا ہے، ان کے بیان کو

---

(۱) (آلات جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۶، ۱۷۷، ادارۃ المعارف کراچی)

(وکذا في جواھر الفقه: ۱/ ۳۹۷، دار العلوم کراچی)

(وکذا فی احسن الفتاویٰ، کتاب الصوم، رؤیتِ ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق: ۴/ ۴۰۹، سعید)

(ورسالة: رؤیت ہلال کا مسئلہ، ص: ۵۷، دار الکتب جنید نشین، کراچی)

یہاں معتبر تسلیم کیا گیا اور اعلان کردیا گیا کہ جمعہ کو پہلا روزہ ہے جن لوگوں نے رکھ لیا ہے وہ بَری ہوگئے، جنہوں نے نہیں رکھا وہ بعد عید ایک روزہ کی قضاء کریں۔ دہلی، بجنور وغیرہ متعدد مقامات پر ۲۹/ کی رویت ہوئی ہے، اب کوئی تردُّد نہیں رہا۔ آئندہ روزہ کا حکم اسی پر مرتب ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۶/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۷/ ۸۸ھ۔

ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کرنا

سوال [۴۷۸۲]: امسال بلیا میں عید کا چاند نہیں دیکھا گیا، ہندوستان اور پاکستان کے تمام ریڈیو سے ۲۹/ رمضان کو خبر دی کہ کہیں چاند نہیں، لیکن ۱۲/ بجے رات کے پاکستان ریڈیو اور بمبئی ریڈیو نے خبر دی کہ ۲۹/ کا چاند ہوگیا ہے۔ اس خبر کو سن کر بعض عجلت پسند لوگوں نے روزہ توڑ دیا، اس میں ایک مولوی صاحب بھی ہیں انہوں نے بھی روزہ توڑ دیا، لیکن عید کی نماز دوشنبہ کو پڑھائی حالانکہ نماز کا وقت تھا اس لئے کہ سحری کے وقت تک خبر معلوم ہو چکی تھی اور شہر بلیا اور اس کے قرب وجوار کے تمام لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ نہیں توڑا۔

اب دریافت طلب یہ بات ہے کہ جن لوگوں نے صرف ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دیا اور نماز عید نہیں پڑھی– حالانکہ وقت تھا– ان لوگوں نے کیسا فعل کیا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں توڑا ان کا فعل کیسا ہے جب کہ عینی شہادت مفقود تھی؟

حشمت اللہ پرمنداپور، بلیا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آج کل عامۃً ریڈیو پر اس طرح خبر آتی ہے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا یا فلاں جگہ عید ہے، نہ یہ خبر کہ چاند کس نے دیکھا ہے، ایک دو نے یا زائد نے، مطلع صاف تھا یا نہیں، چاند دیکھنے والے مقبول الشہادۃ ہیں یا نہیں، رؤیت ہلال کمیٹی نے شہادت قبول کر کے اعلان کیا ہے، یا ویسے ہی یہ اعلان حکومت مسلم کی طرف سے ہے، یا محض ریڈیو کے منتظمین کی طرف سے وغیرہ وغیرہ تو ایسی خبر پر روزہ توڑنا درست نہیں (۱)۔ اگر وہ اعلان

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان مسئله "ریڈیو، ٹیلی فون، تاربرقی کے ذریعے چاند کا ثبوت")

ریڈیو پر اس طرح ہو کہ فلاں جگہ شرعی شہادت کے ذریعہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا ہے اور رؤیت ہلال کمیٹی (جس کے ذمہ دار مسائلِ شرع سے واقف اور مقبول الشهادة آدمی ہیں) یا حکومتِ مسلم (قاضی یا وزیر وغیرہ) کی طرف سے یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ کل فلاں روز نماز عید ادا کی جائے تو یہ خبر معتبر ہے، اس پر روزہ افطار کرنا اور نماز عید ادا کرنا درست ہے۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی نے مستقل رسالہ میں بیان فرمائی ہے (۱)۔

اگر عید کے چاند کا ثبوت و اعلان ایسے وقت ہو جائے کہ نماز روزہ والوں کو خبر پہنچ جائے اور وہ نماز عید وقت پر (زوال سے پہلے) ادا کر سکیں تو آئندہ روز کے لئے بغیر کسی شرعی مجبوری (بارش شدید وغیرہ) کے نماز کو مؤخر کرنا درست نہیں (۲)۔ آپ اپنے یہاں کے حالات کو اس مسئلہ کی روشنی میں خود سمجھ لیں اور مولوی صاحب سے دریافت کر لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہلالِ عید کی شہادت پر روزہ افطار کرنا اور عید پڑھنا

سوال [۴۷۸۷]: عید الفطر کا چاند ۲۹/ کو عام نہیں ہوا، ۳۰/ تاریخ کو شہادت کی وجہ سے دوپہر کو روزہ افطار کئے گئے، اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ شرعی اعتبار سے عید اس روز مانی جائے گی جس روز روزے افطار کئے گئے ہیں یا اگلے دن جب نماز ہوئی ہے عید مانی جائے گی؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے ۲۹/ رمضان کو چاند نظر نہیں آیا اس بنا پر روزہ رکھا گیا، یہ تصور کرتے ہوئے کہ ۳۰/ رمضان ہے، مگر بعد شہادتِ شرعیہ سے چاند کا ثبوت ہو گیا اور روزہ افطار کر دیا گیا اور ثابت ہو گیا

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان "ریڈیو، ٹیلی فون، تار برقی کے ذریعے چاند کا ثبوت")

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/۱۷۶، باب العيدين، مطلب: أمر الخليفة لا يبقى بعد موته، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۵۲، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۲۲۶، باب صلوة العيدين، دار الكتب العلمية بيروت)

کہ یکم شوال ہے تو وہی دن عید کا دن ہے اسی دن عید کی نماز پڑھی جائے ،لیکن اگر شہادت دیر میں پہونچی اور عید کی نماز کا وقت نہیں رہا تو نماز عید ۲/ شوال کو پڑھی جائے (۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۰/۱۰/ ۸۵ھ۔

مشکوک خبر پر روزہ افطار کرنا

سوال[۴۷۸۸]: کیونکہ متعدد خبریں غلط واقع ہوئیں کہ ۲۹/ کو چاند ہوا، اور یہ خبر کسی نے نہیں دی کہ چاند دیکھا، مشکوک خبر پر روزے افطار کئے گئے۔لہٰذا اس روزہ کی قضاء واجب ہے یا نہیں؟ کیونکہ صحیح چاند ۳۰/ کا مانا گیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سہارنپور میں شرعی شہادت سے ۲۹ کو عید کا چاند ثابت ہوا اور ۲۹/ روزے ہوئے ،لہٰذا اس روزے کی قضاء نہیں۔دوسری جگہوں کا تفصیلی حال معلوم نہیں۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۱/۱۰/ ۸۵ھ۔

ریڈیو کی خبر پر افطار اور عید

سوال[۴۷۸۹]: ہمارے یہاں بہت سے آدمیوں نے ریڈیو کی خبر کے مطابق آج ۲۳/ جنوری/ ٦٦ء بروز اتوار سات آٹھ بجے دن کو روزہ افطار کرلیا ہے اور عید الفطر کی نماز بھی ادا کرلی ہے، لیکن ہمارے یہاں اور گردونواح کی کسی بھی جگہ سے چاند دیکھنے کی کوئی معتبر خبر نہیں سنی، سب جگہوں سے بدستور روزہ رکھنے کی اور ۲۴/ جنوری کو عید الفطر کی نماز ادا کرنے کی خبر ہے، لہٰذا جن آدمیوں نے ۲۳/ جنوری کو روزہ افطار کرلیا اور عید الفطر کی نماز ادا کرلی، ان کے لئے اسلام کی رو سے کیا حکم ہے؟

---

(۱) "و تؤخر بعذر إلى الزوال من الغد فقط" (الدرالمختار). "(قوله: بعذر كمطر) دخل فيه ما إذا لم يخرج الإمام و ما إذا غم الهلال، فشهدوا به بعد الزوال أو قبله بحيث لا يمكن جمع الناس، أو صلاها في يوم غيم و ظهر أنها وقعت بعد الزوال". (رد المحتار: ۲/ ۱۷٦، باب العيدين، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۵۱، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(و كذا في الهداية: ۱/ ۱۷۴، كتاب الصلوة، باب العيدين، شركت علميه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

محض ریڈیو کی خبر پر کہ فلاں جگہ عید ہے روزہ توڑ دینا اور عید پڑھنا درست نہیں (۱)، لیکن اگر رؤیتِ ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی با قاعدہ شرعی شہادت لے کر اعلان کرے یا کرائے کہ شرعی طور پر چاند کا ثبوت ہوگیا ہے، اس لئے اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان معتبر ہوگا جب کہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار یکم شوال تھی (۲) جو روزہ اس روز توڑا گیا تھا اس کی قضاء لازم نہیں اور جو نمازِ عید الفطر پڑھ لی گئی ہے اس کی بھی قضاء لازم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دار العلوم دیو بند، ۲۳/۱۰/۸۵ھ۔

ریڈیو کے ذریعہ شہادت

سوال [۴۷۰۹]: عید کا چاند یا کسی اور مہینہ کا چاند دکھائی نہ دے اور پاکستان، بمبئی سے ریڈیو سے اگر خبر ملے تو اس کی خبر معتبر ہوگی یا نہیں اور ایسی صورت میں روزہ توڑنا مناسب ہے یا نہیں؟ حالانکہ اکثر کتابوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ ریڈیو کی خبر معتبر نہیں، ہاں اگر اعلان کرنے والے کی آواز پہچان لی جائے تو معتبر ہے، نیز یہ کہ اگر چاند کے متعلق ریڈیو سے یہ اعلان کیا جائے کہ بمبئی سے جمعیۃ العلماء اور دہلی سے فلاں جماعت نے

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لا یسعه أن یشهد، لا حتمال أن یکون غیره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبیین الحقائق: ۵/۱۶۰، کتاب الشهادة، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، فصل یشهد بکل ما سمعه أو رآه، بیروت)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۱۰/۱۵۸، الفصل الأول فی بیان تحمل الشهادة، غفاریة)

(۲) قال الشیخ المفتی محمد شفیع رحمه الله تعالیٰ: ''البتہ جس شہر میں با قاعدہ قاضی یا ہلال کمیٹی نے کسی شہادت پر اطمینان کر کے عید وغیرہ کا اعلان کر دیا ہو تو اس اعلان کو اگر ریڈیو پر نشر کیا جائے تو جس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے، اس شہر اور اس کے مضافات و دیہات کے لوگوں کو اس ریڈیو کے اعلان پر عید وغیرہ کرنا جائز ہے، شرط یہ ہے کہ ریڈیو کو اس کا پابند کیا جائے کہ وہ چاند کے متعلق مختلف خبریں نشر نہ کرے صرف وہ فیصلہ نشر کرے جو اس شہر کے قاضی یا ہلال کمیٹی نے اس کو دیا ہے''۔ (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت)

(وکذا فی أحسن الفتاویٰ: ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

اعلان کیا ہے کہ چاند کی تصدیق ہوگئی ہے اوراس پر عمل کیا جائے تو عام مسلمانوں کو ایسی صورت میں اس پر عمل کرنا چاہئے یانہیں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر کوئی شخص چاند دیکھ کر ریڈیو پر خبر دے کہ میں نے چاند دیکھا ہے تو اس کی یہ خبر شہادتِ شرعیہ نہیں، اس پر کوئی حکم مرتب نہیں ہوگا بلکہ اس کو لغو کہا جائے گا (۱)۔ اگر رؤیت ہلال کمیٹی جس میں ذی علم اور قابلِ اعتماد لوگ ہوں باقاعدہ چاند کی شہادت حاصل کر کے اعلان کریں یا کرائیں کہ شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے اور اعلان کیا جاتا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو اعلان شرعاً معتبر ہوگا (۲)، لیکن عوام کو چاہئے کہ اس اعلان پر اپنے یہاں کے اہل علم حضرات کی طرف رجوع کریں اور وہ اس کو معتبر مانتے ہوئے روزہ افطار کرنے اور نماز عید ادا کرنے کا حکم دیدیں، یہی احتیاط ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/ ۸۵ھ۔

ریڈیو کی خبر پر روزہ توڑ دینا

سوال [۴۷۹۱]: ۱...... ریڈیو کی خبر دیانات ومعاملات میں شرعاً حجت ہے یانہیں؟ دیانات میں خصوصاً رؤیت ہلال رمضان وعید الفطر میں؟

۲...... آگرہ میں ۱۷/ اگست کو مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے رؤیت نہ ہوسکی، ۱۸/ اگست کو سب نے روزہ رکھا، مگر دوپہر کو بعض افراد نے یہ کہہ کر کہ ”پاکستانی ریڈیو کی خبر سے ہمارا دل گواہی دے رہا ہے کہ آج عید

---

(۱) ”لو سمع من وراء الحجاب، لا يسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة“.
(تبيين الحقائق: ۵/ ۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)
(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/ ۱۹۱، فصل: يشهد بكل ما سمعه أو راه، دار إحياء التراث العربي بيروت)
(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/ ۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة الخ، غفارية)
(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان مسئله: ”ریڈیو کا اعلان کب معتبر ہے؟“)

ہے'' روزہ افطار کیا اور دوسروں سے یہ کہہ کر افطار کرایا کہ آج شیطانی روزہ ہے۔ ان لوگوں کا یہ فعل صحیح تھا یا غلط؟ اگر غلط تھا تو ان لوگوں پر قضاء ہے یا قضاء مع الکفارۃ یا کچھ نہیں، اگر کچھ نہیں تو کیوں؟

۳...... فقہاء کے نزدیک اختلافِ مطالع کا کہاں تک اعتبار مانا گیا ہے؟ بینوا توجروا۔

نوٹ: چونکہ میں ایک طالب علم ہوں اس لئے دلائل سے سمجھنا چاہتا ہوں۔ جزاکم اللہ احسن الجزاء۔

۶/ستمبر ۷۴ء۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ریڈیو کی خبر حجت نہیں، محض ریڈیو کی خبر پر روزہ افطار کر کے عید کرنا ہرگز جائز نہیں بلکہ ناجائز اور معصیت ہے(۱)، لیکن اگر بعد میں شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے ثبوت ہو جائے تو قضاء یا کفارہ کا حکم بھی نہیں کیا جائے گا(۲)۔

رمضان کے متعلق اختلافِ مطالع شرعاً معتبر نہیں، یہی ظاہر مذہب ہے:

"و اختلاف المطالع غير معتبر على ظاهر المذهب، وعليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى، بحر عن الخلاصة، فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئك بطريق موجب، اهـ، كأ ن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أو يستفيض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية، اهـ". درمختار وشامی، ص: ۱۳۲(۳)۔

---

(۱) (تقدم تخريجه تحت عنوان ''ریڈیو کے ذریعہ شہادت'')

(۲) شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے عید کا ثبوت ہو جانے کے بعد قضاء یا کفارہ کا حکم اس لئے نہیں لگایا جائے گا کہ اس نے جو روزہ توڑا تھا وہ اپنے محل (شوال) میں توڑا تھا جس کی مزید تائید پھر شہادت یا خبرِ مشہور سے ہوئی، لیکن اگر شہادتِ شرعیہ یا خبرِ مستفیض سے روزے کا ثبوت ہوتا تو اس صورت میں صرف اس دن کی قضاء لازم ہوتی، کفارہ پھر بھی نہ ہوتا: "رأى مكلف هلال ...... الفطر، ورد قوله بدليل شرعي ...... فإن أفطر قضى فقط، الخ". (الدر المختار، كتاب الصوم: ۲/۳۸۴، سعيد)

(۳) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم، مطلب في اختلاف المطالع، سعيد)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه) ...... =

تار، ٹیلفون، خط، ریڈیو وغیرہ کی خبر کے متعلق مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے ایک رسالہ مستقل تالیف کیا ہے، زیادہ تفصیل مطلوب ہوتو اس کو دیکھئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/۱۱/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ سہارنپور، ۱۲/۱۱/۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ذیقعدہ/ ۶۶ھ۔

ریڈیو کی خبر، شہادت

سوال [۴۷۹۲]: ریڈیو پر اگر چاند کی خبر آوے تو کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خبر حجتِ مُلزِمہ اور شہادتِ شرعیہ نہیں، لہذا دیانات میں مقبول نہیں، کیونکہ مخبر حاضر نہیں بلکہ غائب ہے اور پسِ پردہ سے بات کرتا ہے جس سے وقتِ اخبار نہ اس کی ذات کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور نہ صفات کی، تاکہ عادل (مقبول الشہادۃ) اور فاسق (مردود الشہادۃ) ہونا متعین ہوجائے، محض آواز سے پہچاننا شرعاً معتبر نہیں "لأن النغمة تشبه النغمة"۔

ریڈیو پر جو شخص بولتا ہے اگر دو عادل شخص اس کے متعلق شہادت دیں کہ یہ فلاں شخص ہے تو ان دو شاہدوں کی شہادت پر یقین کرتے ہوئے کسی ثالث کو شہادت دینا کہ ہاں یہ فلاں شخص ہے جائز نہیں اور اس کی شہادت بھی مقبول نہیں، ریڈیو پر اگر نکاح کا ایجاب وقبول کیا جائے اور دو شاہد اس کو سنتے ہوں تو ان کی شہادت سے نکاح منعقد نہیں ہوگا:

"و لا يشهد على محجب بسماعه منه إلا إذا تبيّن القائل بأن لم يكن فى البيت غيره، لكن لو فسر لا تقبل –درر–، أويُرى شخصها: أى القائلة مع شهادة اثنين بأنها فلانة بنت فلان ابن فلان، اهـ" درمختار۔ "(قوله: فسر): أى بأنه شاهد على المحجب. (قوله: شخصها) فى

= (وكذا فى تبيين الحقائق: ۲/۱۶۴، كتاب الصوم، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہلال کے معاملہ میں آلاتِ جدیدہ کی خبروں کا درجہ"، ادارۃ المعارف، طبع ۱۳۹۹ھ)

الملتقط: إذا سمع صوت المرأة و لم یر شخصها، فشهد اثنان عنده أنهافلانة، لایحل له أن یشهد علیه، وإن رأی شخصها وأقرت عنده فشهد اثنان أنهافلانة، حل له أن یشهد علیها، بحر. اهـ". شامی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

تار اور ٹیلیفون کی خبر

سوال[۴۷۹۳]: خبر رؤیت ہلال بذریعۂ ریڈیو یا تار، ٹیلفون شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ خبر شہادتِ شرعیہ کے حکم میں نہیں؛ "لأن الخط یشبه الخط، والنغمة تشبه النغمة" خاص کر جب کہ تار وغیرہ کا واسطہ غیر مسلم ہوں اور مطلب سمجھنے میں بھی غلطی اکثر ہوتی ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/شعبان/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/شعبان/۶۶ھ۔

---

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار: ۴۶۸/۵، کتاب الشهادات، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق: ۱۶۰/۵، کتاب الشهادة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل: یشهد بکل ما سمعه أو راٰه، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۱۵۸/۱۰، الفصل الأول فی بیان تحمل الشهادة، غفاریة)

(۲) "لو سمع من وراء الحجاب، لا یسعه أن یشهد، لاحتمال أن یکون غیره؛ إذ النغمة تشبه النغمة".

(تبیین الحقائق: ۱۶۰/۵، کتاب الشهادة، دارالکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱۹۱/۲، فصل: یشهد بکل ما سمعه أو راٰه، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۱۵۸/۱۰، الفصل الأول فی بیان تحمل الشهادة و حل أدائها والامتناع عن ذلک، غفاریه کوئٹه)

تار، ٹیلیفون وغیرہ کی خبر پر عید اور رمضان

سوال[۴۷۹۴] : ۱...... موجودہ زمانہ میں اگر کسی شہر یا ملک میں رؤیت ہلال رمضان وعید الفطر نہ ہو اور کسی دوسرے شہر یا ملک سے صرف ذریعہ تار برقی، ٹیلگراف، ٹیلفون، ریڈیو اور وائرلیس خبر موصول ہو تو کیا از روئے شرع شریف مطابق مذہب احناف اس شہر والوں پر جہاں رؤیتِ ہلال نہیں ہوئی ہے روزہ رکھنا یا رکھوانا ، افطار کرنا یا کرانا ضروری اور واجب ہے، یا اس قسم کی خبر واطلاع پر عمل کرنا ضروری ہے؟

۲...... امسال رؤیتِ ہلال عید الفطر کے سلسلہ میں ڈھاکہ اور حیدرآباد سے ذریعہ ریڈیو ۲۹/ رمضان المبارک کو یہ خبر نشر کی گئی تھی کہ ہلالِ عید الفطر کی رؤیت ہوگئی ہے اور کل عید ہے۔ کیا اس خبر کو صحیح باور فرما کر جناب نے شنبہ ۸/ ستمبر/ ۱۹۴۵ء کو یوم الفطر قرار دیا تھا یا نہیں؟

۳...... بصورتِ معتبریٔ خبرِ ریڈیو، ٹیلیفون، وائرلیس فقہی نقطۂ نظر سے اس کو دعویٰ، شہادت، قضائے قاضی، خبرِ مستفیض کی شقوں میں سے کسی شق میں داخل سمجھا جاوے؟ از روئے شرع شریف معہ دلائل وحوالۂ کتبِ معتبرہ حنفی سے مستفیض فرما کر داخل اجرِ عظیم ہوں۔ بینوا توجروا۔

المستفتی: عبداللہ عفی عنہ بھوپال۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... آلاتِ مذکورہ کے ذریعہ جو خبر حاصل ہو، وہ مقامِ شہادت میں شرعاً حجت نہیں، کیونکہ شاہد کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہے ان کا علم واقعی طور پر حاصل ہونا دشوار ہوتا ہے: "لأن النغمة تشبه النغمة، والخط يشبه الخط، والخاتم يشبه الخاتم". كذا في شرح الملتقى(۱)، لہذا ایسی خبر پر عید کرنا شرعاً درست نہیں کیونکہ عید کے لئے شہادتِ عدلین شرط ہے(۲)۔

---

(۱) (شرح الملتقى: ۱۶۵/۲، فصل في كتاب القاضي إلى القاضي، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۱۶۰/۵، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و شرط للفطر ...... بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي بخبرهم، وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقديرٍ بعددٍ على المذهب، و عن الإمام أنه يكتفي بشاهدين". "وينبغي العمل على هذه الرواية في زماننا؛ لأن الناس تكاسلت عن ترائي الأهلة". (ردالمحتار: ۳۸۷/۲، كتاب الصوم، سعيد) .... =

جب کہ آسمان پر بادل وغیرہ ہو اور مطلع صاف نہ ہو تو ثبوتِ رمضان کے لئے ایسی صورت میں قولِ واحد کافی ہوتا ہے بشرطیکہ وہ واحد عدل ہو یا مستور ہو(۱)۔ اگر متعدد تار برقی یا ٹیلیفون وغیرہ کے ذریعہ سے مختلف خبریں حاصل ہوں اور قرائنِ قویہ سے ان کی صحت کا غلبۂ ظن حاصل ہو جاوے تو وہ خبر شہود کے حکم میں ہوگی اور اس پر روزہ رکھنا صحیح ہوگا:

"وإذا كان بالسماء علةٌ تمنع الرؤية، قُبل في هلال رمضان خبرُ عدل أو مستور في الأصح، لا فاسق -خلافاً للطحاوي- ولو عبداً أو أنثىٰ أو محدوداً في قذف تاب؛ لأنه خبر لا شهادة، و لهذا لا يشترط لفظ الشهادة. وقُبل في هلال الفطر شهادةُ حرين، أو حر و حرتين بشرط لفظ الشهادة و عدم الحدّ في القذف، اهـ". سكب الأنهر (۲)۔

۲......اس خبر پر یہاں شنبہ ۸/ستمبر کو عید الفطر قرار نہیں دی گئی، بلکہ ۳۰/ رمضان یوم شنبہ ۸/ستمبر/ ۴۵ء کو رؤیتِ عامہ ہوکر ۹/ستمبر/ ۴۵ء، یوم یکشنبہ کو عید الفطر قرار دی گئی۔

۳...... نہ یہ قضائے قاضی ہے، نہ شہادتِ شرعیہ ہے، نہ خبرِ مستفیض ہے کچھ بھی نہیں، بلکہ خبرِ مستور ہے۔ اس مسئلہ پر مستقل ایک رسالہ ہے جس کا نام "القول الكافي في حكم الخبر التلغرافي" ہے، اس میں تفصیل موجود ہے، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندیؒ نے رسالہ تصنیف کیا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اہلِ مشرق کی رؤیت اہلِ مغرب کے لئے

سوال[۴۷۹۵]: فقہ حنفی کی رو سے ایک شہر والوں کا چاند دیکھنا دوسرے شہر والوں کے لئے حجت

= (و كذا في البحر الرائق : ۲/۴۶۸، كتاب الصوم ، رشيديه)

(۱) "وقُبل بلا لفظ دعوى و بلا لفظ أشهد للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور ....لا فاسق اتفاقاً". (الدر المختار). "وقول الطحاوي: أو غير عدلٍ محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن ....أما مع تبيّن الفسق، فلا قائل به عندنا ". (ردالمحتار على الدر المختار : ۲/۳۸۵، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(۲) (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، تحت قوله: "إذا كان بالسماء علةٌ، قُبل في هلال رمضان خبر عدلٍ: ۱/۲۳۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

ہے، ان دونوں شہروں میں کتنا فاصلہ کیوں نہ ہو، ابتدائے مغرب میں چاند دیکھا جائے اور اس کی خبر معتبر طریقہ سے انتہائے مشرق کے رہنے والوں کو پہونچ جائے تو ان پر اس دن کا روزہ ضروری ہوگا، در مختار ردالمحتار (۱)۔ ابتدائے مغرب کی رؤیت انتہائے مشرق کے لئے حجت ہونے سے کیا مراد ہے؟

۲......عرب ملک کی خبر چاند کی جو ریڈیو کے ذریعہ سے سرکاری طور پر ساری دنیا میں پہونچا دی جاتی ہے تو کیا ہمارے لئے وہ خبر حجت ہوگی؟ مشرق میں اس دن رؤیت ممکن ہی نہیں۔

۳......رؤیت کی شہادت یا خبر کس حد تک معتبر ہے ریڈیو سے یا ٹیلیفون سے؟

۴...... پاکستان ریڈیو کی سرکاری خبر ہمارے لئے حجت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اصل یہ ہے کہ ہر شہر والے اپنے مطلع کے مکلّف ہیں جیسے کہ اوقاتِ نماز کا حال ہے ایسے ہی صوم وافطار کا حال ہے: "صوموا لرویته، وأفطروا لرویته". الحدیث (۲)۔ یوم الشک میں اگر مطلع صاف نہ ہوتو تیس دن پورے کرنے کا حکم ہے۔ یوم الشک ۲۹/ تاریخ کے بعد والا دن ہے جس میں احتمال ہے کہ اسی مہینہ کا تیسواں دن ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ مہینہ کا پہلا دن ہو، اس دن کی جو رات ہوتی ہے یعنی ۲۹/ تاریخ کے بعد والی شب، یہ لیلۃ الشک ہے، کیوں کہ احتمال ہے کہ یہ اسی مہینہ کی تیسویں شب ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ آئندہ مہینہ کی پہلی شب ہو۔

لیلۃ الشک میں اگر مطلع صاف نہ ہونے کی حالت میں کسی جگہ چاند نظر نہ آیا اور دوسری جگہ نظر آ گیا، وہاں سے جب بھی لیلۃ الشک میں یا رات گزرنے کے بعد یوم الشک میں شہادت پہونچے گی جو کہ قواعدِ شرعیہ

---

(۱) "(فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤیة أولئک بطریق موجب". (الدرالمختار). (قوله: فیلزم) فاعلهٗ ضمیرٌ یعود إلی ثبوت الهلال: أی هلال الصوم أو الفطر، وأهل المشرق مقوله .... بطریق موجب كأن یتحمل اثنان الشهادة، أو یشهدا علی حکم القاضی، أو یستفیض الخبر، بخلاف ما إذا أخبر أن أهل بلدة كذار أوه؛ لأنه حكایة". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب فی اختلاف المطالع: ۲/ ۳۹۴، سعید)

(۲) (الصحیح لمسلم: ۱/ ۳۴۷، كتاب الصیام، باب وجوب صوم رمضان الخ، قدیمی)

(ومشكوٰة المصابیح: ۱/ ۱۷۴، كتاب الصوم، باب رؤیة الهلال، قدیمی)

کے مطابق مکمل اور قابل قبول ہے تو وہ شہادت قبول کرلی جائے گی خواہ نزدیک سے آئے یا دور سے حتی کہ مغرب کی شہادت مشرق میں اور بالعکس سب جگہ تسلیم کرلی جائے گی (۱)۔

تنبیہ: قبولِ شہادت کے لئے ضروری ہے کہ یوم الشک میں ایسا نہ ہو کہ شہادت قبول کرنے سے مہینہ ۲۸/ کا رہ جائے یا ۳۱/ کا ہو جائے، ایسی صورت میں محل شہادت ہی نہیں، بدائع، زیلعی، بحر (۲)۔

اگر عرب ممالک یا کسی اَور جگہ سے ۲۸/ کی رؤیت کی شہادت آئے گی تو وہ قبول نہیں ہوگی، کیونکہ اس کے تسلیم کرنے سے مہینہ صرف ۲۸/ کا رہ جائے گا۔ شہادت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ شاہد حاضر ہو کر شہادت دے، لہذا ریڈیو، تار، ٹیلیفون، خط کے ذریعہ سے آنے والی خبر شرعی شہادت نہیں (۳)۔

اگر کسی جگہ رویت ہلال کمیٹی یا قاضیٔ شرعی یا حاکم مسلم ذی علم باشرع شہادتِ شرعیہ باقاعدہ حاصل کرکے ریڈیو پر اعلان کرے یا کرائے کہ یہاں شرعی شہادت سے چاند کا ثبوت ہوگیا ہے، لہذا فلاں روز عید ہے تو مذکورہ بالا طریق پر یہ اعلان قابلِ تسلیم ہوگا (۴)، مگر اس اعلان پر عوام کو چاہئے کہ خود جلدی سے عمل نہ کریں،

---

(۱) (الدر المختار مع تنوير الأبصار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في تبين الحقائق: ۲/۱۶۴، كتاب الصوم، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "وقد روى عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه قال: لأن أفطر يوماً من رمضان، ثم أقضيه أحب إليّ أن أزيد فيه ماليس منه". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم: ۲/۵۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

وفيه أيضاً: "لأن الشهر قديكون ثلاثين يوماً، وقد يكون تسعةً وعشرين يوماً؛ لقول النبي صلى الله عليه وسلم: "الشهر هكذا وهكذا". وأشار إلى جميع أصابع يديه، ثم قال: "الشهر هكذا وهكذا" ثلاثاً، وحبس إبهامه في المرة الثالثة، فثبت أن الشهر قديكون ثلاثين يوماً وقديكون تسعةً وعشرين".

(بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فصل في شرائطها: ۲/۵۷۹، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الصوم: ۲/۱۵۶، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم: ۲/۴۶۱، رشيديه)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان "تار و ٹیلیفون کی خبر")

(۴) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "رؤیت ھلال کا اعلان ریڈیو سے کب معتبر ہے؟")

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (آلاتِ جدیدہ کے شرعی احکام، ص: ۱۷۷، باب: ہوائی رؤیت ہلال کی شرعی حیثیت) =

بلکہ اہل علم اور ذمہ دار حضرات کی طرف رجوع کریں جب وہ شرعی قواعد کے موافق اس کو قابلِ اطمینان سمجھ کر تسلیم کرلیں تب عوام اس پر عمل کریں، اس لئے کہ عوام پوری حدود و قیود کا نہ علم رکھتے ہیں نہ پابندی کرتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۳/۱۱/ ۸۵ھ۔

رؤیت کے زبانی پیغام پر افطار کرنا

سوال[۴۷۹۶]: ہمارے یہاں رمضان المبارک کا اول روزہ پنجشنبہ کا ہوا اور جب پنجشنبہ کو ۲۹/ رمضان المبارک ہوا تو ابر ہوتے کی وجہ سے نہ شہر بیاور میں چاند نظر آیا اور نہ شہر اجمیر شریف میں، اور بروز جمعہ تیسواں روزہ کل مسلمانانِ شہر اجمیر و بیاور نے رکھا، مگر تیس رمضان المبارک بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے چار پانچ آدمیوں نے کسی شہر سے آکر اجمیر شریف میں ایک مولوی صاحب نے ایک مجمع میں یہ شہادت دی کہ ہم نے کل بروز پنجشنبہ بچشم خود فلاں شہر میں چاند دیکھا ہے۔ اس پر مولوی صاحب نے ایک مجمع میں حکم دیا کہ روزہ افطار کرلو، سب نے اجمیر شریف میں روزہ افطار کرلیا۔ اس مجمع میں دو آدمی شہر بیاور کے بھی موجود تھے، انہوں نے بھی بروز جمعہ قریب دس بجے دن کے اسی مجمع میں روزہ افطار کرلیا۔

جب یہ دونوں شخص شہر بیاور میں آنے لگے تو مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم بیاور والوں سے کہہ دینا کہ روزہ افطار کرلیں، ان دونوں آدمیوں نے بیاور میں آکر بوقتِ جمعہ جامع مسجد میں آکر کہا کہ مولوی صاحب نے فرمایا ہے کہ روزہ افطار کرلو، اس کہنے پر زید نے روزہ افطار کرلیا اور زید نے کہا کہ جب مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اور اجمیر میں روزہ افطار کرلئے ہیں تو شرعاً سب کو یہاں بھی روزہ افطار کرلینا چاہئے، مگر بکر نے افطار نہیں کیا اور بکر نے زید پر اعتراض کیا کہ جو مولوی صاحب نے کہلا کر بھیجا ہے اس کا ثبوت کیا ہے؟ ان دو آدمیوں کو مولوی صاحب نے تحریری سند دی ہے، یا درگاہ شریف کی مہر لگی ہوئی کوئی سند لائے ہیں، یا ان ہر دونوں نے خود چاند دیکھا ہے۔ لہذا علمائے کرام سے یہ عرض ہے کہ زید کا قول معتبر ہے یا بکر کا؟ اور ایسی صورت میں روزہ بیاور

= (و کذا فی أحسن الفتاویٰ: ۴/ ۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو وغیرہ کی خبر کی تحقیق، سعید)

والوں کوافطار کر لینا چاہئے تھا یانہیں؟ جوحکم ہوخلاصہ تحریر فرمائیں۔فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر بیاور کے لوگ ان مولوی صاحب کی طرف اپنے مسائل اور معاملات میں رجوع کرتے ہیں اور وہ مرجع الفتویٰ ہیں (۱) اورانہوں نے جن دوشخصوں کی معرفت روزہ افطار کرنے کا حکم و پیغام بھیجا ہے، وہ دونوں معتبر ومقبول الشہادۃ ہیں، نیز مولوی صاحب نے شرعی طریق پرشہادت حاصل کر کے پیغام بھیجا ہےتو وہ معتبر ہے اس پرروزہ افطار کردینا چاہئے، ایسی حالت میں بکر کا یہ مطالبہ کہ کیا مولوی صاحب نے کوئی تحریری سند دی ہے بیکار ہے، کیونکہ اگر یہ دونوں کوئی تحریر لاتے اور وہ بکر کے نزدیک معتبر ہوتی تو زبانی پیغام کے غیر معتبر ہونے کی کوئی وجہ نہیں، اگران کے توسط کی وجہ سے زبانی پیغام غیر معتبر ہوتی اوراس میں بھی احتمال ہوتا کہ شاید جعلی تحریر بنالئے ہوں، "لأن الخط يشبه الخط، اهـ"(۲)۔غرض بکر کازبانی پیغام نہ ماننااورتحریر کو ماننے کے لئے آمادہ ہونا بے دلیل ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

"أمّة أمية" کی تحقیق اوررؤیتِ ہلال کے بارے میں اصحابِ توقیت کاقول

سوال[۴۷۹۷]: ۱......زید کہتا ہے کہ اہل عرب ستاروں کی چال سے ناواقف تھے،اس لئے رسولِ

---

(۱) "ولا يخلوا الوجود عمن يميز هذا حقيقةً لاظناً، وعلى من لم يميز أن يرجع لمن يميز لبراءة ذمته". (الدرالمختار). قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "وعبر بعلى المفيدة للوجوب للأمر به فى قوله تعالىٰ: ﴿فاسألوا أهل الذكر إن كنتم لاتعلمون﴾". (ردالمحتار، مقدمه: ۱/۷۸، سعيد)

"إما أن يكون المفتي ليس له معرفة بقواعد الفقه وأصولها، أو يكون عالماً متبحراً عارفاً بالقواعد والأصول، فالأول لايفتى فى هذه الحالة بل يقول: لاأدرى، ويحول المستفتى إلى مفتٍ آخر .... وإن كان المفتى له معرفةٌ بالأصول والقواعد ونظرٌ فى أدلة القرآن والسنة بحيث جعله أهلا للاجتهاد فى المسائل، فإنه يجوز له أن يفتى فى تلك الحادثة بقياسها على نظيرتها المذكورة فى كتب المذهب أو من القواعد والضوابط المحررة فيه: أى فى المذهب اهـ". (اصول الإفتاء، الإفتاء فى النوازل، ص: ۷۶، ۷۷)

(۲) (تبيين الحقائق: ۵/۱۶۰، كتاب الشهادة، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر: ۳/۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ماسمعه أو رآه، دار إحياء التراث العربى بيروت)

خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ رؤیتِ ہلال سے مہینوں کی ابتدا مانی جائے، چنانچہ حدیث شریف کے الفاظ ہیں: "نحن أمةٌ أمّيةٌ لا نكتب و لا نحسب، الشهر هكذا و هكذا" يعني مرةً تسعةً وعشرين، و مرةً ثلاثين". بخاری شریف، کتاب الصوم(۱)۔

اب زید کہتا ہے کہ اس زمانہ میں جو لوگ مہینوں کی ابتداء کو رؤیتِ ہلال پر موقوف مانتے ہیں، وہ در اصل رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کے منشاء اور غایت وغرض سے ناواقف و بے خبر ہیں، چونکہ اس زمانہ میں بہت سے لوگ ستاروں کی چال سے اوران کے حساب سے خوب واقف ہیں، لہذا زید کا یہ قولِ مذکورہ آپ کے نزدیک صحیح ہے یا نہیں؟

۲...... "أمةٌ أميةٌ" کے کیا معنیٰ ہیں، اَن پڑھ یا جاہل یا کچھ اَور؟

۳......"أمةٌ أميةٌ" سے کون لوگ مراد ہیں؟

۴......اہلِ عرب کیا جاہل تھے اوران میں کوئی پڑھا لکھا نہیں تھا؟ اوران میں کچھ لوگ پڑھے لکھے لوگ بھی تھے تو "أمةٌ أميةٌ" سے اہلِ عرب مراد لینا صحیح ہوگا یا نہیں؟

۵......بقولِ زید اگر اگلے زمانہ کے عرب ستاروں کی چال کے حساب سے واقف نہ تھے تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کا حساب اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر ان کو کیوں نہیں تعلیم فرمائی؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس زمانے کے عرب کوتاہ عقل تھے تو العیاذ باللہ حضراتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجتہادی مسائل سب نا قابلِ اعتبار ہو جائیں گے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......"ولا عبرة بقول المؤقّتين ولو عَدولاً على المذهب، الخ". در مختار۔ "أي في وجوب الصوم على الناس، بل في المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع، ولا يجوز للمنجّم أن يعمل بحساب نفسه. و في النهر: فلا يلزم بقول المؤقّتين أنه: أي الهلال يكون في السماء ليلة

(۱) (صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب قول النبي صلى الله عليه وسلم: "لانكتب ولا نحسب": ۲۵۶/۱، قديمي)

كذا، وإن كانوا عدولاً فى الصحيح، كما فى الإيضاح، الخ". ردالمحتار: ۱۴۵/۲(۱)۔

احکام وارکانِ اسلام کو ایسے سادہ طریقہ پر قائم کیا گیا ہے جس کا سمجھنا بلا تکلف آسان ہو، ہیئت وحساب یا دیگر دقیق علوم پر قائم نہیں کیا گیا ہے جن کے سمجھنے کے لئے بڑے آلات وتکلفات کی ضرورت پیش آئے، اگر ایسے علوم پر قائم کرنا مقصود ہوتا تو حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ان کی بھی وحی آتی اور آپ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ان کی بھی تعلیم دیتے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی تبلیغ واشاعت فرماتے۔ علامہ سبکی شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اہلِ توقیت کے قول کو معتبر مانا ہے مگر خود شوافع: ابن حجر، رملی، شہابؒ رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ نے ہی ان کی تردید کی ہے اور علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''معراج'' سے اجماع نقل کیا ہے کہ اہلِ توقیت کا قول معتبر نہیں (۲)۔

۲......مجمع بحار الانوار: ۴۹/۱، میں اس حدیث کی تشریح اس طرح کی ہے: "يعني على أصل ولادة أمهم لم يتعلموا الكتاب والحساب، فهم على جبلتهم الأولى"(۳)۔

جس نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہ سیکھا ہو وہ اُمّی ہے، حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی اُمی تھے یعنی آپ نے کسی سے لکھنا پڑھنا نہیں سیکھا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بذریعۂ وحی تمام ضروری اشیاء اور شانِ نبوت کے لائق اتنے علوم عطا فرمائے کہ کسی کو نہیں ملے، لہٰذا اس موقع پر امی کا ترجمہ ''جاہل'' کرنا جہالت ہے۔

۳......"﴿بعث في الأميين رسولاً﴾ قيل: نسبة إلى أم القرىٰ، فإن قلت: العرب فيهم

---

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۳۸۷/۲، مطلب: لا عبرة بقول الموقتين، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "لا عبرة بقول الموقتين .... بل في المعراج: لا يعتبر قولهم بالإجماع .... وللإمام السبكي الشافعي رحمه الله تعالىٰ تأليفٌ مال فيه إلى اعتماد قولهم؛ لأن الحساب قطعي .... قلت: ما قاله السبكي رده متأخروا أهل مذهبه: منهم ابن حجر و الرملي في شرح المنهاج". (رد المحتار: ۳۸۷/۲، مطلب: لا عبرة بقول الموقتين، سعيد)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۱۰۷/۱، باب الهمزة مع الميم، مكتبه دارالإيمان المدينة المنورة)

(وكذا في قواعد الفقه، ص: ۱۹۳، الهمزة المقصورة، الصدف پبلشرز)

الكاتب وأكثرهم كانوا يعرفون الحساب، قلت: إن أكثرهم أميون، والحساب حساب النجوم، وهم لا يعرفونه، الخ". مجمع بحار الأنوار: ١/٤٩ (١)۔

۴......ان میں پڑھے لکھے بھی تھے اسی وجہ سے حضرت رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وحی کو لکھوا دیا کرتے تھے، خط وکتابت بھی کرتے تھے، حدیثیں بھی وہ حضرات لکھا کرتے تھے مگر اس کا عمومی رواج نہیں تھا (۲)۔

۵......اس کا جواب نمبر: ا میں آ گیا ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۳/۸۹ھ۔

رؤیت ہلال، عدل، جماعت، اعلانِ قاضی اور قبولِ شہادت کی صورتیں

سوال[۴۷۹۸]: ا...... جب کہ مطلع صاف نہ ہوتو ایسی صورت میں عیدین کے ہلال کے لئے مجمعِ

---

(١) (مجمع بحار الأنوار، باب الهمزة مع الميم: ١/١٠٧، دار الإيمان مدينة المنورة)

(٢) "وفي حديث كعب بن مالك الذي رواه الإمام مسلم تصريحٌ بأنه كان كاتباً، حيث قال: .... إذا نبطيٌّ من نبط أهل الشام ممن قدم بالطعام يبيعه بالمدينة يقول: من يدلّ على كعب بن مالك؟ قال فطفق الناس يشيرون له إليّ حتى جاءني فدفع إليّ كتاباً من ملك غسان وكنت كاتباً فقرأته". (الصحيح لمسلم، كتاب التوبة، باب حديث توبة كعب بن مالك: ٢/٣٦٢، قديمى)

"أبو بكر، وعمر، وعثمان، وعلي، فالزبير، وعامر بن فهيرة، وعمرو بن العاص، وأبي بن كعب، وعبدالله بن الأرقم، وثابت بن قيس بن شماس، وحنظلة بن الربيع الأسيدي، والمغيرة بن شعبة، وعبدالله بن رواحة، وخالد بن الوليد، وخالد بن سعيد بن العاص. وقيل: إنه أول من كتب له معاوية بن أبي سفيان، وزيد بن ثابت، وكان ألزمهم لهذا الشان وأخصّهم". (زاد المعاد، فصل في كتّابه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ٤٥، دار الفكر بيروت)

"قيل: إنما سُمّوا أميين؛ لأنهم كانوا لايكتبون ولا يقرأون الكتابة، وأراد الأكثر الأعمّ وإن كان فيهم القليل ممن يكتب ويقرأ، الخ". (أحكام القرآن للجصاص: ٣/٢٦٣، قديمى)

"أكثر هم لايكتبون ولا يقرأون". (روح المعاني: ٣٠/٩٣، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في المرقاة شرح مشكاة المصابيح، كتاب الصوم: ٤/٣٦٤، رشيديه)

(وكذا في تفسير أبي السعود: ٥/٣٢٧، مكتبة الرياض)

کثیر کی شہادت لی جائے گی یا دو چار شخصوں کی؟

۲......اگر دو چار شخصوں کی شہادت لی جاسکتی ہے تو ان کا عادل وثقہ ہونا ضروری ہے یا جس طرح کے لوگ میسرآ ویں ان کی شہادت قابلِ قبول ہوگی؟

۳......عدل وثقاہت کی تعریف اوراس کے معنیٰ کیا ہیں؟ عادل وثقہ کے الفاظ جو کتبِ احادیث وفقہ میں بکثرت آئے ہیں، ان سے کیسے لوگ مراد ہیں؟

۴......موجودہ زمانہ میں عادل وثقہ لوگ بہ آسانی مل سکتے ہیں یا نہیں؟

۵......شریعت نے جن لوگوں کو عادل کہا ہے، اگر وہ نہ ملیں تو کیا غیر عادل وغیر ثقہ کی گواہی رؤیتِ ہلال کے باب میں جائز ہوگی یا نہیں؟ اوراگر جائز ہے تو عیداور رمضان دونوں کے لئے یا کسی ایک کے لئے؟

۶......(الف) مجمعِ کثیر سے کم ازکم کتنے لوگ مراد ہیں؟

(ب) اگر دو تین بستیوں سے ایک ایک آدمی رؤیتِ ہلال کی گواہی دیں تو ایسی صورت میں مجمعِ کثیر کا اطلاق ان پر ہوگا یا نہیں؟ اور مطلع صاف ہونے کی صورت میں صرف ان کی گواہی کافی ہے یا نہیں؟

۷......کیا ایسی صورت میں (جب کہ دروغ گو، مفتری اور منافق لوگوں کی موجودہ زمانہ میں کثرت ہے اوراہل ایمان اور بے ایمان میں تفاوت مشکل ہے) شریعت نے قاضی کو اختیار دیا ہے کہ وہ بغیر دریافت اور تحقیقِ حال جس کو چاہے عادل وثقہ سمجھ لے اور مطلع صاف ہونے کی حالت میں بھی اس پر اوراس کی شہادت پر اعتماد کلی کرتے ہوئے ۲۹/ کی رؤیت ہلال کی اعلان کردے؟

۸......اگر کسی قصبہ یا شہر کے باشندوں نے ۲۹/ تاریخ کو چاند دیکھا اور دوسری جگہ کے لوگوں نے ۲۹/ کو چاند نہیں دیکھا اور قاضی نے ۳۰/ کے چاند کا اعلان کیا تو ایسی صورت میں جنہوں نے ۲۹/ کو چاند دیکھا ہے، عیدین کی نماز اپنی رؤیت کے اعتبار سے پڑھیں یا قاضی کے حکم کے مطابق ۳۰/ کے حساب سے نماز ادا کریں؟

۹......(الف) اگر مطلع بالکل صاف ہو اور رؤیتِ ہلال عید اضحیٰ کے لئے پورا پورا اہتمام کرنے کے باوجود دُور نزدیک کہیں بھی کسی شخص نے ۲۹/ کا چاند نہیں دیکھا مگر قاضی نے بعض لوگوں کے کہنے پر ۵، ۶/ تاریخ کو ۲۹/ کی رؤیتِ ہلال کا اعلان کیا اور لوگوں نے اس کے مطابق ۱۰/ ذی الحجہ کو نماز وقربانی ادا کیا تو ایسی صورت میں فریضۂ صلوٰۃ واضحیہ ادا ہو جاویں گے یا نہیں؟

(ب) اور اگر بعد کو بالتحقیق معلوم ہوا کہ چاند ۳۰/ کو ہوا تو ۲۹/ کے حساب سے صلوۃ واضحیہ کرنے والوں کے صلوۃ واضحیہ کا شرعاً کیا حکم ہوگا؟

(ج) اور اعلانِ قاضی کا وثوق نہ کرکے ۳۰/ کے چاند کے مطابق صلوٰۃ واضحیہ ادا کرنے پر کیا حکم ہے؟
المستفتی: محمد اظہار ہاشمی، ضلع پٹنہ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......مجمع کثیر کی "قُبل بلا علة جمعٌ عظيمٌ يقع العلم الشرعي وهو غلبة الظن بخبرهم".

درمختار۔ "(و قوله: قبل بلا علة): أي إن شرط القبول عندعدم علة في السماء لهلال الصوم أو الفطر أو غيرهما، كما في الإمداد، اهـ". ردالمحتار: ۱۴۷/۲(۱)۔

۲......عادل ثقہ ہونا ضروری ہے: "لا يقبل خبر فاسق اتفاقاً". درمختار(۲)۔

۳...... "العدل في اصطلاح الفقهاء: من اجتنب الكبائر، ولم يُصرّ على الصغائر، و غلب صوابه، واجتنب الأفعال الخسيسة كالأكل في الطريق والبول، اهـ". تعريفات الجرجاني، ص: ۹۸(۳)۔

---

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۳۸۷/۲، ۳۸۸، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۸/۱، كتاب الصوم، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۶/۱، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار على الدر المختار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۳۸۵/۲، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(۳) (كتاب التعريفات للجرجاني، ص: ۱۰۲، باب العين، مير محمد كتب خانه كراچي)

(وكذا في ردالمحتار: ۳۸۵/۲، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(وكذا في القاموس الفقهي، ص: ۲۴۴، حرف العين، إدارة القرآن، كراچي)

٤...... "الثقة هي التي يعتمد عليها في الأقوال والأفعال، اهـ". تعريفات الجرجاني، ص: ٤٩(١)-

۵...... غیر عادل اگر مستور الحال ہوتو اس کی گواہی (موقع خبر واحد میں) مقبول ومعتبر ہے، اگر ظاہر الفسق ہوتو معتبر نہیں: "وقول الطحاوي: "أو غير عدلٍ" محمولٌ على المستور كما هو رواية الحسن؛ لأن المراد بالعدل مَن تثبت عدالته، و لا ثبوت في المستور، أمامع تبيّن الفسق فلا قائل له به عندنا، اهـ". شامي: ٢/١٤٥(٢) رمضان وعیدین سب کا یہی حکم ہے۔

٦...... (الف) مذہب یہ ہے کہ اس میں کوئی عدد متعین نہیں، بلکہ رائے امام پر محمول ہے: "وهو مفوض إلى رأي الإمام من غير تقدير بعدد على المذهب". در مختار(٣)-

(ب) اس کا جواب "الف" سے ظاہر ہوتا ہے۔

ے...... بس اتنا اختیار ہے کہ زیادہ کنج وکاؤنہ کرے(۴)، بلکہ ظاہر عدالت یا ستر حال پر اکتفاء کرے، فاسق کو عادل قرار دینا درست نہیں جیسا کہ جواب نمبر: ۵ میں گزرا، لیکن اگر قرائن سے صدق معلوم ہوتو اس کی شہادت مقبول ہوسکتی ہے(۵)۔

---

(١) (كتاب التعريفات للجرجاني، ص: ۵۳، مير محمد كتب خانه)

(٢) (ردالمحتار: ٢/٣٨۵، كتاب الصوم، بحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٧، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ٢/٣٢٢، ٣٢٣، فصل في رؤية الهلال، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(٣) (الدر المختار: ٢/٣٨٨، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/١٩٨، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ١/٢٣٦، كتاب الصوم، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۴) "کنج وکاؤ: تفتیش"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۸۴، لفظ: کاؤ، فیروز سنز، لاہور)

(۵) "والشرط هو العدالة الظاهرية عندأبي حنيفة رحمه الله، وأما الحقيقية وهي الثابتة بالسؤال عن حال الشهود بالتعديل، والتزكية ليست بشرط". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٣/٤۵٠، كتاب الشهادات، الباب الأول في تعريفها، رشيديه) .... =

۸......اگر یہ قصبہ یا شہر جس میں ۲۹/ کی رؤیتِ عامہ ہے اس دوسری جگہ (جس میں قاضی نے ۳۰/ کا اعلان کیا ہے) کے تابع نہیں بلکہ مستقل ہے تو یہاں کے لوگوں کے ذمہ قاضی کے اعلان کی پابندی لازم نہیں (۱)۔

۹......(الف) اگر شہادتِ شرعیہ پر قاضی نے اعلان کیا ہے تو نماز وقربانی سب صحیح ہوگی۔

(ب) سب درست ہوگئی، کسی کا اعادہ واجب نہیں، کیونکہ یہ اختلافِ مطالع پر مبنی ہے، ہوسکتا ہے کہ ایک جگہ رؤیت ہوئی ہو، دوسری جگہ نہ ہوئی ہو۔ اور مسائلِ اضحیہ اور صلوٰۃ میں اختلافِ مطالع معتبر ہے، کما فی ردالمحتار: ۲/۱٥٤، قبیل مفسدات الصوم(۲)۔

(ج) جو لوگ اس قاضی کے ماتحت ہیں اور قاضی نے شرعی شہادت سے اعلان کیا ہے تو ان کے ذمہ اس پر عمل واجب ہے، اس کے خلاف کرنے سے گنہگار رہوں گے (۳) اور جو قربانی ایامِ اضحیہ کے بعد کی ہے، وہ

= (و كذا في ردالمحتار على الدرالمختار: ۵/۴۶۶، ۴۶۷، كتاب الشهادات، سعيد)

"وإذا أخبر رجلان في هلال شوال في السواد، والسماء متغيمة، وليس فيه وال و لا قاض، فلا بأس للناس أن يفطروا، كذا في الزاهدى". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۸، الفصل الثانى فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(۱) "اگر بذریعۂ ریڈیو وغیرہ کسی مستند عالم یا مفتی یا شرعاً معتبر ہلال کمیٹی وغیرہ کی خبر (متعلق فیصلہ ثبوت ہلال عیدین بطریق شہاداتِ شرعیہ) نشر کی گئی تو یہ خبر فیصلہ کرنے والے کی حدود ولایت تک معتبر ہے۔ حدودِ ولایت سے خارج معتبر نہیں"۔ (احسن الفتاویٰ ۴/۴۲۱، رؤیت ہلال میں ریڈیو کی خبر کی تحقیق، سعید)

(۲) "يفهم من كلامهم في كتاب الحج أن اختلاف المطالع فيه معتبر، فلا يلزمهم شئ لو ظهر أنه رؤى في بلدة أخرى قبلهم بيوم، وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلوٰة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر، وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر". (ردالمحتار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "أمرُ السلطان إنما ينفذ إذا وافق الشرع، وإلافلا". (الدرالمختار). "أى يتبع ولاتجوز مخالفته .... أن طاعة الإمام في غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم وجب". (ردالمحتار: ۵/۴۲۲، مطلب: إطاعة الإمام واجبة، سعيد)

درست نہیں، اس کی قیمت کا تصدق واجب ہے (۱)۔ اس حساب سے ۱۰/ ذی الحجہ کو اگر نماز عید ادا نہیں کی، بلکہ گیارہ کو ادا کی تو وہ ادا ہوگئی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ جمادی الأولیٰ/ ۶۳ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جہاں ہمیشہ مطلع ابر آلود رہتا ہے وہاں ثبوتِ رؤیت کیسے ہو؟

سوال [۴۷۹۹]: جہاں آسمان ہمیشہ ابر آلود رہتا ہے، چاند نظر نہیں آتا، سورج سال کے مخصوص مہینے میں نظر آجاتا ہے وہاں کے باشندے: "لاتصوموا حتی تروہ، ولاتفطروا حتی تروہ" حدیث کے مطابق روزہ رکھیں گے (۳)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مہینوں کا تعین جنتری اور قریبی مقامات کی تحقیق سے ہوسکتا ہے جہاں چاند نظر آتا ہے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

---

(۱) "فإن فات وقتها قبل ذبحها ولو لم يضح ما أوجب على نفسه .... لزم التصدق بعين المنذورحية ...... ولو أكل فعليه قيمة ما أكله؛ لأن سبيلها التصدق". (مجمع الأنهر: ۵۱۹/۲، كتاب الأضحية، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۹۶/۵، الباب الرابع فيما يتعلق بالمكان أو الزمان، رشيديه)

(۲) "لكن هنا: أي في الأضحى يجوز تأخيرها إلى آخر ثالث أيام النحر بلاعذر مع الكراهة".

(ردالمحتار على الدر المختار: ۱۷۶/۲، باب العيدين، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱۵۲/۱، الباب السابع عشر في العيدين، رشيديه)

(۳) (مشكوة المصابيح، كتاب الصوم، باب رؤية الهلال: ۱۷۴/۱، قديمي)

(۴) "خلاصہ یہ ہے کہ آپ کے ملک میں بھی دنیا کے ہر گوشہ سے ریڈیو کے اعلانات برابر آتے ہوں گے، بس آپ کے وہاں کی ۲۹/ تاریخ کو ان مذکورہ بالا ضابطوں کے مطابق مذکورہ بالا الفاظ میں دنیا کے جس خطہ سے ریڈیو پر یہ اعلان آجائے کہ شرعی ثبوت سے رؤیت ہلال ثابت ہونے کی بنیاد پر اعلان کیا جاتا ہے تو ان اعلانوں کے مطابق بلاتردد عمل کرلیا جائے، البتہ یہ شق رہ گئی کہ دنیا =

1(

کیا پہاڑ کا سامنے ہونا مانعِ رؤیتِ ہلال ہے؟

سوال[۴۸۰۰]: رؤیتِ ہلال کے متعلق حیلولة الجبال علةٌ فی السماء کا حکم رکھتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رؤیتِ ہلال کے متعلق احکام مختلف ہیں، شعبان، رمضان، عیدین میں اختلافِ کثیر ہے، حیلولة الجبال وغیرہ کو بعض احکام میں اختلافِ مطالع کے ماتحت ذکر کیا گیا ہے:

"و حکی عن أبی عبد الله بن أبی موسیٰ الضریر أنه استُفتِی فی أهل الأسکندریة أن الشمس تغرب بها، ومَن علی منارتها یری الشمس بعد ذلك بزمان کثیر؟ فقال: یحل لأهل البلد الفطر، و لا یحل لمن علی رأس المنارة إذا کان یری غروب الشمس؛ لأن مغرب الشمس یختلف کما یختلف مطلعها، فیعتبر فی أهل کل موضع مغربه، اهـ". بدائع :۸۳/۲(۱)۔

"وأما إذا جاء من مکانٍ اٰخر خارج المصر، فإنه تقبل شهادته إذا کان عدلاً ثقةً؛ لأنه یتیقّن فی الرؤیة فی الصحاریٰ ما لم یتیقن فی الأمصار، لما فیها من کثرة الغبار. وکذا إذا کان

= کے کسی ایک خطہ میں ۲۹/ تاریخ کو کبھی چاند نظر ہی آتا ہو وہاں کا مطلع ہمیشہ ناصاف ہی رہتا ہو تو وہاں ۲۹/ تاریخ کا تعین کس طرح کریں گے پھر اس اعلان شرعی پر عمل کس طرح ممکن ہوگا؟

اس کا حل یہ ہے کہ ۲۹/ شعبان یا ۲۹/ رمضان کو جس ملک کے ریڈیو سے مذکورہ بالا شرعی اصول وضوابط کے مطابق اعلان ہوتا ہو اس ملک کے ریڈیو سے اعلان کی تلاش ہر ماہ میں جاری رکھیں اور جس تاریخ کا وہ اعلان کریں، وہی تاریخ اپنے یہاں متعین رکھیں تو ۲۹/ شعبان خود بخود متعین ہوتی رہے گی اور عمل کرنا آسانی سے ہوتا رہے گا۔ ۲۹/ شعبان کو شرعی ضابطہ کے مطابق چاند ہوجانے کا اعلان ہوجائے تو روزہ رکھنا شروع کردیں، ورنہ ۳۰/ دن پورے کرکے روزے رکھنا شروع کریں۔ پھر ۲۹/ رمضان کو اگر چاند ہونے کا اعلانِ شرعی مذکورہ ضابطہ کے مطابق آجائے تو عید منالیں"۔ (نظام الفتاویٰ، کتاب الصوم، عنوان: محض سائنسی یا حسابی تخمینے کی بنیاد پر رؤیتِ ہلال کا حکم لگانا درست نہیں: ۱/۱۳۱، مکتبہ رحمانیہ لاہور)

"(فیلزم أهل المشرق برؤیة أهل المغرب) إذا ثبت عندهم رؤیة أولئک بطریق موجب، کمامر". (الدرالمختار، کتاب الصوم، قبیل باب مایفسد الصوم ومالایفسده: ۳۹۴/۲، سعید)

(۱) (بدائع الصنائع : ۲۲۵/۲، کتاب الصوم، اختلاف المطالع، دارالکتب العلمیة بیروت)

فی المصر فی موضع مرتفع ". البحر الرائق : ۲/۲٦۹(۱)۔

"وذكر الطحاوى أنه تقبل شهادة الواحد إذا جاء من خارج المصر، وكذا إذا كان على مكان مرتفع". كذا فى الهداية(۲)۔

"و على قول الطحاوى اعتمد الإمام المرغينانى و صاحب الأقضية والفتاوى الصغرىٰ، لكن فى ظاهر الرواية: لا فرق بين خارج المصر والمصر، كذا فى معراج الدراية". فتاوىٰ عالمگیری : ۱/۱۹٦(۳)۔

علت فی السماء کے وقت ہلالِ رمضان واحد عدل کی خبر سے ثابت ہوجاتا ہے اور ہلالِ عید عدلین حرین کی شہادت سے ثابت ہوتا ہے(۴)۔ جن حضرات کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر نہیں ان کے نزدیک ایک جگہ کا ثبوت سب جگہ کے لئے کافی ہے، لہذا اگر پہاڑ کے اوپر یا کسی ایسی جگہ حیلولۃ الجبال نہ ہو، ثبوتِ ہلال ہوجائے تو دامنِ کوہ میں رہنے والوں کے لئے بھی ثبوت کا حکم دیا جائے گا۔

اور جن مشائخ کے نزدیک اختلافِ مطالع معتبر ہے جیسے صاحبِ تجرید وغیرہ(۵) ان کے نزدیک ثبوت نہ ہوگا، زیلعی نے اس کو اَشبہ کہا ہے(٦) اور اول ظاهر الرواية ہے، شیخ ابن ہمام نے اس کو احوط کہا ہے

---

(۱) (البحر الرائق : ۲/۴۷۰، كتاب الصوم ، رشيديه)

(۲) (الهداية : ۱/۲۱٦، كتاب الصوم ، مكتبه شركت علميه،ملتان)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية : ۱/۱۹۸، كتاب الصوم، الباب الثانى فى رؤية الهلال، رشيديه)

(۴) "إن كان بالسماء علة، فشهادة الواحدعلى هلال رمضان مقبولةٌ إذا كان عدلاً مسلماً عاقلاً بالغاً، حراً كان أوعبداً (إلى قوله فى الفطر) وإن كان بالسماء علة، لاتقبل إلا شهادة رجلين أورجل وامرأتين".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۷، ۱۹۸، الباب الثانى فى رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۱/۱۹٦، الفصل الأول فى رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۸۵، ۳۸٦، كتاب الصوم، سعيد)

(۵) "ومختار صاحب التجريد وغيره من المشائخ اعتبار اختلاف المطالع". (فتح القدير: ۲/۳۱۴، كتاب الصوم ، مصطفىٰ البابى الحلبى، مصر)

(٦) "والأشبه أن يعتبر (اختلاف المطالع)؛ لأن كل قوم مخاطبون بماعندهم وانفصال الهلال عن =

اورخلاصہ میں ہے:"ظاهر المذهب، و عليه الفتوى" (۱) فتح : ۲/۵۳(۲) وبحر : ۲/۲۷۰(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۱/۱۱/۵۲ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ ذی قعدہ/۵۲ھ۔

اٹھائیس رمضان کو چاند کی شہادت

سوال[۴۸۰۱]: ایک گاؤں میں دس آدمیوں نے گواہی دی ہے کہ ہم نے مورخہ ۲۸/ رمضان المبارک/ ۵۷ھ شام کو چاند بچشم خود دیکھا ہے، لوگوں کے روزے چھڑوائے اور جو آدمی چاند دیکھنے والے ہیں، ان میں پانچ بالغ اور پانچ نابالغ، ایک چمار، باقی نومسلم ہیں، گاہے گاہے نماز پڑھتے ہیں لیکن ہیں مسلمان۔ چاند دیکھنے والوں کا کیا حکم ہے اور مفطرین کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مہینہ ۲۹/ روز کا ہوتا ہے یا تیس کا، اٹھائیس کا نہیں ہوتا، وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں، جب نمازی نہیں تو وہ کبیرہ گناہ کے مرتکب ہیں، فاسق ہیں، ان کی شہادت ہرگز مقبول نہیں:

"و قُبل بلا دعوى و بلا لفظ "أشهد" للصوم مع علة كغيم خبرُ عدل أو مستور على ماصححه البزازي على خلاف ظاهر الرواية، لا فاسق اتفاقاً بين أهل المذهب، و ما نسبه الأكمل إلى الطحاوي من أن شهادة الفاسق في هلال رمضان تقبل، فهي نسبة غير صحيحة، كما أوضحه صاحب النهر، و في البحر: قول الفاسق في الديانات: التي يمكن تلقيها من العدول

= شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار". (تبيين الحقائق : ۲/۱۶۵، كتاب الصوم، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) (خلاصة الفتاوىٰ، كتاب الصوم، الفصل الأول في الشهادة على هلال رمضان ومايتعلق به: ۱/۲۴۹، امجد اکیڈمی، لاهور)

(۲) "والأخذ بظاهر الرواية أحوط". (فتح القدير : ۲/۳۱۴، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابي الحلبي، مصر)

(۳) (البحر الرائق : ۲/۴۷۱، كتاب الصوم، رشيديه)

غير مقبول كالهلال، و رواية الإخبار و لو تعدد كفاسقين فأكثر". درمختار و طحطاوى: ۱/٤٤٦(۱)۔

ایسے لوگوں کی شہادت پر اعتماد کرتے ہوئے روزہ افطار کرنا ہرگز درست نہیں، خصوصاً جب کہ چاند کا عمل بھی نہیں جس میں شک اور شبہ کی گنجائش ہو، لہٰذا جن لوگوں نے ان کے کہنے سے روزہ نہیں رکھا، ان کے ذمہ قضاء لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲۵/شوال/ ۵۷ھ۔

زوال سے پہلے یا بعد چاند دیکھ کر روزہ افطار کر دینا

سوال[۴۸۰۲]: اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے رگیاب میں ابر کی وجہ سے انتیس رمضان کو رؤیتِ ہلال نہ ہوئی، مگر تیس تاریخ کو چھ سات بجے تقریباً دوسری جگہ سے ٹیلیفون اور تار آیا اور قریب دس بجے چاند بھی دیکھا گیا، بناءً علیہ بعض لوگوں نے صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کر کے رؤیتِ ہلال کے اعلان سے قبل روزہ توڑ ڈالا اور بعضوں نے چاند دیکھ کر توڑا مگر قبل زوال اور بعضوں نے چاند دیکھ کر بعد زوال توڑا اور بعض لوگوں نے چاند دیکھا قبل زوال اور روزہ بعد زوال توڑا اور بعض لوگوں نے اپنی خوشی سے رکھ لیا تھا، مگر کسی مولوی صاحب کے کہنے پر توڑا۔

---

(۱) (حاشیه الطحطاوی علی الدر المختار: ۱/۴۴۶، كتاب الصوم، دارالمعرفة، بيروت)

(وكذا فى الدرالمختار: ۳۸۵/۳، كتاب الصوم، سعيد)

"اتفقوا على أن الإعلان بكبيرة يمنع الشهادة، وفى الصغائر إن كان معلناً بنوع فسق مستشنع يسمّيه الناس بذلك فاسقاً مطلقاً، لاتقبل شهادته". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۴۶۲/۳، الفصل الثانى فيمن لاتقبل شهادته لفسقه، رشيديه)

(وكذا فى فتح القدير: ۳۲۲/۲، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابى الحلبى مصر)

(۲) "لو أفطر أهل الرستاق، لم يُكفّروا". (ردالمحتار: ۴۰۷/۲، مطلب فى جواز الإفطار بالتحرى، سعيد)

(وكذا فى التاتارخانيه: ۳۹۵/۲، الفصل التاسع فيما يصير شبهة فى إسقاط الكفارة، رشيديه)

چاند کے یقین تار ٹیلیفون پر اعتماد کر کے کہ انتیس پر چاند ہوا اور آج عید کا دن ہے، عید کے روز روزہ رکھنا حرام ہے، پھر ایک دو روز کے بعد یقینی طور پر ثابت ہوگیا کہ انتیس تاریخ کو چاند ہوا ہے۔ اب ان لوگوں کا روزہ توڑنا بحکم شرع شریعت صحیح ہے یا نہیں؟ بر تقدیر ثانی کفارہ بھی ہے یا صرف قضاء ہے، ہر ایک فرقہ کا حکم بالدلیل تحریر فرمائیں بحوالۂ کتب معتبرہ کے تعین صفحہ جات۔ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تار اور ٹیلیفون کی خبر شرعی شہادت نہیں، لہذا اس پر روزہ توڑنا جائز نہیں ہے(۱)۔ قریب ۱۰/ بجے چاند دیکھنا بھی روزہ توڑنے کے لئے ظاہر مذہب کے موافق شرعی حجت نہیں، اس پر عمل کرتے ہوئے روزہ توڑنا بھی منع ہے:

"و رؤيته نهاراً قبل الزوال و بعده غير معتبر على ظاهر المذهب، و عليه أكثر المشايخ، وعليه الفتوى. بحر عن الخلاصة". درمختار۔ "ومعنى عدم اعتبارها أنه لا يثبت بها حكم من وجوب صوم أو فطر، فلذا قال في الخانية: فلا يصام له ولا يفطر". ردالمحتار: ۲/۱٤۸(۲)۔

عبارتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ خواہ چاند قبل الزوال دیکھا جاوے خواہ بعد الزوال، دونوں صورتوں میں اس دن کے حق میں یہ رؤیت معتبر نہ ہوگی، لہذا دونوں صورتوں میں روزہ توڑنا درست نہ ہوگا خواہ روزہ قبل الزوال توڑے خواہ بعد الزوال، ہر حال میں ممنوع ہوگا، یہی قول مختار اور مفتی بہ ہے، والمسئلة مبسوطةٌ في

---

(۱) "لو سمع من وراء الحجاب، لايسعه أن يشهد، لاحتمال أن يكون غيره؛ إذ النغمة تشبه النغمة". (تبيين الحقائق: ۵/۱٦۰، كتاب الشهادة، دارالكتب العلمية، بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۲/۱۹۱، كتاب الشهادات، فصل: يشهد بكل ماسمعه أوراه، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۱۰/۱۵۸، كتاب الشهادات، الفصل الأول في بيان تحمل الشهادة وحل أدائها والامتناع عن ذلك، غفاريه كوئته)

(۲) (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۳۹۳، كتاب الصوم، مطلب في رؤية الهلال نهاراً، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/٤٦۰، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص:۲۵۷، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمي)

ردالمحتار: ۲/ ۱٤٦ (۱)۔

صرف تار اور ٹیلیفون پر اعتماد کر کے روزہ توڑنا نہ خود جائز ہے، نہ کسی دوسرے مولوی صاحب وغیرہ کے کہنے سے جائز ہے یہ صحیح ہے کہ عید کے روزہ رکھنا حرام ہے، لیکن عید کا روز چاند دیکھنے سے ثابت ہوتا ہے، یا رمضان شریف کے یقینی طور پر تیس دن گزرنے سے، یا شرعی شہادت مہیا ہوجانے سے (۲)۔ اور صورتِ مسئولہ میں چاند دیکھا نہیں ہے، رمضان شریف کے پورے تیس دن ہوئے نہیں، شرعی شہادت موجود نہیں، پھر عید کا روز ہونا کیسے ثابت ہوا؟ البتہ جس نے ناواقفیت کی بنا پر کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے وہ گنہگار نہیں۔

جن لوگوں نے چاند دیکھ کر قبل الزوال توڑا ہے یا قبل الزوال دیکھ کر بعد الزوال توڑا ہے اس کے ذمہ کفارہ نہ ہونا ظاہر ہے، کیونکہ اس میں اختلاف ہے، امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر چاند قبل الزوال دیکھا جاوے تو وہ شبِ گزشتہ کا ہوگا، لہٰذا یہ دن اس قول کے مطابق عید کا دن ہے، گو اس مسئلہ میں طرفین کے قول پر فتویٰ ہے، تاہم اختلاف کی وجہ سے شبہ پیدا ہوگیا اور شبہ کی صورت میں کفارہ واجب نہیں ہوتا:

"(ورؤيته بالنهار لليلة الآتية مطلقاً): أى سواء رؤى قبل الزوال أو بعده. (وقوله: على المذهب): أى الذى هو قول أبى حنيفة و محمدؒ. قال فى البدائع: فلا يكون ذلك اليوم من رمضان عندهما، و قال أبو يوسف: إن كان بعد الزوال فكذلك، وإن كان قبله فهو لليلة الماضية ويكون اليوم من رمضان. وعلى هذا الخلاف هلال شوال، فعندهما يكون للمستقبلة مطلقاً و يكون اليوم من رمضان، و عنده لو قبل الزوال يكون للماضية و يكون اليوم يوم الفطر؛ لأنه لا يُرى قبل الزوال عادةً إلا أن يكون لليلتين، فيجب فى هلال رمضان كون اليوم من

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/ ۳۹۲، كتاب الصوم، مطلب فى رؤية الهلال نهاراً، سعيد)

(۲) "(يثبت رمضان برؤية هلاله) لقوله صلى الله عليه وسلم: "صوموا لرؤيته، وأفطروا لرؤيته، فإن غم عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين". (أوبعد شعبان ثلاثين يوماً) ....(وإذا كان بالسماء علة من غيم أوغبار ونحوه) قبل القاضى بمجلسه (خبر واحد عدل) (أو) خبر (مستور)". (مراقى الفلاح على نور الإيضاح، ص: ٦٤٦، ٦٥٢، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمى)

(وكذا فى البحر الرائق: ۲/ ٤٥٩، ٤٦٥، كتاب الصوم، رشيديه)

رمضان، وفی هلال شوال کونه یوم الفطر، والأصل عندهما أنه لا تعتبر رؤیته نهاراً .... والمختار قولهما، اهـ". شامی : ۲/۱٤٦(۱)۔

چونکہ ان دونوں فریقوں نے قبل الزوال چاند دیکھ لیا ہے، لہذا اگر یہ عادل ہیں اور شہادت دیں تو ان کا دیکھنا گویا کہ سب کا دیکھنا ہے اور ان کے حق میں شبہ پیدا ہوتا ہے، پس جس فریق نے بعد الزوال چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو درحقیقت اس نے بھی اسی چاند کو دیکھا ہے جس کو دو فریق نے قبل الزوال دیکھا ہے کوئی نیا چاند نہیں دیکھا تو جو اثر پہلے دو فریق جنہوں نے چاند نہیں دیکھا نہ قبل الزوال نہ بعد الزوال، بلکہ کسی مولوی صاحب کے کہنے سے روزہ توڑا ہے یا صرف تار ٹیلیفون پر اعتبار کر کے توڑا ہے، سواُن دونوں کا حکم بھی وہی ہے جو پہلے ان تین فریق کا ہے، کیونکہ روزہ رکھنے اور افطار کرنے کے لئے ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہیں۔

اگر امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر فتویٰ ہوتا تو پہلے دو فریق کی رؤیت سب کے حق میں کافی ہوتی یعنی وہ ان سب کے حق میں عید کا دن ہوتا اور سب کو روزہ توڑنا واجب ہوتا، ہر ہر شخص کا چاند دیکھنا ضروری نہ تھا، لہذا ان دونوں فریق پر بھی کفارہ واجب نہ ہوگا، نیز بعد میں اس روز کا روزِ عید ہونا یقینی طور پر ثابت بھی ہوگیا:

"رآی مکلف هلال رمضان أو الفطر، و رُدّ قوله بدلیل شرعی، صام مطلقاً و جوباً، وقیل: ندباً، فإن أفطر قضی فقط فیهما لشبهة الرد". "علةٌ لما تضمنه قوله: (فقط من عدم لزوم الکفارة): أی أن القاضی لمّا ردّ قوله بدلیل شرعی أورث شبهةً، و هذه الکفارة تندرئ بالشبهات، هدایة. و لا یخفی أن هذه علة لسقوط الکفارة فی هلال رمضان، أما فی هلال الفطر فلکونه یوم عید عنده، کما فی النهر وغیره، و کأنه ترکه لظهوره (واختلف فیما إذا أفطر قبل الرد لشهادته) وکذا لو لم یشهد عند الإمام، فصام ثم أفطر کما فی السراج. (والراجح عدم وجوب الکفارة، وصححه غیر واحد؛ لأن ما رآه یحتمل أن یکون خیالاً، لا هلالاً) إنما یصلح تعلیلاً لعدم الکفارة فی هلال رمضان، أما فی هلال شوال، فإنما لا تجب؛ لأنه یوم عید عنده

---

(۱) (ردالمحتار: ۲/۳۹۲، کتاب الصوم، مطلب فی رؤیة الهلال نهاراً، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۷، کتاب الصوم، الباب الثانی فی رؤیة الهلال، رشیدیه)

علی نسق ما تقدم". درمختار :۲/ ۹۰ مکتبہ نعمانیہ، وشامی:۲/ ۱۳۸(۱)۔

دیکھئے اس صورت میں ایک شخص نے خود اپنی آنکھ سے رمضان شریف کا یا عید کا چاند دیکھ لیا، لیکن قاضی نے اس کے قول کو فسق وغیرہ کی وجہ سے رد کردیا اور پھر اس نے روزہ توڑ دیا (گو ایسی حالت میں روزہ رکھنا چاہئے) تو اس کے ذمہ کفارہ واجب نہیں، اگر رمضان شریف کا چاند دیکھ کر ایسا کیا ہے تو اس نے ایسا روزہ توڑا ہے جو اس کے نزدیک رمضان کا روزہ ہے۔ اور اگر عید کا چاند دیکھ کر روزہ توڑا ہے تو قاضی اور تمام اہلِ شہر کے نزدیک وہ رمضان کا روزہ ہے اور اگر قاضی کے رد کرنے سے پہلے روزہ توڑا ہے، یا قاضی کے پاس شہادت ہی نہیں دی اور پھر روزہ رکھ کر توڑ دیا تب بھی راجح یہی ہے کہ کفارہ واجب نہیں، ہلال رمضان میں قاضی کے رد کرنے یا واقعۃً اس کے ہلال نہ ہونے بلکہ خیال ہونے سے اور ہلال عید میں خود اس کے نزدیک یوم عید ہونے سے شبہ پیدا ہو گیا اور اتنا شبہ سقوطِ کفارہ کے لئے کافی ہے:

"قال في البحر: و إنما لم تجب الكفارة بإفطاره عمداً بعد أكله أو شربه أو جماعه ناسياً؛ لأنه ظن في موضع الاشتباه بالنظير وهو الأكل عمداً؛ لأن الأكل مضاد للصوم ساهياً أو عامداً، فأورث شبهةً، و كذا في شبهة اختلاف العلماء، فإن مالكاً رحمه الله تعالىٰ يقول بفساد صوم من أكل ناسياً، وأطلقه فشمل ما لو علم أنه لم يفطره بأن بلغه الحديث أو الفتوىٰ أو لا، وهو قول أبي حنيفة، وهو الصحيح. و كذا لو ذرعه القئ و ظن أنه يفطره، فأفطر فلا كفارة عليه، لوجود شبهة الاشتباه بالنظير، فإن القيء والاستقاء متشابهان؛ لأن مخرجهما من الفم، كذا لو احتلم للتشابه في قضاء الشهوة، وإن علم أن ذلك لا يفطره فعليه الكفارة؛ لأنه لم توجد شبهة الاشتباه، و لو شبهة الاختلاف". ردالمحتار، ص: ۱۵۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) (تنوير الأبصار مع الدر المختار وردالمحتار: ۲/ ۳۸۴، ۳۸۵، كتاب الصوم، مبحث في صوم يوم الشک، سعيد)

(و كذا في البحرالرائق: ۲/ ۴۶۳، ۴۶۴، كتاب الصوم، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير: ۲/ ۳۲۱، ۳۲۲، كتاب الصوم، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) (ردالمحتار: ۲/ ۴۰۱، ۴۰۲، كتاب الصوم، مطلب في حكم الاستمناء بالكف، سعيد) .... =

کیا مفتی کے ذمہ لازم ہے کہ رؤیتِ ہلال کے لئے شاہدوں کو تلاش کرتا پھرے؟

سوال[۴۸۰۳]: عیدین یا رمضان یا کسی دوسرے مہینہ کے چاند دیکھنے والوں پر یہ لازم ہے کہ مفتی کے پاس آ کر گواہی دیں یا خود مفتی کے ذمہ یہ ضروری ہے کہ وہ محلّہ محلّہ، گھر گھر، بلکہ دیہات جا کر گواہیاں حاصل کرے؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ خود مفتی کے فرائض میں سے ہے، مفتی کا بیان یہ ہے کہ جب عام طور سے گواہی کا وجوب لوگوں کو بتلا دیا گیا ہے تو اب خود لوگوں کا فرض ہے کہ وہ آ کر گواہی دیں۔ بحوالۂ کتاب تحریر کیا جائے کہ کس کی بات صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

نجم الحسن خیرآبادی، ۱۷/ ذی قعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مفتی کا بیان صحیح ہے، یہاں تک کہ اگر صرف کوئی پردہ دار چاند دیکھے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ آ کر گواہی دے:

" ويجب على الجارية المخدرة أن تخرج في ليلتها بلا إذن مولاها و تشهد، اهـ". درمختار۔ "(قوله: و يجب على الجارية المخدرة): أي التي لا تخالط الرجال، و كذا يجب على الحرة أن تخرج بلا إذن زوجها، و كذا غير المخدرة والمزوجة بالأولىٰ. قال: والظاهر أن محل ذلك عند توقف إثبات الرؤية عليها، وإلا فلا، اهـ". ردالمحتار: ۲/ ۱۲٤(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۴/ ۱۱/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= (و كذا في البحر الرائق: ۲/ ۵۰۸، كتاب الصوم، فصل في العوارض، رشيديه)

(۱) (رد المحتار على الدر المختار: ۲/ ۳۸۶، مبحث في صوم يوم الشك، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۹۷، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(و كذا في المحيط البرهاني: ۲/ ۵۴۸، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، غفاريه كوئته)

تیس رمضان کو چاند نظر نہیں آیا

سوال[۴۸۰۴] : شرعی شہادت کی بناء پر قاضی شہر نے رؤیتِ ہلال کی تصدیق کردی اور عام اعلان بھی کردیا اور اس اعلان کے مطابق عوام وخواص نے روزے رکھنا بھی شروع کردیئے، تیس روزے پورے ہونے کے بعد جب تیس تاریخ کو چاند دیکھنے کی نوبت آئی تو مطلع بالکل صاف تھا مگر اس کے باوجود چاند نظر نہیں آیا۔اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ صبح عید منائی جائے یا نہیں؟

حافظ محمد حمید اللہ، خطیب مسجد ہمایوں کانپور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر ہلال رمضان کی رؤیت کے وقت مطلع صاف نہیں تھا، بلکہ ابر تھا اور قاضی کے پاس دو گواہوں نے اپنی رؤیت بیان کی جس پر قاضی نے ثبوتِ رمضان کا اعلان کردیا اور تیس روزے پورے ہونے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود عید کا چاند نظر نہیں، حالانکہ یہ اکتسویں شب ہے تو عید نہ کی جائے بلکہ روزہ رکھا جائے، اگر ایک شخص کی خبر پر ثبوتِ رمضان کا اعلان کیا گیا تھا، پھر تیس روزے ہوجانے پر مطلع صاف ہونے کے باوجود چاند نظر نہیں آیا تو اس شخص کو جس کی خبر پر رمضان کا اعلان کیا گیا تھا شرعی سزا دیجائے، کیونکہ اس نے ہلال رمضان کی خبر غلط دی تھی، ردالمحتار: ۲/ ۹٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ہلالِ فطر کا ثبوت

سوال[۴۸۰۵] : کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ۲۹/ رمضان کو

---

(۱) "وبعد صوم ثلاثين بقول عدلين حل الفطر .... ولو صاموا بقول عدل حيث يجوز وغم هلال الفطر لايحل". (الدر المختار).

"قلت: وفي الفيض الفتوىٰ على حل الفطر ووافق المحقق ابن الهمام .... لوقال قائل: إن قبلهما في الصحو: أي في هلال رمضان وتم العدد، لايفطر، وإن قبلهما في غيم أفطروا .... (قوله لايحل): أي الفطر إذا لم ير الهلال، قال في الدرر: ويعذّر ذلك الشاهد: أي لظهور كذبه".

(ردالمحتار، كتاب الصوم، مبحث صوم يوم الشك: ۲/ ۳۹۰، ۳۹۱، سعيد)

بہت زیادہ ابر تھا، باوجود پوری کوشش کے چاند نظر نہیں آیا، اس لئے جملہ مساجد میں تراویح پڑھی گئی، پھر ریڈیو سے بھی معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ چاند نظر نہیں آیا۔ اس کے بعد نصف شب گزر جانے پر قاضیٔ شہر کے پاس چار شخصوں نے بیان دیا: ایک نوجوان مستورالحال نے کہا کہ میں نے بازار میں قبل از مغرب ایک سکنڈ چاند دیکھا، ابر آ جانے سے دوسروں کو دکھا نہیں سکا، دوسرے نوجوان داڑھی منڈے نے کہا کہ میں نے لکیر سی دیکھی ہے غالباً وہ چاند تھا، تیسرے شخص نے جو رافضی ہے کہا کہ میں نے چاند دیکھا ہے، چوتھے شخص نے جو مولوی ہے کہا کہ چاند دیکھنے والے معتبر ہیں۔ ان بیانات پر قاضی نے اعلانِ عید کر دیا اور اہلِ شہر نے عید منالی، قرب وجوار کے قصبات اور گاؤں میں سے بعضوں نے اس کو تسلیم کیا، اور بعضوں نے تسلیم نہیں کیا، بعض بستیوں میں نصف لوگوں نے عید منائی اور نصف نے نہیں منائی، بعض نے روزے رکھے بعض نے نہیں رکھے اور بعض نے رکھ کر توڑ دیئے بعض نے نہیں توڑے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ واقعہ مذکورہ میں قاضی کو کیا فیصلہ دینا تھا؟ کیا جو فیصلہ دیا ہے وہ از روئے شرع صحیح ہے یا غلط؟ اور اس پر عمل جائز ہے یا ناجائز؟ روزے کی قضاء ہے یا نہیں؟ اطراف کے لوگوں نے محض سورت کے فیصلہ کی خبر پر عید منائی اور روزہ نہیں چھوڑا اور نہیں توڑا، ان کے متعلق کیا حکم ہے؟ بڑا انتشار اور اختلاف پیدا ہو گیا ہے، لہٰذا جلد تفصیلی جواب مرحمت فرماویں تاکہ شائع کر دیا جائے اور عوام وخواص مسئلہ کی حقیقت سے واقف ہو جاویں تاکہ آئندہ اس قسم کی بات اور اختلاف رائے نہ ہو۔ بعض نے منگل کو عید کی ہے، بعض مقامات کی اطلاع ہے کہ بعض اشخاص نے دونوں روز عید کی نماز پڑھی، پہلے روز ایک پارٹی کے ساتھ دوسرے روز دوسری جماعت کے ساتھ۔

یہ سارا اختلاف دراصل دیکھا جائے تو رمضان کے چاند کے بارے میں پاکستان کے ریڈیو نے اطلاع دی تھی اس بنا پر ہوا ہے۔ بعضوں نے روزہ بھی رکھ لیا تھا اور تراویح بھی باجماعت ادا کر لی تھی، ان کے چونکہ تیس روزے ختم ہو رہے تھے اس لئے ان کو بھی سعی یہ تھی کہ دوشنبہ کی عید ہو جانی چاہئے کہ کراچی میں بھی اسی روز عید تھی۔ بینوا توجروا۔ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ہلالِ عید کے لئے شہادتِ شرعیہ ضروری ہے۔ جو بیانات سوال میں نقل کئے گئے ہیں ان کی حیثیت

مجموعی طور پر شرعی شہادت کی نہیں، صرف پہلا نوجوان صرف ایک سکنڈ چاند دیکھنے والا مستور الحال ایسا ہے کہ بعض احکام میں اس کا بیان شہادت کہلانے کا مستحق ہے، مگر نصاب تام نہ ہونے کی بنا پر صرف اس کے بیان پر ثبوت ہلال کا حکم نہیں دیا جا سکتا (۱)۔ دوسرا نوجوان اولاً: داڑھی منڈا ہونے کی وجہ سے عادل نہیں، مستور الحال نہیں، مقبول الشہادۃ نہیں (۲)، ثانیاً: اس کو چاند کا یقین نہیں بلکہ لکیر سی دیکھی ہے۔ تیسرا شخص رافضی ہے جو مردود الشہادۃ ہے (۳)۔ چوتھے شخص مولوی نے خود چاند دیکھنا بیان نہیں کیا، بلکہ دیکھنے والوں کی توثیق کی ہے، اس لئے قاضی صاحب کا فیصلہ ان بیانات پر درست نہیں (۴)۔

عید پڑھنا درست نہیں، روزہ نہ رکھنا درست نہیں، روزہ کی قضاء لازم ہے، جنہوں نے توڑ دیا ہے ان

---

(۱) "وإن كان بالسماء علةٌ، لاتقبل إلاشهادة رجلين أورجل وامرأتين، ويشترط فيه الحرية ولفظ الشهادة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۹۸/۱، الباب الثاني، في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱۹۲/۱، الفصل الأول في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۵۴۷/۲، الفصل الثاني فيمايتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(۲) "ولا تقبل شهادة الكافر والفاسق". (المحيط البرهاني: ۵۴۷/۲، الفصل الثاني فيما يتعلق برؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۹۷/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۳۸۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "و لا تقبل شهادة مَن يظهر سب السلف الذين هم الصحابة والتابعون و أبو حنيفة و أصحابه رضي الله عنهم أجمعين". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۴۶۸/۳، الفصل الثاني: من لا تقبل شهادته لفسقه، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۴۸۳/۵، كتاب الشهادات، باب القبول و عدمه، سعيد)

(۴) "فيلزم أهل المشرق برؤية أهل المغرب إذا ثبت عندهم رؤية أولئک بطريق موجب". (الدرالمختار). "كأن يتحمل اثنان الشهادة، أو يشهدا على حكم القاضي، أويستفيض الخبر، بخلاف مااذا أخبرأن أهل بلدة كذا رأوه؛ لأنه حكاية". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۹۴/۲، كتاب الصوم، قبيل مايفسد الصوم و ما لايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱۹۹/۱، الباب الثاني في رؤية الهلال، رشيديه)

کے ذمہ بھی قضاء لازم ہے(۱)۔ جنہوں نے اس فیصلہ پر روزہ نہیں توڑا اور عید نہیں منائی انہوں نے درست کیا، جنہوں نے دو مرتبہ عید پڑھی انہوں نے بھی بیجا حرکت کی۔ ہمارے اطراف میں انتیس روزے ہوئے پھر اکثر مقامات پر رؤیت ہوئی اور دہلی سے بھی بذریعہ ریڈیو اطلاع آ گئی مگر سہارنپور میں ابر تھا، ریڈیو کی اطلاع کو شرعی شہادت قرار نہیں دیا گیا، کچھ دیر میں شرعی شہادت پہونچی حتی کہ بہت سی مساجد میں تراویح بھی ہوئی اور دوشنبہ کو بالاتفاق عید ہوئی:

"و شرط للفطر مع العلة والعدالة نصاب الشهادة، و لفظ "أشهد" اھ". درمختار(۲)۔

محمود حسن گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/ شوال/ ۶۹ھ۔



(۱) "لو أفطر أهل الرستاق بصوت الطبل يوم الثلاثين ظانين أنه يوم العيد وهو لغيره، لم يُكفّروا".
(ردالمحتار: ۲/ ۴۰۷، مطلب فی جواز الإفطار بالتحری، سعید)
(وكذا فی التاتارخانیه: ۲/ ۳۹۵، الفصل التاسع فيما يصير شبهة فی إسقاط الكفارة، إدارة القرآن، كراچی)
(۲) (الدرالمختار شرح تنوير الأبصار: ۲/ ۳۸۶، كتاب الصوم، سعید)

باب ما یفسد الصوم ومالا یفسد

(مفسداتِ صوم کا بیان)

ندی میں غسل کرتے ہوئے پانی پی لیا

سوال[۴۸۰۶]: ۱......ایک شخص رمضان کا روزہ رکھتے ہوئے ندی پر غسل کرنے کے لئے گیا تو ایک آدمی اس کو پکڑ کر ندی کے اندر لے گیا تیرنا سکھانے کے لئے تو اس نے ندی میں ڈوبتے ہوئے پانی پی لیا کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا؟

سر پر تیل رکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا

سوال[۴۸۰۷]: ۲......ایک شخص نے صبح کو ۱۰/ بجے دن کو روزہ کی حالت میں اپنے سر پر بھول کر تیل رکھ لیا تھا، کیا روزہ ٹوٹ گیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ٹوٹ گیا(۱)۔

۲......باقی رہا، ٹوٹا نہیں، اگر جان کر رکھ لے گا تب بھی نہیں ٹوٹے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مدرسہ ہذا۔

---

(۱)"لو أكل مكرهاً أومخطأً، عليه القضاء دون الكفارة.......... المخطئ هو الذاكر للصوم غير القاصد للفطر". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۲، الباب الرابع فيمايفسد ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۴۰۱، ۴۰۶، كتاب الصوم، سعيد)

(۲)"أو ادّهن أو اكتحل أواحتجم أوقبّل أو احتلم ....لم يفطر". (الدرالمختار: ۲/۳۹۵، ۴۰۰،=

ناک میں دواڈالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یانہیں؟

سوال[۴۸۰۸] : ایک آدمی کووائی ناک کی بیماری ہے (ناک ہمیشہ بندرہتی ہے) جس کی وجہ سے دواؤں کا استعمال کرنا ضروری اورلازمی ہے۔اب روزے کی حالت میں اس شخص مذکورکوناک میں دواڈالنے کی اجازت ہے یانہیں؟ نہ ڈالنے کی صورت میں بے حدتکلیف ہوتی ہےاوراکثر منہ سے سانس لینی پڑتی ہے جس سے گلہ اورمنہ سوکھ جاتا ہے اوردردہونے لگتا ہے، ناک کے اندر مادّہ جم جاتا ہےاوردواڈالنے کی وجہ سے وہ صاف ہوجاتا ہے۔براہ کرم جواب سے مطلع فرمادیں۔

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرحالتِ صوم میں ناک میں دواڈالی اوروہ دواجوفِ دماغ میں پہونچ گئی توروزہ ٹوٹ جائے گا،ورنہ نہیں:"أو استعط فی أنفه شیأً .... فوصل الدواء .... حقیقةً إلی جوفه ودماغه". (الدرالمختار). "(قوله: فوصل الدواء حقیقة)أشارإلیٰ أن ماوقع فی ظاهر الروایةمن تقیید الإفساد بالدواء الرطب مبنيٌّ علی العبارة من أنه یصل، وإلافالمعتبر حقیقة الوصول، الخ". کذا فی الشامی: ۲/ ۱٤٠(۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین۔

= کتاب الصوم، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۰۳،الباب الرابع فیما یفسد الصوم ومالایفسد ، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۰۵، الفصل الرابع فیما یکره للصائم ومالایکره، رشیدیه)

(۱) (ردالمحتار علی الدر المختار: ۲/ ۴۰۲،۴۰۳، کتاب الصوم ،باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۰۴،الباب الرابع: فیما یفسد وما لایفسد ، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۱۰،الفصل السادس فیما یفسد الصوم، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح ،ص: ۶۷۲، باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء، قدیمی)

احتلام اور جماع سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۰۹]: اگر روزہ رکھا ہوا ہے اور سوتے میں حاجتِ غسل ہوجائے، یا دیدہ ودانستہ صحبت کرلے تو روزہ رہے گا یا نہیں، اگر رہے گا تو کیسا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

احتلام سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۱)، ہاں عمداً صحبت کرنے سے فاسد ہوجاتا ہے اور کفارہ وقضاء ذمہ میں لازم ہوتے ہیں (۲)۔ اگر رمضان کے علاوہ کا روزہ ہوتو صرف قضاء لازم آئے گی، کفارہ لازم نہ ہوگا (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۸/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

انگلی ڈال کر پاخانہ نکالنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۱۰]: ایک آدمی کو قبض کی شکایت ہے، اس نے روزہ کی حالت میں تھوڑی سی انگلی ڈال

---

(۱) "أو ادّهن أو اكتحل أو احتجم أو قبل أواحتلم.......... لم يفطر". (الدرالمختار: ۲/۳۹۵، ۴۰۰، باب مايفسد الصوم ومالا يفسده، سعيد)

(وكذافي النهر الفائق: ۲/۱۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، امداديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۶۱، باب في بيان مالا يفسد الصوم، قديمي)

(۲) "من جامع عمداً في أحد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولا يشترط الإنزال في المحلين".

(الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۵، الباب الرابع فيما يفسد ومالا يفسد، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان ۱/۲۱۲، الفصل السادس فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۴۰۹، ۴۱۲، كتاب الصوم، سعيد)

(۳) "من غير كفارة .... وهي إذا أكل الصائم .... أوأفسد صوم غير أداء رمضان بجماع، أو غيره، لعدم هتك حرمة الشهر، وهي إنما وجبت لهتك حرمته". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۱، ۶۷۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۴۰۴، ۴۰۵، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

کرخشک پائخانہ نکالا تو روزہ فاسد ہوگا یانہیں؟ اگر فاسد ہوگیا تو کفارہ لازم ہوگا یانہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرخشک انگلی سے یہ کام لیا ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۳ھ۔

عورت کے اندامِ نہانی میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے یانہیں؟

سوال[۴۸۱۱]: اگر کسی شخص نے اجنبی عورت کے اندامِ مخصوص میں خواہشاتِ نفسانی کی بناء پر رمضان کے روزہ میں انگلی ڈالی جس سے عورت کے اندامِ مخصوصہ سے خون جاری ہوگیا اور مرد کے اندامِ مخصوص سے صرف مذی کا اظہار رہا تو اس صورت میں مرد کا روزہ ٹوٹا یانہیں، بصورت ٹوٹنے روزے کے صرف قضاء لازم آئیگی یا کفارہ بھی؟ جواب تفصیل سے عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس شخص نے جماع نہیں کیا اور اس کی منی بھی خارج نہیں ہوئی، صرف مذی نکلی ہے تو اس سے اس کا روزہ نہیں ٹوٹا (۲)۔ اور اگر جماع تو نہیں کیا لیکن ہاتھ وغیرہ لگانے سے انزال ہوگیا یعنی منی خارج ہوگئی تو اس سے روزہ ٹوٹ گیا لیکن کفارہ لازم نہیں ہوا، بلکہ صرف قضاء لازم ہے (۳)۔ اور اگر جماع کیا ہے تو کفارہ بھی

---

(۱) "ولو أدخل إصبعه في إسته أو المرأة في فرجها، لا يفسد، وهو المختار، إلا إذا كانت مبتلةً بالماء أوالدهن، فحينئذٍ يفسد لوصول الماء أوالدهن". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۴، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالا يفسد، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۳۹۷، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۶، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۲) "لأنه لوقبلها بشهوة فأنزل، فسد صومه، لوجود معنى الجماع، بخلاف ما إذا لم ينزل حيث لايفسد، لعدم المنافي صورةً ومعنىً". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد: ۲/۴۷۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۱۷، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركت علميه ملتان)

(۳) "أو أنزل بتفخيذ أو بتبطين أو عبث بالكف أو أنزل من قبلة أو لمس لا كفارة عليه". (مراقي الفلاح،=

لازم ہے خواہ انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، ھکذا فی مراقی الفلاح (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالےٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/۳/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۶ھ۔

کیا مقعد میں انگلی ڈالنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے؟

سوال [۴۸۱۲]: روزے کی حالت میں بغرض صفائی اگر کوئی تر انگلی مقعد میں داخل کرے تو اس سے روزے کے فساد کا حکم ہوگا کہ نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر محلِ حقنہ تک تر انگلی پہونچ جائے تو روزہ فاسد ہوجائے گا:

"إذا دخل إصبعه مبلولةً .... في دبره، أو استنجى، فوصل الماء إلى داخل دبره أو فرجهاالداخل بالمبالغة فيه. والحد الفاصل الذي يتعلق بالوصول إليه الفساد قدرُ المحقنه، وقلما يكون ذلك، اه". مراقي الفلاح، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، الطحطاوي، ص: ۲۰۸ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۹ھ۔

= ص: ۲۲۶، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۲۲، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، إمداديه ملتان)

(۱) "إذا فعل الصائم شيئاً منها طائعاً متعمداً غير مضطر، لزمه القضاء والكفارة، وهي الجماع في أحد السبيلين .... وإن لم ينزل". (مراقي الفلاح، ص: ۲۶۳، ۲۶۴، باب مايفسد به الصوم وتجب به الكفارة مع القضاء، قديمى)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۰۹، ۴۱۱، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۵، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۷۶، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمى) =

حالتِ صوم میں شرمگاہ میں انگلی ڈالنا اور تقبیل

سوال[۴۸۱۳]: سحری کھانے کے بعد بیوی سے صحبت کرنا یا شرمگاہ میں انگلی ڈالنا یا وہ خود ڈالے، روزہ میں کیسا ہے؟ یا یہ سب کرنے سے روزہ میں کوئی فرق آتا ہے یا قضاء واجب ہے یا کیا؟ جواب دیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صبح صادق سے پہلے تو ان چیزوں سے بلکہ صحبت سے بھی روزہ میں کوئی خرابی نہیں آتی، اس لئے کہ روزہ صرف سحری کھالینے سے شروع نہیں ہوتا، بلکہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے(۱)، اس لئے پہلے روزہ ہی نہیں، صبح صادق کے بعد اگر بیوی کی شرمگاہ میں انگلی داخل کی یا بیوی نے خود داخل کی، اگر وہ انگلی خشک ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا، اگر تر تھی تو فاسد ہوگیا، قضاء لازم ہوگی (۲)۔

بوسہ اگر اس طرح لیا کہ اس کی رال لعاب میں نکل گیا تو روزہ فاسد ہوگیا اور کفارہ بھی لازم ہوگا(۳)، اگر بغیر

= (وكذا في الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۱) "هو إمساك عن المفطرات حقيقةً أوحكماً في وقت مخصوص، وهواليوم". (الدرالمختار).

قال الشامي: "أي اليوم الشرعي من طلوع الفجر إلى الغروب". (ردالمحتار: ۲/۳۷۱، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۴، كتاب الصوم، الباب الأول، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۳۱، ۶۳۲، كتاب الصوم، قديمي)

(۲) "أو أدخل إصبعه اليابسة فيه: أي دبره أو فرجها، ولو مبتلّةً، فسد". (الدرالمختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۷، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴ كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۶۷۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(۳) "ولو أكل ورق شجر إن كان مما يؤكل عادةً، وجبت، وإلا وجب القضاء فقط. وكذا لوخرج البزاق من فمه ثم ابتلعه، وكذا بزاق غيره؛ لأنه مما يعاف منه، ولوبزاق حبيبه أو صديقه وجبت؛ لأنه =

اس کے لیا ہےتو روزہ فاسد نہیں ہوا(۱)۔جس کو جماع یا انزال کا اندیشہ ہواس کو یہ سب نہیں کرنا چاہئے ،جس کو اندیشہ نہ ہواس کے لئے بوسہ لینے میں مضائقہ نہیں ،مگر اس طرح نہ لے کہ روزہ فاسد ہوجائے (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۸۵ھ۔

روزہ کی حالت میں زوجہ کی تقبیل ولمس

سوال[۴۸۱۴]: ۱...... روزہ کی حالت میں زید نے اپنی زوجہ کو گود میں لیا، بوسے لئے ،روزہ ٹوٹ گیا یانہیں؟

لمس سے انزال ہونے پر فسادِ صوم

سوال[۴۸۱۵]: ۲...... روزہ کی حالت میں زید نے اپنی بیوی سے دور سے بات کی اور ہاتھ پکڑا کہ انزال ہوگیا۔روزہ رہا یا ٹوٹ گیا، یا کوئی خامی ہوئی؟

ظفر محمد خان، موضع سرسی پوسٹ درا، ضلع کان پور۔

= یتلذذبہ .... کما قالہ فی أواخر الکنز، فصار، ملحقاً بما فیہ صلاح البدن". (ردالمحتار: ۲/۴۰۱، باب مایفسد الصوم ومالا یفسد، مطلب: جواز الإفطار بالتحری، سعید)

"ومنہ ابتلاع بزاق زوجتہ أو بزاق صدیقہ؛ لأنہ یتلذذ بہ". (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۶۷، مایفسد الصوم وتجب بہ الکفارۃ، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فیما یفسد ومالا یفسد، رشیدیہ)

(۱) "ولو قبل امرأۃ، لایفسد صومہ یرید بہ إذا لم ینزل لعدم المنافی صورۃً ومعنیً". (الھدایۃ: ۱/۲۱۷، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارۃ، شرکت علمیہ)

(۲) "ولا بأس بالقبلۃ إذا أمن علی نفسہ: أی الجماع أو الإنزال، ویکرہ إذا لم یأمن؛ لأن عینہ لیس یفطر، وربما یصیر قطراً بعاقبتہ فإن امن یعتبر عینہ و أبیح لہ، و إن لم یأمن تعتبر عاقبۃ". (الھدایۃ: ۱/۲۱۷، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارہ، شرکۃ علمیہ)

(وکذا فی الدرالمختار علی: ۲/۴۱۷، کتاب الصوم باب مایفسد الصوم ومالا یفسد، سعید)

(وکذا فی النھر الفائق: ۲/۲۷، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالا یفسد، مکتبہ امدادیہ ملتان) =

الجواب حامداًومصلیاً:

۱......روزہ نہیں ٹوٹا،لیکن ایسا کرنا مکروہ ہے کہ مبادانوبت آگے تک پہونچے (۱)۔

۲......روزہ ٹوٹ گیا،قضاء لازم ہوگی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمود گنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۹/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح :سعیداحمدغفرلہ،مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۱۰/ رمضان المبارک/ ۶۷ھ۔

استمناء بالید کے بعد بیوی سے جماع کرلیا

سوال[۴۸۱۶] : زید نے رمضان کا روزہ رکھنے کی حالت میں قصداً ہاتھ سے ذکرکوحرکت دے کر انزال کردیا پھر یہ سمجھ کرکہ روزہ ٹوٹ گیا قصداً بیوی سے جماع کیا اور کھایا پیا تو کیا زید پر کفارہ لازم ہوگایانہیں؟اور بیوی کے قرینہ سے یہ پتہ چلاکہ پہلے تو راضی نہیں تھی،مگراپنے اصرار پرقائم نہ رہی، بلکہ زیدکو قدرت دیدی خفیف طریقہ سے زیدکاڈرکرتے ہوئے۔توبیوی پرقضاء لازم آئیگی یاکفارہ؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگرروزۂ رمضان کی حالت میں جماع کرتا تواس پرکفارہ لازم ہوتا مگررمضان کا روزہ توپہلے ہی ختم کرچکا جس کی وجہ سے قضاء لازم ہوگئی (۳)،ایسی حالت میں جماع کرنے سے اس پرکفارہ لازم نہیں،البتہ اس

= (وکذا فی البحر الرائق: ۲/ ۴۷۶،باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیہ)

(۱) "وکرہ قبلة ولمس ومعانقة ومباشرة إن لم یأمن المفسد، وإن أمن لابأس". (الدرالمختار: ۲/ ۴۱۷، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/ ۲۷،باب مایفسد الصوم ومالایفسد، إمدادیہ ملتان)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/ ۴۷۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیہ)

(۲) (الدرالمختار: ۲/ ۴۰۴،۴۰۶،باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۱/ ۲۱۷، کتاب الصوم، باب مایوجب القضاء والکفارة، شرکت علمیہ)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۷۶، باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء، قدیمی)

(وکذا فی المحیط البرهانی: ۲/ ۵۵۸،کتاب الصوم،الباب الرابع فیما یفسد ومالایفسد، مکتبہ غفاریہ)

(۳)"واحترز به عما لو فعل مایظن الفطر به، کما لو أکل أو جامع ناسیاً، أو احتلم أو أنزل بنظر أو ذرعه=

کی بیوی پر قضاء بھی لازم ہے اور کفارہ بھی لازم ہے، ردالمحتار: ۲/۱۰۸(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۷/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۷/۹۲ھ۔

روزہ میں انجکشن

سوال[۴۸۱۷]: میں آپ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ ایک معاملہ میں اپنی تسکین کرلوں اور آپ کی رہنمائی سے فائدہ اٹھاؤں، امید کہ آپ بذاتِ خود تکلیف وتوجہ فرما کر جواب مرحمت فرمائیں گے۔

واقعہ یہ ہے کہ ابھی دیوبند کے دارالعلوم سے انگریزی میں ایک رسالہ رمضان المبارک میں شائع ہوا ہے، یہ رسالہ مہتمم جناب قاری محمد طیب صاحب کی جانب سے ہے اس لئے اس کی بڑی اہمیت ہے، اس میں لکھا ہے کہ انجکشن لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا صرف دو استثناء کئے گئے ہیں:

۱-اگر زخم کر کے پانی پیٹ میں لیجایا جائے۔

= القیئ، فظن أنه أفطر، فأكل عمداً، فلا كفارة للشبهة". (ردالمحتار: ۲/۱۱۴، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسده، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح مع حاشية الطحطاوي، ص: ۶۷۴، كتاب الصوم، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۶، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد الصوم وما لا يفسد، النوع الثاني، ومما يتصل بذلک مسائل، رشيديه)

(۱) "من جامع عمداً في أحد السبيلين، فعليه القضاء والكفارة، ولا يشترط الإنزال في المحلين، كذا في الهداية. وعلى المرأة مثل ما على الرجل إن كانت مطاوعةً، وإن كانت مكرهةً فعليها القضاء دون الكفارة". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۵، كتاب الصوم، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، النوع الثاني مايوجب القضاء والكفارة، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، فيما يفسد الصوم مع الكفارة: ۲/۲۵۳، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الهندية، كتاب الصوم، نوع آخر: ۴/۱۰۲، رشيديه)

۲- یا براہ راست دماغ میں دوالے جائی جائے، بقیہ انجکشن کوعمومیت کے ساتھ جائز کہا گیا ہے، اس میں مجھے شبہ گذرتا ہے اورخیال ہوتا ہے کہ یہ معاملہ مزید توجہ کامحتاج ہے۔

اسی رسالہ میں روزے کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ ''کھانے پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا''۔ ایک زمانہ میں کھانے کا طریقہ صرف یہ تھا کہ حلق کے راستہ سے کھانا پیٹ میں ڈالا جائے اور پینے کا بھی یہی طریقہ تھا کہ پانی حلق کے راستہ سے پیٹ میں ڈالا جائے، مگر سائنس کی ترقی نے نئے نئے طریقے ایجاد کئے ہیں، انہوں نے دریافت کیا کہ کھانا پیٹ میں جاکر کیا کام دیتا ہے، کھانا معدے میں ہضم ہونے کے بعد اس کا جوہر خون بن کر رگوں میں رواں ہوتا ہے، لہذا ایسے مریضوں کو جو منہ سے کھانہیں سکتے رگوں کے انجکشن کے ذریعہ کھانا پہونچایا جاتا ہے، بلکہ براہ راست خون بھی رگوں میں پہونچادیا جاتا ہے اور عرصہ تک اسی طرح وہ مریض کو وہ جو ہر رگوں میں پہونچا کر جو کھانے کا مقصد ہے بلا کھانا کھلائے رکھا جاتا ہے۔

اسی طرح پانی پینے کا بھی ایک مقصد رگوں کو سیراب کرنا ہے، ایک کافی مقدار پانی کی ہر انسانی جسم میں موجود رہنی ضروری ہے اور اگر وہ موجود نہ رہے تو انسان مرجائے گا، اس لئے ہیضہ کا مرض پانی کی کمی سے ہوتا ہے، دستوں کے راستہ اس کے جسم کا پانی نکل جاتا ہے اور اس کا علاج یہ ہے: رگ کاٹ کر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جاتا ہے، واضح ہو کہ رگ کاٹ کر پانی پیٹ میں نہیں ڈالا جاتا ہے بلکہ رگوں میں بھرا جاتا ہے، اگر ناک کے ذریعہ ٹیوب ڈال کر پیٹ میں پانی ڈالا جائے تو ڈالا جاسکتا ہے مگر معدے میں سوئے ہضم ہے اور جب تک پانی تحلیل ہو کر رگوں کو سیراب کرے گا مریض ختم ہو جائے گا، لہذا براہ راست پانی رگوں میں ڈال دیا جاتا ہے۔

یہ دو مثالیں میں نے دی ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بعض انجکشن غذا کا، بعض پینے کا مقصد ادا کرتے ہیں، تمثیل کے لئے حسبِ ذیل باتوں پر نگاہ فرمائی جائے:

(الف) گلوکوز کا ۲۵، ۵۰، ۱۰۰، ۲۰۰، ۵۰۰/سی سی کا رگوں کے ذریعہ انجکشن کھانے کا کام دے گا۔

(ب) رگ کو کاٹ کر دو سیر چار سیر پانی براہ راست رگوں میں بھر دیا جائے، یہ طریقہ پینے کا کام دے گا۔

(ج) رگوں کے ذریعہ خون جسم کے اندر ڈال دیا جائے، یہ طریقہ طویل اور پیچیدہ راستے کو ترک کر کے براہ راست غذا کا مقصد پورا کرتا ہے، یہ سب انجکشن ہیں۔ اور عمومیت کے پیشِ نظر سوال یہ ہے کہ کیا یہ سب جائز

ہیں؟ اور اگر یہ جائز ہیں تو ہر آدمی کھانا کھانے کے بجائے ۵۰/سی سی گلوکوز انجکشن لے لے، کھانے کا مقصد حل ہوجائے گا اور بلا روزہ کا مقصد پورا کئے روزہ دار کہلائے گا۔

لہٰذا التماس ہے کہ آپ مندرجہ بالا امور پر میری تشفی فرمادیں، میں جناب والا کی اس عنایت وکرم فرمائی کا بہت ممنون ہوں گا۔ والسلام۔

خادم: قاضی محمد عدیل عباسی ایڈوکیٹ بستی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزے کی نقل کردہ تعریف: ''کھانے، پینے اور جماع سے صبح صادق سے غروب آفتاب تک پرہیز کرنا'' (۱)۔ انجکشن سے- چاہے وہ ۵۰/سی سی کا ہو، یا اس سے کم زائد کا- اس تعریف میں خلل نہیں آتا۔

کھانا، پینا بدیہی ہے انجکشن کو کھانا پینا نہیں کہا جاتا، رگ کاٹ کر پانی عروق (رگوں) میں پہنچانے سے جو فائدہ حاصل ہوتا ہے یعنی رگوں کو تر اور سیراب کرنا۔ وہ فائدہ گو پورا نہ سہی لیکن کافی مقدار میں ٹھنڈے پانی سے غسل کرنے، اس میں غوطہ لگانے، ایرکنڈیشنڈ میں داخل ہونے، سرسبز وشاداب مقام پر پہنچ جانے سے بھی حاصل ہوتا ہے، سر اور بدن پر تیل کی مالش سے بھی تیل اندر پہونچتا ہے اور رگوں میں تراوٹ پیدا ہوتی ہے، اس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲)۔ شدتِ گرمی کی وجہ سے کپڑا بھگو کر حالتِ صوم میں سر پر لپیٹنا حضرت نبی اکرم صلی

---

(۱) ''أما تفسيره، فهو عبارة عن ترك الأكل والشرب والجماع من الصبح إلى غروب الشمس بنية التقرب من الأهل''. (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۴، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في المبسوط للسرخسي: ۳/۵۱، كتاب الصوم، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۳۷۱، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) ''أو ادّهن أو اكتحل، وإن وجد طعمه في حلقه''. (الدر المختار). ''لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر''. (ردالمحتار: ۲/۳۹۵، ۳۹۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد الصوم، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، رشيديه)

اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے(۱)، ظاہر ہے کہ اس کا مقصد بھی رگوں کو ٹھنڈا کر کے تشنگی کی بے چینی ختم کرنا تھا جو بظاہر روزے کے مقصد کے خلاف ہے۔

یونانی اطباء بعض امراض کے علاج میں بھپارہ دیتے ہیں (۲) جس سے مسامات کھل کر دوا کے اثرات اندر داخل ہوتے ہیں اور اکثر مسامات سے ہی پسینہ کے راستہ امراض باہر آجاتے ہیں اور کبھی مادہ کثیفہ کو رقیق بنا کر بصورتِ اسہال یا پلٹس مادہ خارج کر دیا جاتا ہے۔غرض کہ جو فائدے حلق کی راہ دوا جوفِ معدہ میں پہونچانے سے حاصل ہوتا ہے وہی بھپارہ دینے سے حاصل ہوتا ہے اور یہ طریقۂ علاج طبِ قدیم میں موجود ہے، جدید انکشاف نہیں۔

فقہاء ومجتہدین اس سے خوب واقف ہیں مگر اس کو مفسدِ صوم قرار نہیں دیا۔

آج اس سائنس کی ترقی کی وجہ سے اگر ڈاکٹر پر اعتماد کرتے ہوئے اس کا یقین کیا جاتا ہے کہ رگوں کے ذریعہ پانی جسم میں پہنچانے سے پینے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور خون رگوں میں پہنچانے سے کھانے کا مقصد حاصل ہوتا ہے اور بعض مریضوں پر تجربہ اس کا مؤیّد بھی ہے تو آج سے چودہ سو سال پہلے صادق ومصدوق صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ ''سبحان اللہ، الحمد للہ'' کھانے کا مقصد حاصل کرنے کے لئے مفید ہے اور جاں نثار پیروی کرنے والوں کو اس کا تجربہ بھی ہے۔ یہ یقین اور اعتقاد بہت زیادہ قوی ہے۔ سائنس اور ڈاکٹروں کے یقین واعتماد سے کیا اس کو بھی مفسدِ صوم قرار دیا جائے گا، غیبت کو قرآن پاک نے اکل فرمایا ہے: ﴿أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه﴾ الآیہ(۳) اور بعض کے متعلق تجربۃً قے کرا کے مشاہدہ کرانا بھی حدیث

---

(۱) ''أبو بکر بن عبدالرحمن قال: حدثني من رأى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في يوم صائف يصيب على رأسه الماء من شدة الحر والعطش وهو صائم''. (المؤطا للإمام مالک، باب ماجاء في الصيام في السفر، ص: ۲۳۴، میر محمد کتب خانه)

(وسنن أبي داؤد، كتاب الصيام، باب الصائم يصلب عليه الماء من العطش: ۱/ ۳۲۹، إمداديه ملتان)

(۲) ''بھپارا: جوش کی دوا، بھپارا دینا: کسی جوش کی ہوئی چیز سے سینکنا یا بھاپ دینا''۔(نور اللغات: ۱/ ۶۸۵، سن میل پبلیکیشنز، لاہور)

(۳) (الحجرات: ۱۱)

شریف میں مذکور ہے(۱)، کیا یہ بھی مفسد صوم ہے۔

بعض صورتیں ایسی بھی ہیں کہ وہاں مشاہدۃً اکل وشرب ہے مگر مقصدِ اکل وشرب اس پر کچھ بھی مرتب نہیں ہوتا، پھر بھی وہ مفسدِ صوم ہے، مثلاً: کسی نے ایک تل کھالیا اس سے بھوک کچھ بھی دفع نہیں ہوتی مگر روزہ فاسد ہوگیا(۲) اور اگر بھول کر کھاپی لیا تو حقیقۃً اکل وشرب بھی پایا گیا اور مقصد بھی پورا ہوگیا، لیکن روزہ فاسد نہیں ہوا(۳)۔

بعض ایسی صورتیں بھی ہیں کہ جوف میں ایسی چیز داخل ہوگئی جو اکل وشرب کا فائدہ دینے کے بجائے وبال ومصیبت بن گئی، مگر روزہ فاسد ہوگیا، مثلاً: کسی روزے دار کو تیر مارا گیا اور لوہے کا حصہ اندر رہ گیا تو روزہ

---

(۱) "عن أنس أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أمر الناس أن یصوموا یوماً ولا یفطرنّ أحدٌ حتی أذن له، فصام الناس، فلما أمسوا جعل الرجل یجئ إلی رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فیقول: ظللت منذ الیوم صائماً فائذن لی فأفطر، فأذن له. ویجئ الرجل فیقول ذلک، فیأذن له حتی جاء رجل فقال: یارسول الله إن امرأتین من أهلک ظلتا منذ الیوم صائمتین، فائذن لهما فلیفطرا، فأعرض عنه، ثم أعاد، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ماصامتا وکیف صام من ظل یأکل من لحوم الناس؟ اذهب فمرهما إن کانتا صائمتین أن یستقیئا". ففعلتا فقاء ت کل واحدة منهما علقةً، فأتی النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فأخبره، فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "لو ماتتا وهما فیهما لأکلتهما النار". (تفسیر ابن کثیر: ۴/۲۷۴، سورة الحجرات، دارالفیحاء)

(۲) "إذا ابتلع سمسمة بین أسنانه، لایفسد صومه؛ لأنه قلیل. وإن ابتلع عن الخارج یفسد". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فیما یفسد ومالایفسد، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار علی تنویر الأبصار: ۲/۴۱۵، باب مایفسدالصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۴۸، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیه)

(۳) "إذا أکل الصائم أو شرب أو جامع ناسیاً، لم یفطر، ولافرق بین الفرض والنفل". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۲، الباب الرابع فیمایفسد ومالایفسد، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۷، الفصل الخامس فیمالایفسدالصوم، رشیدیه)

(وکذا فی البحرالرائق: ۲/۴۷۳، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشدیه)

فاسد ہوگیا(۱)۔سونے میں احتلام سے مقصدِ جماع حاصل ہوگیا مگر روزہ فاسد نہیں ہوا، محض دیکھ کر انزال ہوگیا روزہ فاسد نہیں ہوا(۲)۔

سفر میں عامۃً مشقت ہوتی ہے جس کی رعایت سے شریعت نے قصر نماز کا حکم دیا اور اجازتِ افطار دی اور دوسرے بعض احکام میں بھی تخفیفاً سہولت اور رخصت دی اور مسافر سفر تین یوم (تین منزل تقریباً اڑتالیس میل) مقرر کی (۳)، لیکن اگر کوئی شخص تین دن کی مسافت تین گھنٹہ یا اس سے کم میں طے کرے اور بہت راحت کے ساتھ کہ کسی قسم کی مشقت پیش نہ آئے تو کیا وہ نماز قصر نہیں کریگا، یا اس کو رخصتِ افطار سے محروم کردیا جائیگا، یا دوسرے احکام میں تخفیف کی سہولت ورخصت سے فائدہ نہیں حاصل کرسکے گا۔

اصل یہ ہے کہ قانون پر عمل کی صورت شرعاً تجویز کردی گئی ہے اس طرح عمل کیا جائے اور اس پر حکم دیا جائے گا، اس کے خلاف اپنی دوسری صورت تجویز کرکے اپنے تجویز کردہ مقصدِ قانون کو پورا کیا گیا تو وہ شرعاً قانون پر عمل نہیں ہوگا اور جو صورت حدودِ قانون کے اندر جائز ہے اس کو مقصدِ قانون کے خلاف قرار دے کر

(۱)"(أو طعن برمح فوصل إلى جوفه)وإن بقي في جوفه، كما لوألقى حجر في الجائفة أونفذالسهم من الجانب الآخر، ولوبقي النصل في جوفه، فسد". (الدرالمختار علي تنوير الأبصار: ۲/۳۹۷،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۲/۴۸۷،باب مايفسد الصوم ومالايفسد،رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۶۶،الفصل الرابع فيمايفسدالصوم ومالايفسد، إدارة القرآن كراچی)

(۲)"أوادّهن أواكتحل أواحتجم أوقبل ولم ينزل، أو احتلم أو أنزل بنظر أوبفكر .... لم يفطر".

(الدرالمختارعلى تنويرالأبصار: ۲/۳۹۵، ۴۰۰،باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية ۱/۲۰۴،الباب الرابع فيما يفسد ومالايفسد، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۷۱،الفصل الرابع في مايفسد الصوم ومالايفسد، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "من خرج من عمارة موضع إقامته مسيرة ثلاثة أيام ولياليهابالسيرالوسط............ صلى الفرض الرباعي ركعتين". (الدرالمختار: ۲/۱۲۱، ۱۲۳، باب صلوٰةالمسافر، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۲،كتاب الصلوٰة، صلوٰةالمسافر، إدارة القران كراچی)

(وكذا في الهداية: ۱/۱۶۵، كتاب الصلوة، باب صلوٰة المسافر، شركت علميه)

حدودِ جواز سے خارج نہیں کیا جائے گا۔ سرکاری قانون ہے کہ لفافہ پر۲۵/ پیسے کا ٹکٹ لگایا جائے، اب اگر کوئی شخص ۲۵/ پیسے کا ٹکٹ نہیں لگاتا ہے، بلکہ ۲۵/ پیسے لفافہ پر چپکا دیتا ہے اس تخیل سے کہ مقصدِ قانون یہ ہے کہ ۲۵/ پیسے حکومت کے لئے خرچ کئے جائیں، سومیں نے ۲۵/ پیسے خرچ کردیئے تو اس کا یہ عمل قانون پر عمل نہیں ہو گا، بلکہ کہا جائے گا کہ اس نے قانون میں تحریف وترمیم کی ہے جس کا اس کو حق نہیں تھا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

روزہ میں انجکشن

سوال[۴۸۱۸]: بحالتِ صوم انجکشن لگوانا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

روزہ میں انجکشن

سوال[۴۸۱۹]: زید کو رمضان شریف میں انجکشن کی ضرورت ہے بوجۂ بیماری، بخار ہو یا پھوڑا یا اَور کوئی صورت ہو تو انجکشن لگوایا جا سکتا ہے یا نہیں؟ اور کوئی صورت جواز کی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو پھر حدیث "الفطر مما دخل، ولیس مما خرج". شرح وقایہ، جلد اول: ۱۹۷(۲) سے تعارض ہوگا کہ نہیں؟

شاہ انوارالرحمٰن صاحب۔

---

(۱) "أوادّهن أو اكتحل أواحتجم وإن وجدطعمه فى حلقه". (الدرالمختار). "لأن الموجود فى حلقه أثر داخل من المسام الذى هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل فى ماء، فوجد برده فى باطنه أنه لايفطر". (ردالمحتار: ۲/۳۹۵، ۳۹۶، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد وفيما لايفسد، رشيديه)

(وكذا فى النهرالفائق: ۲/۷، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مكتبه إمداديه ملتان)

(۲) "وقد قال ابن عباس وابن مسعود وعلى رضى الله تعالىٰ عنهم: إن الفطر مما دخل وليس مما خرج".=

الجواب حامداً ومصلیاً:

انجکشن سے روزہ نہیں ٹوٹتا(۱)۔"الفطر ممادخل ولیس مماخرج"اول:تو کلیہ نہیں، بلکہ خاص موقعہ کے متعلق ہے، کما یظهر بأدنیٰ تأمل۔ دوسرے:حصر کے لئے نہیں (۲)۔تیسرے: جو منفذ سے داخل ہو وہ مفطر صوم ہے:"والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ، اھ". شامی: ۲/ ۱۳٤(۳)۔ چوتھے: مطلقاً داخل بھی مفطرِ صوم نہیں، بلکہ جوفِ معدہ میں جو داخل ہو وہ مفطر ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/ ۹/ ۸۵ھ

روزہ میں خوشبو کا حکم

سوال[۴۸۲۰]: ہومیو پیتھک میں ایک اصولِ معالجہ یہ بھی ہے کہ شکر کی سادہ گولیوں کی شیشی میں دوا کے دو تین قطرے ڈال کر رکھ دیتے ہیں، جب گولیاں خشک ہو جائیں تو انہیں مریض کو سونگھنے کی ہدایت کریں، اس طرح کہ ناک کے ایک راستہ کو بند کر کے دوسرا راستہ کھول دیں، ایک یا دو مرتبہ سونگھنا کافی ہوتا ہے۔ اس عمل سے روزہ فاسد ہوتا ہے کہ نہیں؟

حفیظ اللہ صاحب کھیری، لکھیم پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

محض کسی خوشبو یا بدبو کے بے اختیار ناک میں جانے یا قصداً سونگھنے سے-خواہ علاجاً ہو یا تنشیطاً-روزہ فاسد نہیں ہوتا، اگربتی، عطر، دوا سب کا ایک حکم ہے(۴)، البتہ اگربتی وغیرہ سلگا کر اس کا دھواں ناک میں پہنچانا

= أخرجه البیهقي وابن أبي شیبة وعبدالرزاق". (عمدة الرعایة علی هامش شرح الوقایة: ۱/ ۲۴۷، کتاب الصوم، باب موجب الإفساد، سعید)

(۱) مرتخریجه تحت عنوان: "روزہ میں انجکشن"۔

(۲)"وهو مخصوص بحدیث الاستقاء، أو الفطر فیه باعتبار أنه یعود شيء وإن قل حتی لایحس به".

(البحر الرائق: ۲/ ۴۸۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیه)

(۳) (ردالمحتار: ۲/ ۳۹۵، باب مایفسد الصوم ومالایفسده، مطلب: یکره السهر الخ، سعید)

(۴) "وکذا إذا أدخل الدخان أو الغبار أو ریح العطر أو الذباب حلقه، لایفسد صومه". (فتاویٰ قاضي خان: =

مفسدِ صوم ہے، کذا فی مراقی الفلاح والطحطاوی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

روزہ میں انجکشن اور پمپ سے منہ میں ہَوا لینا

سوال[۴۸۲۱]: فرض روزہ کی حالت میں انجکشن لگوانا اور سانس کے مریض کا پمپ کے ذریعہ منہ میں ہَوا لینا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

انجکشن سے روزہ فاسد نہیں ہوتا (۲)، اِلاّ یہ کہ جوفِ معدہ میں دوا پہونچائی جائے (۳)۔ ہَوا منہ کے اندر جانے سے بھی روزہ فاسد نہیں ہوتا اگرچہ پمپ سے پہونچائی جائے (۴) جبکہ کے اس میں کوئی اَور

= ۲۰۸/۱، الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم، رشیدیہ)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۶۰، باب مالایفسد الصوم، قدیمی)

(۱) "(أو دخل حلقه دخانٌ بلاصنعه) لعدم قدرته على الامتناع عنه، فصار كبللٍ بقي في فمه بعد المضمضة لدخوله من الأنف إذا أطبق الفم. وفيما ذكرنا إشارة إلى أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأىّ صورة كان الإدخال، فسد صومه، سواء كان دخان عنبر أو عود أو غيرهما، حتى من تبخر ببخور فآواه إلى نفسه واشتم دخانه ذاكراً لصومه، أفطر، لإمكان التحرز عن إدخال المفطر جوفه ودماغه". (حاشية الطحاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۶۰، کتاب الصوم، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار مع ردالمحتار: ۳۹۵/۳، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۱۷۱۱/۳، کتاب الصوم، باب مایفسد الصوم ومالایفسده، رشیدیه)

(۲) (مر تخریجه تحت عنوان: "روزہ میں انجکشن")

(۳) "وفي دواء الجائفة والآمّة أكثر المشايخ على أن العبرة للوصول إلى الجوف والدماغ، لالكونه رطباً أويابساً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۲۰۴/۱، الباب الرابع فیما یفسد الصوم وما لایفسد، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۴۰۲/۲، ۴۰۶، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۷۲، باب مایفسد الصوم ویوجب القضاء، قدیمی)

(۴) "أو دخل حلقه غبارٌ ولو كان غبار دقيق من الطاحون، أو دخل حلقه ذباب، أو دخل أثر طعم الأدوية=

چیز نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ہومیو پیتھک دوائی کا سونگھنا

سوال[۴۸۲۲]: ہومیو پیتھک دوا کے سونگھنے سے مریض کو بالکل اتنا ہی اثر ہوتا ہے جتنا کہ دوا کے کھانے سے، خواہ دوا کی صرف ایک ہی گولی چٹکی میں لے کر کسی روزہ دار مریض کو سونگھائی جائے تو روزہ ٹوٹ جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

محض سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/ ۹/ ۹۳ھ۔

روزہ میں چکنے ہاتھ سے مضمضہ واستنشاق

سوال[۴۸۲۳]: ایک شخص نے روزہ کی حالت میں اپنے ہاتھ پر سرسوں کے تیل کی مالش کی، پھر وضو کیا، ہاتھوں پر چکناہٹ کا اثر باقی تھا، ایسی ہی چکناہٹ سے انگلیوں سے ناک میں پانی لگایا اور ناک صاف کر کے وضو کرنے کے تھوڑی دیر بعد بھی محسوس ہوا کہ زبان پر بھی چکناہٹ کا اثر محسوس ہوتا تھا، نیز حلق کے اندر

= فیہ فلایفسد الصوم فیها". (مراقی الفلاح، ص: ۲۲۰، ۲۲۱، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/ ۳۹۵، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۰۳، کتاب الصوم، الباب الرابع فیما یفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیه)

البتہ آج کل کے جو پمپ استعمال ہوتا ہے، اس میں دوا کے اجزاء ہوتے ہیں، اور ان اجزاء کا معدہ میں پہونچنا یقینی ہوتا ہے، لہٰذا اس کے استعمال سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے۔

(۱) "فکذا إذا دخل الدخان أو الغبار أوریح العطر أو الذباب حلقه، لایفسد الصوم". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة ۱/ ۲۰۸، الفصل الخامس فیما لایفسد الصوم، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۶۰، باب فی بیان مالا یفسد الصوم، قدیمی)

بھی اور زبان پر بھی اب شبہ یہ ہوتا ہے کہ پیٹ کے اندر بھی چکناہٹ گئی ہے۔ اس کے علاوہ جب سر میں تیل لگاتا ہے تو حلق اور زبان پر بھی اثر معلوم ہوتا ہے۔ ایسی حالت میں حلق یا زبان پر چکناہٹ محسوس ہوتی ہے تو روزہ میں اس سے کیا خرابی اور فرق ہوا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے روزہ میں فرق نہیں آتا ہے، بعض دفعہ چکناہٹ بہت تیز ہوتی ہے، بغیر کلی اور بغیر ناک میں چکنے ہاتھ سے پانی داخل کئے ہوئے بھی محض سانس کے اندر پہونچ کر سر اور حلق کو متاثر کر دیتی ہے اور جب کہ پانی حلق کے اندر داخل نہیں ہوا اور نہ دماغ میں پہونچا تو روزہ پر اثر کیوں پڑے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۹/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۹/ ۸۹ھ۔

روزہ میں اگربتی

سوال [۴۸۲۴]: رمضان شریف میں جمعہ کی نماز کے وقت مسجد میں ایک روزہ دار شخص نے کچھ اگر بتیاں اس مقصد سے سلگائیں کہ تمام مسجد میں خوشبو پھیلے، اگر بتیاں جلتی رہیں اور خوشبو پھیلتی رہے، نماز کے بعد کچھ لوگوں نے اچھی خوشبو ہونے کی وجہ سے لمبا سانس لے کر خوشبو سونگھی، کسی نے جلتی ہوئی اگر بتیوں کو قریب لے کر نہیں سونگھا اور نہ اس کے پاس سونگھنے بیٹھا، تمام مسجد میں خوشبو پھیل رہی تھی، اس خوشبو کو لمبا سانس لے کر سونگھا، ایسی حالت میں کیا روزہ دار اور نمازیوں کے روزے ٹوٹ گئے؟ اور جنھوں نے خوشبو کو لمبی سانس لے کر سونگھا تھا ان کے روزے کیا ٹوٹ گئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگربتی کا دھواں اگر قصداً سانس لے کر دماغ میں پہونچایا ہے تو روزہ فاسد ہوگیا، اگر دھواں دماغ میں نہیں پہونچا، صرف خوشبو سونگھی ہے تو روزہ فاسد نہیں ہوا (۱)۔ روزہ کی حالت میں اگربتی نہ

---

(۱) "وكذا إذا دخل الدخان أو الغبار أو ريح العطر أو الذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۸، الفصل الخامس فيما لايفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۲۲۰، باب مالايفسد الصوم، قديمی)

سلگائی جائے (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۹/۸۵ھ۔

روزہ میں اگربتی اور عطر سونگھنا

سوال[۴۸۲۵] : صائم - رمضان یا غیر رمضان ہے - بحالتِ روزہ اگربتی یا لوبان کا دھواں سونگھے یا سینٹ تو روزہ ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سینٹ یا کسی بھی عطر کے سونگھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا (۲)۔ اگربتی یا لوبان کا دھواں بالقصد حلق کے راستے سے اندر پہونچانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، صرّح به الشامي وغيره في ردالمحتار وغيره من كتب الفقه:

"لوأدخل حلقه الدخان، أفطر أيّ دخان كان، اهـ". درمختار: "أي بأيّ صورة كان الإدخال، حتى لو تبخر ببخور فاواه إلى نفسه واشتمّه ذاكراً لصومه، أفطر، لإمكان التحرز عنه، وهذامما يغفل عنه كثير من الناس، ولا يتوهم أنه كشمّ الورد ومائه والمسك، لوضوح الفرق بين

---

(۱) "أو دخل حلقه غبارأوذباب أودخان ولوذاكراً استحساناً، لعدم إمكان التحرزعنه، ومفاده أنه لوأدخل حلقه الدخان أفطر أيّ دخان كان، ولو عوداً أو عنبراً، لوذاكراً لإمكان التحرزعنه، فليتنبه له، كمابسطه الشر نبلالي". (الدرالمختار على تنويرالأبصار: ۲/۳۹۵، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۶۰، كتاب الصوم، قديمي)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته: ۳/۱۷۱۱، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، رشيديه)

(۲) "وكذا إذادخل الدخان أوالغبارأوريح العطرأوالذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فيمالايفسد الصوم، رشيديه)

"لايكره للصائم شم رائحة المسك والوردونحوه ممالايكون جوهراً متصلاً كالدخان".

(مراقي الفلاح، ص: ۲۵۹، باب في بيان مالايفسد الصوم، قديمي)

ھواء تطیب بریح المسك وشبهه وبین جوهر دخان وصل إلی جوفه بفعله، إمداد. وبه علم حکم شراب الدخان، اهـ". شامی: ۱/۱۳۳(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۱/۸۸ھ۔

لوبان سونگھنے سے روزہ کا حکم

سوال[۴۸۲۶]: بہشتی زیور کے تیسرے حصہ میں لکھا ہے کہ روزہ کی حالت میں لوبان وغیرہ کی دھونی سلگا کر سونگھنے سے روزہ جاتا رہے گا(۲)۔ کیا یہ حکم لوبان ہی کے لئے ہے یا اگربتی وغیرہ ہر دھوئیں کے لئے ہے؟ بعض حضرات روزہ میں اگربتی جلا کر سونگھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ تو خوشبودار چیز ہے اور خوشبو سونگھنے سے روزہ نہیں جاتا۔ یہ صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لوبان وغیرہ غرض جو بھی دھواں خوشبو کے لئے سونگھ کر حلق یا دماغ میں پہونچایا جائے اس سے روزہ فاسد ہوجائے گا(۳)، محض خوشبو (عطر) سونگھنے سے روزہ فاسد نہیں ہوگا، کذا فی الطحطاوی(٤)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۷ھ۔

---

(۱) (الدرالمختار: ۲/۳۹۵، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، سعید)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۲۶۰، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۷۱۱، باب مایفسد الصوم ومالایفسد)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ سوم، ص: ۲۰۹، باب ہفتم، جن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور جن چیزوں سے ٹوٹ جاتا ہے اور قضاء یا کفارہ لازم آتا ہے ان کا بیان، دارالاشاعت کراچی)

(۳)" أودخل حلقه دخان بلاصنعه، لعدم قدرته علی الامتناع عنه. وفیما ذکرنا إشارة إلی أنه من أدخل بصنعه دخاناً حلقه بأیّ صورة کان الإدخال، فسد صومه، سواء کان دخان عنبر أوعود أوغیرهما".

(مراقی الفلاح علی نورالایضاح، ص: ۲۶۰، باب فی بیان مالایفسد الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدرالمختار: ۲/۳۹۵، باب مایفسد الصوم، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته: ۳/۱۷۱۱، باب مایفسد الصوم ومالایفسد، رشیدیه)

(۴)"لایکره للصائم شم رائحة المسک والوردونحوه ممالایکون جوهراً متصلاً کالدخان". (مراقی =

نشہ آور منجن کا استعمال بحالتِ صوم

سوال[۴۸۲۷]: روزہ کی حالت میں ایک قسم کا منجن جوتمباکو اور پرانے گڑ سے تیار کیا جاتا ہے، استعمال کرتا ہے، جس کی اسے عادت پڑی ہوئی ہے، اس کے استعمال سے اس کو تسکین بھی ہوتی ہے، اس منجن میں نشہ بقدرِ تمباکو ہے۔ کیا ایسے منجن کا روزہ کی حالت میں استعمال جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس سے پورا پرہیز کرے، اکثر اس کا کچھ حصہ حلق کے اندر پہونچ جاتا ہے، نشہ کا ہونا مستقل وجۂ منع ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۷/۹۴ھ۔

جلق مُفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۲۸]: جلق لگایا گیا اور منی کپڑے وغیرہ میں نہیں لگی تو اس صورت میں صرف اعضائے تناسل دھو لینا کافی ہے یا غسل واجب ہے؟ اور مفسدِ صوم ہے یا نہیں؟

= الفلاح، ص: ۲۵۹، باب في بيان مالايفسد الصوم، قديمي)

"وكذا إذا أدخل الدخان أو الغبار أوريح العطر أوالذباب حلقه، لايفسد صومه". (فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۰۸، الفصل الخامس فيمالايفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۵۵۶، الفصل الرابع فيمايفسد الصوم ومالايفسد)

(۱) "أوذاق شيئاً بفمه وإن كره، لم يفطر". (الدرالمختار). "إن كره إلالعذر كما يأتي". (ردالمحتار: ۲/۴۰۰، كتاب الصوم، سعيد)

"وكره له ذوق شيئ، وكذا مضغه بلاعذر، وكره مضغ علك أبيض ممضوغ ملتئم، وإلا فيفطر". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۴۱۶، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان على هامش الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۴، الفصل الرابع فيما يكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۱۹۹، الباب الثالث فيمايكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

جلق سے اگر منی نہیں نکلی تو روزہ فاسد نہیں ہوا(۱)۔ اگر مذی نکلی ہے تو عضو کا دھولینا اور وضو کرلیا کافی ہے، غسل واجب نہیں، نہ روزہ فاسد ہوا(۲)۔ اگر منی نکلی ہے تو روزہ بھی فاسد ہوگیا اور غسل بھی واجب ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۹/۸۵ھ۔

سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے روزہ کا حکم

سوال[۴۸۲۹] : کیا سانپ، بچھو کے کاٹنے اور انجکشن لگوانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے؟

---

(۱) "(قوله: الاستمتاع بالكف): أی كونه لايفسد، لكن هذا إذا لم يُنزل، أما إذا أنزل فعليه القضاء، كما سيصرح به، وهو المختار". (ردالمحتار، كتاب الصوم، مطلب في حكم الاستمناء بالكف: ۳۹۹/۲، سعيد)

(۲) "(لا) عند (مذی أو ودی) بل الوضوء منه .... اه.". (الدرالمختار). "(قوله: بل الوضوء منه، الخ): أی بل يجب الوضوء منه: أی من الودی ومن البول جميعاً". (ردالمحتار: ۱۶۷/۱، كتاب الطهارة،سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الرابع فی مايفسد الصوم ومالايفسد : ۳۸۱/۲،قديمی)

(۳) "الصائم إذا عالج ذكره حتى أمنى، يجب عليه القضاء، وهو المختار". (البحر الرائق، كتاب الصوم، باب مايفسد الصوم ومالايفسده: ۴۷۵/۲، رشيديه)

(وكذا فی مجمع الأنهر، كتاب الصوم، باب موجب الفساد: ۳۶۰/۱، رشيديه)

(وكذا فی ردالمحتار، مطلب فی حكم الاستمناء بالكف: ۳۹۹/۲، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الرابع مايفسد الصوم ومالايفسد: ۱۸۱/۲، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ نہیں ٹوٹتا (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

صبح صادق کے ایک دومنٹ بعد سحری کھانا

سوال[۴۸۳۰]: سحری کا آخری وقت مثلاً پانچ بجے ہے،ایک شخص مثال کے طور پر چار بج کر پچیس منٹ پر سوکر بیدار ہوا،اس نے جلدی جلدی دو چار لقمے کھائے،جس وقت وہ کھا کر پانی پینے لگا اس وقت پانچ بجکر ایک منٹ یا دومنٹ زیادہ ہوگئے۔اب کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو یہ چاہئے کہ اس روزہ کو پورا کرے پھر بعد رمضان ایک روزہ جداگانہ اس کے عوض رکھے:

"أو سحر أو جامع شاكاً في طلوع الفجر وهو طالع، لا كفارة عليه للشبهة؛ لأن الأصل بقاء الليل ويأثم إثم ترك التثبت مع الشك، اهـ". مراقي الفلاح ،ص: ۳۶۹، باب ما يفسد الصوم ويوجب القضاء(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "أو ادّهن أواكتحل أو احتجم وإن وجد طعمه في حلقه". (الدرالمختار). قال ابن عابدين: "لأن الموجود في حلقه أثر داخل من المسام الذي هو خلل البدن، والمفطر إنما هو الداخل من المنافذ للاتفاق على من اغتسل في ماء فوجد برده في باطنه أنه لا يفطر". (ردالمحتار: ۲/۳۹۵، ۳۹۶، باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۳،الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۱۷،باب ما يفسد الصوم وما لا يفسد، إمداديه ملتان)

(۲) (مراقي الفلاح على نور الإيضاح :ص:۶۷۵، باب ما يفسد الصوم و يوجب القضاء، قديمي)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية : ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد و ما لا يفسد، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۴۰۵، ۴۰۶، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، سعيد)

(وكذا في الهداية: ۱/۲۲۵، كتاب الصوم، باب مايوجب القضاء والكفارة، شركة علميه)

باب قضاء الصوم و كفارته و فديته

(روزے کی قضاء اوراس کے کفارہ اورفدیہ کا بیان)

رمضان میں جہراً کھانا کھانے کی سزا، روزہ کے ایام میں ہوٹل میں کھلانا

سوال[۴۸۳۱]: رمضان میں وہ لوگ جن پر روزہ فرض ہوتا ہے، علانیہ طور پر روزہ داروں کے سامنے کھاتے پھرتے ہیں اور بازاروں میں گھومتے پھرتے ہیں۔ کیا احترامِ رمضان کی شریعت نے کوئی حد مقرر کی ہے؟ کیا مریض اور مسافر کو شرعاً اجازت ہے کہ روزہ داروں کے سامنے کھائیں، رمضان میں ہوٹل میں کھانا روزہ داروں کے سامنے فروخت کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

مریض اور مسافر کو عذر شرعی کی بنا پر (حائضہ ونفساء کی طرح) روزہ داروں کے سامنے نہیں کھانا چاہئے سراً کھائیں۔ بلا عذر شرعی وہ صورت اختیار کرنا جو سوال میں درج ہے سخت جرم ہے اور اس کی سزا بھی بہت سخت ہے، مگر سزا دینا ہر ایک کے بس میں نہیں: "و لو أكل عمداً جهراً بلا عذر يقتل، اهـ". طحطاوی ص:۳۶۳(۱)۔

"يجب الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه، وعلى حائض و نفساء طهرتا بعد طلوع الفجر، وعلى صبي بلغ، وكافر أسلم بحرمة الوقت بالقدر الممكن، اهـ. أما في حالة تحقق الحيض والنفاس فيحرم الإمساك، ولكن لا يجب الإمساك على المريض والمسافر، ولكن لا يأكلون جهراً بل سراً، اهـ". طحطاوی مختصراً، ص:۳۷(۲)۔

---

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۲۶۳، كتاب الصوم، باب مايفسد به الصوم، اهـ، قديمي)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ٦٨٧، كتاب الصوم، فصل: يجب على الصحيح الامساك، قديمي)

سزا کے لئے قدرتِ قاہرہ ضروری ہے جو کہ امیر المؤمنین کو حاصل ہوتی ہے(۱)۔

جن پر روزہ فرض ہے ان کو کھانا ہوٹل وغیرہ میں کھلانا بھی معصیت اور تعاون علی الاثم ہے: ﴿و لا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾ الآیة (۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۷/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۷/۹۱ھ۔

روزہ کی قضائے عمری

سوال[۴۸۳۲]: ایک شخص کے فرض روزے باقی ہیں بالغ ہونے کے بعد بہت سے روزے متواتر اور بہت سے غیر متواتر روزے نہیں رکھے، تو روزے اور نمازیں کس طرح قضاء کرے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، پس جب بالغ ہوا ہے اسی وقت سے حساب کر کے ہر روز کی چھ نمازیں یعنی پانچ فرض نمازیں چھٹی وتر کی قضاء کرے۔ اور اسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزے سے رمضان کی تعیین کرے مثلاً پہلے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے اس کے روزے رکھتا ہوں، اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے اور روزے کے بعد دوسرے رمضان کے اسی طرح رکھے، یا یہ نیت کرے کہ اخیر کے رمضان کے روزے جو مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے وہ رکھتا ہوں ہے، هكذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح (۳)۔فقط۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "ویشترط کونه مسلماً حراً ذکراً عاقلاً بالغاً قادراً". (الدرالمختار). "(وقوله: قادراً): أی علی تنفیذ الأحکام وإنصاف المظلوم من الظالم، وسد الثغور، وحماية البيضة وحفظ حدود الإسلام وجر العساكر". (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب: شروط الإمامة الكبرى: ۱/۵۴۸، سعيد)

(۲) (المائدة: ۲)

(۳) "وإذا كثرت الفوائت يحتاج لتعيين كل صلوة، فإذاأراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه أدرك وقته ولم يصله ...... وكذاالصوم الذی علیه من رمضانين إذاأرادقضائه، يفعل مثل هذا". =

روزوں کی قضائے عمری کا طریقہ

سوال[۴۸۳۳]: ایک شخص کے ذمہ فرض روزے باقی ہیں یعنی جب سے بالغ ہوا تھا، روزے فرض نہیں رکھتا تھا، کئی سال متواتر نہیں رکھے، اب چھ سات سال بالغ ہونے کے بعد سے رکھنے لگا ہے تو ان فرض روزوں کے رکھنے کی کیا صورت ہوگی اور کتنے سال کی عمر کی فرض نمازیں اور فرض روزے اس پر رکھنے فرض ہوں گے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

روزہ اور نماز دونوں چیزیں بالغ ہونے سے فرض ہوتی ہیں، پس جیسے بالغ ہوا ہے اسی وقت سے حساب کرکے ہرروز کی چھ نمازیں یعنی پانچ فرض نمازیں چھٹی وتر کی نماز قضاء کرے اوراسی وقت سے ہر رمضان کے روزے رکھے اور روزہ میں رمضان کی تعیین کردے، پہلے رمضان کے روزے جوبھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے اس کے روزے رکھتا ہوں۔اس نیت سے ایک مہینہ کے روزے رکھے اس کے بعد دوسرے رمضان کے، اسی طرح رکھے۔یا یہ نیت کرے کہ اخیر کے رمضان کے روزے جوبھی مجھ پر فرض ہوئے اور میں نے نہیں رکھے وہ رکھتا ہوں، ھکذا فی الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۲۵۹(۱) ۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفا اللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۷/۱۱/۱۳۵۶ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف، مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور، ۹/۱۱/۱۳۵۶ھ۔

= (مراقي الفلاح). قال الطحطاوي: "وأما إذا كان من رمضان واحد، فلايحتاج إلى التعيين اتفاقاً".
(حاشية الطحطاوي، ص: ۴۴۲، باب قضاء الفوائت، قديمی)

وكذا في الدرالمختار مع ردالمحتار: ۲/۷۶،۷۷،باب قضاء الفوائت، سعيد)

(۱) "وإذا كثرت الفوائت، يحتاج لتعيين كل صلاة يقضيها التراحم الفروض والأوقات كقوله: أصلي ظهر الاثنين ثامن عشر جمادى الثانية سنة أربع وخمسين وألف، وهذا فيه كلفة، فإذا أراد تسهيل الأمر عليه، نوى أول ظهر عليه أدركـ وقته لم يصله، فإذا نواه كذلك فيما يصليه يصير أولاً، فيصح بمثل ذالك وهكذا .... إن شاء فيقول: أصلي آخر ظهر أدركته ولم أصلّه بعد، فإذا فعل كذلك فيما =

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ رکھنا

سوال[۴۸۳۴]: یہ جو بہت سے لوگوں نے اتوار کے روزے توڑے ہیں یہ رکھے جائیں گے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ بعد میں ثابت ہوگیا کہ اتوار کو یکم شوال تھی تو ایسے روزوں کی قضاء لازم نہیں (۱) اگرچہ بلا تحقیق وتصدیق توڑنا منع تھا۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

رمضان سمجھ کر یکم شوال کا روزہ

سوال[۴۸۳۵]: رمضان المبارک کی انتیسویں شام میں مطلع صاف ہونے کے باوجود ہلال نظر نہ آیا اور شب کے ساڑھے نو بجے ریڈیو سے بھی یہ اطلاع ملی کہ ریاست میسور اور بھارت کے دوسرے حصوں میں ہلال نظر نہ آیا۔ رمضان المبارک ۳۰/ کی صبح کو یہ خبر ملی کہ بمبئی میں عید منائی جارہی ہے تو یہاں کے بہت سارے روزہ داروں نے روزہ توڑ دیا اور بہت ساروں نے روزہ نہ توڑا، عید کی نماز دوسرے دن پڑھی گئی، برائے مہربانی اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں۔

= يليه يصير آخر بالنظر لما قبله، فيحصل التعيين، وكذا (الصوم الذي عليه من رمضانين) إذا أراد قضائه يفعل مثل هذا، الخ." (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۴۴۶، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۷۶، ۷۷، باب قضاء الفوائت، سعيد)

(۱) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداءً وقضاءً إلا في العيدين وأيام التشريق، فلا يلزم، لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/۴۲۸، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

الجواب حامداًومصلیاً:

کسی افواہ پر بغیر تحقیق وتصدیق کے ۳۰/ رمضان کو روزہ توڑنا درست نہیں، لیکن اگر بعد میں تحقیق ہوجائے کہ وہ تاریخ ۳۰/ رمضان کی نہیں بلکہ یکم شوال تھی تو اس روزہ کی قضاء یا کفارہ کچھ لازم نہیں (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، ۲۳/ ۱۰/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

ریڈیو کی خبر پر افطار کرنے سے قضاء کا حکم

سوال [۴۸۳۶]: ریڈیو کی خبر پر روزہ رکھنا یا توڑنا کیسا ہے؟ جن لوگوں نے ریڈیو کی خبر سن کر روزہ توڑا ان لوگوں پر صرف قضاء لازم ہے یا نہیں؟ یا کفارہ بھی؟

الجواب حامداًومصلیاً:

اگر ریڈیو پر یہ خبر آئے کہ فلاں جگہ چاند ہوگیا تو یہ کافی نہیں (۲)، البتہ اگر یہ اعلان آئے کہ فلاں جگہ قاضی شرعی یا حاکم مسلم یا رؤیتِ ہلال کمیٹی نے جس کے افراد باعلم اور متبع شریعت ہوں شرعی شہادت لے کر اعلان کردیا ہے کہ فلاں روز عید ہے تو یہ اعلان یوم الشک میں ایسے مقامات پر معتبر مانا جائیگا کہ اس کے تسلیم کرنے

---

(۱) "ولزم نفل شرع فيه قصداً أداء وقضاءً إلافي العيدين وأيام التشريق، فلايلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباًللنهي، الخ". (تنوير الأبصار مع الدرالمختار: ۲/ ۴۲۸، فصل في العوارض المبيحة، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح علي نورالإيضاح، ص: ۱۹۱، فصل في العوارض المبيحة، قديمى)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۲/ ۲۲۶، فصل في حكم من أفسد صومه، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولوسمع من وراء حجاب كثيف لايشف من ورائه، لايجوز له أن يشهد، ولوشهد وفسّره للقاضي بأن قال: سمعته باع ولم أرشخصه حين تكلم لايقبله؛ لأن النغمة تشبه النغمة، إلا إذا أحاط بعلم ذلك؛ لأن المسوغ هوالعلم". (فتح القدير: ۷/ ۳۸۴، كتاب الشهادات، فصل: يتعلق بكيفية الأداء ومسوغه، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

سے مہینہ ۲۸/ دن یا ۳۱/ دن کا نہ ہو جائے۔

امسال جن لوگون نے تیسواں روزہ محض ریڈیو کی خبر پر بغیر تحقیق شرائط توڑ دیا ہے انہوں غلط کیا، ان لوگوں کو اس میں جلدی سے کام لینا نہیں چاہیے تھا، لیکن جب بعد میں یہاں شہادتوں سے ثابت ہو گیا کہ وہ عید کا دن تھا تو اس دن کے روزہ کی قضاء لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۱۱/ ۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، ۸/۱۱/ ۸۵ھ۔

استحاضہ میں روزہ اور اس کی قضاء

سوال [۴۸۳۷]: گذارش ہے کہ ترجمہ منیۃ المصلی صلوۃ الرحمٰن، فصل باب الحیض کے آخری مسئلہ میں یہ عبارت البحر الرائق کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ ''جو عورت بسبب خون استحاضہ کے بھول گئی، گنتی حیض کی اور وقت حیض الخ .... اور حکم روزے کے واسطے اس کے یہ ہے کہ روزہ رکھے رمضان کے تمام مہینے میں، کیوں کہ ہر روز پاک ہونے کا گمان ہے اور بعد رمضان کے قضاء کرے بیس روزے اور نزدیک بعضوں کے بائیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے کہ یہ حکم اس عورت کا ہے جس کو حیض ہر مہینہ میں ایک دفعہ آتا ہو اور اگر دو دفعہ آتا ہو یعنی اول مہینہ میں اور آخری مہینہ میں تو وہ عورت قضاء کرے تیس روزے اور نزدیک بعضوں کے چھتیس روزے اور احتیاط اسی میں ہے''۔ فقط۔

یہ عبارت سلیس حضور فرمادیں کہ طہر کی مدت تو پندرہ روز ہے، پھر قضاء بیس روزوں کی کیونکر اور بائیس کی کیونکر کرے، اگر دس روز حیض میں شمار ہوئے تو دو روز زائد کیسے، اور کل رمضان تو ۲۹/ یا ۳۰/ دن کا ہوتا ہے تو قضاء ۳۲/ دن یا چھتیس دن کی کیونکر ہوئی، اگر تمام مہینہ ناپاکی میں شمار ہوا تو طہر کا زمانہ کب ہوا یعنی

---

(۱) "لزم نفل شرع فيه قصداً أداء وقضاءً إلا في العيدين وأيام التشريق، فلايلزم لصيرورته صائماً بنفس الشروع، فيصير مرتكباً للنهي". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴۲۸/۲، فصل في العوارض المبيحة، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۶۲۶/۲، فصل في حكم من أفسد صومه، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۹۱، فصل في العوارض، قديمي)

پاکی کتنے روز رہی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ترجمہ منیة المصلّی صلوۃ الرحمٰن میرے پاس موجود نہیں، البتہ بحر شرح کنز میں ۱/۲۱۰ پر یہ مسئلہ بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے، اس میں کچھ دوسرے اقوالِ فقہاء بھی درج ہیں مگر چونکہ آپ نے صرف چار اقوال نقل کرکے ان کی وجہ دریافت کی ہے اس لئے انہیں چار کی وجہ پر اکتفا کرتا ہوں۔

زیادہ سے زیادہ مدتِ حیض دس روز ہیں اور اِصالتاً دس روز ماہ رمضان میں حیض کے شمار ہوں گے اور بعد رمضان دس روز کا اعادہ ہوگا، پھر جب انتیس کے ماہ میں دس روزوں کا اعادہ کیا تو اس احتمال کی بنا پر کہ شاید دس روز حیض کے دوسرے دس روزوں کا حکم دیا گیا، لہٰذا بیس روزوں کی قضاء ہوگئی، یہ اس وقت ہے جب کہ عورت کو یہ علم ہو کہ حیض کی ابتدا رات میں ہوئی، اگر ابتدا دن میں ہوئی ہو تو بائیس روزوں کا اعادہ کرے اس لئے کہ اس صورت گیارہ روزوں کا اور حکم دیا جائیگا، یہ کل تیس روزے ہوگئے۔ یہ دونوں صورتیں اس وقت ہیں کہ قضاء مسلسل ہو یا ایک ہی ماہ میں ہو:

”وأما الصوم ههنا تصوم كل شهر رمضان، لاحتمال طهارتها كل يوم، وتعيد بعد رمضان عشرين يوماً، وهو على ثلاثة أوجه: الأول: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالليل، فإنها تقضي عشرين يوماً بجواز أن حيضها في كل شهر عشرة أيام، فإذا قضت عشرةً يجوز حصولها في الحيض، فتقضي عشرةً أخرى. والثاني: إن علمت أن ابتداء حيضها كان يكون بالنهار فتقضي اثنين وعشرين يوماً؛ لأن أكثره ماقسد صومها صومها في الشهر أحد عشر يوماً، فتقضي ضعفه احتياطاً، اهـ. ولا يخفى أنه يظهر فيما إذا قضته موصولاً أو مفصولاً، ولكن في شهر واحد، اهـ“. بحر (۱)۔

اگر دو دفعہ حیض آتا ہو اور حیض کی ابتدا دن میں ہوئی ہو تو ہر ماہ کے پندرہ روز طہر کے رہیں گے پندرہ روز حیض کے، مگر چونکہ طہر کی ابتداء دن میں بھی ہوسکتی ہے، ایسی حالت میں طہر کے چودہ ہی روز رہ گئے تو گویا کہ رمضان شریف میں چودہ ہی روزے صحیح گئے اور سولہ روزہ فاسد، پس سولہ کی قضاء کرے گی آئندہ ماہ میں، مگر اس

(۱) (البحر الرائق: ۱/۳۶۴، ۳۶۵، کتاب الطهارة، باب الحيض، رشيديه)

میں بھی اسی طرح کے سولہ کے فساد کا احتمال ہے۔

لہٰذا دوسرے سولہ کا حکم دیا جائے گا تو کل بتیس ۳۲/ ہو جائیں گے: "وإن علمت أن ابتداء حيضها كان بالنهار يقضي اثنين وثلثين يوماً إن قضت موصولاً برمضان؛ لأن أكثر مافسد من صومها عن الشهر ستة عشر يوماً" (۱)۔ اور چھتیس کا قول بحر میں نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ہذا، ۲/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۰ھ۔

حائضہ پاک ہوجائے تو اس کے روزہ کا حکم

سوال[۴۸۳۸]: اگر عورت اپنے حیض سے صبح ۱۱/ بجنے سے قبل پاک ہوجائے تو کیا اس دن روزہ سے رہنا اس کے لئے واجب ہوگا اور اس دن کے روزہ کی قضاء ہوگی ماہ رمضان میں؟

الجواب حامداً و مصلياً:

اس دن کا روزہ نہیں ہوا، بعد میں قضاء رکھے البتہ اس دن بھی شام تک روزہ دار کی طرح کچھ کھائے پئے نہیں: "يجب الإمساك بقية اليوم على من فسد صومه، وعلى حائض و نفساء طهرتا بعد طلوع الفجر". مراقی الفلاح (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

روزہ توڑنے کا کفارہ

سوال[۴۸۳۹]: خباثتِ نفس کی وجہ سے شادی کے بعد رمضان شریف میں روزہ کی حالت میں

---

(۱) (البحر الرائق: ۱/ ۳۶۶، كتاب الطهارة، باب الحيض، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۸، كتاب الصوم، فصل: يجب على الصحيح، قديمي)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۲۱۷، كتاب الصوم، فصل فيمن يجب عليه التشبه و من لا يجب، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۱/ ۲۲۵، كتاب الصوم، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مكتبه شركة علميه ملتان)

مباشرت کرلی، ایک مولوی صاحب کے بتلانے پر ۱۲۰/ خوراکوں کا حساب لگا کر نقد دو غریبوں کو یکمشت دیدیا، ایک مولوی صاحب فرماتے ہیں کہ وہ ایک دم ادا کرنے سے ادا نہیں ہوا، ۳۰/ یوم یا تو کھانا کھلائے یا پونے دو سیر گندم یا اس کے برابر قیمت دینی چاہئے تب کفارہ ادا ہوگا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

رمضان المبارک کا روزہ توڑنے سے کفارہ لازم ہوتا ہے، کفارہ یہ ہے کہ دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے، اگر ضعف یا مرض کی وجہ سے روزہ نہ رکھ سکے تو ساٹھ غریبوں کو دو وقت شکم سیر کھانا کھلائے خواہ دو دن ایک وقت کھلائے، خواہ ایک غریب کو دو وقت ساٹھ روز تک کھلائے، خواہ ساٹھ غریبوں کو کھانا دیدے ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر یا اس کی قیمت دیدے، ان سب صورتوں میں کفارہ ادا ہو جائے گا (۱)۔

جس میں ساٹھ روزے مسلسل رکھنے کی طاقت ہو اس کے لئے کھانا کھلانا یا غلّہ یا قیمت دینا درست نہیں بلکہ وہ روزہ ہی رکھے گا تب ہی کفارہ ادا ہوگا (۲)۔ غلّہ یا قیمت (صدقۃ الفطر کے برابر) ساٹھ غریبوں کو دینے کے بجائے اگر دو غریبوں کو مجموعہ دیدیا تو کفارہ ادا نہیں ہوا، اٹھاون کو اَور دیدے، ہر ایک کو صدقۃ الفطر کے برابر

---

(۱) "إن أباهريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: بينمانحن جلوس عندالنبي صلّى الله عليه وسلم إذجاءه رجل فقال: يارسول الله! هلكتُ .... "هل تجد رقبةً تعتقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكيناً"؟ قال: لا، قال: "أطعمه أهلك".
(صحيح البخاري: ۱/ ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الصوم، قديمي)

"أكل عمداً، قضى، وكفّر ككفارة المظاهر: أي كذا في الترتيب، فيعتق أولاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۱۱، ۴۱۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، سعيد)

(۲) "وأمافي كفارة الظهار وكفارة الإفطار في شهر رمضان إذاعجز عن الإعتاق لفقره، وعجز عن الصوم لكبره، جاز له أن يطعم ستين مسكيناً؛ لأن هذاصاربدلاً عن الصيام بالنص". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۷، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار، رشيديه)

دے تب ادا ہوگا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۱/۹۰ھ۔

کسی اَور کا تھوک نگلنے سے کفّارہ

سوال [۴۸۴۰]: اگر کوئی روزہ دار آدمی اپنے دوست یا اپنی بیوی کا لعاب یا تھوک نگل گیا اس کی وجہ سے قضاء یا کفارہ لازم ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

قضاء بھی لازم ہوگی اور کفارہ بھی لازم ہوگا: "ومنه ابتلاع بزاق زوجته أوصديقه؛ لأنه يتلذذبه، ولاتلزم الكفارة ببزاق غيرهما؛ لأنه يعافه، اه". مراقی الفلاح، ص: ٣٦٥ (٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۶/۹۰ھ۔

روزے کا کفارہ

سوال [۴۸۴۱]: ایک شخص اپنے فرض روزہ کا کفارہ اس طرح ادا کرتا ہے کہ ایک آدمی کو دونوں وقت کھانا دیتا ہے، اپنے سامنے بٹھا کر نہیں کھلاتا، ساٹھ دن برابر دیتا ہے یا فطرہ بھی دیتا ہے اور کھانا بھی دیتا ہے

---

(۱) "لو أعطى مسكيناً واحداً كله في يوم واحد، لايجزيه إلا عن يومه ذلك .... ولو أعطى ثلاثين مسكيناً كل مسكين صاعاً من حنطة، لايجوز إلا عن ثلاثين، وعليه أن يعطى ثلاثين مسكيناً أيضاً كل مسكين نصف صاع من حنطة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب العاشر في الكفارة: ١/٥١٣، رشيديه)

(٢) (مراقى الفلاح، ص: ٦٦٧، باب مايفسد الصوم وتجب به الكفارة، قديمى)

(وكذا في ردالمحتار: ٢/٤١٠، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، مطلب جواز الإفطار بالتحرى، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ١/٢٠٣، الباب الرابع فيمايفسدالصوم ومالايفسد، رشيديه)

یعنی کسی دن فطرہ کسی دن کھانا دیتا ہے، ہر صورت سے اس کا کفارہ ادا ہو جاتا ہے یا نہیں، یا کیا صورت بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ کا کفارہ اولاً غلام آزاد کرنا ہے، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو دو ماہ تک مسلسل روزہ رکھنا، اگر اس کی قدرت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھانا کھلانا (۱)۔ اگر ایک فقیر کو کھانا دے تو اس کی دو صورتیں ہیں: اول یہ کہ اپنے سامنے بٹھا کر کھلائے سو اس میں کوئی مقدار متعین نہیں وہ جتنا بھی کھالے صرف اتنی شرط ہے کہ فقیر بالغ ہو یا بلوغ کے بالکل قریب ہو اور پہلے سے کھانا کھائے ہوئے نہ ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ اس کو کھانا یا غلہ وغیرہ دیدے سو اس کے لئے ضروری ہے کہ ایک وقت کا کھانا ایک فطرہ سے کم نہ ہو، کذا فی مراقی الفلاح (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین المفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، 　　صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور، ۱۳/ ربیع الاول/ ۵۵ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿والذين يظاهرون منكم من نسآئهم............ فتحرير رقبة .... فمن لم يجد فصيام شهرين متتابعين من قبل أن يتماسا، فمن لم يستطع فإطعام ستين مسكيناً﴾ (سورة المجادلة: ۳، ۴)

"أكل عمداً قضى وكفر ككفارة المظاهر: أى مثلها فى الترتيب: فيعتق أولاً، فإن لم يجد صام شهرين متتابعين، فإن لم يستطع أطعم ستين مسكيناً". (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/ ۴۱۱، ۴۱۲، كتاب الصوم، سعيد)

"أن أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال: بينما نحن جلوس عند النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذ جاء ه رجل، فقال: يا رسول الله! هلكتُ .... "هل نجد رقبةً تعتقها"؟ قال: لا، قال: "فهل تستطيع أن تصوم شهرين متتابعين"؟ قال: لا، قال: "فهل تجد إطعام ستين مسكيناً"؟ قال: لا، قال: "أطعمه أهلك". (صحيح البخارى: ۱/ ۲۵۹، ۲۶۰، كتاب الصوم، باب: إذا جامع فى رمضان، قديمى)

(۲) "والشرط أن يغديهم ويعشيهم غدآءً وعشآءً مشبعين، وهذا هو الأعدل، لدفع حاجةاليوم بجملته، أويغديهم غدآئين من يومين .... ولو أباح الطعام أن يشبعهم ولو بخبز البر من غير أدم والشعير لابد من أدم معه لخشونته، وأكل الشبعان لايكفى. أو يعطى كل فقير صاع تمرأو صاع شعيراً وزبيب =

مس بالید سے انزال کی صورت میں کفارہ ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۴۲]: ایک شخص رمضان کا روزہ رکھتے ہوئے ایک عورت کے ہاں گیا اس کی چھاتی اور اس کے کلّے (۱) کو اپنے ہاتھ سے مس کیا اور اسی حالت میں انزال ہوگیا تو کیا اس کا روزہ ٹوٹ گیا اور کفارہ لازم ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

روزہ ٹوٹ گیا، مگر صرف قضاء لازم ہے، کفارہ لازم نہیں۔

"أو أنزل بتفخيذ أوتبطين أوعبث الكف، أو أنزل من قبلة أو لمس، لاكفارة عليه". مراقي الفلاح، ص: ۳۹۲، باب مايفسد الصوم ويوجب القضاء من غير كفارة"(۲)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ سہارنپور۔

کفارۂ روزہ میں تتابع ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۴۳]: ایک شخص نے کفارہ کے انسٹھ روزے مسلسل رکھے، ساٹھویں روزہ رکھنے کے دن وہ بیمار پڑ گیا تو کیا ازسرنو ساٹھ روزے رکھے یا بعد صحت صرف ایک روزہ رکھے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

پھر سے ساٹھ روزے مسلسل رکھے (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الاولیٰ/ ۱۳۹۰ھ۔

= أو يعطي قيمته". (حاشية الطحاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

(۱) "کلّا: جبڑا، گال"۔(نور اللغات، حصہ سوم، ص: ۸۱۰)

(۲) (مراقي الفلاح، ص: ۶۶۲، كتاب الصوم، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۴، الباب الرابع فيما يفسد الصوم، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۲۲، باب مايفسد الصوم ومالايفسد، إمداديه ملتان)

(۳) "اعلم أن الصيامات اللازمة فرضاً ثلاثة عشر، سبعة منها يجب فيها التتابع: وهي رمضان و كفارة =

پہلے کا کھلایا ہوا کفارہ میں شمار نہیں

سوال [۴۸۴۴] : زید ایک غریب کو ایک سال سے کھانا کھلا رہا ہے، اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر زید نے رمضان میں روزے کی حالت میں ایسے فعل کئے جس سے قضاء و کفارہ دونوں واجب ہوتا ہے مثلاً: قصداً کھانا کھایا یا جماع کرلیا تو کیا اگر زید یہ نیت کرے کہ جو میں نے غریب کو کھلایا ہے اس میں دو مہینہ کفارہ کا ہے تو اس کی یہ نیت درست ہوگی یا دو ماہ پھر کھلانا پڑے گا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

پہلے کا کھلایا ہوا اب کفارہ میں محسوب نہیں ہوگا جیسے حنث سے پہلے کفارۂ یمین کا ادا کرنا معتبر نہیں، اِفسادِ صوم کے بعد کفارہ کا ادا کرنا ضروری ہے، نیز نیتِ متأخرہ عملِ مقدم میں کافی نہیں، اس کے ذریعہ سے واجب ادا نہیں ہوتا: "لا عبرة بنية متأخرة، اهـ". درمختار (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۱/۹۱ھ۔

کفارۂ صوم میں ساٹھ مساکین دونوں وقت ایک ہی ہوں یا الگ الگ؟

سوال [۴۸۴۵] : ۱......روزہ کے کفارہ میں ساٹھ مساکین کو دو وقت (دن رات) کھانا کھلایا جائے گا، یا تیس کو دو وقت کھانا کھلا کر ساٹھ پورے کئے جائیں گے؟ نیز دونوں وقت کھانا کھانے والے ایک ہی ہوں گے یا دن میں اور رات کو اور ہو سکتے ہیں؟

کفارۂ صوم میں دینی مدارس کے طلباء کو کھانا کھلانا

سوال [۴۸۴۶] : ۲......دینی مدرسہ کے مقیم طلباء کو جن کے خورد و نوش کا مدرسہ ذمہ دار ہے، روزہ

= القتل .... و كفارة الإفطار". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۵، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۴۰، باب ما يوجب القضاء والكفارة، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"كفر ككفارة المظاهر". (الدرالمختار). "فلو أفطر و لو لعذر استأنف إلا لعذر الحيض".

(ردالمحتار: ۲/۴۱۲، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، مطلب في الكفارة، سعيد)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب شروط الصلاة: ۱/۴۱۷، سعيد)

کے کفارہ کا کھانا کھلایا جاسکتا ہے؟

کفارۂ صوم ادا کرنے کی آسان صورت

سوال[۴۸۴۷]: ۳......اگر دینی مدرسہ کے مقیم طلباء روزہ کے کفارہ کا کھانا نہیں کھا سکتے ہیں دیگر مساکین ہیں تو ان میں تمیز دشوار ہوگی کہ مسکین کون ہیں اور پیشہ ور فقیر کون؟ نیز وقتِ واحد میں جس کا اجتماع دشوار ہوگا، ساٹھ کا دشوارتر، اور اس دشواری میں اَور اضافہ ہوجائے گا۔ اگر دونوں وقت کے کھانے کی شرط ہے کہ مساکین وہی ہیں جو صبح کو کھا چکے ہیں۔ اس حالت میں آسان صورت کیا ہے روزہ کے کفارہ ادا ہونے کی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ساٹھ مسکینوں کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلایا جائے، دونوں وقت وہی ہوں گے(۱)۔

۲......وہ مستحق زکوٰۃ ہوں تو ان کو کھلا سکتے ہیں، مگر ان کو بٹھا کر کھلایا جائے، یہ نہ ہو کہ دو روٹی دے کر چلتا کر دیا جائے، بیٹھ کر دو روٹی کھائیں یا کم زیادہ جتنے میں سیر ہوجائیں (۲)۔

۳......مدرسہ میں ایسے ساٹھ مسکینوں کو دو وقت کھلانا دشوار نہیں، اس سے بھی زیادہ سہل صورت یہ ہے کہ ایک مسکین کو تجویز کرلیا جائے اس کو دونوں وقت بھلا کر کھلا دیا جائے، جب ساٹھ دن (ایک سو بیس وقت)

---

(۱) "أطعم ستين مسكيناً أو فقيراً، ولا يشترط اجتماعهم، والشرط أن يغدّيهم أو يعشّيهم غداءً وعشاءً مشبعين، وهذا هو الأعدل، لدفع حاجة اليوم بجملته أو يغديهم غدآئين من يومين أو يغشيهم عشآئين من ليلتين بشرط أن يكون الذين أطعمهم ثانياً هم الذين أطعمهم أوّلاً، حتى لو غدى ستين، ثم أطعم ستين غيرهم، لم يجز حتى يعيد الإطعام لأحد الفريقين". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

(۲) "والشرط إذا أباح الطعام أن يشبعهم، ولو بخبز البر من غير أدم، والشعير لا بد من أدم معه لخشونته، وأكل الشبعان لا يكفي". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة، قديمي)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/۳۸۷، الفصل السابع: الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۰۳، الباب الرابع فيما يفسد وما لا يفسد، رشيديه)

مسلسل کھالے گا تو کفارہ ادا ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۳/۱/۲۰ھ۔

صوم وصلوٰۃ کا فدیہ، اس کی مقدار اور اس کا مستحق

سوال[۴۸۴۸]: ۱...... ایک شخص کا انتقال ہوا جس کی چند نمازیں ایسی حالت میں قضاء ہوئیں کہ اس کو ہوش تھا مگر طاقت اتنی نہ تھی کہ اشارہ ہی سے نماز پڑھتا ایسی صورت میں ان نمازوں کا فدیہ ادا کرنا ضروری ہے یا نہیں، اگر ضروری ہو تو کس طرح ادا کرے اور فی نماز کس مقدار میں؟

۲...... مندرجہ بالا شخص کے رمضان کے کچھ روزے بھی قضاء ہو گئے ہیں جس کے بعد بیماری نے اس کو اتنی مہلت نہ دی کہ قضاء ادا کر سکے، ان کا فدیہ کس طرح اور فی روزہ کس مقدار سے ادا کرے؟

۳...... ایک نماز کا فدیہ ایک ہی آدمی کو دے یا کئی آدمیوں کو بھی دے سکتا ہے، اسی طرح کئی نمازوں یا کئی روزوں کا فدیہ چند مساکین کو دے یا ایک ہی مسکین کو دے سکتا ہے اور گیہوں وغیرہ کی قیمت بھی ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟

۴...... اس فدیہ کے مستحق کون ہیں؟ مسجد کی مرمت میں خرچ کرنا یا کھانا پکا کر طلبہ کو کھلانا یا کپڑے بنا کر طلبہ کو پہنانا جائز ہے یا محض فقیروں کو دینا چاہیئے؟

۵...... اگر کسی میت کے ورثاء غریب ومفلس ہوں اور وہ میت کی فوت کردہ نمازوں کا فدیہ ادا نہ کر سکتے ہوں تو میت کی برأت کی اور کیا صورت ہو سکتی ہے؟ فقط۔

عبدالکریم سوداگر، زیر جامع مسجد، معرفت حافظ عبداللہ صاحب مدرس درجہ قرآن شریف، جامع مسجد سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلياً:

۱...... اگر ایسی حالت میں نمازیں قضاء ہوئی ہیں کہ مریض میں سر سے اشارہ کرنے کی بھی طاقت نہیں تھی اور مرض سے صحت نہیں پائی بلکہ اسی حالت میں انتقال ہو گیا تو اس پر ان نمازوں کی قضاء فرض نہیں، نہ اس کی

(۱) "ولو أطعم فقيراً ستين يوماً أجزأه؛ لأنه يتجدد الحاجة بكل يوم يصير بمنزلة فقير آخر". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۶۷۰، فصل في الكفارة وما يسقطها عن الذمة، قديمي)

طرف سے ان نمازوں کا فدیہ دینا ضروری ہے:

"وإن تعذر الإيماء برأسه، وكثرت الفوائت بأن زادت على يوم وليلة، سقط القضاء عنه، وإن كان يفهم في ظاهر الرواية، وعليه الفتوىٰ". درمختار: ۱/۷۹٥(۱)۔ قال الشامي: "فلو مات ولم يقدر على الصلوٰة، لم يلزمه القضاء، حتى لا يلزمه الإيصاء بها". شامي: ۱/ ۵۱۰(۲)۔

۲......ایسی حالت میں روزہ کی قضاء بھی ضروری نہیں، لہٰذا فدیہ بھی ضروری نہیں: "لا قضاء للصوم على المريض والمسافر إذا ماتا قبل الصحة أو الإقامة". بحر: ۲/۲۸۳(۳)۔

ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع گیہوں ہے فطرہ کی طرح، اسی طرح ہر نماز کا فدیہ نصف صاع ہے اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے: "يعطى لكل صلوٰة نصف صاع من بر كالفطرة، وكذا حكم الوتر والصوم". درمختار: ۱/۷٦٦(٤)۔

۳......ایک نماز کا فدیہ ایک ہی کو دیا جائے، کئی کو نہ دیا جائے: "ولو أدى للفقير أقل من نصف صاع، لم يجز". درمختار: ۱/۷٦٨(۵)۔ البتہ کئی نمازوں کا فدیہ ایک کو دینا جائز ہے: "ولو أعطاه

(۱) (الدرالمختار، باب صلوٰة المريض: ۲/۹۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب صلوٰة المريض: ۲/۲۰۳، ۲۰۴، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع عشر في صلوٰة المريض: ۱/۱۳۷، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الصلوة، باب صلوة المريض: ۲/۹۹، سعيد)

(۳) (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الصوم في بيان وجوه الأعذار المبيحة للإفطار وما يتعلق بها: ۱/۳۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۴) (تنوير الأبصار مع الدرالمختار، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۲/۱۶۰، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ۱/۱۲۵، رشيديه)

(۵) (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۲/۷۳، سعيد) .... =

الكل، جاز" (١)۔ اسی طرح کئی روزوں کا فدیہ بھی ایک کو دینا جائز ہے:"ويجوز إعطاء فدية صلوة وصيام أيام ونحوها لواحد من الفقراء جملةً". مراقی الفلاح، ص: ٢٥٥ (٢) اور ایک روزہ کا فدیہ کئی کو دینا جائز نہیں (٣)۔

گیہوں وغیرہ کی قیمت دینا بھی جائز ہے بلکہ بہتر ہے،قال الشامی: ١/٧٦٦ تحت قول الدر: "(نصف صاع من بر): أي أو من دقيقه أو سويقه أو صاع تمرأوزبيب أو شعيرأوقيمته، وهي أفضل عندنا، لإسراعها لسدّ حاجة الفقير"(٤)۔

٤.....غریب مسکین لوگ اس فدیہ کا مصرف ہیں (٥)، مسجد کی مرمت میں اس کو صَرف کرنا جائز نہیں،

= (وكذا في البحرالرائق، باب قضاء الفوائت: ٢/١٦١، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب الصلوٰة، في قضاء الفائتة: ١/٧٧١، إدارة القرآن كراچی)

(١) (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ٢/٧٣، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت: ١/١٢٥، رشيديه)

(٢) (حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الصلوٰة، فصل في إسقاط الصلوٰة والصوم، ص: ٤٣٩، قديمی)

(٣) (راجع، ص: ١٧٧، رقم الحاشية: ٥)

(٤) (رد المحتار، باب قضاء الفوائت: ٢/٧٣، سعيد)

(وكذا في حاشيه الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الزكوٰة، باب صدقة الفطر، ص: ٧٢٤، قديمی)

(وكذا في المحيط البرهاني، كتاب الصوم، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر: ٢/٥٩٠، المكتبة الغفارية)

(٥) قال العلامة الحصكفيؒ: "مصرف الزكاة والعشر .... هو فقير .... ومسكين .... وعامل .... ومكاتب ومديون .... وفي سبيل الله". (الدرالمختار). وقال ابن عابدينؒ: "هو مصرف أيضاً لصدقة الفطر والكفارة والنذروغير ذلك من الصدقات الواجبة". (رد المحتار: ٢/٣٣٩، كتاب الزكاة، باب المصرف، سعيد)

کھانا پکا کر غریب طلبہ کو بطورِ تملیک دیدینا جائز ہے (۱) اسی طرح کپڑے بنا کر دینا بھی جائز ہے (۲) بشرطیکہ طلبہ مستحق ہوں، مالدار نہ ہوں، فقیروں کو دینا بھی جائز ہے (۳)۔

۵......اگر ورثۂ میت کے ساتھ احسان کا معاملہ کرنا چاہیں تو نصف صاع کسی فقیر کو دیدیں اور قبضہ کرادیں اس کے بعد وہ فقیر نصف صاع بطورِ ہبہ اس کو دیدے اور ورثا اس پر قبضہ کرلیں، اسی طرح لیتے دیتے رہیں مگر قبضہ ضرور ہوتا رہے، ہر مرتبہ ایک نماز کا فدیہ ادا ہوتا رہے گا (۴)۔ جب حساب لگا کر دیکھ لیں کہ پوری

---

(۱) "ويشترط أن يكون الصرف (تمليكاً) لا إباحةً كما مر. (لا) يُصرف (إلى بناء) نحو (مسجدو) لاإلى (كفن ميت وقضاء دينه)". (الدرالمختار، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۲/۳۴۴، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكوٰة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، على ملتقى الأبحر، كتاب الزكوة، باب في بيان أحكام المصرف: ۱/۲۲۲، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "فلو أطعم يتيماً ناوياً الزكاة، لايجزيه، إلا إذا دفع إليه المطعوم كمالو كساه، بشرط أن يعقل القبض". (الدرالمختار، كتاب الزكاة: ۲/۲۵۷، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۴۲۴، رشيديه)

(۳) "مصرف الزكاة والعشر فقيرٌ، وهو من له أدنى: أى دون نصاب، ومسكين مَن لاشئ له على المذهب ...... وصدقة الفطر كالزكاة في المصرف". (ردالمحتار، كتاب الزكاة، باب المصرف: ۲/۳۳۹، ۳۶۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن في صدقة الفطر: ۱/۱۹۴، رشيديه)

(۴) "(وإن لم يف ماأوصى به) الميت (عماعليه) أو لم يكف ثُلث ماله، أو لم يوص بشئ، وأرادأحدٌ التبرع بقليل لايكفي، فحيلته لإبراء ذمة الميت عن جميع ماعليه أن (يدفع ذلك المقدار) اليسير بعد تقديره لشئ من صيام، أو صلاة أو نحوه، ويعطيه (للفقير) بقصد إسقاط مايرد عن الميت (فيسقط عن الميت بقدره، ثم) بعد قبضه (يهبه الفقير للولي) أوللأجنبي (ويقبضه) لتتم الهبة وتملك، (ثم يدفعه) الموهوب له (للفقير) بجهةالإسقاط متبرعاًبه عن الميت (فيسقط) عن الميت (بقدره، ثم يهبه الفقير للولي) أوللأجنبي (ويقبضه ثم يدفعه الولي للفقير) متبرعاً عن الميت، وهكذا يفعل مراراً (حتى يسقط =

نمازوں کا فدیہ ہوگیا تو وہ نصف صاع اگر فقیر کو دینا تھا تب تو اسی کو دیدیں اگر کسی سے قرض لیا تھا تو اس کو واپس کردیں(۱)۔ انشاء اللہ امید ہے کہ میت کی برآءت ہوجائے گی اور ورثہ کا یہ معاملہ بطورِ احسان وتبرع ہوگا، کیوں کہ ان پر مفلس ہونے کی حالت میں ایسا کرنا واجب نہیں اور صورتِ مسئولہ میں تو میت سب کے نزدیک بالکل بُری ہے، کیونکہ نماز قضاء کرنے کا اسے موقع ہی نہیں ملا، هکذا فی کتب الفقه نحو مراقی الفلاح، ص: ۲۵٤(۲)، وشامی: ۷٦۷/۱(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۷/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ناظم مدرسہ مظاہر العلوم، ۱۲/ رجب/۵۲ھ۔

نماز روزہ کا فدیہ

سوال[۴۸۴۹]: ایک شخص کی بحالت بیماری دووقت کی نمازیں قضاء ہوئیں اور چھ رمضان کے روزے قضاء ہوگئے اور اس شخص کا انتقال ہوگیا، اب ان روزوں اور نمازوں کا کفارہ کس حساب سے ادا کرنا یعنی فی نماز روزہ کیا فدیہ دیا جاوے اور کفارہ ایک ہی محتاج کو دیدیا جاوے یا کئی کو؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"یعطی لکل صلوۃ نصف صاع من بر کالفطرۃ، وکذاحکم الوتر، والصوم". درمختار: ۱۰۱/۱(٤)، وفی الشامی: ۷٦٦/۱: "أی أومن دقیق أو سویق أوصاع تمر أوزبیب أوشعیر

= ما کان) بظنه(علی المیت من صلاۃ وصیام)ونحوهمامما ذکرنا من الواجبات، وهذاهو المخلص فی ذالک إن شاء الله بمنه وکرمه". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح شرح نور الإیضاح، کتاب الصلاۃ، فصل فی إسقاط الصلاۃ والصوم، ص: ۴۳۹، قدیمی)

(۱)"ولولم یترک مالاً یستقرض وارثه نصف صاع مثلاً، ویدفعه لفقیر، ثم یدفعه الفقیر للوارث، ثم وثم حتی یتم". (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت: ۷۳/۲، سعید)

(وکذا فی منحة الخالق علی البحر الرائق، باب قضاء الفوائت: ۱۶۰/۲، رشیدیه)

(۲) (حاشیة الطحاوی علی مراقی الفلاح، ص: ۴۳٦، فصل فی إسقاط الصلوۃ، قدیمی)

(۳) راجع، ص: ۱۷۷، رقم الحاشیة: ۱، ۲، وایضاً، ص: ۱۸٦، رقم الحاشیة: ۱، ۲)

(۴) (الدرالمختار علی تنویر الأبصار: ۷۲/۲، ۷۳، باب قضاء الفوائت، سعید) .... =

أو قيمته، وهي أفضل عندنا لإسراعها بسد حاجة الفقير"(۱).

اس سے معلوم ہوا کہ ہر نماز ہر روزہ کے فدیہ میں وہی مقدار دی جاتی ہیں جو صدقۃ الفطر میں دی جاتی ہیں اور وتر مستقل نماز کے حکم میں ہے، یہ تمام فدیہ ایک کو دینا بھی جائز ہے اور کئی کو بھی، لیکن ایک فدیہ سے کم دینا جائز نہیں:"ولو أدى إلى الفقير أقل من نصف صاع لم يجز، ولو أعطاه الكل، جاز". درمختار على الطحطاوی: ۱/۳۰۸(۲)۔ "ولو أعطى فقيراً واحداً جملةً، جاز" بحر: ۲/۹۱(۳)۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم، ۷/۳/۹۱ھ۔

الجواب صحیح: عبد الرحمان غفرلہ، الجواب صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ ذی الحجہ/ ۹۰ھ۔

فدیہ صوم وصلوۃ

سوال[۴۸۵۰]: ا...... کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسئلہ ذیل میں ہمارے یہاں عام رواج ہے کہ سنِ بلوغ کے بعد کسی کا انتقال ہو جائے تو آدھا من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن شریف بطور صدقہ نکالتے ہیں، متوفی خواہ امیر ہو یا غریب فاقہ کش، سب کے لئے یہی دستور رائج ہے۔ گیہوں کے ٹوکرے فقیر کے سر پر

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۲۵، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۱۶۰. كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار: ۲/۷۲، ۷۳، باب قضاء الفوائت، مطلب في إسقاط الصلوٰة عن الميت، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۳۷، قديمي)

وكذا في المحيط البرهاني: ۲/۵۸۹، الفصل الثالث عشر في صدقة الفطر، غفاريه)

(۲) (باب قضاء الفوائت: ۲/۷۴، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۲۵. باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۷۷۱. الفصل العشرون في قضاء الفائته، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (البحر الرائق: ۲/۱۶۰، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۲۵، الباب الحادي عشر في قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية: ۱/۷۷۱، الفصل العشرون في قضاء الفائتة، إدارة القرآن كراچی)

چڑھا کر جنازہ کے آگے کر دیتے ہیں۔ بعد نماز جنازہ گیہوں کے ڈھیر کر کے دس بارہ فقیر اور ملاں بیٹھ کر حیلہ کرتے ہیں۔ حیلہ کے وقت ملاں صاحب اس طرح فرماتے ہیں: ''صوم وصلوۃ واجبات جو اس مردے سے قضا ہوئے ہیں اس کی طرف سے یہ کفارہ میں نے قبول کر کے تم کو بخشا''۔

دائرے والے بھی یکے بعد دیگرے اسی طرح کہتے ہیں۔ پندرہ بیس مرتبہ یہ الفاظ دائرے میں دہراتے ہیں، پھر گیہوں بانٹ لیتے ہیں، ملاں صاحب کا حصہ مع قرآن شریف ان کے مکان پر پہونچا دیتے ہیں۔ حیلہ میں قرآن شریف لانا لازمی ہے، بلکہ ضروری سمجھا جاتا ہے، بغیر قرآن شریف کے ملاں صاحب حیلہ نہیں شروع کرتے۔ اور اس حیلے کو متوفی کے فوت شدہ صوم وصلوۃ وغیرہ کا نعم البدل مانتے ہیں۔ متوفی غریب ہو اور اس کی جانب سے گیہوں وغیرہ نہ نکالے جاویں تو بعد میں طعنہ تشنیع کی جاتی ہے۔ بس صورت مسئولہ کا جواب مع حوالہ کتب وعبارت فقہ مرحمت فرما کر عند اللہ ماجور ہوں و عند الناس مشکور ہوں تا کہ ان بدعات سے باز آئیں۔

۲...... ہبہ میں قبضہ شرط ہے یا اشارہ بھی کافی ہے، جائیداد متقوم کا حیلہ کیسا ہے؟

۳...... موافق شرع حیلہ کیا جائے تو کیا اس میں فوت شدہ صوم وصلوۃ کا حساب ضروری ہے؟

۴...... ولیٔ میت فقیر کے سر پر ٹوکرا چڑھا کر قبرستان پہونچا دیتا ہے وہ خود حیلہ میں نہیں بیٹھتا تو کیا یہ ہبہ سمجھا جاوے گا اور حیلہ درست ہوگا؟

۵...... دینے والے کو یہ خبر نہیں ہوتی کہ اس ڈھائی من پانچ سیر گیہوں اور ایک قرآن سے کتنی عبادات کا کفارہ ہوا، بصورت ہذا کفارہ صحیح ہوا کہ نہیں؟ بینوا وتوجروا۔ فقط والسلام۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

طریقۂ مذکورہ بدعت وناجائز ہے، اصل بلکہ خلافِ اصول شرع ہے(۱)۔ نفسِ ایصال ثواب بغیر التزام تاریخ وروزہ وہیئت وغیرہ مستحسن اور باعثِ راحتِ میت ہے، خواہ کچھ قرآن کریم پڑھ کر، یا نماز روزہ عبادات

(۱) ''حیلۂ اسقاط مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا، اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملاؤں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالیٰ نیت سے واقف ہے، وہاں حیلہ کارگر نہیں، مفلس کے واسطے بشرطِ صحتِ نیتِ ورثہ کے کیا عجب ہے کہ مفید ہو، ورنہ لغو اور حیلہ تحصیلِ دنیائے دنیہ کا ہے''۔ (فتاوی رشیدیہ، کتاب البدعات، ص: ۱۴۰، ادارہ اسلامیات لاہور)

کرکے، یا غرباء مساکین کو نقد غلہ کپڑا وغیرہ دیکر، یا مسجد مدرسہ کنواں وغیرہ بنا کر ہو(۱)۔ اور طریقۂ مذکورہ میں چند خرابیاں ہیں:

اول یہ کہ اس کو لازم اور ضروری سمجھا جاتا ہے حتی کہ اگر اس کو کوئی ترک کرے تو اس پر طعن تشنیع کی جاتی ہے، حالانکہ جس شئی کا استحباب شریعت سے ثابت ہو اس پر بھی اصرار کرنا ممنوع ہے، اصرار سے وہ شئی ممنوع ہوجاتی ہے چہ جائے کہ بدعت پر اصرار کرنا:

" الإصرار علی المندوب يبلغه إلى حد الكراهة"(۲)۔ "من أصر على أمر مندوب وجعله عزماً و لم يعمل بالرخصة، فقد أصاب منه الشيطان من الإضلال، فكيف من أصر على بدعة أو منكر، اهـ". سعاية (۳)۔

دوم یہ کہ اس میں قرآن شریف کا ہونا بھی لازم سمجھا جاتا ہے حالانکہ نفسِ غلہ کا ثواب پہونچانا شرعاً قرآن شریف کے ساتھ ہونے پر موقوف نہیں، بلکہ بغیر قرآن شریف ساتھ ہوئے بھی پہونچ جاتا ہے، یہ ایک حکم شرعی کی تغییر ہے۔

سوم یہ کہ یہ حیلہ بغیر ترکہ کے تقسیم کئے ہوتا ہے حالانکہ بسا اوقات بعض ورثہ نابالغ ہوتے ہیں، نابالغ کا حصہ صرف کرنا ہرگز جائز نہیں، اگر وہ اجازت دے تو اجازت بھی معتبر نہیں (۴)۔

چہارم: اس میں قبضہ نہیں ہوتا، حالانکہ صدقہ کے لئے قبضہ شرط ہے (۵)۔

---

(۱) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً أو قراءة قرآن أو ذكراً أو طوافاً أو حجاً أو عمرةً أو غير ذلك عند أصحابنا، للكتاب والسنة". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، رشيديه)

(۲) (السعاية، باب صفة الصلوة، قبيل فصل في القراءة: ۲۶۵/۲، سهيل اكيڈمی لاهور)

(۳) (السعاية المصدر السابق: ۲۶۳/۲)

(۴) "ولا (أي لا تصح الوصية) لوارثه وقاتله مباشرة .... إلا بإجازة ورثته .... وهم كبار عقلاء، فلم تجز إجازة صغير". (الدر المختار، كتاب الوصايا: ۶۵۶/۶، سعيد)

(۵) "و تمامها كرهن و صدقة؛ لأن القبض شرط تمامها". (الدر المختار، كتاب الهبة: ۶۹۱/۵، سعيد)

پنجم: غلے کی یہ مقدار بھی شرعاً متعین نہیں۔

ششم: یہ مقدار کافی ولازم سمجھی جاتی ہے حالانکہ بعض اوقات صوم، صلوۃ میت کے ذمے کچھ بھی نہیں ہوتا اور بعض اوقات اتنی مقدار ہوتی ہے کہ حساب کے اعتبار سے یہ غلہ ناکافی ہوتا ہے، کیونکہ ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ واجب ہوتا ہے اور یہی مقدار ہر روزے کے عوض میں ہے(۱)۔

ہفتم: عام طور پر یہ حیلہ ریاکاری اور فخر کے لئے کیا جاتا ہے اسی لئے حساب نہیں کیا جاتا ہے، بلکہ مقدار مقررہ اور قرآن کریم کے دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے اور اسی کو ضروری سمجھا جاتا ہے خواہ میت کے ذمہ صوم وصلوۃ کچھ فوت شدہ باقی ہو یا نہ ہو۔ نیز اگر ہو تو کم ہو یا زیادہ ہو، قرآن شریف کو خدا جانے کس قدر کفارہ سمجھتے ہیں، حالانکہ اس میں قیمت کا اعتبار ہوتا ہے:

"و فی البزازية: ويكره نقل الطعام فی المواسم واتخاذ الدعوة لقراء ة القرآن و جمع الصلحاء والقراء ة للختم. وأطال ذلك فی المعراج و قال: وهذه الأفعال كلها للسمعة والرياء، فيحترز عنها؛ لأنهم لا يريدون بها وجه الله تعالىٰ، ولا سيما إذا كان فی الورثة صغار أو غائب، اهـ". ردالمحتار (۲)۔

" فیحترز تقسیم کردن نقد غله وغیره بعد میت از ترکۂ آن بمحتاجاں به نیتِ ثواب جائز است بشرطیکه وارثانش کبار باشد و راضی باشند بدادن، و اگر ورثۂ میت صغار اند، بدون تقسیمِ ترکه تصدق جائز نیست. و بدون ایں چیزها همراهِ جنازه رسم جاهلیت است، از شرع شریف ثابت نیست، و چیزے که نظیرش در اصلِ شرع یافته نمی شود کردن آں چیز مکروه است یا حرام. اَما دادنِ تصدق بفقراء و مساکین برائے ثوابِ میت بے آنکه همراهِ جنازه برند، جائز است، زیرا که برائے ثوابِ میت چیزیکه بمحتاجاں

---

(۱) "و لو مات وعليه صلوات فائتة، و أوصى بالكفارة، يعطى لكل صلوة نصف صاع من بر كالفطرة، و كذا حكم الوتر والصوم، و إنما يعطى من ثلث ماله". (الدرالمختار، باب قضاء الفوائت، مطلب فی إسقاط الصلوة عن الميت: ۲/ ۷۲، ۷۳، سعید)

(۲) (رد المحتار، باب صلوة الجنازة، مطلب فی كراهة الضيافة من أهل الميت: ۲/ ۲۴۰، ۲۴۱، سعید)

میدهند، مستحب آنست که بے روی و ریا و بے تعینِ وقت و روز باشد، اِلّا بدعت می گردد. و دریں صورت دادنِ ایشاں خالی از کراهت نخواهد شد. ﴿والله یهدی من یشاء إلی صراط مستقیم﴾ ۔رسائل اربعین، ص: ۱۵۰،۵۰، مطبوعه درمطبع محمدی ماه صفر /۱۱۶۱ھ(۱)۔

کفارۂ صوم وصلوۃ میت کا مشروع طریقہ یہ ہے کہ اگر اس نے مرنے سے پہلے وصیت کی تو ایک ثلث ترکے میں ہر نماز کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ یا اس کی قیمت کسی فقیر کو دے دی جائے، اسی طرح ہر روزہ کے عوض، اور وتر بھی شرعاً مستقل نماز ہے۔ اگر ایک ثلث ترکے میں سے پورا ہو جائے تب تو خیر، ورنہ سب ورثہ کی اجازت سے-بشرطیکہ وہ بالغ ہوں- ایک ثلث سے زائد سے بھی وصیت کو پورا کیا جا سکتا ہے بغیر وصیت صدقہ دینا جائز نہیں، تاہم اگر بالغ ورثا اپنے حصہ میں سے دے دیں تب بھی درست ہے اور نابالغ کا حصہ صدقہ کرنا جائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۱۲/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مظاہر علوم سہارنپور، صحیح: عبد اللطیف، ۱۸/۱۲/۶۰ھ۔

مسافر ومریض پر فدیۂ صوم وصلوٰۃ

سوال[۴۸۵۱]: اگر مریض بسببِ مرض روزہ نہ رکھ سکے اور صحت کی قطعاً نوبت نہیں آئی تو ایسی صورت میں اس پر صدقہ واجب ہوگا یا نہیں؟ باوجودیکہ صدقہ کے لئے صحت ضروری ہے تاکہ انہیں ایام کے اعتبار سے صدقہ کی وصیت کر جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایسا مریض تھا کہ روزہ نہیں رکھ سکتا تھا اور مرض ہی میں انتقال ہو گیا، روزہ رکھنے کے قابل صحت میسر نہیں ہوئی تو اس کے ذمہ فدیہ کی وصیت لازم نہیں، نہ ورثہ کو فدیۂ صوم دینا واجب ہے: "وكذا حكم الصوم

(۱) (لم أطلع علی هذا الکتاب)

(۲) (راجع، ص: ۱۸۳، رقم الحاشیة: ۴، و، ص: ۱۸۴، رقم الحاشیة: ۱)

فی شهر رمضان إن أفطر فيه المسافر والمريض وماتا قبل الإقامة والصحة، لعدم إدراكهما عدةً من أيام أخر، فلايلزمهما الإيصاء به؛ لأنهما عذرا في الأداء، فلأن يعذرا في القضاء أولى"۔زيلعي"(۱)۔ وإذا لم يلزمهما القضاء لايلزمهما الإيصاء به". مراقي الفلاح ۔ مختصراً، ص: ۲٦۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

مریض پر فدیۂ صوم

سوال[۴۸۵۲]: اگر کوئی شخص اختلاطی دورہ میں مبتلا ہو، کیفیت ان کی یہ ہو کہ بغیر دوا کے صحت نہ ہوتی ہو اور نماز میں کبھی اس کی کیفیت یہ ہو کہ چار کی جگہ پانچ اور دوسجدوں کی جگہ تین سجدے، یا چار سجدے کرتا ہو اور رمضان کے روزے میں حالت اس کی غیر ہوتی ہو حتی کہ ہوش وحواس بھی مختل ہو جاتے ہیں۔اندریں صورت اس کو رمضان کے روزوں کے متعلق کیا کرنا چاہیے؟ روزے رکھنے کی طاقت بالکل نہیں ہے اور روزوں کی ادائیگی کی کیا شکل ہونا چاہیے؟ نیز کفارہ کی کیا تفصیل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جس شخص میں بیماری کی وجہ سے روزہ رکھنے کی طاقت نہیں، اگر روزہ رکھے تو مرض کے زیادہ ہونے کا خوف ہے تو اس کے لئے شرعاً اجازت ہے کہ رمضان شریف میں روزہ نہ رکھے، بلکہ صحت یاب ہو کر قضاء کرے(۳)۔

---

(۱) (تبيين الحقائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۱۹۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۴۳۷، فصل في اسقاط الصلوٰة والصوم، قديمي)

(وكذا في ردالمحتار: ۲/۷۲، كتاب الصلوٰة، باب قضاء الفوائت، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۴۹، كتاب الصوم، فصل في الأعذار المبيحة للإفطار ومايتعلق بها، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۹۵، فصل في العوارض، رشيديه)

(۳) "(منها المرض) المريض إذا خاف على نفسه التلف أو ذهاب عضو، يفطر بالإجماع. وإن خاف =

اگر حالتِ مرض میں ہی مرگیا، صحت یاب نہیں ہوا تو اس پر قضاء، فدیہ کچھ واجب نہیں (۱)۔ اگر صحت یاب ہوکر روزوں کی قضاء نہیں کی اور مرگیا تو مرتے وقت اس پر وصیت واجب ہے، ورنہ اس کی طرف سے ایک ثلثِ ترکہ میں سے اس کے روزوں کا فدیہ دیں (۲)۔ ہر روزہ کے عوض ایک صدقۃ الفطر کی مقدار غلہ، یا اس کی قیمت کسی مسکین، غریب کو دیں یا پیٹ بھر کھانا کھلا دیں (۳)۔ اگر وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ کچھ

= زيادة العلة وامتداده، فكذلك عندنا، وعليه القضاء إذا أفطر، كذا في المحيط". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۴۲۲، ۴۲۳، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(۱) "(فإن ماتوا فيه): أي في ذلك العذر (فلا تجب) عليهم (الوصية بالفدية، لعدم إدراكهم عدةً من أيام أخَر". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲/۴۲۳، ۴۲۴، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۴۹۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۳۵۲، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر: ۲/۲۹۲، قديمي)

(۲) "(ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت) الوصية بقدر إدراكهم عدةً من أيام أخَر. (وفدى) لزوماً (عنه): أي عن الميت (وليُّه) الذي يتصرف في ماله (كالفطرة) قدراً (بعد قدرته عليه): أي على قضاء الصوم (وفوته) (بوصيته من الثلث)". (الدر المختار). "(قوله: من الثلث): أي ثلث ماله بعد تجهيزه وإيفاء ديونه". (ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۴، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الصوم، بيان شرائط وجوبه: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(۳) "(فيُطعم عنه وليُّه لكل يوم كالفطرة): أي وجب على الوليّ أن يؤدي فدية مافاتها من أيام الصيام كالفطرة عيناً أو قيمةً". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۱/۳۶۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض، غفاريه كوئٹه) ...... =

واجب نہیں (۱)۔

اور جو شخص اس قدر بوڑھا ہوگیا ہے کہ اس میں روزہ رکھنے کی بالکل طاقت نہیں اور یہ بھی توقع نہیں کہ آئندہ اس میں اس قدر طاقت آئے گی، بلکہ روز بروز حالت کمزور ہی ہورہی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ موت کا وقت قریب آگیا تو ایسے شخص کے لئے شرعاً حکم ہے کہ وہ اپنی زندگی ہی میں روزوں کا فدیہ دے دے (۲)، اس کی ضرورت نہیں کہ مرتے وقت وصیت کرے اور بعد میں اس کے ورثہ فدیہ دیں۔ اگر اس نے اپنی زندگی میں فدیہ نہ دیا اور وصیت کی تو طریقۂ مذکورہ کے مطابق فدیہ دے دیا جائے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہذا۔

= (وكذا في ردالمحتار، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم: ۲/۴۲۲، سعيد)

(۱) "وإن لم يوص فتبرع به الورثة، جاز. وإن لم يتبرعوا، لم يلزمهم". (بدائع الصنائع، كتاب الصوم، بيان شرائط وجوبه: ۲/۲۶۳، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل السابع في الأسباب المبيحة للفطر: ۲/۲۹۳، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي تبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(۲) "(قوله: وللشيخ الفاني، وهو يفدي فقط): أي له الفطر، وعليه الفدية، وليست على غيره من المريض والمسافر والحامل والمرضع، لعدم وُرود نصٍ فيهم، ووروده في الشيخ الفاني، وهو الذي كل يوم في نقص إلى أن يموت، ويسمى به (أي يسمّى الشيخ الفاني شيخاً فانياً) إما لأنه قرب من الفناء؛ أو لأنه فنيت قوته". (البحر الرائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۵۰۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب الخامس في الأعذار التي يبيح الإفطار: ۱/۲۰۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب الصوم، فصل في العوارض: ۲/۳۱، رشيديه)

(۳) "أو مريض خاف الزيادة الفطر وقضوا ماقدروا بلا فدية ولاءً، وقدم الأداء على القضاء، فإن ماتوا فيه فلا تجب الوصية بالفدية. ولو ماتوا بعد زوال العذر، وجبت، وفدى عنه وليُّه كالفطرة بعد قدرته عليه وفوته بوصية من الثلث. وإن تبرع وليُّه به، جاز. وللشيخ الفاني العاجز عن الصوم الفطر ويفدي". =

فدیہ اور فطرہ کس نرخ سے ادا کریں؟

سوال[۴۸۵۳]: ۱......بغرضِ ادائے فدیۂ روزہ اور فطرۂ عید نرخِ بازار معتبر ہے؟ یا کنٹرول ریٹ جس کو دیا جانا مقصود ہے، اس کو کنٹرول ریٹ سے گیہوں مل سکتا ہے، بازار میں گیہوں گراں ملتا ہے، گو اتنا گراں عامۃً نہیں ملتا اگر دیہات سے منگائی جائے۔

فدیہ دیندار عالم کو دینا افضل ہے

سوال[۴۸۵۴]: ۲......فدیہ یا فطرہ کسی عالم دیندار شخص کو- جو صاحب حاجت ہوں، لیکن خرچ سے پریشان ہوں- دینا أنسب ہے یا بالکل مسکین کو؟

فدیۂ صیام شروعِ رمضان میں دے یا اخیرِ رمضان میں؟

سوال[۴۸۵۵]: ۳......آیا فدیۂ رمضان شریف شروع ہوتے ہی ادا کرنا ضروری ہے یا رمضان کے کچھ دن گذرنے پر بھی دے سکتے ہیں؟ نیت پہلے سے کرلی جائے کہ دوں گا؟ میرے گھر میں اور والدہ دونوں بے حد کمزور ہیں اور بیمار ہیں صحت وقوت بہت کم ہے اور نہ اس کے عود کرنے کی کوئی امید ہے۔

عبد الجلیل اعظم گڈھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس نرخ سے اپنی ضروریات پوری کی جاتی ہیں اسی نرخ سے فطرہ اور فدیہ دیدیں، ظاہر ہے کہ آجکل کنٹرول سے عامۃً ضروریات پوری نہیں ہوتیں، اس لئے بازاری نرخ سے دیں(۱)۔

۲......دیندار حاجت مند کو دینا افضل ہے(۲)۔

= (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۴۲۲/۲-۴۲۷، كتاب الصوم، فصل في العوارض المبيحة لعدم الصوم، سعيد)

(۱) "وجاز دفع القيمةفي زكاة وعشر وخراج وفطرة ونذروكفارة .... ويقوّم في البلد الذي المال فيه، ولوفي مفازة ففي أقرب الأمصار إليه". (الدرالمختار: ۲۸۵/۲، ۲۸۶، كتاب الزكاة، باب زكاة الغنم، سعيد)

(۲) "وكره نقلها إلا إلى قرابة أوأحوج أو أصلح، أوأورع، أوأنفع للمسلمين. وفي المعراج: التصدق =

۳......شیخِ فانی کو فدیہ دینا شروعِ رمضان میں بھی درست ہے، اخیر میں بھی (۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۱/۹/۸۵ھ۔

ادائے فدیہ کا طریقہ اور مصرف

سوال[۴۸۵۲]: اگر فدیہ کی اجازت ہو تو کیا یہ ضروری ہے کہ ہر روزہ کا فدیہ روزانہ ہی ادا کیا جائے یا پورے ماہ کے روزوں کا فدیہ یکمشت ختم رمضان پر یا پیشگی ہی ادا کیا جاسکتا ہے؟ اور اگر ایسا ممکن ہو تو ختمِ رمضان پر پورے ماہ کے فدیہ کے لئے کس قدر غلّہ دینا ضروری ہے؟ آیا بازاری بھاؤ کے اعتبار سے اس کی قیمت ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر قیمت ادا کی جاسکتی ہے تو آیا اس کا غرباء کو ہی تقسیم کرنا ضروری ہے یا کسی غریب عزیز کو بھی دیا جاسکتا ہے یا کسی مدرسہ کو بھی دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس صورت میں فدیہ کا حکم ہے تو فدیہ یکمشت قبل رمضان اور بعد رمضان اور روزانہ جس طرح دل چاہے ادا کیا جاسکتا ہے، کوئی خاص پابندی نہیں۔ ایک روزہ کا فدیہ ایک صدقۂ فطر کے برابر غلّہ یا اس کی قیمت ہے، جو بازار کا عام بھاؤ ہو اس سے قیمت لگائی جائے (۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۱۰/۹/۸۵ھ۔

= على العالم الفقير أفضل". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۵۳، ۳۵۴، باب المصرف، سعيد)

(وكذا في حاشيه الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۷۲۲، باب المصرف، قديمى)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۳۶، كتاب الزكاة، باب المصرف، رشيديه)

(۱) "وللشيخ الفانى العاجز عن الصوم الفطر ويفدى وجوباً ولو في أول الشهر: أى يخيّر بين دفعها فى أوله أو آخره، كمافى البحر". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/۴۲۷. فصل فى العوارض الخ، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، ص: ۶۸۸، فصل فى العوارض، قديمى)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۷، الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار، رشيديه)

(۲) "وفدىٰ لزوماً عنه وليُّه الذى يتصرف فى ماله كالفطرة قدراً بعد قدرته عليه، وفوته بوصيته من الثلث، الخ". (الدر المختار شرح تنوير الأبصار: ۲/۴۲۴، فصل فى العوارض المبيحة، سعيد)

"ثم إن شاء أعطى الفدية في أول رمضان بمرة وإن شاء أخرها إلى آخره". (الفتاوىٰ العالمكيرية: =

کئی روزوں کا فدیہ ایک شخص کو دینا

سوال[۴۸۵۷]: کئی روزوں کے فدیہ کا اناج یا قیمت ایک فقیر کو دینا جائز ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جائز ہے:"ولو ماتوا بعد زوال العذر وجبت، وفدى عنه وليه كالفطرة قدراً، اھ". "(قوله: قدراً): أى التشبيه بالفطرة من حيث القدر، إذلايشترط التمليك هنا، بل تكفى الإباحة بخلاف الفطرة، وكذا هى مثل الفطرة من حيث الجنس وجواز أداء القيمة. وقال القهستانى: وإطلاق كلامه يدل على أنه لودفع إلى فقير جملةً، جاز، ولم يشترط العدد، ولاالمقدار، لكن لودفع إليه أقل من نصف صاع لم يعتد به، وبه يفتى". شامى: ۱/۱۶۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/۲/۶۶ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۲/۶۶ھ۔



= ۱/۲۰۷، الباب الخامس فى الأعذار التى تبيح الإفطار، رشيديه)

"لكل يوم نصف صاع من برأو قيمته بشرط دوام عجز الفانى.......... ثم إن شاء أعطى فى أول رمضان، وإن شاء أعطى فى آخره، ولايشترط فى المدفوع إليه العدد". (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۸۸، فصل فى العوارض، قديمى)

(۱) (ردالمحتار على الدرالمختار: ۲/۴۲۴، فصل فى العوارض، سعيد)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى، ص: ۶۸۸، فصل فى العوارض، قديمى)

(وكذا فى التاتارخانيه: ۲/۳۸۶، الفصل السابع الأسباب المبيحة للفطر، إدارة القران كراچى)

باب صوم النفل وغیرہ

(نفلی روزوں کا بیان)

ذی الحجہ کے روزے اور قربانی سے کھانے کی ابتداء

سوال[۴۸۵۸]: ذی الحجہ کی نویں تاریخ کا ایک روزہ ہے یا دور کھنے چاہئے اور دس تاریخ کو کیا یہ ضروری ہے کہ روزہ قربانی کے گوشت سے کھولا جائے؟ فقط واللہ اعلم۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

یکم ذی الحجہ سے ۹/ ذی الحجہ تک روزے رکھنا بہت ثواب ہے اور نویں ذی الحجہ کا ان روزوں میں سب سے زیادہ درجہ ہے(۱)۔ مستحب یہ ہے کہ ذی الحجہ کو اپنی قربانی سے ابتدا کرے اس سے پہلے نہ کھائے، لیکن اس سے پہلے کھانا بھی مکروہ یا ناجائز نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبد اللطیف، ۱۴/ ذی الحجہ۔

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما من أيام الدنيا أيام أحب إلى الله سبحانه أن يتعبد له فيها من أيام العشر، و إن صيام يوم فيها ليعدل صيام سنة، وليلة فيها بليلة القدر". (سنن ابن ماجة، ص: ۱۲۴، أبواب ماجاء في الصيام، باب صيام العشر، قديمي)

(جامع الترمذي: ۱/۱۵۸، أبواب الصوم، باب ما جاء في صيام العشر، سعيد)

(مشكوة المصابيح: ۱/۱۲۸، باب في الأضحية، قديمي)

(۲) "وفي الكبرى: الأكل قبل الصلوة يوم الأضحى هل هو مكروه؟ فيه روايتان، والمختار أنه لا يكره، لكن يستحب له أن لا يفعل". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۵۰، الباب السابع عشر في صلوة العيدين، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۲۸۴، باب صلوة العيدين، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۱۷۶، ۱۷۷، باب العيدين، سعيد)

صرف دس محرم کو روزہ رکھنا

سوال[۴۸۵۹]: محرم کے دوروزے جو کہ مسنون ہیں، بجائے دو کے اگر ایک ہی رکھے تو کیا ناجائز ہے یا جائز؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکروہ تنزیہی ہے:"وأما القسم السادس و هو المکروه، فهو قسمان: مکروه تنزیهاً ومکروه تحریماً: الأول الذی کره تنزیهاً کصوم یوم عاشورا منفرداً عن التاسع أو عن الحادی عشر، اهـ". مراقی الفلاح، ص:۳۵۱(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صوم یومِ عاشورا

سوال[۴۸۶۰]: عاشورہ کا ایک روزہ مکروہ ہے، لیکن مکروہ ہونے کے ساتھ ثواب بھی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عاشورہ کے فقط ایک روزہ پر کفایت کرنا مکروہ ہے، لیکن ثواب اس کا بھی ملے گا(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۷/۱۳۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۹۲ھ۔

یومِ عرفہ ونحر میں شک

سوال **استفتاء** [۴۸۶۱]: اوائلِ ذی الحجہ میں مختلف جگہوں سے ۲۹/ کے چاند کی خبر معلوم ہوئی،

---

(۱) (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح: ۶۴۰، فصل فی صفة الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۰۲، الباب الثالث فیما یکره و ما لا یکره، رشیدیه)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۳۷۵، کتاب الصوم، سعید)

(۲) "وأما القسم السادس و هو المکروه، فهو قسمان: مکروه تنزیهاً و مکروه تحریماً، الأول الذی کره تنزیهاً کصوم یوم عاشورا منفرداً عن التاسع أو عن الحادی عشر". (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۴۰، فصل فی صفة الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۰۲، الباب الثالث فیما یکره و ما لا یکره، رشیدیه) =

لیکن شرعی ثبوت نہ ہوا، پس اس صورت میں ۹/ ذی الحجہ جس کے متعلق یومِ عرفہ و یومِ نحر ہونے کا شک ہے، نفلی روزہ رکھنا کیسا ہے؟ زید کہتا ہے کہ جائز و افضل ہے، لمافی الفیض وغیرہ:"لو وقع الشك فی أن الیوم عرفة أو یوم النحر، فالأفضل فیه الصوم ". شامی :۲/۸۷(۱)۔

اور عمر کہتا ہے کہ مکروہ ہے، لما فی مجالس الأبرار :"ما تردّد بین البدعة والسنة یترکه؛ لأن ترك البدعة لازم و أداء السنة غیر لازم". ص: ۱۲۹، مجلس ثامن عشر(۲)۔

"أو کان فی شیء وجوه کثیرة یوجب الحل و الجواز، ووجه واحد یوجب الحرمة وعدم الجواز، یرجّح جانب الحرمة احتیاطاً". مجالس، ص:۱۵۵، مجلس: ٩٦(۳)۔

نیز عمر یہ بھی کہتا ہے کہ قربانی اس صورت میں دو دن تک کی جائے، تیسرے دن نہ کی جائے، بخلاف زید کے کہ وہ کہتا ہے کہ بلا تردد تین دن تک کی جائے اور خالد کہتا ہے: بہتر یہ ہے کہ عرفہ مشکوکہ میں روزہ رکھا جائے اور تیسرے دن قربانی نہ کی جائے۔ کس کا قول صحیح ہے؟ جواب مدلل بحوالۂ کتب وعبارت عنایت ہو۔ فقط۔

مولوی محمد یاسین، مدرس مدرسہ احیاء العلوم مبارکپور، ضلع اعظم گڑھ۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا قول قوی معلوم ہوتا ہے، فقہاء نے ہلالِ رمضان کے مسئلہ میں اختلاف مطالع کو معتبر نہیں مانا۔ ذی الحجہ کے متعلق جو احکام ہیں جیسے: حج، صوم، عرفہ، اضحیہ ان میں معتبر ہے، جب ثبوتِ رؤیت کے باوجود ان مسائل میں صحت کا حکم ہے تو محض شک کی صورت میں نفلی روزہ اور اضحیہ کی ممانعت نہ کی جائے گی۔

"[تنبیه]: یفهم من کلامهم فی کتاب الحج أن اختلاف المطالع فیه معتبر، فلا

= (و کذا فی الدر المختار: ۲/۳۷۵، کتاب الصوم، سعید)

(۱) (ردالمحتار: ۲/۳۸۱، کتاب الصوم، بحث فی صوم یوم الشک، سعید)

(۲) "إذا تردد الحکم بین سنة وبدعة، کان ترک السنة راجحاً علی فعل البدعة مع أنه یمکن التسویة قبل الشروع". (رد المحتار: ۳/۲۴۲، باب مایفسد الصلوٰة، مطلب إذا تردد الحکم، سعید)

(۳) "القاعدة الثانیة: "إذا اجتمع الحلال والحرام غلب الحرام".

"فمن فروعها: ما إذا تعارض دلیلان، أحدهما یقتضی التحریم والآخر الإباحة، قدّم التحریم". (الأشباه والنظائر، ص: ۱۲۱، النوع الثانی من القواعد، القاعدة الثانیة الخ، دارالفکر بیروت)

یلزمهم شيء لو ظهر أنه رؤي في بلدة أخرى قبلهم بيوم. وهل يقال كذلك في حق الأضحية لغير الحجاج؟ لم أره، والظاهر أنها كأوقات الصلوة يلزم كل قوم العمل بما عندهم، فتجزئ الأضحية في اليوم الثالث عشر وإن كان على رؤيا غيرهم هو الرابع عشر". شامي: ۲/۹٦ (۱)۔

اگر کوئی شخص جانبِ احوط وتنزہ کو اختیار کرے اس کی ممانعت نہیں، مگر روزہ یا اضحیہ کی ممانعت کا حکم نہیں کیا جاسکتا محض شک سے حلت وحرمت کے احکام صادر نہیں ہوتے۔ مجالس الابرار کی عبارت کا مطلب تو یہ ہے کہ اگر مسئلۂ واحدہ میں دونوں قسم کی دلیلیں موجود ہوں تب یہ حکم ہوگا، اس قسم کی عبارات شامی وبحر وغیرہ میں بھی موجود ہیں (۲)، مگر صورتِ مسئولہ میں تو عدمِ حرمت پہلے سے متعین ہے اور جو دلیلِ حرمت میں شک ہے: "واليقين لا يزول بالشك" (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۳/ جمادی الاولی/ ٦۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ٦۹ھ۔

ہمیشہ روزہ رکھنا

سوال [۴۸٦۲]: ایک شخص ہمیشہ روزہ رکھتا ہے، جائز ہے یا نہیں اور اس کو ہمیشہ رکھنے کا ثواب ہوگا یا نہیں؟

الہ بخش محلّہ بازداران سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

ہمیشہ روزہ رکھنا اس طرح کہ ایامِ منہیہ میں بھی روزہ رکھے تو یہ مکروہ تحریمی ہے (۴)، اگر ایامِ منہیہ میں

---

(۱) رد المحتار: ۲/۳۹۳، ۳۹۴، كتاب الصوم قبيل باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسد، سعيد)

(۲) "إذا اجتمع الحلال والحرام رجح الحرام". (الدر المختار: ۱/۱٦٧، كتاب الطهارة، سعيد)

(۳) "القاعدة الثانية: اليقين لا يزول بالشك". (الأشباه والنظائر، ص: ۲۰، دار الفكر، بيروت)

(۴) "ويكره صوم يوم العيدين و أيام التشريق، وإن صام فيها كان صائماً عندنا". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

"ويكره أن يصوم يومين لا يفطر بينهما، وكذا صوم الوصال، و هو أن يصوم السنة و لا يفطر =

روزہ نہ رکھے اور تمام سال روزہ رکھے تو اس میں اختلاف ہے، بعض نے اس کو مکروہ کہا ہے کیونکہ یہ عادت ہوجاتی ہے عبادت نہیں رہتی، یا اس سے ضعف زیادہ ہوجاتا ہے، کما مر فی مراقی الفلاح، ص: ۳۷٤(۱) بعض نے کہا ہے کہ اس میں کچھ حرج نہیں اور یہی مختار ہے، لہٰذا ثواب ہوگا، کذا فی الفتاوی العالمکیریۃ: ۱/۱۹۹(۲)۔

صومِ داؤد علیہ السلام افضل ہے، وہ یہ کہ ایک دن روزہ رکھے، دوسرے دن افطار کرے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۱/۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۳/محرم/۵۴ھ۔

تنہا جمعہ کا روزہ

سوال[۴۸۶۳]: یہ جو مشہور ہے کہ صرف جمعہ کے روز نفل روزہ نہ رکھا جائے، بلکہ اس سے پہلے یا

= فی الأیام المنهیة". (فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۵، الفصل الرابع فیما یکره للصائم و ما لا یکره، رشیدیه)

(۱) "وکره صوم الدهر؛ لأنه یضعّفه أو یصیر طبعاً له، ومبنی العبادة علی مخالفة العادة". (مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۶۴۱، فصل فی صفة الصوم، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۳۷۶، کتاب الصوم، سعید)

(۲) "ویکره صوم الوصال و هو أن یصوم السنة کلها، ولا یفطر فی الأیام المنهی عنها، و إذا أفطر فی الأیام المنهیة المختار أنه لا بأس ....والأفضل أن یصوم یوماً و یفطر یوماً". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۰۱، الباب الثالث فیما یکره للصائم، رشیدیه)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۵، الفصل الرابع فیما یکره للصائم و ما لا یکره، رشیدیه)

(۳) "عن عبدالله بن عمرو بن العاص رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال لی رسول الله صلی الله علیه وسلم: "یا عبد الله! .... "قال: صم أفضل الصوم صوم داود: صیام یوم وإفطار یوم، واقرأ فی کل سبع لیال مرةً، ولا تزد علی ذالک". (مشکوٰة المصابیح، کتاب الصوم، باب صیام التطوع، الفصل الأول، ص: ۱۷۹، قدیمی)

بعد کا دن ملا لیا جائے۔ یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جی ہاں، بعض روایات میں صرف جمعہ کا نفلی روزہ رکھنے سے ممانعت آئی ہے، اس لئے اس کے ساتھ ایک دن پہلے یا بعد بھی ملا لینا چاہئے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/صفر/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/صفر/ ۶۸ھ۔۔

کیا یوم الشک کا روزہ مکروہ ہے؟

سوال [۴۸۶۴]: شعبان کے چاند کا پتہ نہ چلا کہ ۲۹/ کا ہوا یا ۳۰/ کا بوجہ ابر غلیظ ہونے کے، اس وجہ سے شہادت دو ہوئی، بعض نے پیر کو ۲۹/ کا چاند شمار کرکے کیا اور بعض نے منگل کو ۳۰/ شمار کیا اور ابر کی وجہ سے رمضان میں بھی اختلاف ہوا، جس کے اعتبار سے پیر کی شب برات ہوئی ان کے اعتبار سے بدھ کی ۳۰/ ہوئی اور منگل والوں کے لئے جمعرات کی ۳۰/ ہوئی، ایک عالم کے پاس گئے جمعرات کے روزہ کے واسطے دریافت کرنے کے لئے، انہوں نے کہا میں بدھ کو روزہ رکھوں گا تم کو اختیار ہے چاہے روزہ رکھو یا نہ رکھو اور میں بحیثیتِ مفتی ہونے کے یوم شک میں روزہ رکھوں گا۔

اب اس شخص کو اطمینان نہ ہوا اور دوسرے عالم کے پاس گیا کہ کوئی اطمینان بخش جواب دیں، انہوں نے شعبان کا چاند بوجہ عدم رؤیت پورے ۳۰/ دن رجب کے شمار کرکے شعبان کے ایام شمار کئے گئے تو بدھ کی ۲۹/ اور جمعرات کی ۳۰/ ہوئی اور شعبان کی رویت کا ۲۹/ یا ۳۰/ کا ثبوت نہیں ملا اور نہ باہر سے شعبان کے چاند کی رؤیت کی خبر ملی اس وجہ سے شعبان ۳۰/ دن شمار کئے، اب حساب سے بدھ کی ۲۹/ ہوتی ہے، اس عالم نے

---

(۱) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لايصوم أحدكم يوم الجمعة إلا أن يصوم قبله أو يصوم بعده". متفق عليه". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۷۹، كتاب الصوم، باب صيام التطوع، الفصل الأول، قديمي)

(وصحيح البخاري: ۱/۲۶۶، كتاب الصوم، باب صوم يوم الجمعة، قديمي)

(والصحيح لمسلم: ۱/۳۶۰، كتاب الصيام، باب كراهة إفراد يوم الجمعة بصوم الخ، قديمي)

جمعرات کو یوم شک قرار دیکر اوراس چاند کو پوراتمیں دن کا کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ چاند کا کوئی ثبوت نہیں ملا بوجہ ابر کے، لہذا اس وجہ سے عالم نے جمعرات کے روزے سے منع کر دیا اوراس کومکروہ تحریمی قرار دیا، اس نے عالم سے دلیل مانگی تو عالم نے یہ عبارت پڑھی:

" و ينبغي للناس أن يلتمسوا الهلال في اليوم التاسع والعشرين من شعبان، فإن غمّ عليكم الهلال، أكملوا العدة الشعبان ثلاثين يوماً، ثم صاموا. لا يصام يوم الشك، لقوله عليه السلام:" من صام يوم الشك فقد عصى أبا القاسم". فإن علم ليلة الشك لا يصام. "لا تصوموا قبل رمضان، صوموا لرؤيته وأفطروا لرؤيته، فإن حال بينكم و بينه سحاب، فأكملوا العدة ثلاثين، ولا ستصالوا العدة الشهر استقبالاً"۔

لہذا ان دلائل کی وجہ سے عالم نے رمضان کا روزہ جمعرات کے دن مکروہ تحریمی قرار دیا اور حکم دیا کہ لوگوں سے منادی کرائی جائے کہ جمعرات کوروزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے اور روزہ نہیں رکھا جائے گا۔اب عالم نمبر:۱، و عالم نمبر:۲، کے اختلاف کی بنا پر بعض نے روزہ رکھا اور بعض نے نہیں رکھا اور بعض نے روزہ رکھ کر دن میں توڑ دیا عالم دوم کے کہنے پر۔ عالم اول کا کہنا ہے کہ گناہ ہوا اور اس کی کوئی حد نہیں ہوسکتی، عالم دوم نے کہا نہ قضاء ہے نہ کفارہ، وہ دن ہی رمضان کا نہیں۔اس حالت میں یوم الشک قرار دیا جائے گا یا نہیں؟ فقط۔

خاکسار عبدالحمید ضلع بجنور۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۲۹/ تاریخ کو ابر وغیرہ کی وجہ سے جب چاند نظر نہ آئے، نہ شرعی شہادت حاصل ہو تو مہینہ ۳۰/ کا شمار کرنا چاہئے، محض احتمال کی وجہ سے اگلے روز آئندہ ماہ کی یکم قرار دینا درست نہیں، یہ حکم رجب، شعبان، رمضان وغیرہ ہر ماہ کے لئے عام ہے۔ عالم نمبر:۱، نے صورتِ مسئولہ میں جو مفتی ہونے کی حیثیت سے یوم الشک میں روزہ رکھا ہے درست ہے اور یہ بھی حکم شریعت کا ہے، لیکن یہ روزہ رمضان کا نہیں، بلکہ خالص نفلی روزہ ہے۔ عالم نمبر:۱، سے دو قسم کی کوتاہی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے عوام کو بتایا نہیں کہ یہ نفلی روزہ ہے جس سے عوام سمجھے کہ یہ رمضان کا روزہ ہے کہ انہوں نے یوم الشک میں عوام کو روزہ رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار دیا، حالانکہ عوام کے لئے یہ حکم نہیں ہے، بلکہ عوام کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ زوال تک انتظار کرلیں کہ ممکن ہے کہ کہیں سے شہادت آ جائے

پھر اگر زوال تک شہادت نہ آئے تو اس وقت کھائیں پئیں۔ نیز عالم نمبر: ا کو اپنے روزہ کا اولاً اخفاء کرنا چاہئے تھا، اگر اظہار کی ضرورت پر اظہار کرتے تو رمضان ہونے کا شبہ نہ ہوتا۔

عالم نمبر: ۲ نے یوم الشک کے روزہ کو مکروہ تحریمی فرمایا یہ صحیح ہے، مگر دو قسم کی کوتاہی ان سے بھی ہوئی ہے: اول یہ کہ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ کیسا روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے جس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عالم نمبر: ا نے جو روزہ رکھا ہے وہ بھی مکروہ تحریمی ہے، حالانکہ جمعرات کو زوال کے وقت تک انتظار کا حکم دینا چاہئے تھا، اگر شہادت نہ آتی تب کھانے پینے کا حکم دیتے۔ نیز عالم نمبر: ۲ نے یہ بھی تفصیل نہیں کی کہ مفتی کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی نہیں (کیونکہ وہ خالص نفلی روزہ رکھتا ہے) اور عوام کو روزہ رکھنا مکروہ تحریمی ہے، کیوں کہ وہ اس کو رمضان کا روزہ سمجھ کر رکھتے ہیں جب کہ ثبوت رمضان کا نہیں ہوا۔ اور لوگوں نے روزہ توڑ دیا خواہ خود توڑ دیا یا عالم نمبر: ۲ کے کہنے پر توڑا تو عالم نمبر: ا نے ان کے ذمہ قضاء وکفارہ کا لزوم کس دلیل سے کیا، ان سے مطالبہ کیا جائے:

"و كره فيه: أى يوم الشك كل صوم من فرضٍ و واجب و صوم ردّد فيه بين نفل وواجب، إلا صوم نفلٍ جزم به بلا ترديد بينه و بين صوم اخر، فإنه لا يكره لحديث السرار إذا كان على وجه لا يعلم العوام ذلك ليعتادوا صومه. و إن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أى عن رمضان ما صامه بأىّ نية كانت، وهو ما إذا ظهر أنه من رمضان فإنه يجزئ عنه، فكأنه لم يشرع ملتزماً بل مسقطاً من الوجه، فلا قضاء عليه لو أفسده. والمختار أن يأمر المفتى العامة بإظهار النداء بالتلوم: أى بالانتظار بلا نية صوم فى ابتداء يوم الشك، ثم يأمر العامة بالإفطار إذاذهب وقت إنشاء النية، ولم يتبين الحال، ويصوم فيه نفلاً المفتى والقاضى، اهـ". مراقى الفلاح و طحطاوى مختصراً، ص: ۳۵۵ (۱)۔

"و لا يصام يوم الشك إلا نفلاً، و يكره غيره، ولو جزم أن يكون عن رمضان، كره تحريماً، والتنفل فيه أحب إن وافق صوماً يعتاده، وإلا يصومه الخواص و يفطر غيرهم بعد

---

(۱) (حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۴۷، ۶۵۰، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمى)

الزوال، به يفتي، اهـ". درمختار: ۲/۱۳٤(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۸/ رمضان/۶۲ھ، صحیح: عبداللطیف، ۱۸/ رمضان/۶۲ھ۔

یوم الشک کا روزہ

سوال [۴۸۶۵]: ۲۹/شعبان کو مطلع صاف تھا بالکل اور چاند نظر نہیں آیا، ۳۰/شعبان کو زید نے اس نیت سے روزہ رکھا کہ اگر شہادت کی بنا پر روزہ ہوگیا تو فرض ورنہ نفل۔ بکر نے ۳۰/.....شعبان کو بلا تردد نفل روزہ رکھا، کچھ روز بعد شرعی شہادت سے ۳۰/شعبان کو یکم رمضان ہے۔ سوال یہ ہے کہ زید، بکر کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

رمضان شریف کا روزہ دونوں سے ادا ہوگیا، بکر کا بلا کراہت اور زید کے روزہ میں اس تردد کی وجہ سے کچھ کراہت آ گئی، تاہم قضاء کسی کے ذمہ نہیں:

"وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ما صامه بأي نية كان ....

وأما كراهية النفل مع التردد، فلأنه ناوٍ للفرض من وجه، وهو أن يقول: إن كان غداً من رمضان فعنه، وإلا فتطوع، الخ". مراقی الفلاح، ص: ۳۷۷(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۹/۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ھذا، صحیح: عبداللطیف۔

---

(۱) (الدر المختار علی تنویر الأبصار: ۲/۳۸۱، کتاب الصوم، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۰، ۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم ومالايكره، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۶، ۲۰۷، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

(۲) (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۴۷، ۶۴۸، کتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمی)

(وكذا فی الدر المختار علی تنوير الأبصار: ۲/۳۸۱، کتاب الصوم، سعيد)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۰۰، ۲۰۱، الباب الثالث فيما يكره للصائم، رشيديه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۰۶، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

صوم یوم الشک

سوال[۴۸۶۶]: امسال رمضان میں جن لوگوں نے رمضان شریف کا روزہ رکھا تھا یعنی ان کے زعم میں ۳۰/ شعبان کو یکم رمضان ہوچکی تھی، لہذا اس حساب سے ان کے ۳۰/ یوم کے روزے پورے ہوگئے یا کہ نہیں، اگر نہیں تو کیا ان کو بھی ایک روزہ مثل ان لوگوں کے جنہوں نے اس روز روزہ نہیں رکھا تھا بعد میں بموجب فتویٰ دہلی رکھنا پڑے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا چاند دیکھے محض شک کی بنیاد پر تیس شعبان کو یکم رمضان سمجھ کر روزہ رکھنا مکروہ ہے، تاہم جن لوگوں نے ایسا کیا، ان کے روزے مکروہ ہوگئے، اب ان کے ذمہ ایک روزہ کی قضاء لازم نہیں:

"و کره فيه: أي يوم الشك كل صوم من فرض وواجب و صوم ردد فيه بين نفل وواجب، إلا صوم نفل، جزم به بلا ترديد بينه و بين صوم اخر، فإنه لا يكره، وإن ظهر أنه من رمضان أجزأ عنه: أي عن رمضان ما صامه بأيّ نية كانت". مراقی الفلاح مختصراً، ص: ۳۷۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

چند مخصوص تاریخوں کا روزہ

سوال[۴۸۶۷]: لوگوں میں مشہور ہے کہ سال بھر میں پانچ روزے ایسے ہیں جن کے رکھنے کا ثواب ایک ہزار برس کے روزوں کے برابر ہیں: ۱-۲۷/ رجب کو۔ ۲-۲۵/ ذی قعدہ کو۔ ۳-۱۸ ذی الحج کو۔ ۴-۲۲/محرم کو۔ ۵-۱۲/ ربیع الاول کو۔ براہ کرم اگر ان روزوں کا ثبوت ہو تب بھی، نہ ہو جب بھی نظام میں شائع

(۱) (مراقی الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۶۴۷، كتاب الصوم، فصل فيما يثبت به الهلال، قديمی)

(وكذا في الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/ ۳۸۱، كتاب الصوم، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۰۰، كتاب الصوم، الباب الثالث فيما يكره للصائم وما لا يكره، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۲۰۶، الفصل الرابع فيما يكره للصائم و ما لا يكره، رشيديه)

فرمادیں، کیونکہ اس مسئلہ میں ابوتراب کاکوریؒ کی ایک کتاب دیکھنے میں آئی ہے، انہوں نے بغیر حوالہ کے لکھا ہے جس سے تشویش ہوتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

۲۷/ رجب، ۲۵/ ذی قعدہ، ۱۸/ ذی الحجہ، ۲۲/ محرم، ۱۲/ ربیع الاول، ان پانچ دن کے روزوں کے متعلق کوئی صحیح حدیث کتبِ حدیث میں مذکور نہیں، نہ فقہاء نے ان ایام میں روزہ رکھنے کی فضیلت بیان کی ہے۔ عوام میں ۲۷/ رجب کے متعلق بہت بڑی فضیلت مشہور ہے، مگر وہ غلط ہے، اس فضیلت کا اعتقاد بھی غلط ہے، اس نیت سے روزہ رکھنا بھی غلط ہے "ماثبت بالسنة" وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

گرمی کے روزہ کا ثواب زیادہ ہے

سوال [۴۸۶۸] : کیا روزہ دار اس رمضان میں جس میں روزہ گرمیوں میں پڑے زیادہ ثواب کی امید کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گرمی کے ایام میں روزہ کا ثواب زیادہ ملنا تو اس کلیہ سے بھی معلوم ہوتا ہے: "أجرك على قدر تعبك". نیز افطار کے وقت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ان الفاظ کا فرمانا ثابت ہے: "كان النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم إذا أفطر قال: "ذهب الظمأ، و ابتلّت العروق، وثبت الأجر إنشاء الله تعالى، اهـ". ابوداؤد شریف (۲)۔

(۱) "ثم اعلم أنا لم نجد في كتب الأحاديث لا إثباتاً ولا نفياً مااشتهر بينهم من تخصيص الخامس عشرين من رجب بالتعظيم والصوم والصلوة وتسميته صوم الاستفتاح و تسميته بِمَرُيمُ روزه". (ماثبت بالسنة، ص: ۷۷)

(۲) (سنن أبي داؤد: ۱/ ۳۲۱، كتاب الصوم، باب القول عند الإفطار، إمداديه ملتان)

(فيض القدير: ۹/ ۴۶۴۴، (رقم الحديث: ۶۵۸۹)، مكتبه نزار مصطفى الباز رياض)

روزہ میں جس قدر پیاس کی شدت ہوگی، رگیں خشک ہوجائیں گی اسی قدر اجر زیادہ ملے گا (انشاء اللہ)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بعد عصر نہ کھانے سے روزہ کا ثواب

سوال[۴۸۶۹]: کچھ آدمی عصر و مغرب کے درمیان بالکل کھانا پینا بند کردیتے ہیں، حالانکہ دنیا کے اور کام کرتے ہیں، یہ خیال کرتے ہیں کہ نفل روزہ کا ثواب ملے گا، یہ کہاں تک صحیح ہے اور اس کی کیا اصلیت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بالکل جہالت ہے شرعاً اس کی کوئی اصل نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

پندرہ شعبان کو روزہ رکھنا

سوال[۴۸۷۰]: ہمارے یہاں گزشتہ سال پندرہویں شعبان کا روزہ نہیں رکھا گیا اور کہا گیا کہ یہ روزہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ کیا یہ صحیح ہے؟ علاوہ ازیں اس روزہ کو بدعت قرار دیتے ہیں، کیا فضائل میں ضعیف حدیثوں کا اعتبار ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"عن علی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم:"إذا کانت لیلة النصف من شعبان، فقوموا لیلها، وصوموا یومها، فإن اللّٰہ تعالی ینزل فیها لغروب الشمس إلی السماء الدنیا، فیقول اللّٰہ تعالیٰ: (ألا من مستغفر فأغفرله، ألا من مسترزق فأرزقه، ألا من مبتلی فأعافیه، ألا کذا ألا کذا)، حتّی یطلع الفجر". رواہ ابن ماجه". مشکوة

(۱) "هو(أی الصوم) إمساک من المفطرات حقیقةً أو حکماً فی وقت مخصوص وهو الیوم، من شخص مخصوص مع النیة المعهودة". (الدرالمختار). "(قوله: و هو الیوم): أی الیوم الشرعی من طلوع الفجر إلی الغروب". (ردالمحتار، کتاب الصوم: ۲/۳۷۰، ۳۷۱، سعید)

شریف، ص: ۱۱۵ (۱)۔ ابن ماجہ میں یہ روایت صفحہ: ۱۰۰ پر ہے (۲)۔

سند کے اعتبار سے یہ روایت ضعیف ہے، فضائلِ اعمال میں ضعیف حدیث سے استدلال درست ہے:

"ویجوز عند أهل الحديث وغيرهم التساهل في الأسانيد ورواية ما سوى من الضعيف والعمل به من غير بيان ضعفه في غير صفات الله تعالى والأحكام كالحلال والحرام وغيرهما، وذلك كالقصص وفضائل الأعمال والمواعظ وغيرهما مما لاتعلق له بالعقائد والأحكام، اه". تدريب الراوي، ص: ۱۹۲ (۳)۔

پس اس روزہ کو بدعت کہنا درست نہیں جبکہ اس کے متعلق حدیث شریف موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۵ھ۔



(۱) (مشكوة المصابيح، باب قيام شهر رمضان، الفصل الثالث، ص: ۱۱۵، قديمي)

(۲) (ابن ماجه، كتاب الصلاة، باب ماجاء في صلوة التسبيح، ص: ۱۰۰، مير محمد كتب خانه)

(۳) (تدريب الراوي، ص: ۲۵۲، قديمي)

فصل فی التسحر و الإفطار

(سحری اور افطار کا بیان)

سحری کے لئے اذان

سوال[۴۸۷۱]: سحری تناول کرنے سے پہلے ماہ رمضان شریف میں اذان جگاتے اور سحری کھانے کے لئے دی جائے۔تو کیا یہ اذان بموجبِ شریعت جائز ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نقارہ وغیرہ کے ذریعہ سونے والوں کو جگادیا جائے، سحری تناول کرنے کے لئے اذان نہ دی جائے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۹/ ۱۳۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۹/ ۱۳۹۱ھ۔

سحری اور افطاری کے وقت ڈھول بجانا

سوال[۴۸۷۲]: کیا سحری وافطار ونماز جمعہ وعیدین کے لئے جمع ہونے کے واسطے کوئی باجا، یا

---

(۱) "و ليس لغير الصلوات الخمس والجمعة نحو السنن والوتر والتطوعات و التراويح والعيدين أذان و لا إقامة". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في الأذان: ۱/ ۵۳، رشيديه)

(وكذا في الحلبي الكبير، ص: ۳۷۲، كتاب الصلوة، فصل في السنن، سهيل اكيدمي لاهور)

(واللباب في شرح الكتاب: ۱/ ۶۴، باب الأذان، قديمي)

قال ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "و عند أبي حنيفة و محمد رحمهما الله تعالىٰ لا يؤذن في الفجر قبله، لما رواه البيهقي أنه عليه الصلوة والسلام قال: "يا بلال! لا تؤذن حتى يطلع الفجر".

(البحر الرائق: ۱/ ۴۵۷، كتاب الصلوة، باب الأذان، رشيديه)

دف، یا نقارہ، یا ڈھول، یا بارود کا گولہ، یا گھنٹہ بجانا درست ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو تمام باجے یا کوئی خاص باجا مثلاً دف اور جملہ امور شادی بیاہ بارات نکاح کے لئے جائز ہے، یا صرف وہی امور مثل مذکورہ بالا کے لئے جائز ہے؟ اور مسجد کی چھت یا مسجد کے فرش یا مینار یا برج پر بھی جائز ہے اور افطاری کے وقت قبل اذان یا بعد اذان بجانا چاہئے؟ بعض مقام ایسے ہی ہیں جس جگہ اہلِ ہنود اس رحمتِ عظمیٰ سے منع کرتے ہیں یعنی اذان بلند آواز سے نہیں ہونے دیتے، اس جگہ یہ نقارہ وغیرہ بجادیا جائے یا عام جگہ؟ اور اس سے شبہ ہوتا ہے کہ جو موافقت کرے غیر قوم کی، وہ انہیں میں سے ہے۔ تمام باجوں کے ساتھ شیطان ہے یا تمام کاموں کے واسطے فرمایا منادی ہونی چاہیے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

سحری کا یا افطاری کا وقت معلوم نہ ہوتا ہو اور روزوں کے فساد کا اندیشہ ہو تو نقارہ بجانا، یا گھنٹہ بجانا، بارود کا گولہ بنانا درست ہے(۱) لیکن مسجد یا اس کی چھت پر نہیں چاہیے، بلکہ مسجد سے ہٹ کر کسی دوسرے مکان یا بلند مقام پر چاہیے، کیونکہ یہ چیز احترامِ مسجد کے خلاف ہے(۲)۔ نماز کے لئے شریعت نے اذان مقرر فرمادی

(۱) "يتسحر بقول عدل، وكذا بضرب الطبول، واختلف في الديك. وأما الإفطار، فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنى، و ظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلاً صدقه .... و بالأولىٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث في زماننا، لاحتمال كونه لغيره؛ ولأن الغالب كون الضارب غير عدل، فلا بد حينئذ من التحري فيجوز". (رد المحتار: ۲/۴۰۷، مطلب: جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

"وقد يقال: إن المدفع في زماننا يفيد غلبة الظن وإن كان ضاربه فاسقاً؛ لأن العادة أن المؤقت يذهب إلى دار الحكم آخر النهار فيعين له وقت ضربه ويعينه آنفاً للوزير وغيره، وإذ اضربه يكون ذلك بمراقبة الوزير وأعوانه للوقت المعين، فيغلب على الظن بهذه القرائن عدم الخطأ وعدم قصد الإفساد، وإلا لزم تأثيم الناس وإيجاب قضاء الشهر بتمامه عليهم، فإن غالبهم يفطر بمجرد سماع المدفع من غير تحر ولا غلبة ظن، والله تعالىٰ أعلم". (ردالمحتار، مطلب في جواز الإفطار بالتحري: ۲/۴۰۷، سعيد)

(۲) قال القرطبي: "وتصان المساجد أيضاً عن البيع والشراء وجميع الاشتغال؛ لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للرجل الذي دعا إلى الجمل الأحمر: "لاوجدت، إنما بنيت المساجد لِمَا بنيت له" .... =

ہے، لہٰذا اس کے لئے ان چیزوں کی ضرورت نہیں (۱)۔ نمازِ عید کے وقت کا پہلے سے اعلان کر دیا جائے جب کہ اذان کی ممانعت اس جگہ ہے تو اس قدر بلند آواز سے نہ کہی جائے جس سے ناقابلِ برداشت فتنہ پیدا ہو، لیکن بالکل ترک کرنا بھی نہیں چاہیے، بلکہ کسی قدر درست آواز سے کہہ لیا کریں، آخر تکبیر بھی تو کہتے ہی ہوں گے، اس سے کچھ اَور بلند آواز سے کہہ لیں۔ نکاح کے اعلان کے لئے دُف بجانا بغیر ساز کے درست ہے (۲) اَور کسی باجے کی کسی کام کے لئے قطعاً اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مظاہر علوم، ۲/ ربیع الثانی/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ ہذا، ۲/ ربیع الثانی/ ۱۳۶۰ھ۔

= وهذا يدل على أن الأصل ألا يعمل في المسجد غير الصلوات والأذكار وقراءة القرآن". (الجامع أحكام القرآن: ۱۲/ ۱۷۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

"السادس أن لا يرفع فيه الصوت من غير ذكر الله". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية: ۵/ ۳۲۱، رشيديه)

(۱) قال العلامة النووي رحمه الله: "فقد صح في حديث عبدالله بن زيد بن عبد ربه في سنن أبي داؤد والترمذي وغيرهما أنه رأى الأذان في المنام، فجاء إلى رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يخبره به، فجاء عمر رضي الله تعالىٰ عنه فقال: يارسول الله! والذي بعثك بالحق! لقد رأيت مثل الذي رأى -وذكر الحديث- فهذا ظاهره أنه كان في مجلس آخر، فيكون الواقع الإعلام أولاً، ثم رأى عبدالله بن زيد الأذان فشرعه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعد ذلك إما بوحي وإما باجتهاده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم على مذهب الجمهور في جواز الاجتهاد وليس هو عملاً بمجرد المنام، وهذا مالاشك فيه". (شرح النووي على صحيح مسلم: ۱/ ۱۶۴، كتاب الصلوة، باب الأذان، قديمي)

(۲) قال العلامة الملا علي القاري رحمه الله تعالىٰ في شرح حديث عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: "واضربوا عليه بالدفوف":

"قال الفقهاء: المراد بالدف ما لاجلاجل له. كذا ذكره ابن الهمام". (مرقاة المفاتيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ۶/ ۲۱۲، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيديه)

(۳) قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالىٰ: "ومما ذكرنا يعلم ما في الاستدلال بها على حرمة الملاهي كالرباب والجنك والسنطير والكمنجة والمزمار وغيرها من الآلات المطربة .... أنه صلى الله =

سحر وافطار کی اطلاع بذریعہ سائرن

سوال [۴۸۷۳]: شہر سہارنپور میں عرصۂ دراز سے رمضان المبارک میں سحر وافطار کے وقت گولے چھوڑے جاتے ہیں، اب تقریباً آٹھ دس جگہ گولے چھوڑے جاتے ہیں اور ان میں تھوڑا لیٹ ٹائم میں فرق ہوجاتا ہے اور تقریباً چالیس روپے روزانہ خرچ ہوتے ہیں، جامع مسجد میں تین سو روپے ہر سال خرچ آتا ہے۔ اور گولا سبزی منڈی میں چھوڑا جاتا ہے، ایسی صورت میں کسی کو چوٹ آجانے کا بھی خطرہ ہے جس سے ناحق جھگڑا کھڑا ہوگا۔ ایسی صورت میں اگر جامع مسجد کی طرف سے ایک سائرن خرید لیا جائے تو تمام شہر کو آواز پہونچ جائے اور سحر وافطار صحیح طریقہ پر ہوجائے اور رقم بھی بچ جائے۔ شرعاً اس کے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر وہاں سحر وافطار کی اطلاع جامع مسجد کے ذمہ ہے تو موجودہ انتشار کا دفعیہ، جھگڑے سے تحفظ سائرن سے ہوجائے تو ذمہ دارانِ جامع مسجد کے مشورہ سے سائرن خرید سکتے ہیں، اس کو مسجد سے باہر کسی سہ دری وغیرہ میں رکھا جائے، اگر رائے متفق نہ ہو تو اہلِ وسعت اس کا انتظام کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱/۱۴۰۱ھ۔

جس لاؤڈ اسپیکر پر گانے گائے جائیں اس سے سحری کے لئے جگانا

سوال [۴۸۷۴]: لاؤڈ اسپیکر پر فحش گانے ہوتے ہیں، کچھ قوالیاں بھی ہوتی ہیں، اس طرح سحری کے لئے جگانا جائز ہے یا نہیں؟ شادی بیاہ کے موقع پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اس طرح گانے بجانا جائز ہے یا نہیں؟ اور

= تعالیٰ علیه وسلم قال: "ليكونن في أمتي قوم يستحلون الخزّ والخمر والمعازف" وهو صريح في تحريم جميع آلات اللهو المطربة". (روح المعاني: ۷٦/۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "يتسحر بقول عدل، وكذا بضرب الطبول، واختلف في الديك. وأما الإفطار فلا يجوز بقول الواحد بل بالمثنى، و ظاهر الجواب أنه لا بأس به إذا كان عدلاً صدقه .... و بالأولىٰ سماع الطبل أو المدفع الحادث في زماننا، لاحتمال كونه لغيره؛ ولأن الغالب كون الضارب غير عدل، فلا بد حينئذ من التحري فيجوز". (رد المحتار: ۴۰۷/۲، مطلب: جواز الإفطار بالتحري، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱۹۵/۱، كتاب الصوم، الباب الأول في تعريفه، رشيديه)

لاؤڈ اسپیکر سے جو روپیہ کمایا جاتا ہے وہ حلال ہے یا حرام؟ کوئی عالم فاضل اگر ایسے شخص کے یہاں ٹھہرے یا کھانا کھاوے تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لاؤڈ اسپیکر پر اس طرح فحش گاتے گاکر سحری کے لئے جگانا ممنوع ہے، احترامِ رمضان کے بھی خلاف ہے، فی نفسہٖ بھی ناجائز ہے، شادی بیاہ میں بھی یہ چیز منع ہے(۱)، اس طرح روپیہ کمانا بھی منع ہے۔ اہل علم کو ایسے روپیہ سے دعوت قبول نہیں کرنا چاہیے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۹/۱۳۹۰ھ۔

غروبِ شمس کی علامت کیا ہے؟

سوال[۴۸۷۵]: افطار غروبِ شمس کے بعد فوراً ہونا چاہیے، لیکن غروب شمس ہے کیا؟ کیا شمس کی طرفِ اعلیٰ کا آنکھ سے غائب ہونے کا نام ہے، یا کہ غروب شمس کے لئے ظلمت من المشرق بھی ضروری ہے جس طرح شامی جلد:۲، میں شرط لگائی ہے؟

---

(۱) "اختلفوا فی التغنی المجرد، قال بعضهم: إنه حرام مطلقاً، والاستماع إليه معصيةٌ، وهو اختيار شيخ الإسلام .... قال رحمه الله تعالىٰ: السماع والقول والرقص الذی يفعله المتصوّفة فی زماننا حرامٌ لايجوز القصد إليه والجلوس عليه، وهو والغناء والمزامير سواء .... وسئل أبويوسف رحمه الله تعالىٰ عن الدف أتكرهه فی غير العرس بأن تضرب المرأة فی غير فسق للصبی؟ قال: لا أكرهه، وأما الذی يجیئ منه اللعب الفاحش للغناء، فإنی أكرهه، كذا فی محيط السرخسی". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب السابع عشر فی الغناء واللهو وسائر المعاصی والأمر بالمعروف: ۵/۳۵۱، ۳۵۲، رشيديه)

(۲) "أدى إلى رجل شيئاً أو أضافه، إن كان غالب ماله من الحلال فلا بأس، إلا أن يعلم بأنه حرام فإن كان الغالب هو الحرام، ينبغی أن لايقبل الهدية ولا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلالٌ ورثتُه أو استقرضتُه من رجل، كذا فی الينابيع .... اكل الربا وكاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لايقبل ولايأكل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثانی عشر فی الهدايا والضيافات: ۵/۳۴۲، ۳۴۳، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس وقت جرمِ شمس غائب ہوتا ہے جب ہی مشرق سے ظلمت ظاہر ہوتی ہے، چونکہ ہر شخص کی نظر جرمِ شمس پر نہیں پڑتی اس لئے ظہورِ ظلمت کو اس کی علامت قرار دیا گیا ہے کہ یہ ایک حسّی چیز ہے جس کو ہر شخص پہچان لیتا ہے، شامی کی عبارت کا مطلب بھی یہی ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/ ذی الحجہ/ ۶۷ھ۔

روزہ کس چیز سے افطار کیا جائے؟ اور نمک وادرک سے افطار کرنا

سوال [۴۸۷۶]: ہمارے یہاں لوگ نمک وادرک سے یا چاول، ادرک ونمک سے افطار کرتے ہیں اور اس کو شریعت سمجھتے ہیں، یہاں تک کہ اگر کہیں جاتے ہیں اور لوٹنے میں راستہ میں افطار کرنا ہوگا، یہ سمجھ کر تھوڑا چاول ونمک باندھ لیتے ہیں۔ اسے ایک صاحب نے بے بنیاد اور بدعت کہا ہے اور کہا ہے کہ افضل خرما سے، پھر میٹھی چیز سے، پھر پانی سے افطار کرنا ہے۔ ان صاحب کا یہ کہنا صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نمک یا ادرک یا چاول سے افطار کو سنت یا مستحب سمجھنا اور اس کو حکمِ شرعی تصور کرنا غلط اور بے اصل ہے، ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کھجور سے افطار کرنا سنت سے ثابت ہے اور اگر کھجور میسر نہ آئے تو خشک چھوارے سے، وہ بھی نہ ہو تو پانی سے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۱ھ۔

---

(۱) "و يستحب السحور و تأخيره و تعجيل الفطر". (الدرالمختار). "أي إلا في يوم غيم، ولا يفطر مالم يغلب على ظنه غروب الشمس، وإن أذن المؤذن، بحر عن البزازية. و فيه عن شرح الجامع لقاضيخان: التعجيل المستحب قبل اشتباك النجوم. قال في الفيض: و من كان على مكان مرتفع كمنارة إسكندرية، لا يفطر مالم تغرب الشمس عنده، ولأهل البلدة الفطر إن غربت عندهم قبله".

(ردالمحتار، ۲/ ۴۱۹، ۴۲۰، كتاب الصوم، سعيد)

(۲) "عن سلمان بن عامر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إذا كان =

بازار میں فروخت ہونے والے پھلوں سے افطار

سوال [۴۸۷۷]: ہمارے شہر میں یہ رواج ہوگیا ہے کہ اکثر و بیشتر آم، وامرود، وبیر وغیرہ کی بیع پھول اور پھل آنے سے قبل کردی جاتی ہے، اس قسم کے پھل کھانا حرام یا مکروہ ہے، حضرت تھانویؒ کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ اس قسم کے پھل نہیں کھاتے تھے، مگر دورِ حاضر کے علماء وصلحاء واتقیاء کی اکثریت اس قسم کے کھانے سے قطعاً احتراز نہیں کرتے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عوام اس کو بلا تکلف کھاتے ہیں اور ناجائز بھی نہیں سمجھتے ہیں۔ تو کیا اس کی وجہ سے کچھ گنجائش نکل آئی ہے اور حرمت میں کچھ تخفیف ہوگئی ہے؟ نیز رمضان المبارک میں اس قسم کے پھلوں سے افطار کرنا کیسا ہے؟

حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا صاحب قدس سرہ: "رب صائم لیس لہ من صیامہ إلا الجوع" (۱) کے تحت فضائل رمضان المبارک میں رقمطراز ہیں کہ: "اس سے مراد مالِ حرام سے افطار کرنا ہے" (۲)۔ کیا ثمراتِ مذکورہ سے روزہ افطار کرنا تو اس میں داخل نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ بیع باطل ہے (۳)، جس پھل کے متعلق پختہ معلوم ہو کہ اس کی بیع باطل ہوئی ہے، اس کا کھانا جائز

= أحدكم صائماً فليفطر على التمر، فإن لم يجد التمر فعلى الماء، فإن الماء طهور". (سنن أبي داود: ۱/۳۲۸، كتاب الصيام، باب ما يفطر عليه، إمداديه ملتان)

"عن أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من وجد تمراً فليفطر عليه، و من لا، فليفطر على ماء، فإن الماء طهور". (جامع الترمذي: ۱/۱۴۹، كتاب الصوم، باب ما يستحب عليه الإفطار، سعيد)

(۱) (سنن ابن ماجة، باب ماجاء في الغيبة والرفث للصائم، كتاب الصيام: ۱/۱۲۱، قديمي)

(۲) (فضائل أعمال، فصل أول، ص: ۶۲۰، كتب خانه فيضي لاهور)

(۳) قال ابن عابدين: "قال في الفتح: لا خلاف في عدم جواز بيع الثمار قبل أن تظهر، ولا في عدم جوازه بعد الظهور قبل بدو الصلاح". (رد المحتار: ۴/۵۵۵، فصل فيما يدخل في البيع تبعاً وما لايدخل، سعيد)

وفي التكملة: "أن تباع الثمار قبل ظهورها، و هذا لم يقل أحد بجوازه، سواء جرى به التعامل =

نہیں، نہ افطار میں نہ بغیر رمضان کے۔ حضرت تھانوی کے متعلق یقین ہے کہ وہ ایسا پھل نوش نہیں فرماتے تھے، مگر یہ بھی صحیح نہیں کہ وہ پھل بالکل ہی نوش نہیں فرماتے تھے۔ اگر کاشت کی زمین کو سال دوسال کے لئے اجارہ پر لے لیا جائے تو اس کی پیداوار درست ہے (۱)، بہت سے لوگ یہ معاملہ کرتے ہیں، اس لئے پھل کو کلیۃً ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۷/۸/۹۰ھ۔

نمازِ مغرب افطار کے کتنے منٹ بعد

سوال [۴۸۷۸]: رمضان المبارک میں روزہ افطار کرنے کے بعد مغرب کی نماز کی جماعت میں کتنی دیر کی تاخیر کی جاسکتی ہے؟ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نماز کے لئے افطار کے فوراً بعد کھڑا ہونا چاہیے، کچھ کہتے ہیں کہ محلے کے لوگوں کے آنے کے بعد دس منٹ تک انتظار کیا جاسکتا ہے۔ برائے مہربانی جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذان و جماعت میں اتنا فصل کیا جائے کہ پابندِ جماعت افطار سے فارغ ہوکر کلی وغیرہ کرلیں اور شروعِ جماعت سے شریک ہوسکیں۔ جولوگ اپنے مکان پر افطار کرتے ہیں، ان کو بھی چاہیے کہ افطار میں زیادہ وقت خرچ نہ کریں اور اپنے انتظار میں تمام حاضرینِ مسجد کو نہ روکے رہیں، آپس کی مصالحت سے وہاں کے

= أو لا". (تکملة فتح الملهم: ۱/۳۹۳)

"عن زید بن ثابت رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان الناس .... فقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم لما کثرت عنده الخصومة فی ذلک: "فأما لا، فلا تبایعوا حتی یبدوا صلاح الثمر". (إعلاء السنن: ۱۴/۳۹، کتاب البیوع، باب بیع الثمار قبل بدو الصلاح)

(۱) قال الشیخ المفتی کفایت اللہ رحمہ اللہ تعالیٰ: "اس کے جائز ہونے کی صورت یہ ہے کہ اس معاملہ کو زمین کے اجارہ کے طور پر کیا جائے یعنی مثلاً پھلوں کی قیمت ایک ہزار روپے ہے تو آٹھ سو روپے پھلوں کی قیمت قرار دیں اور دو سو روپے میں زمین کو اجارہ پر دیدیں اور پھلوں کی جو آخری مدت ہے وہ اجارہ کے لئے متعین کی جائے تو اس طرح پھلوں کا درخت پر رکھنا جائز ہوگا"۔ (کفایت المفتی: ۸/۳۴، کتاب البیوع، باب بیع باطل و فاسد، دارالاشاعت)

اعتبار سے ۵، ۱۰/منٹ جیسا مناسب ہو تجویز کرلیں، اس میں نزاع نہ کریں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۹/ ۸۸ھ۔

افطار کے وقت اجتماعی دعاء ثابت نہیں ہے

سوال [۴۸۷۹]: بعض لوگ ماہِ رمضان المبارک میں افطار سے قبل ایک جگہ مسجد میں جمع ہوتے ہیں اور ان میں سے ایک روزہ دار دعاء کراتا ہے اور سب لوگ آمین کہتے ہیں۔ کیا یہ طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم، یا صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں رائج تھا، یا بعد کے بزرگوں نے رائج کیا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طریقہ کہ ایسے وقت اس طرح اجتماعی دعاء کی جائے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور فقہائے مجتہدین سے ثابت نہیں۔ اگر امام صاحب تعلیم کے لئے ایک دو دفعہ دعاء کرادیں پھر روزہ دار اپنی اپنی جداگانہ دعاء کرلیا کریں تو بہتر ہے اور اس اجتماعی دعاء کو ترک کیا جائے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/ ۵/ ۹۰ھ۔

افطار کے وقت اجتماعی دعاء کرنا

سوال [۴۸۸۰]: حضرت شیخ الحدیث صاحب اپنی کتاب فضائل رمضان، ص: ۲۰ پر لکھتے ہیں کہ "

---

(۱) مغرب کی نماز کو زیادہ دیر مؤخر کرنا مکروہ تحریمی ہے، لیکن اگر کوئی عذر ہو مثلاً: کھانا حاضر ہو، یا سفر کی حالت میں ہو تو فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، لہٰذا افطار کے وقت پانچ دس منٹ کا وقفہ بطریقِ اولیٰ جائز ہے:

"(و) أخر (المغرب إلى اشتباك النجوم): أي كثرتها (كره): أي التأخير لا الفعل؛ لأنه مأمور به (تحريماً) إلا بعذر كسفر، وكونه على أكل". (الدر المختار).

"(قوله: وكونه على أكل): أي لكراهة الصلوة مع حضور طعام تميل إليه نفسه. ولحديث: "إذا أقيمت الصلوة وحضر العشاء، فابدأوا بالعشاء". رواه الشيخان". (ردالمحتار، كتاب الصلوة. ۱/ ۳۶۹، سعيد)

بعض روایات میں آتا ہے کہ افطار کے وقت دعاء قبول ہوتی ہے'' اس وقت کی بعض دعاء مخصوص لکھنے کے بعد لکھتے ہیں کہ ''کسی دعاء کی تخصیص نہیں، اجابتِ دعاء کا وقت ہے، اپنی اپنی ضرورت کے لئے دعاء فرمائیں، یاد آجائے تو اس سیاہ کار کو بھی شامل فرمالیں کہ سائل ہوں اور سائل کا حق ہوتا ہے''(۱)۔

اب یہاں پر سوال یہ ہے کہ ہم لوگ پورے گاؤں کے ۶۰، ۷۰/ آدمی ہیں جو ایک ساتھ جمع ہوکر مسجد میں ایک دسترخوان پر روزہ افطار کرتے تھے، اکثریت جاہلوں کی ہے جن کو صحیح طریقہ پر آدابِ رمضان بھی نہیں معلوم ہیں، روزہ افطار کی دعاء بھی سوائے دو چار آدمی کے کسی کو نہیں معلوم ہے اور سب اپنا اپنا افطار لے کر ٹھیک افطار کے وقت مسجد میں پہونچتے تھے۔ اسی حالت میں امام صاحب نے یہ سمجھتے ہوئے کہ ایسا متبرک وقت دعاء کی مقبولیت کا ضائع ہوجائے عوام سے یہ کہہ کر کہ بھائی یہ وقت بہت متبرک ہے دعاء کرلو، اور دسترخوان بچھا ہوا ہے۔ امام صاحب نے دعاء کے لئے ہاتھ اٹھایا اور دل ہی دل میں دعاء مانگا اور عوام نے بھی آمین کہا، اس کے بعد روزہ افطار کیا۔ امام صاحب نے محض اس خیال سے ایسا کیا تاکہ عوام کے ذہن نشین ہوجائے کہ اس وقت دعاء مانگنے کی بڑی فضیلت ہے۔ لہذا تفصیل سے جواب دیا جائے کہ ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسئلہ بتلانے کے لئے امام صاحب نے دعاء کرادی ٹھیک کیا ہے، مگر اجتماعی حیثیت سے اس دعاء کی پابندی نہ کریں، بلکہ وقتاً فوقتاً ان کو متنبہ کرتے رہا کریں کہ اس وقت دعاء قبول ہوتی ہے، ہر شخص اپنی اپنی حاجت کے لئے دعاء مانگ لے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔



---

(۱) (فضائل أعمال، ص: ۲۵۴، کتب خانہ فیضی، لاھور)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "ثلاثة لا ترد دعوتهم: الصائم حتى يفطر .... الخ". (سنن ابن ماجه، كتاب الصيام، باب في الصائم لاترد دعوته: ۱/ ۱۲۶، مير محمد كتب خانه كراچى)

باب المتفرقات

تارکِ صوم کو کتے اور سور کی طرح سمجھنا

سوال[۴۸۸۱]: ایک اشتہار ارسال ہے (اس کو دیکھ کر فتویٰ عطا کریں) شرعِ محمدی میں واضح طور پر ارشاد ہے کہ جو مسلمان ماہِ رمضان المبارک میں روزہ نہ رکھے اور نماز نہ پڑھے وہ ہرگز مسلمان نہیں، وہ خنزیر سے بدتر ہے، ایسے لوگوں پر لعنت کرنا چاہئے اور ان سے تعلقات منقطع کر دینا چاہئے۔ اس اشتہار کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

رمضان المبارک کا روزہ اسلام کا عظیم الشان رکن ہے، اس کی فرضیت قرآن کریم سے ثابت ہے: ﴿کتب علیکم الصیام﴾ (۱) ﴿فمن شهد منکم الشهر فلیصمه﴾ (۲) بلاعذرِ شرعی کھلے بندوں رمضان المبارک میں سگریٹ پیتے پھرنا انتہائی جسارت اور رمضان المبارک کی حق تلفی اور اللہ پاک کی قانون شکنی ہے جس کا وبال دنیا میں بھی سخت ہے اور آخرت میں بھی عذاب سخت ہے (۳)، جو لوگ ایسا کرتے ہیں ان کو قرآن پاک اور حدیث شریف کے بیان فرمودہ ارشادات سنائے جائیں اور نہایت شفقت و دلسوزی سے خوف دلایا جائے، اہلِ

---

(۱) (سورة البقرة: ۱۸۳)

قال الجصاص: "فالله تعالىٰ أوجب علينا فرض الصيام بهذه الآية؛ لأن قوله تعالىٰ: ﴿كتب عليكم﴾ معناه فرض عليكم". (أحكام القرآن للجصاص: ۱/۲۴۲، باب فرض الصيام، قديمي)

(۲) (سورة البقرة: ۱۸۵)

(۳) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: " من أفطر يوماً من رمضان من غير رخصة رخصها الله له، لم يقض عنه صيام الدهر ". (سنن أبي داؤد: ۱/۳۳۳، كتاب الصوم، باب التغليظ فيمن أفطر عمداً، إمداديه ملتان)

(وجامع الترمذي: ۱/۱۵۳، ۱۵۴ كتاب الصوم، باب ما جاء في الإفطار متعمداً، سعيد)

قلب حضرات کے وعظ کرائے جائیں جس سے ان کی اصلاح ہو سکے، لیکن اگر کتے اور خنزیر کی طرح ان سے نفرت کی جائے اور ان پر لعنت کی جائے گی اور ان کو اسلام سے خارج مانا جائے گا تو اس سے اصلاح کی توقع نہیں اور یہ طریقہ قرآن وحدیث کے موافق نہیں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایسا نہیں کیا(۱)۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''ایک مومن کی عزت اللہ پاک کے نزدیک خانہ کعبہ سے بھی زیادہ ہے''(۲) لہذا ایسا رویہ اختیار نہ کیا جاوے کہ وہ صرف کلمہ پر اکتفاء کر کے بیٹھ جاویں اور اسلام کے بقیہ ارکان کی بھی فکر نہ کریں اور نہ ایسا طریقہ اختیار کیا جاوے کہ ان کو اسلام سے خارج کر کے کتے اور خنزیر کی طرح ان سے نفرت کی جائے، دونوں غلط طریقے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/ ۸۹ھ۔

بے روزہ کے حق میں سخت الفاظ

سوال[۴۸۸۲]: مولوی صاحب نے عید کے روز نماز پڑھانے سے قبل روزہ نہ رکھنے والے کو برا بھلا کہا اور نماز کے متعلق کوئی ذکر نہیں کیا۔ بعد نماز مولوی صاحب نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی کہ روزہ داروں کی نماز مکروہ ہوگی، یہ ہماری غلطی ہے کہ جس آدمی نے روزہ نہیں رکھا ہے اس کو پچھلی صف میں کھڑا کر دیتے، کیونکہ یہ لوگ روزہ نہیں رکھے، روزہ بھر انہوں نے خنزیر کا گوشت کھایا ہے۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ادع إلى سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة﴾ (النحل: ۱۲۵)

"يقول تعالىٰ آمراً رسوله محمداً صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أن يدعو الخلق إلى الله بالحكمة و قوله: ﴿وجادلهم بالتى هى أحسن﴾: أى من احتاج منهم إلى مناظرة وجدال، فليكن بالوجه الحسن". (تفسير ابن كثير: ۲/۷۸۱، مكتبه دار الفيحاء بيروت)

(۲) "عن ابن عمر رضى الله تعالىٰ عنهما قال: صعد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم المنبر فنادى بصوت رفيع قال: "يا معشر من قد أسلم بلسانه و لم يفض الإيمان إلى قلبه! لا تؤذوا المسلمين، و لا تعيّروهم، و لا تتبعوا عوراتهم، فإنه من تتبع عورة أخيه المسلم تتبع الله عورته، و من يتبع الله عورته، يفضحه و لو فى جوف رحله". قال: و نظر ابن عمر يوماً إلى البيت أو إلى الكعبة فقال: ما أعظمک وأعظم حرمتک، والمؤمن أعظم حرمةً عند الله منک". (جامع الترمذى: ۲/۲۳، أبواب البر والصلة، باب ما جاء فى تعظيم المؤمن، سعيد)

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزہ بھی فرض ہے(۱) اور نماز بھی فرض ہے(۲)، اگر کسی موقع پر روزہ کا بیان کیا گیا ہے اور نماز کا نہیں کیا گیا تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اگر نماز میں روزہ دار پچھلی صف میں ہوں اور بے روزہ پہلی صف میں ہوں تو اس سے روزہ داروں کی نماز مکروہ نہیں ہوتی۔ نماز یا روزہ یا کسی اَور دینی کام کے لئے لوگوں کو نصیحت کی جائے تو نرم الفاظ میں زیادہ مؤثر ہوتی ہے(۳)، سخت الفاظ کہنا مثلاً یہ کہ ''بے روزہ لوگ خنزیر کھاتے رہے ہیں'' اس سے اکثر اوقات اچھا اثر نہیں ہوتا، لوگ نصیحت حاصل نہیں کرتے بلکہ ان کی طبیعت میں نصیحت کرنے والے کی طرف سے غیظ پیدا ہوجاتا ہے اور جو کچھ نماز روزہ پہلے کرتے تھے وہ بھی ترک کردیتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/۱۰/۸۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت

سوال[۴۸۸۳]: ایک شخص صحبت کرتا ہے اور سوجاتا ہے، سحری میں اٹھ کر ہاتھ دھوکر اور کلی غرارہ وغیرہ کرنے کے بعد کھانا کھالیتا ہے اور پھر سوجاتا ہے، صبح اٹھ کر نہالیتا ہے، اس صورت میں روزہ ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور نہانے کا وقت کب تک رہے گا یعنی کس وقت نہانا افضل ہے؟ یہ بات عورت اور مرد کے لئے برابر ہے

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین اٰمنوا کتب علیکم الصیام﴾ (البقرة: ۱۸۳)

قال الجصاص: "فالله تعالیٰ أوجب علینا فرض الصیام بهذه الآیة؛ لأن قوله تعالیٰ: ﴿کتب علیکم﴾ معناه فرض علیکم". (أحکام القرآن للجصاص: ۱/۲۲۲، باب فرض الصیام، قدیمی)

"و أنواعه فرض و واجب و نفل، والفرض نوعان: معینٌ کرمضان، و غیر معین کالکفارات".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۱۹۴، کتاب الصوم، الباب الأول فی تعریفه، رشیدیه)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿وأقیموا الصلوة واٰتوا الزکاة وارکعوا مع الراکعین﴾ (البقرة: ۴۳)

(۳) قال الله تعالیٰ: ﴿ادع إلی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة﴾ (نحل: ۱۲۵)

"یقول تعالیٰ آمراً رسوله محمد صلی الله تعالیٰ علیه وسلم أن یدعو الخلق إلی الله بالحکمة، و قوله: ﴿وجادلهم بالتی هی أحسن﴾: أی من احتاج منهم إلی مناظرة وجدال، فلیکن بالوجه الحسن".

(تفسیر ابن کثیر: ۲/۷۸۱، مکتبه دار الفیحاء بیروت)

یا کوئی تفریق ہے؟ کیونکہ وہ کھانا وغیرہ پکاتی ہے۔

ناظم علی سہارنپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس کا روزہ اس صورت میں صحیح ہے کوئی خرابی نہیں، نماز فجر سے پہلے پہلے دونوں نہالیں، نماز قضا نہ کریں(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند، ۸۵/۹/۱۱ھ۔

سحری کھانے کے بعد تأخیر سے غسلِ جنابت

سوال[۴۸۸۴]: زید نے رمضان شریف میں سحری کھانے سے قبل اپنی اہلیہ سے قربت کی اور آٹھ بجے دن کو غسل کیا اور روزہ رکھا، کیا روزہ میں کوئی خامی ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روزہ درست ہو گیا(۲) لیکن نماز قضا کرنے کا گناہ بہت بڑا ہوا(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۱۰/۱۱ھ۔



(۱) "أو أدخل ذكره في بهيمة من غير إنزال أو مس فرج بهيمة أو قبلها .... أو أصبح جنباً وإن بقي كل اليوم ...... لم يفطر". (الدر المختار على تنوير الأبصار: ۲/۳۹۹، ۴۰۰، باب ما يفسد الصوم و مالا يفسد الصوم، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، باب في بيان مالا يفسد الصوم، ص: ۲۶۱، قديمي)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۴۷۵، باب ما يفسد الصوم و ما لا يفسده، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "صبح صادق کے بعد غسلِ جنابت"۔)

(۳) "عن عبد الله بن عمرو بن العاص رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه ذكر الصلوة يوماً، فقال: من حافظ عليها، كانت له نوراً و برهاناً و نجاةً يومَ القيٰمة. ومن لم يحافظ عليها، لم تكن له نوراً ولا برهاناً و لا نجاةً، و كان يوم القيٰمة مع قارون و فرعون و هامان و أبيّ بن خلف". (مشكوة المصابيح، ص: ۵۹، كتاب الصلوة، قديمي)

باب الاعتکاف

(اعتکاف کا بیان)

اعتکاف واجب، سنت اور نفل کب ہے؟

سوال[۴۸۸۵]: فرض اعتکاف، سنت اعتکاف، نفلی اعتکاف کی وضاحت فرمائیے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

فرض اعتکاف کوئی نہیں، نذر مان لینے سے واجب ہوتا ہے، رمضان میں ایک عشرہ کا اعتکاف سنت ہے، بقیہ جب دل چاہے نفلی ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

کیا عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف میں روزہ ضروری ہے؟

سوال[۴۸۸۶]: رمضان شریف کے آخری عشرہ کا اعتکاف مستحب ہے یا سنتِ مؤکدہ، اگر سنتِ مؤکدہ ہے تو اس میں روزہ رکھنا شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ اگر معتکف نے رات سمجھ کر سحری کھالی، پھر معلوم ہوا کہ صبح ہو چکی ہے تو مسئلہ یہ ہے کہ اس روز کا روزہ نہ ہوگا، اب جب کہ روزہ نہ ہوا تو کیا اعتکاف بھی فاسد یا ختم ہو جائے گا، اس پر اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟

---

(۱) "و ینقسم إلی واجب و هوالمنذور تنجیزاً أو تعلیقاً، و إلی سنة مؤكدة و هو فی العشر الأخیر من رمضان، و إلی مستحب وهو ما سواهما". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۱، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق: ۲/۵۲۳، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الإیضاح، ص: ۷۰۰، ۷۰۱، باب الاعتکاف، قدیمی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱) اگر بغیر روزہ کے یہ اعتکاف کیا تو یہ اعتکاف مسنون نہیں ہوگا، بلکہ نفل بن جائے گا، البتہ اگر ایک دن روزہ نہ رکھا تو صرف ایک دن کے اعتکاف کی قضاء لازم ہوگی، شامی: ۲/۱۲۹، ۲/۱۳۱ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

اعتکاف کے لئے شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۴۸۸۷]: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ مؤکدہ ہے یا نہیں؟ اگر مؤکدہ ہے تو جمعہ کے لئے جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے معتکف وہاں جا کر جمعہ پڑھ سکتا ہے یا نہیں، اعتکاف فاسد تو نہ ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف کے لئے جمعہ کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں میں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو(۳)۔ گاؤں والوں پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنتِ مؤکدہ ہے، لہٰذا اس

---

(۱) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية، كما في البرهان". (الدر المختار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "و مقتضى ذلك أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير، حتى لو اعتكفه بلا صوم لمرض أو سفر ينبغي أن لا يصح عنه، بل يكون نفلاً، فلا تحصل به إقامة سنة الكفاية .... أما على قول غيره، فيقضي اليوم الذي أفسده، لاستقلال كل يوم بنفسه". (رد المحتار: ۲/۴۴۲، ۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، ۲۱۳ كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۱، باب الاعتكاف، قديمي)

(۳) "هو لبث ذكر في مسجد جماعة، هو ما له إمام و مؤذن أديت فيه الخمس، أولا. و عن الإمام اشتراط أداء الخمس فيه". (الدر المختار: ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف، سعيد) ....=

11

کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آوے گا تو اعتکاف فاسد ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

کیا اعتکاف ہر مسجد ہر شہر میں ضروری ہے؟

سوال[۴۸۸۸]: کتنی آبادی پر ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، مثلاً: جیسے مدراس، کلکتہ، دہلی، بمبئی وغیرہ میں ایک آدمی کا اعتکاف کافی ہوگا، یا کئی آدمیوں کو بیٹھنا پڑے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعلیٰ بات یہ ہے کہ ہر مسجد میں کم از کم ایک آدمی اعتکاف کرے(۲)۔ اس سنت علی الکفایہ کی طرف سے بہت غفلت ہے جو کہ بہت بڑی محرومی ہے، اگر محلّہ یا شہر میں ایک بھی معتکف ہے تو کافی ہوجائے گا(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) "معتکف صرف حاجتِ شرعیہ اور حاجتِ طبعیہ کے لئے نکل سکتا ہے، جب کہ جمعہ اس پر فرض نہیں تو جمعہ کے لئے نکلنا بغیر حاجت کے نکلنا ہے اور بغیر حاجت کے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے۔

(۲) اس مسئلہ سے متعلق کوئی صریح جزئیہ نہیں ملا، البتہ علامہ شامی کی ایک تشبیہ سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف ہر مسجد میں ہونا چاہیے، انہوں نے اعتکاف کو تراویح کے ساتھ تشبیہ دی ہے، لہٰذا جیسا کہ تراویح ہر مسجد میں ہوتی ہے ایسے ہی اعتکاف ہونا چاہیے:

"(وسنة مؤكدة) .... أي سنة كفاية". (الدر المختار). "(قوله: أي سنة كفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، فإذا قام بها البعض سقط الطلب عن الباقين". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

وقال: تحت قوله: "(والجماعة فيها سنة على الكفاية): أفاد أن أصل التراويح سنة عين .... وهل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة أو مسجد واحد منها، أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول .... حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة، فقد تركوا السنة وأساءوا". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۴، باب التراويح، سعيد)

(۳) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية حتى لو ترك في بلدة لأساؤا". (جامع =

عورت کا اعتکاف گھر پر نفلی ہے یا سنت؟

سوال[۴۸۸۹]: گھر پر عورت کا اعتکاف نفل ہوگا یا سنت؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ نفلی اعتکاف بھی کرسکتی ہے، سنت بھی (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ترکِ اعتکاف سے کیا عورت بھی گنہگار رہے؟

سوال[۴۸۹۰]: اگر کسی بستی سے کوئی صاحب معتکف نہ ہوئے تو صرف بالغ مرد گناہگار رہوں گے یا مرد، عورت، بالغ، نابالغ لڑکے بھی گنہگار رہوں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابالغ مکلف نہیں (۲) اس پر گناہ نہیں، عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے، بلکہ اپنے مکان میں ایک جگہ متعین کر کے وہیں اعتکاف کرے (۳)۔ کسی نے بھی نہ کیا تو سب بالغ ترکِ سنت کے وبال میں گرفتار

= الرموز: ۱/۳۷۶، فصل فی الاعتکاف، مطبع کریمیہ)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتکاف، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) "و للمرأة الاعتكاف في بيتها، و هو محل عيّنته المرأة للصلوة فيه". (مراقی الفلاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمی)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۲۱، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "و أما شروطه: و منها الإسلام، والعقل، والطهارة عن الجنابة والحيض". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵، كتاب الاعتكاف، فصل في شرائط صحته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۲۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۳) "و للمرأة الاعتكاف في بيتها، و هو محل عيّنته المرأة للصلوة فيه". (مراقی الفلاح، ص: ۶۹۹، =

ہوں گے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نابالغ کا اعتکاف

سوال[۴۸۹۱]: نابالغ بچہ معتکف ہوا، کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ اعتکاف کرے گا تو اس کو بھی ثواب ملے گا(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

اعتکافِ مسنون میں ایک روز کا استثناء

سوال[۴۸۹۲]: زید رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کا اعتکافِ مسنون کرتا ہے، اگر اعتکاف کرنے سے قبل یہ نیت کرلے کہ رمضان کی فلاں تاریخ کو ایک روز یا ایک شب کے لئے باہر سفر میں جاؤں گا اور جائے

= باب الاعتكاف ، قديمى)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان : ۱/۲۲۱، فصل في الاعتكاف ، رشيديه)

(۱) " الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز : ۱/۳۷۶، فصل الاعتكاف ، مطبع كريميه)

(وكذا في مجمع الأنهر : ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وأما البلوغ فليس بشرط لصحة الاعتكاف ، فيصح من الصبي العاقل؛ لأنه من أهل العبادة، كما يصح منه صوم التطوع ". (بدائع الصنائع :۳/۵، فصل: شرائط صحته ، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۰، باب الاعتكاف ، قديمى)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار : ۲/۴۴۰، باب الاعتكاف ، سعيد)

اعتکاف سے نکلوں گا تو کیا اس صورت میں اعتکافِ مسنون ادا ہو جائے گا اور اعتکاف سے باہر نکلنا جائز ہوگا یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس طرح اعتکاف مسنون ادا نہیں ہوگا (۱) اور باہر نکلنے سے اعتکاف باقی نہیں رہے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۸۹ھ۔

ایسی مسجد میں اعتکاف جس میں رات کو رُکنے کی اجازت نہ ہو

سوال [۴۸۹۳]: مسجد سرکاری احاطہ میں ہے، صرف نماز واذان کی اجازت ہے، وہاں رات کو رکنے کی اجازت نہیں ہے، ایسی صورت میں اعتکاف ہو یا نہ ہو؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جب وہاں رات کو رہنے کی اجازت نہیں تو اعتکاف کیسے کرے گا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "والصحیح أنه سنة مؤكدة؛ لأن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم واظب علیه فی العشر الأخیر من رمضان، والمواظبة دلیل السنة". (تبیین الحقائق: ۲/۲۲۰، باب الاعتكاف، دار الكتب العلمیه بیروت)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۵۲۳، باب الاعتكاف، رشیدیه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعید)

(۲) "وإن خرج من غیر عذر ساعة، فسد اعتكافه فی قول أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ، سواء كان الخروج عامداً أو ناسیاً". (الفتاوىٰ العالمكیریة: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتكاف، رشیدیه)

(وكذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، فصل فی الاعتكاف، رشیدیه)

(وكذا فی الدرالمختار: ۲/۴۴۷، باب الاعتكاف، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق: ۲/۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشیدیه)

(۳) تمام تر احکامِ شرعیہ کے لئے اپنا اپنا محل متعین ہے، لیکن جب محل صالح نہ ہو تو احکامِ شرعیہ (جو کہ حال ہیں) ان کا وقوع اور=

اعتکاف سے روکنا

سوال[۴۸۹۴]: کوئی جاہل معتکف صاحب کوممانعت کرےاور کہے کہ اس مسجد سے چلے جاؤ، یہاں اعتکاف کی ضرورت نہیں۔ تو ایسے نامعقول کے لئے شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس سے وجہ دریافت کر کے اس کا شبہ رفع کر دیا جائے، اگر وہ محض عناداً کہتا ہو تو اس کی طرف التفات کی ضرورت نہیں، اس کا شرعی حکم آپ نے خود ہی لکھ دیا کہ وہ جاہل نامعقول ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

مسجد کی ایک جانب سے دوسری جانب منتقل ہونا

سوال[۴۸۹۵]: اعتکاف میں مسجد کے دائیں رخ پر کھڑکی دریچہ نہیں ہے، جہاں ہوا اور روشنی کی تنگی ہے اور بائیں طرف بڑے بڑے دروازے موجود ہیں جہاں ہوا اور روشنی کی کافی سہولت ہے تو معتکف دائیں سمت کو چھوڑ کر بائیں جانب اپنا حصار کا پردہ باندھنے میں افضل واَولیٰ کا معاملہ رہتا ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں کافی توسع ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

=لزوم متعذر ہو جاتا ہے، مثلاً: صومِ نذر وغیرہ کے لئے ماہِ رمضان کے علاوہ تمام سال صالح ہے، لیکن اگر کسی نے رمضان کے مہینے میں روزہ کی نذر مانی تو وہ صحیح نہیں، کیونکہ ماہِ رمضان صومِ نذر کا محل نہیں، بلکہ اس کا اپنا وظیفہ ہے کہ اس میں روزہ اصالۃً فرض ہے، اسی طرح جب مسجد میں رات گذارنے کی اجازت نہیں تو وہ صالح للاعتکاف نہیں، کیونکہ اعتکاف میں دن کی طرح رات کا بھی مسجد کے اندر گذارنا ضروری ہے:

"هو لغةً: اللبث، وشرعاً: (لبث) .... (ذكر) .... فى (مسجد جماعة) .... فاللبث هو الركن، والكونُ فى المسجد والنيةُ شرطان". (الدرالمختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، سعيد)

(۱) "أما تفسيره فهو اللبث فى المسجد مع نية الاعتكاف". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع فى الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا فى الدرالمختار: ۲/۴۴۰، ۴۴۱، باب الاعتكاف، سعيد) .... =

بستی کی مختلف مسجدوں میں سے کسی ایک جگہ اعتکاف

سوال[۴۸۹۶]: موضع کرست ایک بڑی بستی ہے، زیادہ مسلم آبادی ہے، البتہ اس کے مزرعہ جات کافی ہیں جو اکثر ہندو آبادی ہے، بعض مزرعوں میں مسلم آبادی ہے اور وہ بھی مخلوط ہے، نیز یہ مزرعہ کرست سے کوئی ۶، ۷/ فرلانگ، کوئی چار فرلانگ، کوئی دو فرلانگ پر آباد ہیں، اگر کرست میں کوئی معتکف ہوتو مسلم آبادی مزرعہ جات کی رمضان المبارک کے اعتکاف سے سبکدوش ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر کوئی مزرعہ میں معتکف ہوتو خاص کرست اور مزرعہ جات سبکدوش ہوسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ سب آبادیاں دیکھنے میں جداگانہ معلوم ہوتی ہیں تو ایک آبادی کا اعتکاف دوسری کے لئے کافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۸۸ھ۔

جو مسجد وقف نہ ہو اس میں اعتکاف

سوال[۴۸۹۷]: جو مسجدیں وقف نہیں ہیں ان میں رمضان المبارک کا اعتکاف کرنا جائز ہے یا نہیں؟ بہشتی زیور میں اعتکاف کے لئے مسجد کی شرط کیسی ہے (۲)؟

= (و كذا في مراقي الفلاح، ص: ۲۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

''معتکف جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے''۔ (فتاوی دار العلوم: ۶/ ۵۰۳، باب الاعتکاف)

''ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں .... باقی اوقات میں مسجد کے اندر جہاں چاہے اٹھے بیٹھے''۔ (إمداد الأحكام: ۲/ ۱۴۵، باب الاعتكاف، عنوان: معتکف مسجد میں جہاں چاہے اٹھ بیٹھ سکتا ہے۔)

(۱) "الاعتكاف سنة مؤكدة مطلقاً، و قيل: سنة على الكفاية، حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز: ۱/ ۳۷۶، فصل الاعتكاف، مطبع كريميه)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/ ۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) (بہشتی زیور، حصہ یازدہم، اعتکاف کے مسائل، ص: ۸۲۲، دار الاشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف موقوفہ مسجد ہی میں کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۳/۱۰/۹۰ھ۔

ویران مسجد اور عیدگاہ میں اعتکاف

سوال [۴۸۹۸]: ویران مسجد یا عیدگاہ میں ایک صاحب نے اعتکاف کیا، مسجد میں کوئی نہ بیٹھا۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جاتا ہے جہاں اذان، جماعت پنجگانہ کا اہتمام ہو، اگر ویران مسجد میں بھی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ وأنتم عاكفون في المساجد ﴾ (سورة البقرة: ۲/۱۸۷)

قال العلامة الآلوسي رحمه الله تعالیٰ: "و في تقييد الاعتكاف بالمساجد دليل على أنه لا يصح إلا في المسجد؛ إذ لو جاز شرعاً في غيره، لجاز في البيت وهو باطل بالإجماع .... و روى عن الإمام أبي حنيفة رحمه الله تعالیٰ أنه مختص بمسجدٍ له إمام و مؤذن راتب". (روح المعاني: ۲/۶۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"عن ابن عمر رضي الله تعالیٰ عنهما: أن النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم كان يعتكف العشر الأواخر من رمضان. قال نافع: و قد أراني عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه المكان الذي كان يعتكف فيه رسول الله: صلى الله تعالیٰ عليه وسلم من المسجد". (أبوداود، كتاب الصيام، باب: أين يكون الاعتكاف: ۱/۳۳۴، دار الحديث)

"وأما شروطه: ومنها مسجد الجماعة، فيصح في كل مسجدٍ له أذان و إقامة، هو الصحيح". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۱، رشيديه)

"أما حقيقته الشرعية، فهي اللبث المخصوص: أي في المسجد". (رد المحتار كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

اعتکاف کیا تو ہو جائے گا، عیدگاہ میں کافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد سے متصل حجرہ میں اعتکاف

سوال [۴۸۹۹]: ایک مسجد جو تعمیر ہے اس کے پیچھے حصہ میں شمال کی جانب ایک تین کھونٹا (۲) چھوٹا کمرہ ہے جس کا دروازہ مسجد کے اندر ہی کو ہے۔ متولیٔ مسجد نے بیان کیا: یہ مسجد تعمیر ہوتے وقت یہ حصہ مسجد ہی کی نیت سے تعمیر ہوا، مگر صف سیدھی کرنے کی وجہ سے مشیرانِ کمیٹی نے اس حصہ کو علیحدہ کر دیا اور طے ہوا کہ اس میں مسجد وغیرہ کا سامان رکھ دیا جایا کرے گا۔ اس حجرہ میں معتکف اعتکاف کے لئے بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟ اس کا کوئی دروازہ باہر کو نہیں ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد کے کسی حصہ کو جو نماز کے لئے ہو کسی دوسرے کام کے لئے مخصوص کر دینا اور نماز کو وہاں سے ختم کر دینا جائز نہیں، حجرہ کی بظاہر ہیئت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد سے خارج ہے، مسجد نہیں ہے، امام یا متولی یا سامان کے لئے بنایا گیا ہے، اس لئے اس حجرہ میں اعتکاف نہ کیا جائے (۳)۔ ہاں! اگر دروازہ یا دیوار توڑ کر مسجد میں شامل کر لیں تو پھر وہاں اعتکاف کرنے میں مضائقہ نہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "و روی الحسن بن زیاد عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: أنه لا یجوز إلا فی مسجد تصلی فیه الصلوات کلها". (بدائع الصنائع: ۳/ ۱۸، فصل فی شرائط صحته، دار الکتب العلمیه بیروت)

(و کذا فی النهر القائق: ۲/ ۴۴، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، امدادیه ملتان)

(و کذا فی رد المحتار علی الدر المختار: ۲/ ۴۴۰، باب الاعتکاف، سعید)

(۲) "کھونٹا: کونہ، گوشہ، زاویہ"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۰۶۵، فیروزسنز، لاہور)

(۳) "(و إذا جعل تحته سرداباً لمصالحه): أی المسجد (جاز) کمسجد القدس (ولو جعل لغیرها أو) =

مسجد بارش سے ٹپکتی ہوتو معتکف کیا کرے؟

سوال[۴۹۰۰]: مسجد بارش سے بے حد ٹپکتی ہے جب کہ نماز پڑھنا ہی دشوار ہے، لوگوں کو ٹھیک کرانے کی کوئی فکر نہیں ہے، اذان نماز ہوتی ہے، لیکن زور سے بارش ہوتی ہوتو معتکف کا سونا کجا گھنٹہ دو گھنٹہ بیٹھنا دوبھر ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اصلی علاج تو یہ ہے کہ چھت درست کرائی جائے اور ہر مسجد و ہر محلّہ میں اعتکاف کا انتظام کیا جائے، مسجد مذکور میں اعتکاف کی گنجائش نہ ہوتو دوسری مسجد میں منتقل ہو جائے، بحالتِ عذر اس کی اجازت ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= جعل فوقه بيتاً وجعل باب المسجد إلى طريق وعزله عن ملكه، لا) يكون مسجداً". (الدرالمختار).

"(قوله: أو جعل فوقه بيتاً، الخ) ظاهره أنه لافرق بين أن يكون البيت للمسجد أولا، إلا أنه يؤخذ من التعليل أن محل عدم كونه مسجداً فيما إذالم يكن وقفاً على مصالح المسجد، وبه صرح في الإسعاف، فقال: و إذا كان السرداب أو العلو لمصالح المسجد أوكان وقفاً عليه، صار مسجداً". (ردالمحتار، كتاب الوقف: ۴/۳۵۷، سعيد).

"في الهداية: الاعتكاف مستحب، والصحيح أنه سنة .... وهو اللبث في المسجد مع الصوم بنية الاعتكاف، أما اللبث فركنه، والنية شرطه .... وجوازه يختص بالمساجد". (الفتاوىٰ التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف: ۲/۴۱۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچی)

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مكرهاً، فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۹، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

دوسرے محلّہ کے آدمی کے ذریعہ اعتکاف کی ادائیگی

سوال[۴۹۰۱]: ۱......ایک محلّہ کا کوئی آدمی اگر دوسرے محلّہ کی مسجد میں عشرۂ اخیرۂ رمضان کا اعتکاف کرے تو کیا اس کے اعتکاف کرنے سے اس مسجد کے محلّہ والوں سے اعتکافِ مسنون ادا ہو جائے گا، یا اس مسجد کے محلّہ والوں ہی میں سے کسی کا معتکف بننا ضروری ہے؟

امام کے ذریعہ سنت اعتکاف کی ادائیگی

سوال[۴۹۰۲]: ۲......ایک محلّہ کا کوئی آدمی دوسرے محلّہ کا امام ہو تو ان امام صاحب کو اپنی امامت کے محلّہ والوں میں سے شرعاً شمار کیا جائے یا نہیں؟ نیز ان کے لئے امامت کی مسجد میں اعتکاف کرنے سے اس محلّہ والوں سے اعتکافِ مسنونہ ادا ہو جائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......جس محلّہ کی مسجد میں اعتکاف کرے گا اس مسجد سے متعلق سنت اعتکاف ادا ہو جائے گی، مگر اہلِ محلّہ کو چاہئے کہ خود ہی اعتکاف کریں، دوسرے محلّہ سے بلا کر اعتکاف کرا کے خود محروم نہ رہیں (۱)۔

۲...... یہ امام صاحب جس محلّہ کی مسجد کے امام صاحب ہیں، بحقِ اعتکاف اسی محلّہ کے شمار ہوں گے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۹/۹۲ھ۔

---

(۱) "الاعتکاف سنة مؤكدة مطلقاً، وقيل: سنة على الكفاية، حتى لو ترك في بلدة، لأساؤا". (جامع الرموز: ۱/۳۷۶، فصل الاعتکاف، مطبع کریمیہ)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۵، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "هذا كله لبيان الصحة .... وأما أفضل الاعتكاف ففي المسجد الحرام، ثم في مسجده صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ثم في المسجد الأقصى، ثم في الجامع. قيل: إذا كان يصلي فيه بجماعة، فإن لم يكن ففي مسجده أفضل، لئلا يحتاج إلى الخروج، ثم ما كان أهله أكثر، اهـ". (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۱، سعيد)

معتکف بیت الخلاء کے لئے نکل کر کتنا کام کرسکتا ہے؟

سوال[۴۹۰۳]: معتکف کا بیت الخلاء کر کے گھر میں جانا، بیوی بچوں سے بات چیت کرنا، کوئی کتاب اٹھا کر لانا، کاغذات حساب وغیرہ کے اٹھا کر لانا، باہر سے آئی ہوئی ڈاک پڑھنا، مہمانوں سے بات چیت کرنا، جو باہر سے آئے ہوں سلام دعاء خیر و عافیت دریافت کرنا، کپڑے بدلنا، نہانا اور کپڑے دھونا، خطوط کے جواب لکھنا وغیرہ پر عمل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیت الخلاء سے فارغ ہوکر ان کاموں کے لئے مستقلاً مکان پر نہ ٹھہرے، چلتے چلتے ضروری بات سلام ودعاء مہمان سے کرسکتا ہے، بقیہ اشیاء مکان سے لاسکتا ہے(۱)، ڈاک مسجد میں لاکر پڑھے، مسجد میں ہی جواب لکھے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا کن مجبوریوں کی وجہ سے مسجد سے نکلنا درست ہے؟

سوال[۴۹۰۴]: بعض حالتوں میں معتکف کا مسجد سے نکلنا ضروری ہوجاتا ہے، ان حالتوں میں

---

(۱)"لو خرج لحاجة الإنسان، ثم ذهب لعيادة المريض أو لصلوة الجنازة من غير أن يكون لذلك قصد، فإنه جائز". (البحرالرائق: ۲/۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۸، فصل في ركن الاعتكاف و محظوراته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه: يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها، بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه". (البحرالرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

سنتِ مؤکدہ کی ادائیگی کی کیا سبیل ہوگی؟ معتکف کا انتقال ہوگیا، پاگل ہوگیا، پولیس پکڑ لے گئی، مسجد میں آگ لگ گئی، فساد ہوگیا، جان کے خوف سے مسجد سے بھاگ گیا، طبیعت خراب ہوگئی، پیشی مقدمات کی آگئی، بیوی یا بچہ کا انتقال ہوگیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہر مسجد ومحلہ میں اعتکاف کا اہتمام ہو اور کسی ایک کو اس قسم کا حادثہ پیش آجائے تو بقیہ کا اعتکاف تو پورا ہوجائے گا اور سنت علی الکفایہ ادا ہوجائے گی۔ مسجد میں آگ لگنے یا فساد ہونے سے اگر وہاں سے نکل کر فوراً دوسری مسجد میں چلا گیا تو اعتکاف فاسد نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا ضرورت کے لئے مسجد سے نکل کر کسی سے بات چیت کرنا

سوال [۴۹۰۵]: معتکف بیت الخلاء کے لئے گھر جارہا تھا، راستہ میں دوستوں سے ہنسی مذاق کی بات چیت کھڑے ہوکر کی، یا چلتے چلتے کی۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لغو ہنسی مذاق کہیں بھی نہ کرے، ضروری بات چلتے ہوئے کرلے، خارجِ مسجد بات کرنے کے لئے کھڑا نہ ہو (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد أو أخرج مكرهاً فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۹، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) "وأما التكلم بغير خير، فلا يجوز لغير المعتكف .... والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا =

معتکف کا خارجِ مسجد تراویح کے لئے جانا

سوال[۴۹۰۶] : ۱...... جس مسجد کا صحن مسجد میں داخل نہ ہوتو اگر سخت گرمی کی وجہ سے مصلی پریشان ہوتو اس صورت میں اس صحن میں تراویح پڑھتے وقت معتکف تراویح کے لئے صحن میں جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر اعتکاف کے وقت نیت کی ہوتو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں۔ آیا صحیح ہے یا غلط؟

ایضاً

سوال[۴۹۰۷] : ۲...... اور اگر نہیں نکل سکتا ہوتو تمام مصلی مسجد میں پڑھیں یا صحن میں؟ حالانکہ سخت گرمی کی حالت ہے اور مصلی اندر پڑھنے کی حالت میں بہت بے چین رہتے ہیں تو باہر پڑھنے میں کسی قسم کا نقص تو نہیں ہوگا؟

غلام محمد، حاجی یوسف، نورگت، موضع ترکیسر پوسٹ خاص، ضلع سورت۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... اگر اعتکاف واجب ہے تو تراویح کے لئے ایسی جگہ جانے سے فاسد ہوجائے گا(۱)۔ ہاں! اگر بوقتِ نذر ایسی جگہ جانے کی نیت کرلیتا ہے تو پھر اجازت ہے(۲)۔ اور نفلی اعتکاف اس سے منتہی ہوجاتا ہے۔

= عند عدمها ". (حاشية الطحطاوی، کتاب الصوم، باب الاعتكاف، ص:۷۰۵، قديمی)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار : ۲/۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق : ۲/۴۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۱) "(وحرم عليه): أى على المعتكف اعتكافاً واجباً (الخروج، إلا لحاجة الإنسان............ اهـ". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۵، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه، الفصل الثانی عشر في الاعتكاف: ۲/۲۱۲، قديمی)

(۲) "لوشرط وقت النذر أن يخرج لعيادة مريض وصلاة جنازة وحضور مجلس علم، جاز ذلک، فليحفظ". (الدر المختار، باب الاعتكاف: ۲/۴۴۸، سعيد)

(وكذا في الفتاویٰ التاتارخانيه، الفصل الثانی عشر في الاعتكاف: ۲/۲۱۲، قديمی)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع في الاعتكاف: ۱/۲۱۳، رشيديه)

اعتکافِ مسنون کوبھی بعض فقہاء نے واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے(۱)۔

۲......تمام مصلی اگر صحن میں (جوکہ خارجِ مسجد قرار دیا ہے) پڑھیں گےتو ۲۷/ درجہ ثواب میں کمی رہے گی، مسجد میں پڑھنے سے نفسِ نماز کا ثواب مستقلاً ۲۷/ درجہ زیادہ ملے گا (۲) اور گرمی کے تحمل اور معتکف کی رعایت وغیرہ امور کا ثواب مزید ملے گا، یا صحن داخلِ مسجد کیا جائے یا پنکھے وغیرہ سے ہوا کا انتظام کیا جاوے۔

---

(۱) سنت اعتکاف کا واجب اعتکاف کے ساتھ الحاق کا مطلب یہ ہے کہ فقہاء نے نیت میں واجب کے ساتھ ملحق کیا ہے، جیسے سوال کے جملہ: ''اگر اعتکاف کے وقت نیت کی ہوتو نکل سکتا ہے ورنہ نہیں''۔ اور حضرت مفتی صاحبؒ کے جواب میں اسی مذکورہ جملہ کے جواب کہ: ''ہاں! اگر بوقتِ نذر ایسی جگہ کی نیت کر لیتا ہےتو پھر اجازت ہے''۔ سے معلوم ہوتا ہے، لہٰذا اگر اعتکاف مسنون میں کسی جگہ کے لئے نکلنے کی نیت کرے تو بظاہر گنجائش ہے:

''(وحرم عليه) : أى على المعتكف اعتكافاً واجباً، أما النفل فله الخروج؛ لأنه منه لا مبطل كما مر (الخروج الالحاجة الإنسان)''. (الدر المختار).

''(قوله: إما النفل): أى الشامل للسنة المؤكدة، قلت: قد مناما يفيد اشتراط الصوم فيها بناءً على أنها مقدر بالعشر الأخير، ومفاد التقدير أيضاً اللزوم بالشروع، تأمل. ثم رأيت المحقق ابن الهمام قال: ومقتضى النظر لوشرع فى المسنون أعنى العشر الأواخر بنيته، ثم أفسده أن يجب قضاء ه .... وعلى كل فيظهر من بحث ابن الهمام لزوم الاعتكاف المسنون بالشروع وإن لزوم قضاء جميعه أو باقيه مخرج على قول أبى يوسف''. (ردالمحتار، كتاب الصوم، باب الاعتكاف: ۲/ ۴۴۴، ۴۴۵، سعيد)

''ولو شرط وقت النذر والالتزام أن يخرج إلى عيادة المريض وصلاة الجنازة وحضور مجلس العلم، يجوز له ذلك''. (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب الصوم، الفصل الثانى عشر فى الاعتكاف: ۲/ ۲۱۳، قديمى)

(۲) ''(وإن صلى) أحد (فى بيته بالجماعة) حصل لهم ثوابها، وأدركوا فضلها، ولكن (لم ينالوا فضل الجماعة) التى (فى المسجد) لزيادة فضيلة المسجد وتكثير جماعته وإظهار شعائر الإسلام. (وهكذا فى المكتوبات): أى الفرائض لو صلى جماعةً فى بيت على هيئة الجماعة في المسجد، نالوا فضيلة الجماعة، وهى المضاعفة بسبع وعشرين درجةً، لكن لم ينالوا فضيلة الجماعة الكائنة فى المسجد''. (الحلبى الكبير، كتاب الصلوة، باب ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمى، لاهور)

تراویح کا مسجد میں پڑھنا سنت علی الکفایہ ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/۹/۶۲ھ۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ۔

صحیح :عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

معتکف کا وضو کے لئے گھر جانا

سوال[۴۹۰۸] : اگر معتکف کا وضو ٹوٹ جائے اور پانی مسجد سے باہر ہو اور کوئی شخص بھی موجود نہ ہو تو کیا کرے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گھر جا کر وضو کرے اور فوراً واپس آ جائے:"و لا بأس بأن يدخل بيته للوضوء، ولا يمكث بعد الفراغ ". مجمع الأنهر(۲) لیکن یہ حکم واجب وضو کا ہے، مستحب وضو کے لئے نکلنے کی ضرورت نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "وأما سننها: فمنها الجماعة والمسجد؛ لأن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قدر ما صلى من التراويح صلى بجماعة في المسجد، فكذا الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم صلوها بجماعة في المسجد، فكان أداؤها بالجماعة في المسجد سُنةً.

ثم اختلف المشايخ في كيفية سنة الجماعة والمسجد أنها سنة عين أم سنة كفاية: قال بعضهم: إنها سنة على سبيل الكفاية، إذا قام بها بعض أهل المسجد في المسجد بجماعة، سقط عن الباقين". (بدائع الصنائع، كتب الصلوة، صلوة التراويح: ۱/۲۴۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الصلوة، مبحث الصلوة التراويح: ۲/۴۵، سعيد)

(وكذا في الحلبي الكبير، كتاب الصلوة، تراويح، ص: ۴۰۲، سهيل اكيڈمي، لاهور)

(۲) (مجمع الأنهر: ۱/۲۵۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

"لا بأس بأن يدخل بيته، ويرجع إلى المسجد كما فرغ من الوضوء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه) .... =

کیا معتکف سحر وافطار، استنجا اپنے مکان پر کرے؟

سوال[۴۹۰۹]: معتکف کا مکان مسجد سے چند قدم پر ہے، معتکف سحر وافطار، چھوٹا بڑا استنجا، غسل وغیرہ گھر کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

چھوٹا بڑا استنجا تو بہرحال مسجد سے باہر ہی ہوگا(۱)۔ غسلِ جنابت بھی باہر کرے گا(۲)، سحر وافطار کی مسجد میں اجازت ہے اس کے لئے باہر نہ جائے(۳)، کوئی لانے والا نہ ہو تو مکان سے جا کر لے آئے(۴)،

= (وكذا في التاتار خانية: ۲/۴۱۳، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(۱) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبيعةً كبول و غائط وغسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته، فلا يبعد الجواز بلا خلاف". (ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) "و لو احتلم المعتكف، لا يفسد اعتكافه؛ لأنه لا صنع له فيه، فلم يكن جماعاً ولا في معنى الجماع، ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوّث المسجد، فلا بأس به، وإلا فيخرج فيغتسل، و يعود إلى المسجد". (بدائع الصنائع: ۳/۳۲، فصل في ركن الاعتكاف، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(۳) (راجع الحاشية الآتية)

(۴) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد مَن يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط". (البحرالرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

10 استنجا کے لئے اگر اپنے گھر ہی کا عادی ہو تو وہاں چلا جایا کرے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مسجد میں وضو کا انتظام نہ ہو تو معتکف ندی پر وضو کرلے

سوال[۴۹۱۰]: مسجد میں وضو کے لئے پانی کا انتظام نہیں، قریب ۵۰، ۶۰/ قدم پر ندی ہے، سب لوگ ندی سے وضو کر کے آتے ہیں۔ معتکف بھی ہر نماز کا وضو کرتے، غسل کرنے، کپڑے دھونے جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک دفعہ جائے آئندہ کے لئے پانی لیتا آئے، فرشِ مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر وضو کرلیا کرے، جب پانی ختم ہو جائے اور کوئی لانے والا نہ ہو تو خود چلا جائے، کپڑے بھی لاکر مسجد کے کنارے بیٹھ کر دھوئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "و حرم علیه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعیةً کبول و غائط و غسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا یألف غیر بیته، فإذا کان لا یألف غیره بأن لا یتیسر له إلا فی بیته، فلا یبعد الجواز بلا خلاف". (ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۴۶، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان)

(۲) "وأکله و شربه و نومه و مبایعته فیه یعنی یفعل المعتکف هذه الأشیاء فی المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتکافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حیث جازت فیه .... وقیل: یخرج بعد الغروب للأکل والشرب، وینبغی حمله علی ما إذا لم یجد مَن یأتی له به، فحینئذ یکون من الحوائج الضروریة کالبول والغائط". (البحرالرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتکاف قدیمی)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتکاف، امدادیه ملتان)

وضوء،اذان،سگریٹ کے لئے معتکف کامسجد سے باہر نکلنا

سوال[۴۹۱۱] : ا......معتکف اذان دینے کے لئے مسجد کی حد سے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

۲......اور مسجد میں کسی برتن میں اس طرح وضو کرنے پر قادر ہونے کے باوجود کہ تلویثِ مسجد لازم نہ آوے،معتکف وضو کرنے کے لئے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

۳......اور جو سگریٹ پینے کا عادی ہو وہ سگریٹ پینے کے لئے باہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ا......مؤذن مینارہ پر چڑھ کر اذان دے اور اس کا دروازہ خارج مسجد ہو تو اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا، كذا في البدائع: ۱۱۵/۲(۱)، ورد المحتار: ۱۸۱/۲(۲)، والبحر: ۳۰۳/۲(۳)، والفتح: ۱۱۱/۲(٤)، لیکن حدِ مسجد سے باہر جا کر اذان دینے کا حکم میں نے نہیں دیکھا، البتہ سكب الأنهر: ۲۵۲/۱، میں خروج للأذان کی اجازت دی ہے اور منارہ کی قید نہیں لگائی (۵)۔

---

(۱) "و لو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف وإن كان باب المئذنة خارج المسجد؛ لأن المئذنة من المسجد". (بدائع الصنائع: ۲۹/۳، فصل في ركن الاعتكاف، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول، أو شرعيةً كعيد، وأذان لو مؤذناً وباب المنارة خارج المسجد .... والصحيح أنه لا فرق بين المؤذن وغيره". (الدر المختار مع رد المحتار: ۴۴۵/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(۳) "و صعود المئذنة إن كان بابها في المسجد، لا يفسد الاعتكاف، وإن كان الباب خارج المسجد، فكذالك في ظاهر الرواية". (البحرالرائق: ۵۲۹/۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۴) "و صعود المئذنة إن كان بابها من خارج المسجد، لا يفسد في ظاهر الرواية، وقال بعضهم: هذا في حق المؤذن؛ لأن خروجه للأذان معلوم، فيكون مستثنى، أما غيره فيفسد اعتكافه، و صحح قاضي خان أنه قول الكل في حق الكل". (فتح القدير: ۳۹٦/۲، باب الاعتكاف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۵) "ولا يخرج المعتكف من معتكفه إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كالبول والغائط .... أو شرعيةً كالعيد والأذان". (سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر: ۲۵٦/۱، باب الاعتكاف، بيروت)

۲..... مسجد میں اس طرح وضو کرنے کے متعلق "لا بأس بہ" کا لفظ مذکور ہے جس سے مفہوم ہوتا ہے کہ یہ واجب نہیں، بلکہ باہر بھی جا سکتا ہے(۱)۔

۳..... اگر بغیر سگریٹ کے گذارہ نہیں تو اس کے لئے بھی جا سکتا ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ کے لئے جائے تو یہ کام بھی کرے، پھر منہ خوب مسواک سے صاف کر کے آ جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۲/ ۸۸ھ۔

بار بار بیت الخلاء جانے سے اعتکاف فاسد نہیں ہوتا

سوال[۴۹۱۲]: معتکف کو دست لگنے لگے، اس وجہ سے ۱۵، ۲۰/ بار دن میں گھر جانا پڑتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے اعتکاف فاسد نہیں ہوگا (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "فلو أمكنه من غير أن يتلوث المسجد، فلا بأس به". (رد المحتار: ۲/۴۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير: ۲/۳۹۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، قديمي)

"ويحرم فيه السؤال ...... وأكل ونوم إلا لمعتكف وغريب، وأكل نحو ثوم يمنع منه". (الدرالمختار). "ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ما لهٗ رائحة كريهة مأكولاً أو غيره .... وكذالك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أوبه جرح له رائحة". (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۶۶۱، باب مايفسد الصلوٰة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

(۳) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط و غسل أو شرعيةً كعيد". .... =

معتکف کا جنازہ میں شرکت کرنا یا عیادت کرنا

سوال[۴۹۱۳] : معتکف کو شرکتِ جنازہ وعیادتِ مریض کے لئے اگر ضرورت ہو تو جائز ہے یا نہیں؟ اگر آتشزدگی ہو تو اس کو بجھانا جب کہ اپنے گھر کے جلنے کا بھی خوف ہو تو جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حالتِ اعتکاف میں شرکتِ جنازہ اور عیادتِ مریض کے لئے اگر مسجد سے نکلے گا تو اعتکاف باقی نہیں رہے گا، البتہ بغیر اس کے جائے کام نہ چلے تو گنہگار نہیں ہوگا:"یفسد لو لعیادة مریض أو شهود جنازة وإن تعین علیه، إلا أنه لا یأثم کما فی المرض". شامی: ۲/۱۳۳(۱)۔

اس کی مثال اس طرح سمجھئے جیسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا کہ سامنے کوئی نابینا ہے جو کنویں میں گرنے کے قریب ہے اور کوئی خبردار کرنے والا نہیں تو یہ نمازی فوراً جاکر بچائے یا آواز دے کر کہہ دے تو یہ گناہ گار نہیں ہوگا، البتہ نماز فاسد ہوجائے گی وہ باقی نہیں رہے گی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۰/۲۷ھ۔

= (الدرالمختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۱) (ردالمحتار: ۲/۴۴۷، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

"ولو خرج لجنازة يفسد اعتكافه، وكذا صلاتها ولو تعينت عليه". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۷، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "وكذا الأجنبي إذا خاف أن يسقط من سطح أو تحرقه النار، أو يغرق في الماء، واستغاث بالمصلي، وجب عليه قطع الصلوة". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۱۰۹، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوة، رشيديه)

دیہاتی معتکف کونماز جمعہ کے لئے شہر جانا

سوال[۴۹۱۴]: جس گاؤں میں جمعہ کے شرائط نہیں وہاں اعتکاف اخیر عشرہ میں علی الکفایہ موکدہ ہے یانہیں؟ اگر موکدہ ہے تو جمعہ کی نماز کے لئے معتکف جس قصبہ میں جمعہ ہوتا ہے وہاں جا کر نماز جمعہ پڑھ سکتا ہے یانہیں؟ موکدہ اعتکاف ساقط تونہیں ہوگا؟

فرزند علی سہارن پور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اعتکاف کے لئے شہر یا شرائطِ جمعہ کا پایا جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ شہر ہو یا گاؤں مسنون علی الکفایہ ہے، البتہ مسجد ایسی ہو جس میں جماعت ہوتی ہو(۱)۔ گاؤں والے پر نہ جمعہ فرض ہے نہ سنتِ موکدہ، لہٰذا اس کو جمعہ کے لئے شہر میں آنا جائز نہیں، اگر آئے گا تو اعتکاف فاسد ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم، ۱۹/ ذی قعدہ/ ۵۷ھ۔

معتکف کونماز جنازہ کے لئے باہر نکلنا

سوال[۴۹۱۵]: معتکف مسجد میں اعتکاف کر رہا ہے، اتفاقاً جنازہ حاضر ہوا، اب محلّہ والے بوجہ تبرک معتکف صاحب سے نماز پڑھوانا چاہتے ہیں، ان میں سے کوئی اچھی طرح نماز پڑھانا نہیں جانتا۔ شرعی اعتبار سے معتکف نماز جنازہ پڑھا سکتا ہے یانہیں؟ فقط۔

محمد یونس سلہٹی، ۴/ رجب/ ۱۳۵۶ھ۔

---

(۱) "ھو لبث ذکر فی مسجد جماعة ھو ما له إمام و مؤذن أدیت فیه الخمس أولا، وعن الإمام اشتراط أداء الخمس فیه". (الدر المختار علی التنویر: ۲/ ۴۴۰، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح علی نور الایضاح، ص: ۶۹۹، باب الاعتکاف، قدیمی)

(۲) تقدم تخریجه تحت عنوان "اعتکاف کے لئے شرائط جمعہ"۔

الجواب حامداً ومصلياً:

صلوٰۃ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف فاسد ہوجاتا ہے:"ولو خرج لجنازة، يفسد اعتكافه، وكذا صلاتها ولو تعينت عليه" . هنديه، ص: ۲۱۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/ رجب/ ۵۶ھ۔

جمعۃ الوداع میں معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟

سوال[۴۹۱۲]: جمعہ، الوداع جمعہ، عیدین کی نماز بالا خانوں، چھتوں، سیڑھیوں اور سڑکوں تک پر ہوتی ہے، معتکف کہاں کہاں تک چل پھر کر آ جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً :

جو جگہ نماز کے لئے مخصوص کردی گئی ہے وہ مسجد ہے، معتکف کو اس جگہ میں رہنے کا حکم ہے(۲) اور عید کی نماز سے تو پہلے ہی اعتکاف ختم ہوجاتا ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دار العلوم دیو بند۔

---

(۱) (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۲۵۷، باب الاعتكاف، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(۲) "ثم الاعتكاف لايصح إلا في مسجد الجماعة لقول حذيفة رضي الله تعالىٰ عنه: "لااعتكاف إلا في مسجد جماعة" وعن أبي حنيفة رحمه الله: أنه لايصح إلا في مسجد يصلي فيه الصلوات الخمس؛ لأنه عبادة انتظار الصلوة فيختص بمكان تؤدى فيه". (الهداية: ۱/۲۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

غسلِ سنت وتبرید کے لئے معتکف کا خروج

سوال[۴۹۱۷]: معتکف کوغسلِ سنت یا غسلِ تبرید کے لئے مسجد سے نکلنے کی اجازت ہے یا نہیں؟ مع حوالہ کتب تحریر فرمایا جائے۔

ناکارہ خلائق کمترین: نجم الحسن غفرلہ، از تھانہ بھون، ۲۳/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ جزئیہ صراحۃً نہیں ملا، ''اشعۃ اللمعات'' (۱) میں ''اورادِ احسانی'' سے مطلقاً خروج للغسل کو نقل کیا ہے، غسل واجب ہو یا سنت ہو، لیکن ''اورادِ احسانی'' بذاتِ خود ایک مجموعہ موضوعات ہے۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ غسلِ تبرید یا غسلِ مسنون کے لئے مستقلاً نہ نکلے، بلکہ قضائے حاجت کے لئے نکلے تو استنجا کرتے وقت غسل بھی کرلے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ۔

اعتکاف میں غسل

سوال[۴۹۱۸]: حالتِ اعتکاف میں آرام وٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کرنا جائز ہے؟ اگر غسل کرے تو مسجد کے اندر یا باہر؟

(الف) کنواں، غسلخانہ، وضو کی جگہ مسجد کے حدود میں ہے یا باہر؟

---

(۱) ''وکان لایدخل البیت إلا لحاجة الإنسان وبود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہ برنمی آمد از مسجد، مگر برائے حاجتِ انسانی از بول وغائط، وھمچنیں غسل جنابت از جہت وجوب خروج از مسجد نزد جنابت، وھمچنیں برائے نماز جمعہ، غسل جمع روایتے صریح درآن از اصول نمی یابم جز آنکہ در شرحِ اوراد گفتہ است کہ بیرون می آمد برائے غسل فرض باشد یا نفل. متفق علیہ''.
(أشعة اللمعات، کتاب الصوم، باب الاعتکاف: ۲/ ۱۳۰، مکتبہ نوریہ رضویہ)

الجواب حامداً و مصلیاً:

غسل کرنا درست ہے، مسجد ہی میں کسی ٹب وغیرہ بڑے برتن میں لے کر(۱)، اگر غسل خانہ میں استنجا کرنے جائے تو وہاں بھی جلدی سے کرسکتا ہے(۲)۔

(الف) عامۃً یہ چیزیں حدودِ مسجد سے خارج ہوتی ہیں، بلا ضرورت معتکف کو وہاں جانا درست نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

اعتکاف میں حدث

سوال[۴۹۱۹]: اعتکاف میں جاگتے اور سوتے بار بار حدث ہوتا ہوتو بار بار وضو کرنا ہوگا اور ایسی حالت میں تفسیر وفقہی کتب کا دیکھنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

باوضو رہنا مستحب ہے(۳) واجب نہیں۔ تفسیر وفقہ کی کتب کا مطالعہ بھی باوضو مستحب ہے(۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) ''وحرم علیه الخروج إلالحاجة الإنسان طبعیةً کبول وغائط وغسل لو احتلم، ولا یمکنه الاغتسال فی المسجد''. (الدرالمختار). ''فلو أمکنه من غیر أن یتلوّث المسجد، فلا بأس به: أی بأن کان فیه برکة ماء .... أو اغتسل فی إناء بحیث لایصیب المسجد الماء المستعمل''. (رد المحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی التاتار خانیه: ۲/۴۱۲، الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف، إدارة القرآن کراچی)

(وکذا فی فتاویٰ قاضی خان: ۱/۲۲۳، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(۲) ''ثم إن أمکنه الاغتسال فی المسجد من غیر أن یتلوث المسجد، فلا بأس به، وإلا فیخرج ویغتسل ویعود إلی المسجد''. (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۳، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۳۲، باب الاعتکاف، فصل فی رکن الاعتکاف، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۳) ''(الوضوء) مندوب فی نیف وثلاثین موضعاً .... فمنها عند استیقاظ من نوم والمداومة علیه''. (الدر المختار مع ردالمحتار: ۱/۸۹، کتاب الطهارة، سعید)

(۴) ''مندوب فی أحوال کثیرة کمس الکتب الشرعیة''. قال الطحطاوی: ''(قوله: کمس الکتب =

بحالتِ اعتکاف اخراجِ ریاح

سوال[۴۹۲۰]: مجھے خروجِ ریح کا مرض ہے، خروجِ ریح آواز اور بغیر آواز دونوں طرح سے ہوتا ہے تو اس حالت میں کیا میں اعتکاف کرسکتا ہوں؟ اگر اس بستی میں ایسے شخص کے سوا کوئی اَور شخص اعتکاف سنت علی الکفایہ میں معتکف ہونے والا نہ ہو تب بھی اس کو اعتکاف کرنا چاہئے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس چیز سے انسانوں کو اذیت ہوتی ہے اس سے ملائکہ کو بھی اذیت ہوتی ہے(۱)، مسجد میں احداث مکروہ ہے(۲)، جس کا یہ حال ہو کہ اس کو ریاح سے نجات نہ ہو تو اس کو احترامِ مسجد کے پیشِ نظر اعتکاف سے احتیاط چاہئے، خاص کر جب کہ کوئی دوسرا اعتکاف کرنے والا موجود ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۹ھ۔

معتکف کا اخراجِ ریح کے لئے بیت الخلاء جانا

سوال[۴۹۲۱]: معتکف اگر ہوا خارج کرنے کے لئے بیت الخلاء جائے تو کیا اعتکاف فاسد ہوجائے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف فاسد نہیں ہوگا(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۱/۹۲ھ۔

= الشرعية) نحو الفقه والحديث والعقائد، فيتطهر لها تعظيماً. قال الحلواني: إنما نِلْنا هذا العلم بالتعظيم، فإني ما أخذتُ الكاغذ إلا بطهارة". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۸۳، فصل في أوصاف الوضوء، قديمي)

(۱) "قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى ممايتأذى منه الإنس". (مشكوٰة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلاة، قديمي)

(۲) "و إذا فسافي المسجد لم ير بعضهم به بأساً، و قال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح". (رد المحتار: ۱/۱۷۲، كتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۱، كتاب الكراهية، الفصل الخامس في آداب المسجد، رشيديه)

(۳) "وإذا فسافي المسجد لم ير بعضهم به بأساً، و قال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو =

معتکف کے لئے تمباکو کھانا

سوال[۴۹۲۲]: معتکف تمباکو پان مسجد میں کھا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کھا سکتا ہے جب کہ بدبودار نہ ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا بیڑی سگریٹ پینا

سوال[۴۹۲۳]: زید بیڑی سگریٹ کا بہت ہی عادی ہے، بغیر پئے رہ نہیں سکتا تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بہ حالتِ اعتکاف مسجد کے باہر بیڑی سگریٹ استعمال کرے یا مسجد میں رہ کر ہی؟ اور زید کے علاوہ مسجد میں معتکف بننے کو کوئی تیار نہیں ہے تو اس صورت میں اس کو معتکف بنایا جائے یا ترک کر دیا جائے؟ نیز حاجتِ انسانی کے اندر کیا کیا چیزیں داخل ہیں؟ تفصیل درکار ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اعتکاف کی فضیلت بھی بہت ہے اور منفعت بھی بہت ہے، اس کی طرف اہتمام سے توجہ کی جائے۔ جب قضائے حاجت (پاخانہ پیشاب) کے لئے رات کے وقت مسجد سے باہر جائے تو وہاں یہ حاجت (بیڑی

= الأصح". (رد المحتار: ۱/۱۷۲، کتاب الطهارة، یوم عرفة أفضل من یوم الجمعة، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۲۱، کتاب الکراهیة، الفصل الخامس فی آداب المساجد، رشیدیه)

(۱) "ویکره..... وأکل ونوم إلا لمعتکف وغریب، وأکل نحو ثوم یمنع منه". (الدرالمختار). "ویلحق بما نص علیه فی الحدیث کل ماله رائحة کریهة مأکولاً أوغیره، الخ". (ردالمحتار: ۱/۶۶۱، ۶۶۲، باب مایفسد الصلوٰة، أحکام المساجد، سعید)

"عن جابر رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من أکل من هذه الشجرة المنتنة، فلا یقربنّ مسجدنا؛ فإن الملٰئکة تتأذی مما یتأذی منه الإنس". (مشکوٰة المصابیح: ۱/۶۸، باب المساجد ومواضع الصلوٰة، قدیمی)

سگریٹ) بھی پوری کرتا آئے (۱) وضو اور مسواک وغیرہ سے منہ خوب صاف کرے، بدبودار منہ لے کر مسجد میں نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۱۱/ ۹۲ھ۔

معتکف کے لئے امورِ مباحہ

سوال [۴۹۲۴]: معتکف کو کبھی پردہ سے باہر یعنی مسجد کے جماعت خانہ میں بھی نماز سنت ونفل و تلاوت قرآن یا کسی کتاب کا دیکھنا کیسا ہے اور جماعت خانہ میں کتاب کا سنانا، اذان دینا، تکبیر کا کہنا، وعظ کہنا، عمدہ اخبار کا دیکھنا اور دینی مضامین کا ترجمہ کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

یہ سب درست ہے، البتہ اذان بلند مقام پر کہنا مستحب ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبولٍ و غائط، و غسل لو احتلم، .... وشرعيةً كعيد، و أذان". (الدرالمختار: ۲/۴۴۸، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۲۰۷، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيدية)

(۲) "و أكل، و نوم (أي يكره)، إلا لمعتكف و غريب، وأكل نحو ثوم يمنع منه". (الدرالمختار).

"ويلحق بما نص عليه في الحديث كل ماله رائحة كريهة مأكولاً أو غيره ..... و كذلك ألحق بعضهم بذلك مَن بفيه بخر، أو به جرح له رائحة". (الدر المختار مع رد المحتار: ۱/۶۶۱، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب في الغرس في المسجد، سعيد)

"عن جابر رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم "من أكل من هذه الشجرة المنتنة، فلا يقربنّ مسجدنا، فإن الملائكة تتأذى مما يتأذى منه الإنس". (مشكوة المصابيح: ۱/۶۸، باب المساجد و مواضع الصلوٰة، قديمي)

(۳) "ويكره تحريماً صمت وتكلم إلا بخير كقراءة قرآن وحديث وعلم وتدريس في سير الرسول عليه السلام وقصص الأنبياء عليهم السلام وحكايات الصالحين وكتابة أمور الدين". (الدرالمختار:=

ہڈی یا کھجور کی گٹھلی پھینکنے کے لئے مسجد سے نکلنا

سوال[۴۹۲۵]: اعتکاف کی حالت میں ہاتھ دھونے کا پانی اور دسترخوان پر ہڈی یا کھجور کی گٹھلی وغیرہ مسجد کے باہر پھینک سکتا ہے، اسی طرح بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مسجد ہی سے گٹھلی پانی وغیرہ باہر پھینک سکتا ہے اور مسجد ہی سے بوریا بستر وغیرہ دھوپ میں رکھ سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا ملاقاتیوں سے بات چیت اور خیریت دریافت کرنا

سوال[۴۹۲۶]: باہر کے حضرات ملاقات کے لئے آئیں تو ان سے بات چیت خیریت اور دوسرے غائب حضرات کے حالات معلوم کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

کرسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

ایضاً

سوال[۴۹۲۷]: بیت الخلاء جاتے ہوئے کسی کی خیریت پوچھ سکتے ہیں، اگر کوئی اپنی خیریت معلوم

= ۲/۴۵۰، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی مراقی الفلاح، ص:۷۰۸، باب الاعتکاف، قدیمی)

(۱) "ویکره تحریماً صمت وتکلم إلا بخیر وهو مالا إثم فیه، ومنه المباح عند الحاجة إلیه لا عند عدمها، الخ". (الدر المختار: ۲/۴۵۰، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، ص:۷۰۵، باب الاعتکاف، قدیمی)

کرے، سلام کا اشارہ کرے تو جواب دینا وغیرہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

آتے جاتے سلام کرنا جواب دینا خیریت بتانا پوچھنا سب درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

معتکف کا صحنِ مسجد میں حجامت بنوانا

سوال[۴۹۲۸]: معتکف مسجد کے فرش پر بیٹھ کر حجامت بنواسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بنواسکتا ہے، البتہ بال وہاں نہ گرنے پائیں(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/۹/۹۰ھ۔

اعتکاف کی حالت میں تقبیل وجہ

سوال[۴۹۲۹]: معتکف نے محض دلداری کی خاطر بلاشہوت اپنی بیوی کے رخسار کو چوم لیا تو مطلق بوسہ لینا مفسدِ اعتکاف ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ایسا کرنا درست نہیں، لیکن اس سے نہ اعتکاف فاسد ہوا نہ روزہ فاسد ہوا، قضا بھی واجب نہیں(۳)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/۱۰/۸۹ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۲۴۸، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) قال المفتی رشید احمد رحمة الله علیه: ''اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنوانے میں یہ تفصیل اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں''۔(احسن الفتاویٰ: ۵۰۶/۴، باب الاعتکاف، سعید)

(۳) "و حرم الوطء و دواعیه، لقوله تعالیٰ: ﴿و لا تباشروهن و أنتم عاکفون فی المساجد﴾ فالتحق به =

معتکف کا مسجد میں چارپائی بچھانا

سوال[۴۹۳۰]: معتکف مسجد میں چارپائی بچھا سکتا ہے یا نہیں؟ نیز چارپائی پر لیٹ سکتا ہے یا نہیں؟ اور مکانوں میں جو عورتیں اعتکاف کرتی ہیں وہ اپنے اعتکاف کرنے کی جگہ پر چارپائی بچھا سکتی ہیں یا نہیں اور بقیہ پورے مکان میں بغرضِ ضرورت آ جا سکتی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

معتکف اپنے اعتکاف کی جگہ چارپائی بچھا سکتا ہے اور اس پر لیٹ سکتا ہے(۱)، مگر آج کل عرفاً مسجد میں چارپائی بچھانا خلافِ احترام سمجھا جاتا ہے، اس لئے احتیاط چاہئے۔ عورت کو اپنی اعتکاف کی جگہ یہ اشکال نہیں، عورت اگر بلاضرورتِ شرعیہ وطبعیہ اپنے اعتکاف کی جگہ سے نکل کر مکان میں کسی اَور جگہ جائے گی تو اس کا اعتکاف باقی نہیں رہے گا:

"وللمرأة الاعتكاف في مسجد بيتها، و هو محل الصلوة فيه، و لا تخرج منه إذا اعتكفت، فلو خرجت بغير عذر، يفسد واجبه، و ينتهي نفله". كذا في مراقي الفلاح والطحطاوي (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱/۸۹ھ۔

= اللمس، والقبلة؛ لأن الجماع محظور فيه، فيتعدى إلى دواعيه .... و لو أمنى بالتفكر أو بالنظر، لايفسد اعتكافه". (مراقي الفلاح، ص:۷۰۵، ۷۰۶، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۵۰، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۳۲، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۱) "عن ابن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه كان إذا اعتكف، طرح له فراشه، أو يوضع له سريره وراء أسطوانة التوبة". (سنن ابن ماجة، ص:۱۲۸، باب ما جاء في الاعتكاف، باب في المعتكف يلزم مكاناً، مير محمد)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص:۶۹۹، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۵، ۴۶، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

عورت کا حالتِ اعتکاف میں کھانا پکانا

سوال[۴۹۳۱]: امرأۂ معتکفہ مسجدِ بیت میں کھانا پکاسکتی ہے یا نہیں؟ اذان اور وضو کے لئے باہر جانے کی اجازت ہے تو ''کافی'' کی اس عبارت کے خلاف ہے:"و یخرج لغائط أو بول أو جمعة". شامی، ج: ۲۔ جواب مع حوالات دیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر اس کا کوئی کھانا پکانے والا نہ ہو تو مسجدِ بیت میں کھانا پکاسکتی ہے، مسجدِ بیت پر تمام احکام مسجد کے جاری نہیں ہوتے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲/ ۸۸ھ۔

معتکف کا حوض سے پانی لینا

سوال[۴۹۳۲]: اگر حمام مسجد کے فرش سے الگ ہو تو معتکف وضو کے لئے حوض سے پانی لے سکتا ہے یا نہیں، جب کہ مسجد کے اندر کوئی آدمی ہی نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی پانی لانے والا نہیں ہے تو لاسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۹/ ۹۰ھ۔

---

(۱) چونکہ مسجدِ بیت دوسرے احکام میں مسجدِ شرعی کے حکم میں نہیں ہے اور چونکہ مسجدِ شرعی میں سونا، کھانا پینا وغیرہ معتکف کے لئے جائز ہے، اسی طرح اگر مسجدِ بیت میں کھانا پکایا جائے تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ نہیں:

''وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه، يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد''.

(البحر الرائق: ۲/ ۵۳۰، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف، امدادیه ملتان)

(و كذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قدیمی)

(۲) ''ويخرج للوضوء والاغتسال فرضاً كان أونفلاً''. (الفتاویٰ التاتارخانیه، الفصل الثاني عشر في =

معتکف کا مسجد میں بذریعۂ مائیک باہر مجمع کو خطاب کرنا

سوال[۴۹۳۳]: کیا معتکف مائیک کے ذریعہ باہر کے جلسۂ عام میں مسجد میں بیٹھے بیٹھے خطاب کرسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کرسکتا ہے جب کہ وہ خطاب دینی واصلاحی مضامین سے متعلق ہو(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مسجد میں کاروبار اور طبیب کا مریضوں کو نسخہ لکھنا

سوال[۴۹۳۴]: کیا وجہ ہے کہ معتکف اگر کاروبار کی یا دنیاوی باتیں کرتا ہے تو اعتکاف نہیں ٹوٹتا، لیکن حکیم صاحب مریضوں کو نبض دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں تو ٹوٹ جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد دنیاوی باتوں، کاروبار، معاملات کے لئے نہیں بنائی گئی، نہ مطب کے لئے بنائی گئی ہے، اس لئے یہ سب چیزیں مسجد میں مکروہ ہیں، مگر ان سے اعتکاف نہیں ٹوٹتا۔ ضرورت کے موقعہ پر کوئی دوسرا آدمی کام کرنے والا نہیں، اور مثلاً دوکاندار مسجد میں نماز کے لئے آیا اس سے معتکف نے کہہ دیا کہ فلاں چیز اپنی دکان سے ہمارے مکان پر بھجوادو تو اس کی اجازت ہے، اسی طرح کوئی مریض اتفاقیہ آیا اس کو حکیم صاحب نے دوا تجویز

= الاعتکاف: ۲/۲۱۳، قدیمی)

(۱) "لکنه یلازم القرآن، والذکر والحدیث والعلم و دراسته و سیر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وقصص الأنبیاء علیهم السلام و حکایات الصالحین". (مراقی الفلاح، ص: ۴۰۷، باب الاعتکاف، قدیمی)

(وکذا فی الدر المختار: ۲/۴۴۹، ۴۵۰، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۳، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

کردی جوان کے مطب سے مل گئی تو مضائقہ نہیں، مگر مستقل یہ مشغلہ وہاں اختیار نہ کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

معتکف کا خارجِ مسجد بات چیت کرنا

سوال[۴۹۳۵]: کیا معتکف کا مسجد میں پیشاب یا پاخانہ کی جگہ تک راستہ میں بات کرنا جائز نہیں، اگر بات کرے گا تو اعتکاف باطل ہوجائے گا اور اس طریقہ پر سلام کا جواب دینا بھی جائز نہیں، اگر ایک آدھ بات کرلی تو کیا اس صورت میں بھی اعتکاف کا بطلان لازم آئے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے اعتکاف باطل نہیں ہوگا: "و لا يخرج من معتكفه إلا لحاجة شرعية، أو طبعية: أي يدعو إليها طبع الإنسان، و لو ذهب بعد أن خرج إليها لعيادة مريض، أو صلوة جنازة من غير أن يكون لذلك قصداً، جاز، بخلاف ما إذا خرج لحاجة الإنسان و مكث بعد فراغه، فإنه ينتقض اعتكافه عند الإمام، اهـ". طحطاوی علی مراقی الفلاح: ۲/۴۳۳ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۹ھ۔

---

(۱) "والكلام المباح، وقيّده في الظهيرية بأن يجلس لأجله، فإنه حينئذ لا يباح بالاتفاق؛ لأن المسجد ما بني لأمور الدنيا. و في صلاة الجلالي: الكلام المباح من حديث الدنيا يجوز في المساجد و إن كان الأولى أن يشتغل بذكر الله تعالىٰ". (الدرالمختار مع رد المحتار: ۱/۶۶۲، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، سعيد)

(و كذا في حاشية الطحطاوي، ص: ۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في النهر الفائق: ۲/۴۸، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في البحر الرائق: ۲/۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في الفقه الإسلامي و أدلته: ۳/۱۷۷۳، البحث الخامس آداب المعتكف، رشيديه)

معتکف کا قرآن پاک پڑھانا

سوال[۴۹۳۶]: معتکف قرآن مجید ناظرہ پڑھا سکتا ہے یا نہیں جب کہ بچے پہلے سے بھی پڑھتے ہوں؟

محمد عاصم، مکتبہ اسلامیہ، ڈاکخانہ گھیر کچہری، کانپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

پڑھا سکتا ہے(۱) لیکن اگر بچے اتنے چھوٹے ہوں کہ پاکی ناپاکی کو نہ سمجھتے ہوں تو ان کو مسجد میں نہ بٹھایا جائے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اعتکافِ مسنون توڑ دینے سے اس کی قضاء

سوال[۴۹۳۷]: رمضان المبارک میں بالخصوص عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف شروع کر دینے کے بعد لازم ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اگر چھوڑ دے تو قضاء لازم ہوگی یا نہیں؟ صلوٰۃ پر قیاس کرتے ہوئے کہ نوافل شروع کر دینے کے بعد لازم ہوجاتا ہے، چھوڑ دینے پر قضاء لازم ہوتی ہے یا نہیں؟ آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا عمل کہ عشرۂ اخیرہ میں جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا و حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اعتکاف کے لئے خیمے مسجد میں لگا دیئے تو آنحضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تمام خیموں کو مسجد سے باہر کر دیا اور توڑ دیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ما أنا بمعتكف". چنانچہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شوال میں دس دن اعتکاف کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قضا لازم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

ظاہر نظیر کا یہی تقاضا ہے جو آپ نے کہا، تاہم "الأشباه والنظائر" سے معلوم ہوتا ہے کہ سنتِ مؤکدہ

---

(۱) "وأما آدابه .... ويلازم التلاوة والحديث والعلم وتدريسه وسير النبي صلى الله عليه وسلم .... اهـ". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۴۵۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(۲) "ويحرم إدخال صبيان ومجانين حيث غلب تنجيسهم، وإلا فيكره". (الدر المختار: ۱/۶۵۶، =

کوشروع کر کے اگر توڑ دے تو اس کی قضاء لازم نہیں (۱)، عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف بھی سنتِ مؤکدہ ہے، کوعلی الکفایہ ہے:

"و مقتضی التنظیر أنه لو شرع فی المسنون أعنی العشر الأواخر بنیته، ثم أفسده أن یجب قضاءه تخریجاً علی قول أبی یوسف رحمه الله تعالیٰ فی الشروع فی نفل الصلوة ناویاً أربعاً، لا علی قولهما". فتح القدیر: ۲/۱۰۸ (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۹/۸۸ھ۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء وأدا اعتکاف ایک ساتھ

سوال [۴۹۳۸]: زید نے رمضان شریف میں آخری عشرہ کا اعتکاف کیا، تین دن اعتکاف کے بعد اچانک خبر آ گئی کہ حج بیت اللہ کے سفر میں جانا ہے جس کی وجہ سے مجبوراً اعتکاف توڑ کر جانا پڑا، تو اب اس عشرہ کی قضاء کرنا لازم ہے یا نہیں؟ نیز قضاء کی کیا صورت ہوگی؟ اور اگر امسال رمضان کے اخیر عشرہ میں قضا وأدا کو مدغم کرنا چاہے تو کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

احوط تو یہی ہے کہ بعد رمضان پورے عشرہ کا اعتکاف کر لے اور اس عشرہ کے روزے بھی رکھے، لیکن

= کتاب الصلوٰة، باب ما یفسد الصلوٰة و مایکره فیها، سعید)

(و کذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۵/۳۲۱، کتاب الکراهیة، الباب الخامس فی آداب المسجد، رشیدیه)

(و کذا فی البحر الرائق: ۵/۴۱۹، کتاب الوقف، فصل فی أحکام المساجد، رشیدیه)

(۱) "إذا شرع فی صلوٰة رقطعها قبل إکمالها، فإنه یقضیها إلا الفرض و السنن". (الأشباه و النظائر).

قال الحموی: "و أما فی السنة، فلأنها و إن وجبت بالشروع إلا أنه أفسدها فی الوقت فیؤدیها .... أنه لو شرع فی سنة من السنن أو التراویح، لا یلزمه المضی و لا قضاء ها إذا أفسد". (شرح الحموی: ۲/۱۹، کتاب الصلوة، إدارة القرآن کراچی)

(۲) (فتح القدیر: ۲/۳۹۳، باب الاعتکاف، مصطفی البابی الحلبی مصر)

یہ حکم وجوبی نہیں، جس دن اعتکافِ مسنون توڑا ہے اس دن کی قضاء بھی کافی ہے (۱)۔ گذشتہ رمضان کے عشرۂ اخیرہ کو توڑے ہوئے مسنون اعتکاف کی قضاء کے لئے امسال رمضان کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف کافی نہیں، وہ اس میں ادا نہیں ہوگا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۹/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۹/ ۸۷ھ۔

اعتکاف میں غسلِ میت کے لئے نکلنا، مستورات کا اعتکاف ٹوٹ جانے پر قضا کا حکم

سوال [۴۹۳۹]: میں ۲۰/ رمضان المبارک کو اعتکاف میں بیٹھ گئی، ۲۲/ رمضان المبارک کو ۱۱/ بجے دن میں میری بھتیجی کی وفات ہوگئی جس میں اپنے بھائی کے گھر جو چند گز کے فاصلہ پر ہے، چلی گئی اور بھتیجی کو غسل دے کر کفن وغیرہ پہنا کر جب جنازہ گھر سے چلا گیا واپس میں اپنے گھر چلی آئی اور پھر اعتکاف میں بیٹھ گئی، اپنے بھائی کے گھر جب تک رہی ان لوگوں کو صبر دلاتی رہی اور سمجھاتی رہی۔

اب سوال یہ ہے کہ میرا اعتکاف صحیح ہوا کہ نہیں؟ یہاں کے امام صاحب سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ اعتکاف صحیح نہیں ہوا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

بھتیجی کے انتقال پر وہاں جا کر غسل وکفن کرنا اور ان لوگوں کو صبر دلانا بہت اجر وثواب کی چیز ہے، لیکن اعتکاف سے نکلنا اس مقصد کے لئے بھی درست نہیں (۲)، تاہم اعلیٰ بات یہ ہے کہ آپ دس روز کا اعتکاف

---

(۱) "و لو شرع فیه ثم قطع، لا یلزمه القضاء فی روایة الأصل، و فی روایة الحسن: یلزمه. و فی الظهیریة: عن أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ: أنه یلزم یوماً". (التاتارخانیة: ۲/ ۴۱۴، الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف، إدارة القرآن کراچی)

"فلو شرع فی نفله ثم قطعه، لا یلزمه قضاؤه .... و ما فی بعض المعتبرات: أنه یلزم بالشروع مفرّعٌ علی الضعیف". (الدر المختار: ۲/ ۴۴۴، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الهدایة: ۱/ ۲۲۹، باب الاعتکاف، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۲) "فإن خرج ساعةً بلا عذر فسد ..... و عن هذا فسد إذا عاد مریضاً، أو شهد جنازةً تعینت إلا أنه لا =

مستقل کرلیں، اس میں روزہ بھی رکھیں، حالات اس کی اجازت نہ دیں تو جس روز وہاں جانا ہوا، صرف ایک روز کا اعتکاف اور روزہ رکھ کر کرلیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۰/۹۱ھ۔

نفلی اعتکاف

سوال [۴۹۴۰]: رمضان المبارک کے مہینہ کے علاوہ دوسرے ایام میں نفلی اعتکاف کی نیت سے مسجد میں قیام کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نفلی اعتکاف بغیر رمضان کے بھی ہوسکتا ہے اور ایسے معتکف کو بھی مسجد میں قیام کرنا درست ہے، شامی: ۲/۱۲۹ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفلی اعتکاف کے حقوق اور پابندیاں

سوال [۴۹۴۱]: اعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایۃ میں جو پابندی یا حقوق ہیں وہ مستحب اعتکاف میں بھی ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

وہ پابندیاں نفلی اعتکاف میں بھی ہیں، مگر ایک تو اس میں روزہ کی قید نہیں، اور اعتکافِ مسنون رمضان

= یأثم، بل یجب علیه الخروج ..... فالظاهر أن العذر الذی لا یغلب مسقطٌ للإثم لا البطلان". (النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان)

(وکذا فی رد المحتار: ۲/۴۴۷، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وکذا فی فتاوی قاضی خان: ۱/۲۲۲، کتاب الصوم، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر: ۱/۲۵۷، باب الاعتکاف، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان "عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کو توڑنے کی وجہ سے قضاء")

(۲) "هو لبث ذکرٍ فی مسجد جماعة بنیة، وهو ثلاثة أقسام ..... مستحب فی غیره من الأزمنة، هو =

شریف کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے، اس میں روزہ بھی ہوتا ہے، دوسرے بلاضرورت جب مسجد سے معتکف نکلے گا تو نفلی اعتکاف جس کی کوئی مدت معین نہیں کی تھی وہ ختم ہو جائے گا، فاسد نہیں ہوگا، اعتکافِ مسنون ایسی حالت میں فاسد ہو جاتا ہے، شامی : ۲/ ۱۳۰ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے لفظوں میں اعتکاف کی نیت

سوال [۴۹۴۲] : نفلی اعتکاف گھنٹے آدھ گھنٹے کا بھی ہوجاتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ہوجاتا ہے تو مسجد میں جاتے وقت یعنی داخل ہو کر کیا نیت کرنی چاہئے جو روزانہ اعتکاف کا ثواب مل جایا کرے۔ لفظوں میں نیت کا طریقہ بتلا دیجئے۔

الجواب حامداً و مصلیاً :

''میں جتنی دیر تک مسجد میں ٹھہروں اللہ کے لئے معتکف ہوں''۔ اس نیت سے مسجد میں داخل ہو جایا کرے، بس جتنی دیر تک وہاں رہے گا اعتکاف کا ثواب ملے گا، گھنٹہ بھر ٹھہرے یا کم وبیش (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/۱۲/ ۶۷ھ۔

= بمعنى غير المؤكدة ". (الدر المختار : ۲/ ۴۴۰، ۴۴۲، باب الاعتكاف ، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱ ، كتاب الصوم ، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذا في المحيط البرهاني : ۲/ ۵۸۴، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف ، غفاريه)

(۱) "(وشرط الصوم) لصحة (الأول): أي النذر اتفاقاً (فقط) .... (وحرم عليه): أي على المعتكف اعتكافاً واجباً، أما النفل فله الخروج؛ لأنه مُنهٍ له لا مبطل (الخروج إلا لحاجة الإنسان)". (ردالمحتار على الدر المختار: ۲/ ۴۴۲، ۴۴۵، باب الاعتكاف ، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(وكذافي التاتار خانية: ۲/ ۴۱۰، ۴۱۳، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف ، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وأقله نفلاً ساعة من ليل أو نهار عند محمد، وهو ظاهر الرواية عن الإمام، لبناء النفل على المسامحة، و به يفتى". (الدر المختار : ۲/ ۴۴۳، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، سعيد) .... =

نفلی اعتکاف مسجد میں نہ کہ گھر میں

سوال[۴۹۴۳] : کیا اعتکاف نفلی بھی ہوتا ہے؟ اگر کوئی آدمی مسجد میں جاوے اور یہ نیت کر لے کہ میں جب تک مسجد میں رہوں گا میرا اعتکاف ہے، کیا اس کو نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا؟ کیا نفلی اعتکاف گھر میں بھی کیا جا سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسجد میں اس طرح نیت کرنے سے نفلی اعتکاف کا ثواب ملے گا (۱)، مرد کو اس طرح گھر میں ثواب نہیں ملے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

فجر کی سنت پڑھ کر اعتکاف کی نیت کر کے لیٹنا

سوال[۴۹۴۴] : میں کبھی کبھی کھانا کھا کر اور کبھی قبل فجر تھوڑی دیر جب جماعت میں دیر ہوتی ہے تو بوجۂ کمزوری لیٹ جاتا ہوں مسجد میں اعتکاف کی نیت سے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جماعت کے انتظار میں سنتیں پڑھ کر یا پہلے مسجد میں جب کہ کمزوری کی وجہ سے بیٹھنا دشوار ہو کچھ دیر کے لئے لیٹ جانے میں مضائقہ نہیں (۳)، خاص کر اعتکاف کی نیت کر کے، مگر اسی طرح ہو کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= (وکذا فی مراقی الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتکاف، قدیمی)

(وکذا فی النهر الفائق: ۲/۴۵، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان)

(۱) (تقدم تخریجه تحت عنوان: ''نفلی اعتکاف تھوڑی دیر کے لئے، لفظوں میں اعتکاف کی نیت'')

(۲) ''ومقتضاه أنه یندب للرجل أیضاً أن یخصص موضعاً من بیته لصلوته النافلة، أمّا الفریضة والاعتکاف فهو فی المسجد کمالایخفی، الخ''. (ردالمحتار: ۲/۴۴۱، کتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعید)

(۳) ''وقولنا فی ذلک (أی الاضطجاع بعد رکعتی الفجر) مثل قول مالک: إن هذا الاضطجاع من =

اعتکاف کے چند ضروری مسائل

کیا فرماتے ہیں علمائے دین مسائلِ ذیل میں کہ:

معتکف ایک ہی جگہ بیٹھے یا کسی دوسری جگہ بھی بیٹھ سکتا ہے؟

سوال[۴۹۴۵]: ۱...... معتکف مسجد میں مخصوص ایک ہی جگہ بیٹھے یا ہر جگہ بیٹھ سکتا ہے؟

معتکف کا خارجِ مسجد اذان پڑھنا

سوال[۴۹۴٦]: ۲...... معتکف مسجد میں یا خارج مسجد اذان پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے شہر جانا

سوال[۴۹۴۷]: ۳...... معتکف ایسے گاؤں میں ہے جس میں شرعاً جمعہ درست نہیں تو وہ نماز جمعہ کے لئے شہر جا سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۴۹۴۸]: ۴...... اگر کوئی شخص شہر میں ایسی جگہ معتکف ہے جہاں جمعہ نہیں ہوتا تو اسی شہر میں دوسری جگہ نمازِ جمعہ کے لئے جا سکتا ہے یا نہیں؟

اعتکاف ہر مسجد میں ہو یا کسی ایک مسجد میں کافی ہے؟

سوال[۴۹۴۹]: ۵...... گاؤں اور شہر کی ہر مسجد میں اعتکاف ضروری ہے یا فقط ایک ہی مسجد میں کافی ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ایک جگہ بیٹھنا لازم نہیں، مسجد کے کسی بھی حصہ میں جانے کی اجازت ہے، مثلاً اندر گرمی ہو تو صحن

= سنن العادة له صلى الله عليه وسلم لامن سنن العبادة، فلا نرى به بأساً لمن فعله راحةً، ولو فعله اقتفاءً بعادته الشريفة صلى الله عليه وسلم، رجَونا له الأجر في ذلك، كماهو حكم سائر عاداته صلى الله عليه وسلم أنه لو فعله أحد اقتفاءً به في عاداته كان مأجورًا، ونكرهه لمن فعله استناناً وتحتماً". (إعلاء السنن: ۷/ ۲۲، كتاب الصلوة، باب النوافل والسنن، تتمة في حكم الاضطجاع بعد ركعتي الفجر، إدارة القرآن كراچي)

میں بھی آسکتا ہے(۱)۔

۲......معتکف کواذان پڑھنے کی اجازت ہے، اگر وہ مؤذن ہے تو اذان کی متعینہ جگہ (خارج مسجد) بھی اذان پڑھ سکتا ہے(۲)۔

۳......جب کہ اس پر جمعہ فرض نہیں ہے تو اس کو اعتکاف کی جگہ سے نکل کر شہر میں جمعہ کے لئے جانے کی اجازت نہیں (۳)۔

۴......جو شخص شہر کی کسی مسجد میں معتکف ہو جہاں جمعہ نہیں ہوتا وہ جمعہ والی مسجد میں جمعہ کے لئے جائے اور نماز پڑھ کر واپس آجائے بلاضرورت دیر نہ لگائے (۴)۔

۵......اچھا تو یہ ہے کہ ہر مسجد میں اعتکاف کیا جائے، ہر محلّہ میں کسی مسجد میں اعتکاف کرلیا جائے تب

---

(۱) قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن : ''معتکف جس مسجد میں معتکف ہے اس تمام مسجد میں جس جگہ چاہے رہ سکتا ہے اور سو سکتا ہے''۔(فتاوی دارالعلوم : ۶/۵۰۳، باب الاعتكاف)

''ہر وقت گوشہ میں رہنا ضروری نہیں...... باقی اوقات میں جہاں چاہے اٹھے بیٹھے''۔(إمداد الأحكام: ۲/۱۴۵، باب الاعتكاف ، مكتبه دارالعلوم كراچی)

(۲) "و لو صعد المئذنة لم يفسد اعتكافه بلا خلاف، و إن كان باب المئذنة خارج المسجد، والمؤذن وغيره فيه سواء". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع فی الاعتكاف ، رشيديه)

"وحرم عليه الخروج إلالحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط .... أو شرعيةً كعيد و أذان، لو مؤذناً وباب المنارة خارج المسجد". (الدرالمختار مع رد المحتار : ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا فی النهر الفائق : ۲/۴۶، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۳) (تقدم تخريجه تحت عنوان: ''اعتکاف کے لئے شرائطِ جمعہ'')

(۴) "و يخرج لجمعة حين تزول الشمس، إن كان معتكفه قريباً من الجامع بحيث لو انتظر زوال الشمس، لا تفوته الخطبة والجمعة". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم ، الباب السابع فی الاعتكاف، رشيديه)

(و كذا فی الدرالمختار : ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف ، سعيد)

(و كذا فی فتاوىٰ قاضی خان : ۱/۲۲۱، ۲۲۲، فصل فی الاعتكاف ، رشيديه)

بھی کافی ہوگا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۳/۹۰ھ۔

اعتکاف اور مسجد کے متعلق ضروری مسائل

اعتکاف سے متعلق مندرجہ ذیل مسائل کا شرعی حکم کیا ہے، تحریر فرمائیں:

اخراجِ ریح معتکف مسجد میں کرے یا باہر جائے؟

سوال[۴۹۵۰]: ۱......اگر ریح کا غلبہ ہو تو اس کو خارج کرنے کے لئے معتکف مسجد سے باہر جائے یا احاطۂ مسجد ہی میں کرے؟

ایک قدم مسجد کے اندر، دوسرا باہر ہو تو اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۵۱]: ۲......اگر ایک قدم ہے مسجد کے اندر اور ایک دوسرا باہر تو اعتکاف ٹوٹے گا یا نہیں؟

کتاب یا قرآن پاک پڑھنے کے لئے معتکف کا مسجد کا تیل جلانا

سوال[۴۹۵۲]: ۳......معتکف مسجد کا تیل کتاب یا کلام مجید پڑھنے کے لئے جلاسکتا ہے یا نہیں؟

---

(۱) اس کے لئے صریح جزئیہ تو نہیں ملا، البتہ علامہ شامیؒ کی ایک تشبیہ سے بظاہر پتہ چلتا ہے کہ اعتکاف بھی تراویح کی طرح ہر مسجد میں ہونا چاہئے: قال العلامة ابن عابدین: "(قوله: سنة على الكفاية) نظيرها إقامة التراويح بالجماعة، فإذا قام بها البعض، سقط الطلب عن الباقين، فلم يأثموا بالمواظبة على الترك بلا عذر. ولو كان سنة عين، لأثموا بترك السنة إثماً دون إثم ترك الواجب". (رد المحتار: ۲/۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

و قال أيضاً: "(قوله: والجماعة فيها سنة على الكفاية)، أفاد أن أصل التراويح سنة عين، .... و هل المراد أنها سنة كفاية لأهل كل مسجد من البلدة، أو مسجد واحد منها، أو من المحلة؟ ظاهر كلام الشارح الأول، واستظهر الثاني، و يظهر لي الثالث، لقول المنية: حتى لو ترك أهل محلة كلهم الجماعة، فقد تركوا السنة، وأساءوا". (رد المحتار على الدر المختار: ۲/۴۵، مبحث صلوة التراويح، سعيد)

ایضاً

سوال[۴۹۵۳] : ۴......معتکف مسجد میں دیا سلائی سے چراغ روشن کرے یا چراغ جلانے کو باہر جائے؟

معتکف کا کھانا کھانے کے لئے گھر جانا

سوال[۴۹۵۴] : ۵......معتکف اپنا کھانا مکان پر جا کر کھا سکتا ہے یا نہیں جب کہ لانے والا موجود نہ ہو؟

گرم پانی لینے کے لئے معتکف کا باہر جانا

سوال[۴۹۵۵] : ۶......اگر گرم پانی دور ہے اور سرد پانی نزدیک تو گرم پانی لینے جا سکتا ہے یا نہیں؟

گرمی یا سردی کی وجہ سے وضو کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا

سوال[۴۹۵۶] : ۷......احاطۂ مسجد میں گرمی زیادہ ہے یا سردی زیادہ ہے تو وضو کے لئے باہر سایہ میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

۸......مسجد کی چٹائی یا دیواروں پر تیمّم کر سکتا ہے یا نہیں؟

پانی لانے کے لئے معتکف کا خارجِ مسجد جانا

سوال[۴۹۵۷] : ۹......اگر پاس موجود ہو تو پھر بھی خود پانی لا سکتا ہے یا نہیں؟

حالتِ اعتکاف میں حجامت بنانا

سوال[۴۹۵۸] : ۱۰......کیا حالتِ اعتکاف میں حجامت بنوا سکتا ہے یا نہیں؟

ابتدائے اعتکاف کا وقت

سوال[۴۹۵۹] : ۱۱......۲۰/ تاریخ کو اذانِ مغرب ہو جائے تب بھی اعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے یا نہیں؟

سعید احمد خان کھیڑوی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......حدودِ مسجد سے باہر جانے کی ضرورت نہیں، کذا فی الدر المختار: ۱/٦٨٧(۱)۔

۲......نہیں:"قولہ: الخروج الخ المراد بالخروج انفصال قدمیہ". طحطاوی، ص: ٤٧٥(۲)۔

۳......اوقاتِ نماز میں جب تک چراغ جلنے کا عرف ہو، جلاسکتا ہے اور اس کے بعد تیل دینے والوں کی اجازت سے جلاسکتا ہے(۳)۔

۴......مسجد میں دیا سلائی جلانے کو فتاویٰ رشیدیہ: ۲/۱۱۳ میں حرام لکھا ہے(۴)۔اگر بدبو دار نہ ہو تو مضائقہ نہیں، فتاویٰ رشیدیہ، ص:٦(۵)۔

---

(۱) "وإذا فسا في المسجد لم يربعضهم به بأساً، وقال بعضهم: إذا احتاج إليه يخرج منه، وهو الأصح". (ردالمحتار: ۱/۱۷۲، كتاب الطهارة، مطلب: يوم عرفة أفضل من يوم الجمعة، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵/۳۲۱، كتاب الكراهية، الفصل السادس في آداب المسجد، رشيديه)

(۲) (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۱/۴۷۵، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، دار المعرفة، بيروت)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۵۳۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۳) "ولا بأس بأن يترك سراج المسجد في المسجد إلى ثلث الليل، ولا يترك أكثر من ذلك، إلا إذا شرط الواقف ذلك، أوكان ذلك معتاداً في ذلك الموضع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۱۰، الفصل الثاني فيما يكره في الصلوٰة ومالايكره، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق: ۵/۴۲۰، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوىٰ: ۴/۴۲۲، كتاب الوقف، الفصل الرابع في المسجد، امجد اكيڈمی، لاهور)

(۴) (فتاوىٰ رشيديه، ص: ۲۱۰، باب: مساجد کے احکام کا بیان، سعید)

(۵) مفتی رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"چراغ خارجِ مسجد روشن کرکے لے جاوے، یا موم کی دیا سلائی سے روشن کرے"۔(فتاویٰ رشیدیہ، ص: ۲۱۸)

۵......کھا سکتا ہے، کذا فی البحر: ۲/۳۰۳، شرط مذکور کے ساتھ(۱)۔

۶......اگر سرد پانی سے وضو کرنے میں زیادہ دقّت ہوتی ہے اور حدوث مرض یا ازدیادِ مرض کا اندیشہ ہے تو جا سکتا ہے(۲)۔

۷......زیادہ دقت کی حالت میں جا سکتا ہے جب کہ تحمّل نہ ہو(۳)۔

۸...... چٹائی پر اگر غبار ہو تو اس سے تیمّم درست ہے(۴)، دیوارِ مسجد سے بعض کتبِ فقہ میں مکروہ لکھا ہے(۵)۔

۹......نہیں، هكذا يفهم ممافي البحر: ۲/۳۰۳۔ اگر دوسرے سے منگا سکتا ہے تو خود جانا جائز نہیں(۶)۔

---

(۱) "وفي الفتاوى الظهيرية: وقيل: يخرج بعد الغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/۵۳۰، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۲) "فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ولا نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۲۲۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذافي مجمع الأنهر: ۱/۲۵۶، باب الاعتكاف، دارإحياء التراث العربي، بيروت)

(۳) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۴) "فيجوز التيمم بالتراب والرمل والسجنة المنعقدة من الأرض.......... وبالحجر عليه غبار". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۶، ۲۷، الباب الرابع في التيمم، رشيديه)

(وكذا في فتاوى قاضي خان: ۱/۶۱، فصل فيما يجوز به التيمم، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۸، ۳۹، باب التيمم، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) "ويكره مسح الرجل من طين والردغة باسطوانة المسجد أو بحائطه". (فتاوى قاضي خان على هامش الفتاوى العالمكيرية: ۱/۶۵، باب التيمم، فصل في المسجد، رشيديه)

(۶) "وأكله وشربه ونومه ومبا يعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج =

۱۰...... بال بنواسکتا ہے(۱)، حجامت بنوانا-جس میں خون نکلتا ہے-منع ہے(۲)۔

۱۱...... غروب آفتاب سے کچھ پہلے اعتکاف کی جگہ میں آجانا چاہیے، کیونکہ عین غروب کے وقت مہینہ ختم ہونے پر اعتکاف ختم ہوجائے گا، پس اگر کوئی ۲۰/ تاریخ کو بعد غروب بنیتِ اعتکاف مسجد میں آیا تو جس قدر دیر کر کے آیا ہے اتنا وقت ایک عشرہ میں سے کم ہوجائے گا اور ایک عشرہ کا اعتکاف مسنون ہے(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/ رجب/ ۵۷ھ۔

اعتکاف کے ۶۴/ مسائل

برائے کرم حسبِ ذیل مسائل میں شرعی حکم سے آگاہ کریں، تمام سوالات ماہِ رمضان المبارک کے

= لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لاضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعدالغروب للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذالم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحرالرائق: ۲/ ۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف ، قديمي)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف ، إمداديه ملتان)

(۱) قال المفتي رشيد احمد رحمة الله عليه: "اپنی حجامت خود بنانا جائز ہے، حجام سے بنواتے میں یہ تفصیل اگر وہ بدونِ عوض کام کرتا ہے تو مسجد کے اندر جائز ہے اور اگر بالعوض ہے تو معتکف مسجد کے اندر رہے مگر حجام مسجد سے باہر بیٹھ کر حجامت بنوائے، مسجد کے اندر اجرت سے کام کرنا جائز نہیں"۔ (احسن الفتاویٰ: ۴/ ۵۰۶، باب إلاعتكاف، سعيد)

(۲) "فلايجوز الاستصباح بدهن نجس فيه ولا البول والفصد". (الدرالمختار). "وأما الفصد فيه في إناء، فلم أره، وينبغي أن لافرق اهـ: أي لافرق بينه وبين البول". (ردالمحتار: ۱/ ۶۵۶، باب مايفسد الصلوٰة، سعيد)

(۳) "وسنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية". (الدرالمختار: ۲/ ۴۴۲، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۰، باب الاعتكاف، قديمي)

آخری عشرہ کے اعتکاف کے بارے میں ہیں۔

عشرۂ اخیرہ کے اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۶۰]: ۱......رمضان کے اخیر عشرہ کا اعتکاف فرض ہے یا سنت؟

معتکف کون کون ہوسکتا ہے؟

سوال[۴۹۶۱]: ۲......معتکف، نیچے لکھے آدمیوں میں سے کون کون ہوسکتا ہے؟ ۱-غلام۔ ۲-کوڑھی۔ ۳-اندھا۔ ۴-اجہل۔ ۵-مخنث (ہیجڑا)۔ ۶-سدا سہاگن۔ ۷-بے نمازی۔ ۸-بے روزہ دار۔ ۹-گونگا، بہرہ۔ ۱۰-نیم پاگل۔ ۱۱-فقیر۔ ۱۲-مجذوب۔ ۱۳-مقروض۔ ۱۴-فاسق وفاجر۔ ۱۵-حاملہ جب کہ دن قریب ہوں۔

معتکف کا گھر میں بیٹھنے کا حکم

سوال[۴۹۶۲]: ۳......معتکف کا مسجد میں بیٹھنا ضروری ہے یا مسجد ہوتے ہوئے گھر میں بھی بیٹھ سکتا ہے؟

عورت کے اعتکاف سے مَردوں سے سقوطِ اعتکاف

سوال[۴۹۶۳]: ۴......کوئی صاحب مسجد میں معتکف نہ ہوئے ایک عورت گھر پر معتکف ہوگئی۔ کیا حکم ہے؟

مسجد میں عورتوں کے لئے مخصوص کی گئی جگہ میں عورت کا اعتکاف

سوال[۴۹۶۴]: ۵......مسجد میں عورتوں کی نماز پڑھنے کی جگہ ایک مقرر ہے، اس حصہ میں ایک عورت معتکف ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اس کے اعتکاف سے بستی کا بوجھ اتر جائے گا یا نہیں؟

کیا اعتکاف کے لئے مسجد، اذان اور جماعت شرط ہیں؟

سوال[۴۹۶۵]: ۶......اعتکاف کیلئے مسجد، اذان، نماز جماعت شرط ہے یا جس مقام میں نہ ہو یا چند مسلمان نمازی روزہ دار ہوں یا گاؤں میں چند مکان مسلمانوں کے ہوں، نہ نماز پڑھتے ہوں، نہ روزہ رکھتے

ہوں، وہاں بھی اعتکاف ضروری ہے یا نہیں؟

۲۴/ رمضان کو معتکف کا انتقال ہو جائے

سوال[۴۹۶۶] : ۷...... معتکف کا ۲۴/ رمضان المبارک کو انتقال ہو گیا، کیا حکم ہے؟

دو آدمیوں کے پانچ پانچ دن اعتکاف سے ادائے سنت

سوال[۴۹۶۷] : ۸...... بغرض مجبوری دو صاحب پانچ پانچ یوم معتکف ہوئے کیا حکم ہے؟

معتکف کی چہل قدمی کے لئے احاطۂ مسجد میں حدود

سوال[۴۹۶۸] : ۹...... مسجد کا احاطہ کافی لمبا چوڑا ہے، معتکف کہاں تک چل پھر سکتا ہے؟

قضائے حاجت کے لئے نکلتے وقت معتکف کی بات چیت

سوال[۴۹۶۹] : ۱۰...... پاخانہ آتے جاتے معتکف لوگوں سے بات چیت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کر سکتا ہے تو کتنی دیر تک اور کس قسم کی بات چیت کر سکتا ہے؟

معتکف کا احاطۂ مسجد میں پھول، سبزیوں کی دیکھ بھال کرنا

سوال[۴۹۷۰] : ۱۱...... مسجد کے احاطہ میں پھل، پھول، سبزی لگی ہے معتکف اس کی دیکھ بھال کر سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد سے ملحق باغ کی نگرانی کرنا

سوال[۴۹۷۱] : ۱۲...... مسجد سے ملحق باغ ہے، معتکف مسجد میں بیٹھے بیٹھے چلتے پھرتے باغ کی نگرانی کر سکتا ہے؟ پرندوں کو بھگانے کے لئے ڈوری کھینچ یا چلا سکتا ہے یا نہیں؟

مسجد کی تعمیر میں معتکف کا کام کرنا

سوال[۴۹۷۲] : ۱۳...... تعمیرِ مسجد کا کام مسجد میں جاری ہے، معتکف مزدوری سے یا فی سبیل اللہ کام کر سکتا ہے یا نہیں؟

10

حالتِ اعتکاف میں ماہواری یا شوہر کی ہمبستری کا حکم

سوال[۴۹۷۳]: ۱۴...... عورت گھر پر معتکف تھی، ماہواری خون جاری ہوگیا، یا شوہر نے جبراً صحبت کرلی، نہا کر پھر معتکف ہوگئی کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لئے گھر جا کر ہمبستری سے اعتکاف کا حکم

سوال[۴۹۷۴]: ۱۵...... معتکف گھر پاخانہ کرنے گیا، پاخانہ میں اس کی عورت تھی اس کو دیکھ کر دماغی توازن کھو بیٹھا اور صحبت کرلی، بعد فراغت غسل کر کے معتکف ہوگیا۔ کیا حکم ہے؟ جب کہ دوسرا کوئی معتکف نہیں ہے۔

حالتِ اعتکاف میں بیوی کا بوسہ لینا

سوال[۴۹۷۵]: ۱٦...... معتکف کی بیوی کھانا دینے مسجد میں آئی، معتکف نے بوسہ لے لیا۔ کیا حکم ہے؟

حالتِ اعتکاف میں پاگل ہوجانے اور مسجد سے بمجبوری نکلنے کا حکم

سوال[۴۹۷٦]: ۱۷...... معتکف ۲۴/ رمضان کو پاگل ہوگیا، کیا حکم ہے؟ معتکف پاخانہ، پیشاب کے علاوہ بہ حالتِ مجبوری کن کن حالات میں مسجد سے نکل سکتا ہے؟

حالتِ اعتکاف میں نمازِ جنازہ میں شرکت

سوال[۴۹۷۷]: ۱۸...... معتکف کے قریبی عزیز کا انتقال ہوگیا جنازہ میں شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟ یا نماز جنازہ مسجد کے باہر ہورہی ہے، شرکت کرسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا بیوی یا بچے کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرنا

سوال[۴۹۷۸]: ۱۹...... معتکف کی بیوی یا بچے کا انتقال ہوگیا تجہیز و تکفین کا انتظام معتکف کرتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا شادی میں شرکت کرنا

سوال[۴۹۷۹] : ۲۰..... معتکف کی یا کسی عزیز کی یا لڑکی کی شادی ہے شرکت کرسکتا ہے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جانا

سوال[۴۹۸۰] : ۲۱..... مسجد میں پانی نہیں، معتکف وضو کرنے یا پانی لینے تالاب، ندی یا کنویں پر جاسکتا ہے یا نہیں؟

پانی نہ ہوتو غسلِ جنابت میں تیمّم کرے یا باہر جاکر غسل کرے؟

سوال[۴۹۸۱] : ۲۲..... معتکف کو غسل کی حاجت ہوگئی مسجد میں پانی نہیں ہے، کیا حکم ہے، تیمّم کرے یا باہر جاکر غسل کرے؟

معتکف کا سحری یا افطاری لینے گھر جانا

سوال[۴۹۸۲] : ۲۳..... معتکف کا ایک دن سحر وافطار نہیں آیا، کھانا لینے گھر جاسکتا ہے یا نہیں؟

کیا معتکف مقدمہ کے لئے جاکر اپنی جگہ دوسرے کو بٹھا سکتا ہے؟

سوال[۴۹۸۳] : ۲۴..... ۲۸/ رمضان کو معتکف کی مقدمہ کی پیشی آگئی، کیا حکم ہے؟ کسی دوسرے کو بٹھا کر جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا علاج کے لئے باہر جانا

سوال[۴۹۸۴] : ۲۵..... معتکف سخت بیمار ہوگیا علاج کو باہر جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

حافظ معتکف کا تراویح پڑھانے کے لئے دوسری مسجد جانا

سوال[۴۹۸۵] : ۲۶..... حافظ صاحب معتکف ہوگئے، تراویح پڑھانے دوسری مسجد میں جاسکتے ہیں یا نہیں؟

وعظ کے لئے معتکف کا کسی مجلس میں جانا

سوال[۴۹۸۶]: ۲۷...... عالم صاحب معتکف ہوگئے، وعظ کہنے دوسری مسجد یا دینی مجلس میں یا شارع عام پر جاسکتے ہیں یا نہیں؟

معتکف کا میٹنگ میں جانا

سوال[۴۹۸۷]: ۲۸...... معتکف سیاسی آدمی ہیں، ایک میٹنگ سے کلام کرنا ہے اور ضروری ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا ووٹ ڈالنے کے لئے جانا

سوال[۴۹۸۸]: ۲۹...... کیا معتکف رائے شماری میں ووٹ دینے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا اپنے پیر سے مصافحہ کے لئے جانا

سوال[۴۹۸۹]: ۳۰...... معتکف کے پیر صاحب پاس والے گاؤں ریل یا موٹر سے گزر رہے ہیں، معتکف سلام ومصافحہ کو جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا اپنے پیر کی ملاقات کے لئے جانا

سوال[۴۹۹۰]: ۳۱...... معتکف اپنے مقامی پیر صاحب سے ملاقات کو روزانہ، ہفتہ میں یا عشرہ میں جاسکتا ہے؟

معتکف کا اپنی بیوی کو علاج کے لئے لے جانا

سوال[۴۹۹۱]: ۳۲...... معتکف کی بیوی کی طبیعت خراب ہوگئی علاج کو لے جاتا ہے، کیا حکم ہے؟

عتکف کی حکومت کی طرف سے طلبی ہونے پر کیا کرے؟

سوال[۴۹۹۲]: ۳۳...... معتکف کو حاکم یا افسر نے طلب کیا، کیا حکم ہے؟

صلح کرانے کے لئے معتکف کہاں تک جاسکتا ہے؟

سوال[۴۹۹۳]: ۳۴...... لڑائی جھگڑے میں صلح وصفائی کو جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر جاسکتا ہے تو کتنی

دور اور کتنی دیر کو جاسکتا ہے؟

معتکف کا دم کرانے کے لئے دوسرے گاؤں جانا

سوال[۴۹۹۴] : ۳۵...... معتکف سانپ کے کاٹے کو جھاڑنے کا عمل جانتا ہے، پاس والے گاؤں میں کسی کو سانپ نے کاٹ لیا، لوگ بلانے آئے، جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا روزانہ دوا لینے شفا خانہ جانا

سوال[۴۹۹۵] : ۳۶...... معتکف روزانہ صبح اپنی بیوی کی دوا لینے شفا خانہ جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا مسجد کے پڑوس میں لگی ہوئی آگ بجھانے جانا

سوال[۴۹۹۶] : ۳۷...... مسجد کے پڑوس میں آگ لگ گئی، معتکف آگ بجھانے جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد میں لگی آگ بجھانے کے لئے معتکف کا کنویں پر پانی لینے جانا

سوال[۴۹۹۷] : ۳۸...... مسجد میں آگ لگ گئی معتکف پانی ڈھونے آگ بجھانے کو کنویں پر جاسکتا ہے یا نہیں؟

مسجد شہید ہونے پر معتکف بقیہ دن کہاں گذارے؟

سوال[۴۹۹۸] : ۳۹...... مسجد کسی حادثہ میں شہید ہوگئی، معتکف باقی دن دوسری مسجد یا مسجد نہ ہو تو گھر پورے کرسکتا ہے؟

گم شدہ چیز کو تلاش کرنے مسجد سے واپس نکلنا

سوال[۴۹۹۹] : ۴۰...... معتکف پاخانہ کرنے گیا، راستہ میں نقدی یا ضروری کاغذات گر گئے، تلاش کرنے جاسکتا ہے؟

معتکف کا جوتے اٹھانے مسجد سے باہر جانا

سوال[۵۰۰۰] : ۴۱...... معتکف نے جوتے مسجد سے باہر اتار دیئے، چوری کئے جانے کا ڈر ہے

اب اٹھانے باہر جاسکتا ہے؟

معتکف کا ہوٹل یا گھر چائے پینے جانا

سوال[۵۰۰۱]: ۴۲...... معتکف چائے کا شدت سے عادی ہے، ایک دن گھر سے نہیں آئی، ہوٹل یا گھر چائے پینے جاسکتا ہے؟

معتکف کا وعظ سننے کسی مجلس میں جانا

سوال[۵۰۰۲]: ۴۳...... معتکف علمائے کرام کا وعظ سننے دوسری مسجد یا دینی مجلس یا شارع عام پر جاسکتا ہے؟

معتکف کا سبق سنانے مدرسہ جانا

سوال[۵۰۰۳]: ۴۴...... معتکف طالب علم ہے، سبق سنانے مدرسہ جاسکتا ہے؟

معتکف کا رپورٹ لکھوانے کے لئے مسجد سے نکلنا

سوال[۵۰۰۴]: ۴۵...... معتکف کے گھر چوری ہوگئی، رپورٹ لکھانے جاسکتا ہے؟

بیڑی پینے کے لئے بار بار نکلنے کا حکم

سوال[۵۰۰۵]: ۴۶...... معتکف کثرت سے بیڑی پیتا ہے بار بار جانا پڑتا ہے، کیا حکم ہے؟

معتکف کا کپڑے اٹھانے باہر نکلنا

سوال[۵۰۰۶]: ۴۷...... معتکف نے کپڑے سوکھنے ڈالے، ہوا میں اڑ گئے، اٹھانے جاسکتا ہے یا نہیں؟

معتکف کا روزہ نہ رکھنا اور نماز نہ پڑھنا

سوال[۵۰۰۷]: ۴۸...... معتکف نہ تو روزہ رکھتا ہے نہ نماز پڑھتا ہے، کیا حکم ہے؟

کاروبار کے سلسلہ میں معتکف کا بات چیت کرنا

سوال[۵۰۰۸]: ۴۹...... معتکف دن بھر اپنے کاروبار کے سلسلہ میں لوگوں سے مسجد میں بات چیت

کرتا ہے، ویسے نماز روزہ کا پابند ہے۔ کیا حکم ہے؟

معتکف کا کاروبار سے باخبر رہنے کے لئے مسجد میں فون لگانا

سوال[۵۰۰۹]: ۵۰...... معتکف نے مسجد میں فون لگوالیا ہے دن بھر اپنے کاروبار، بیوی بچوں سے باخبر رہتا ہے۔ کیا حکم ہے؟

قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بالٹی بھر کر گھر لے جانا

سوال[۵۰۱۰]: ۵۱...... معتکف گھر پاخانہ جاتے ہوئے دو بالٹی پانی گھر لے جاتا ہے، واپسی پر دو بالٹی مسجد میں لیتا آتا ہے؟

قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت معتکف کا دوکان کا تالا کھولنا

سوال[۵۰۱۱]: ۵۲...... معتکف صبح پاخانہ کرنے جاتا ہے تو راستہ میں اپنی دوکان کا تالہ کھول دیتا ہے اور پاخانہ کر کے مسجد آجاتا ہے، نوکر دن بھر کاروبار چلاتے ہیں، شام کو جب پاخانہ کرنے جاتا ہے تو نقدی سنبھال کر ڈال دیتا ہے اور پاخانہ کر کے مسجد آجاتا ہے۔

معتکف کا پڑھانے کے لئے مدرسہ جانا

سوال[۵۰۱۲]: ۵۳...... مولانا صاحب معتکف ہیں لیکن بچوں کو عربی سبق دینے روزانہ مدرسہ ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں۔

معتکف کا مسجد میں بیٹھ کر مریضوں کو نسخے لکھوانا

سوال[۵۰۱۳]: ۵۴...... حکیم صاحب معتکف ہیں لیکن مسجد میں روزانہ صبح ایک گھنٹہ کے قریب مریضوں کو دیکھ کر نسخے لکھتے ہیں۔

ٹیوشن پڑھانے کے لئے معتکف کا نکلنا

سوال[۵۰۱۴]: ۵۵...... ماسٹر صاحب معتکف ہیں، دو بچوں کو ٹیوشن پڑھانے ایک گھنٹہ کو جاتے ہیں۔

معتکف کا مسجد میں بچوں کو انگریزی پڑھانا

سوال[۵۰۱۵]: ۵۶...... ماسٹر صاحب معتکف ہیں، مسجد میں چند بچوں کو ہندی یا انگریزی پڑھاتے ہیں۔

معتکف کا قضائے حاجت کے لئے جاتے وقت بیلوں کی دیکھ بھال کرنا

سوال[۵۰۱۶]: ۵۷...... معتکف صبح پاخانہ کر کے گھر سے واپس آیا تو بیلوں کو کھولتا لے آیا اور کھلیان میں رات میں بند کر کے مسجد آ گیا، شام کو پاخانہ جاتے وقت کھلیان سے لے گیا اور گھر باندھ کر کے پاخانہ کر کے مسجد آ گیا، کیا حکم ہے؟

مسجد کے بیت الخلاء کے باوجود قضائے حاجت کے لئے گھر جانا

سوال[۵۰۱۷]: ۵۸...... مسجد میں پاخانہ ہے، معتکف کا کہنا ہے کہ مجھے اپنے گھر کے پاخانہ کے علاوہ کہیں پاخانہ نہیں اترتا، کیا معتکف اپنے گھر پاخانہ کرنے جا سکتا ہے؟

قضائے حاجت سے واپسی پر ہر مرتبہ دعا پڑھے یا ایک مرتبہ کافی ہے؟

سوال[۵۰۱۸]: ۵۹...... معتکف پاخانہ پیشاب کو جب جب مسجد سے باہر نکلے، واپسی پر ہر مرتبہ اعتکاف کی دعاء پڑھے یا پہلے دن داخل ہوتے وقت کی دعاء آخر تک کافی ہے؟

بھول کر معتکف کے نکلنے کا حکم

سوال[۵۰۱۹]: ۶۰...... معتکف بھول سے مسجد سے باہر چلا گیا، کیا حکم ہے؟

معتکف کا نمازِ جمعہ کے لئے نکلنا

سوال[۵۰۲۰]: ۶۱...... معتکف اپنے محلّہ کی مسجد میں بیٹھ گیا، نماز جمعہ ادا کرنے کے لئے جامع مسجد جا سکتا ہے یا نہیں؟

ایضاً

سوال[۵۰۲۱]: ۶۲...... معتکف اپنے گاؤں کی مسجد میں بیٹھ گیا وہاں جمعہ نہیں ہوتا بلکہ جمعہ پاس

والے دوسرے گاؤں میں ہوتا ہے نماز جمعہ ادا کرنے جا سکتا ہے یا نہیں؟

پولیس کا معتکف کو جبراً لے جانے سے اعتکاف کا حکم

سوال[۵۰۲۲]: ۶۳...... معتکف کو پولیس یا کوئی آدمی کسی چکر میں جبراً پکڑ لے گیا، بعد دو گھنٹہ کے چھوڑ دیا، کیا حکم ہے؟

جان کے خوف سے مسجد کو چھوڑ کر فرار اختیار کرنے سے اعتکاف کا حکم

سوال[۵۰۲۳]: ۶۴...... مسجد کے قریب میں جھگڑا ہو گیا، معتکف کو جان کا خوف ہے، مسجد چھوڑ کر بھاگ سکتا ہے یا نہیں؟ اور دوسرے دن امن ہو گیا تو معتکف اب معتکف رہا یا اعتکاف ٹوٹ گیا؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ ہے(۱)۔

۲...... بدن سے اگر رطوبت نکلتی یا بدبو آتی ہے یا لوگ اس سے کراہت کرتے ہیں تو اس کو مسجد میں نہیں آنا چاہیئے، نہ وہ مسجد میں اعتکاف کرے(۲)۔

۵- اپنی حالت بدل کر توبہ کرے تو اعتکاف بھی مسجد میں کرے(۳)۔ ۶- کا بھی یہی حکم ہے۔

---

(۱) "و سنة مؤكدة في العشر الأخير من رمضان: أي سنة كفاية، كما في البرهان". (الدرالمختار: ۲/ ۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) قال العلامة الحصكفيؒ: "و يحرم فيه السؤال ...... و رفع صوت بذكر وأكل و نوم ...... و أكل نحو ثوم، ويمنع منه". (الدرالمختار). قال الشامي: "وكذالك ألحق بعضهم بذلك من بفيه بخر أو به جرح له رائحة، و كذلك القصاب والسماك والمجذوم، والأبرص أولى بالإلحاق." (رد المحتار: ۱/ ۶۵۹، ۶۶۱، باب ما يفسد الصلوة وما يكره فيها، مطلب الغرس في المسجد، سعيد)

"فيفهم منه حكم النبات الذي شاع في زماننا المسمى بالتتن فتنبه، و قد كرهه شيخنا العمادي في هديته إلحاقاً له بالثوم والبصل بالأولى". (الدرالمختار: ۶/ ۴۶۰، كتاب الأشربة، سعيد)

(۳) "هل يصح (الاعتكاف) من الخنثى في بيته؟ لم أره، والظاهر لا، لاحتمال ذكوريته؛ لأنه على تقدير =

۷- جب مسجد میں اعتکاف کرے گا تو نماز بھی پڑھے گا۔

۸- جب مسجد میں عشرۂ اخیرہ کا اعتکاف کرے گا تو روزہ بھی رکھے گا(۱)۔

۱۰- اگر مسجد کا احترام نہ کرے تو مسجد میں نہ آئے نہ وہاں اعتکاف کرے (۲)۔۱۲- کا بھی یہی حکم ہے۔۱۴- مسجد میں فسق و فجور نہ کرے تو اعتکاف بھی کرلے۔

۱۵- گھر میں اعتکاف کرسکتی ہے، باقی لوگوں کے اعتکاف میں کیا اشکال ہے (۳)۔

۳...... مرد کا اعتکاف گھر میں نہیں ہوتا وہ مسجد ہی میں ہوتا ہے (۴)۔

= أنوثته يصح في المسجد مع الكراهة، و على تقدير ذكورته لا يصح في البيت بوجه". (الدر المختار مع رد المحتار: ۲/ ۴۴۱، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۵، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۱) "و مقتضى ذلك، أن الصوم شرط أيضاً في الاعتكاف المسنون؛ لأنه مقدر بالعشر الأخير" (رد المحتار: ۲/ ۴۴۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/ ۲۲۱، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) "أخرجه المنذري مرفوعاً: "جنبوا مساجدكم صبيانكم و مجانينكم، و بيعكم و شراء كم، و رفع أصواتكم، و سلّ سيوفكم، و إقامة حدودكم .... اهـ". (رد المحتار: ۱/ ۶۵۶، باب ما يفسد الصلوة و ما يكره فيها، مطلب في أحكام المساجد، سعيد)

قال الفقيه: "إنما يصير للعبد منزلة عند الله تعالىٰ إذا عظّم أوامره، وعظّم بيوته و عباده، والمساجد بيوت الله، فينبغي للمؤمن أن يعظّمها، فإن في تعظيم المساجد تعظيم الله تعالىٰ". (تنبيه الغافلين، ص: ۱۶۷، باب حرمة المساجد، حقانيه)

(۳) "والمرأة تعتكف في مسجد بيتها". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۲/ ۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في التاتارخانية: ۲/ ۴۱۱، الفصل الثاني عشر في الاعتكاف، إدارة القرآن كراچی)

(۴) "الاعتكاف ...... و هو اللبث في المسجد مع الصوم بنية الاعتكاف ...... والأفضل اعتكاف الرجل=

۴..... عورت کا اعتکاف صحیح ہو جائے گا لیکن مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہیں ہوگی (۱)۔

۵..... عورت مسجد میں اعتکاف نہ کرے بلکہ گھر میں کرے، لیکن اس کے اعتکاف سے مردوں کے ذمہ سے سنت ادا نہ ہوگی (۲)۔

۶..... اعتکاف ایسی مسجد میں کیا جائے جہاں اذان اور پنجگانہ جماعت کا اہتمام ہو، ویران جنگل کی مسجد یا عیدگاہ میں نہیں، جہاں بھی مسلمان ہوں ان کو اذان و جماعت کا اہتمام لازم ہے، جہاں مسجد نہ ہو وہاں اعتکاف مسنون نہیں (۳)۔

۷..... اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے، اس کی نیت پورے عشرہ کے اعتکاف کی تھی اس کا اس کو اجر ملے گا (۴)۔

= فی الجامع". (التاتارخانية: ۲/۴۱۰، ۴۱۱، فصل فی الاعتکاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع فی الاعتکاف، رشيديه)

(وكذا فی النهر الفائق: ۲/۴۳، باب الاعتکاف، امداديه ملتان)

(۱) "ولو خرجت واعتكفت فی مسجد الجماعة، جاز اعتكافها .... وعن أبی حنيفة: إن شاءت اعتكفت فی مسجد بيتها، وإن شاءت فی مسجد جماعة، إلا أن مسجد بيتها أفضل من مسجد حيّها".

(التاتارخانية: ۲/۴۱۱، الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی النهر الفائق: ۲/۴۵، كتاب الصوم، باب الاعتکاف، امداديه ملتان)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/۴۴۱، كتاب الصوم، باب الاعتکاف، سعيد)

(۲) "هو (أی الاعتكاف) لُبث ذكر الخ". (الدرالمختار). "(قوله: ذكر) قيد به، وإن تحقق اعتكاف المرأة فی المسجد مَيلاً إلى تعريف الاعتكاف المطلوب؛ لأن اعتكاف المرأة فيه مكروه كما يأتی، بل ظاهر مافی غاية البيان أن ظاهر الرواية عدم صحته، الخ". (ردالمحتار، باب الاعتکاف: ۲/۴۴۰، سعيد)

(۳) "وأما شروطه ...... ومنها مسجد الجماعة، فيصح فی كل مسجد له أذان وإقامة، هو الصحيح".

(الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۱، الباب السابع فی الاعتکاف، رشيديه)

(وكذا فی التاتارخانية: ۲/۴۱۰، الفصل الثانی عشر فی الاعتکاف، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا فی الدر المختار: ۲/۴۴۰، باب الاعتکاف، سعيد)

(۴) "عن ابن عباس رضی الله عنهما أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال فيما يروی عن ربه =

۸......اس طرح سنت ادا نہیں ہوئی (۱)۔

۹...... جو حصہ نماز کے لئے متعین ہے وہاں تک اجازت ہے، بلا وجہ وہاں بھی تفریح کرتا نہ پھرے (۲)۔

۱۰...... جب ضرورت ہو بات کرسکتا ہے، بات کرنے کے لئے نہ نکلے، نہ ٹھہرے، ایسی بات بھی نہ کرے جو مقصدِ اعتکاف کے خلاف ہو (۳)۔

۱۱...... جو حصہ نماز کے لئے ہے وہ مسجد ہے وہاں سے پانی وغیرہ دیدے تو مضائقہ نہیں باہر

= تبارک و تعالیٰ: "إن ربكم عز وجل رحيم، من همّ بحسنة فلم يعملها، كتبت له حسنة، فإن عملها كتبت له عشر إلى سبعمأة أضعاف كثيرة . و من همّ بسيئة فلم يعملها كتبت له حسنة، فإن عملها كتبت له واحدة أو يمحوها الله عزوجل، و لا يهلك على الله إلا هالك". (تفسير ابن كثير : ۲/ ۲٦۳، جمعية إحياء التراث ، ومكتبه دار الفيحاء دمشق)

(۱) "و ينقسم (أي الاعتكاف) إلى واجب .... و إلى سنة مؤكدة، و هو في العشر الأخير من رمضان". (الفتاویٰ العالمكيرية : ۱/ ۲۱۱ ، الباب السابع في الاعتكاف ، رشيديه)

(و كذا في تبيين الحقائق : ۱/ ۳۴۷، ۳۴۸، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر : ۱/ ۲۵۵ ، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "(و لا يخرج منه) من معتكفه، فيشمل المرأة المعتكفة، إلا لحاجة شرعية كالجمعة و العيدين ...... أو حاجة طبعية كالبول و الغائط " (مراقي الفلاح شرح نور الإيضاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في البحر الرائق : ۲/ ۵۲۷ ، باب الاعتكاف ، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر : ۱/ ۲۵٦ ، كتاب الصوم ، باب الاعتكاف ، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "و أما التكلم بغير خير ، فلا يجوز لغير المعتكف ، والكلام المباح مكروه ...... والظاهر أن المباح عند الحاجة إليه خير لا عند عدمها". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، ۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

(و كذا في الدر المختار مع رد المحتار : ۲/ ۴۵۰، باب الاعتكاف ، سعيد)

(و كذا في النهر الفائق : ۲/ ۳۸، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

نہ نکلے(۱)۔

۱۲...... مسجد میں چلانا منع ہے(۲)، بغیر چلائے نگرانی کرسکتا ہے(۳)۔

۱۳...... اگر مسجد سے باہر نہ جانا پڑے تو کرسکتا ہے(۴)۔

۱۴...... پہلا اعتکاف ختم ہوگیا(۵)، دوسرا شروع ہوا، اگر عشرۂ اخیرہ میں ایسا ہوا تو سنت ادا نہ ہوئی(۶)۔

۱۵...... یہ بھی نمبر:۱۴ کی طرح ہے۔

۱۶...... ایسا کرنا ممنوع ہے، مگر صرف اتنی بات سے اعتکاف ختم نہیں ہوا(۷)۔

۱۷...... وہ مکلّف نہیں رہا، اللہ تعالیٰ اس کو صحت دے(۸)۔

---

(۱) "و أكل المعتكف و شربه و نومه و عقده البيع لما يحتاجه لنفسه أو عياله، لا تكون إلا في المسجد لضرورة الاعتكاف، حتى لو خرج لهذه الأشياء، يفسد اعتكافه". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۳، ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدرالمختار: ۴۴۸/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية: ۲۱۳/۱، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية: ۲)

(۳) (راجع، ص: ۲۷۷، رقم الحاشية: ۳)

(۴) (راجع رقم الحاشية: ۱)

(۵) "يحتمل أن تكون الزوجة معتكفةً في مسجد بيتها، فيأتيها فيه زوجها، فيبطل اعتكافها" (ردالمحتار: ۴۵۰/۲، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق: ۵۳۲/۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۶) (راجع، ص: ۲۷۹، رقم الحاشية: ۱)

(۷) "وحرم الوطء و دواعيه .... فالتحق به اللمس والقبلة". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۵، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في البحرالرائق: ۵۳۲/۲، باب الاعتكاف، رشيديه)

(۸) "و أما شروطه ...... و منها الإسلام والعقل والطهارة عن الجنابة والحيض". (الفتاوى العالمكيرية: =

۱۸......شرکتِ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلنے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

۱۹......اس کا بھی یہی حکم ہے کہ اعتکاف باقی نہ رہے گا اگر چہ ضرورت کی بنا پر ایسا کرنا اس کے ذمہ لازم ہوا اور اس سے گنہگار نہ ہو(۱)۔

۲۰......نہیں(۲)۔

۲۱......جا سکتا ہے(۳)۔

۲۲......تیمم کر کے باہر نکلے اور غسل کرے(۴)۔

۲۳......اگر کوئی لانے والا نہ ہو تو جا سکتا ہے(۵)۔

= ۱/۱۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(۱) "و عن هذا فسد إذا عاد مريضاً أو شهد جنازةً تعينت، إلا أنه لا يأثم، بل يجب عليه الخروج".

(النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتکاف، إمدادیه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق: ۲/۱۵۴، باب الاعتکاف، رشیدیه)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۹، رقم الحاشية: ۲)

(۳) "فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً و لا نهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه" (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان: ۱/۲۲۱، کتاب الصوم، فصل في الاعتکاف، رشیدیه)

(۴) "و لو احتلم المعتكف، لا يفسد اعتكافه؛ لأنه لا صنع له فيه، فلم يكن جماعاً و لا في معنى الجماع، ثم إن أمكنه الاغتسال في المسجد من غير أن يتلوث المسجد، فلا بأس به، و إلا فيخرج، فيغتسل، و يعود إلى المسجد". (بدائع الصنائع: ۳/۳۲، فصل فی رکن الاعتکاف، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۳، کتاب الصوم، الباب السابع فی الاعتکاف، رشیدیه)

(وكذا في رد المحتار علي الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتکاف، سعید)

(۵) "وأكله و شربه و نومه و مبايعته فيه، يعني يفعل المعتكف هذه الأشياء في المسجد، فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه .... وقيل: يخرج بعد الغروب =

۲۴......اگر جائے گا تو اعتکاف باقی نہ رہے گا اور دوسرے شخص کے بٹھانے سے اس کے اعتکاف میں پیوند نہیں لگے گا(۱)۔

۲۵......باہر جانے سے اعتکاف ختم ہو جائے گا(۲)۔

۲۶......ان کا بھی اعتکاف ختم ہو جائے گا۔

۲۷......ان کا بھی یہی حال ہے۔

۲۸......اس کا اعتکاف بھی ختم ہو جائے گا۔

۲۹......مثل نمبر:۲۸۔

۳۰......ایضاً

۳۱......ایضاً

۳۲......ایضاً

۳۳......ایضاً

۳۴......ایضاً

۳۵......ایضاً

= للأكل والشرب، وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به، فحينئذ يكون من الحوائج الضرورة كالبول والغائط". (البحر الرائق: ۲/۵۳۰، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(وكذا في مراقي الفلاح، ص: ۷۰۴، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) "وأما مفسداته. فمنها الخروج من المسجد، فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ونهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

۳۶......ایضاً

۳۷......ایضاً

۳۸......ایضاً

۳۹......دوسری مسجد میں اعتکاف پورا کرے(۱)۔

۴۰......اس کی بھی گنجائش ہے۔

۴۱......صحن کے متصل ہی تو ہوں گے، اٹھالے۔

۴۲......گنجائش ہے اگر کوئی اَور انتظام نہ ہو، بہتر یہ ہے کہ وہاں سے لاکر مسجد میں پیئے (۲)۔

۴۳......مثل نمبر:۲۸۔

۴۴......ایضاً

۴۵......ایضاً

۴۶......گنجائش ہے اگر بغیر اس کے گذارہ نہیں (۳)۔

۴۷......مثل نمبر:۲۸۔

۴۸......معتکف ترکِ فرض کی وجہ سے سخت گناہگار ہے(۴)۔

---

(۱) "فإن خرج من المسجد بعذر بأن انهدم المسجد، أو أخرج مكرهاً، فدخل مسجداً آخر من ساعة، لم يفسد اعتكافه استحساناً". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/ ۲۹، فصل في ركن الاعتكاف، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/ ۴۷، باب الاعتكاف، امداديه ملتان)

(۲) (راجع، ص: ۲۸۱، رقم الحاشية: ۵)

(۳) صرف بیڑی سگریٹ کے لئے نکلنا درست نہیں ہے، جیسا کہ فتاویٰ حقانیہ: ۴/ ۲۰۴، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: ۶/ ۵۰۵، میں ہے، البتہ کسی ضرورت سے نکلے راستے میں بیڑی وغیرہ کا استعمال کرے كما تقدم تخريجه تحت عنوان: "معتکف کو بیڑی سگریٹ پینا"۔

(۴) "عن جابر رضي الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "بين العبد و بين الكفر =

۴۹......اعتکاف تو ہو جائے گا مگر اس کے اصلی منافع مرتب نہ ہوں گے (۱)۔

۵۰......حسبِ ضرورت باخبر رہنے سے مضائقہ نہیں (۲)۔

۵۱......درست ہے مگر مسجد کی بالٹی کو اس طرح گھر کے لئے استعمال نہ کرے (۳)۔

۵۲......گنجائش ہے، اگر کوئی اور انتظام نہیں (۴)۔

۵۳......مثل نمبر: ۲۸۔

۵۴......ایضاً

۵۵......ایضاً

۵۶......اعتکاف تو فاسد نہیں ہوتا مگر منافعِ اعتکاف بھی پورے حاصل نہیں ہوتے (۵)۔

= ترک الصلوة". (مشكوة المصابيح: ۱/۵۸، كتاب الصلوة، الفصل الأول، قديمى)

"عن أبي هريرة رضى الله عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أفطر يوماً من رمضان من غير رخصة و لا مرض، لم يقض عنه صوم الدهر كله وإن صامه". (مشكوة المصابيح: ۱/۱۷۷، كتاب الصوم، قديمى)

(۱) (راجع، ص: ۲۸۰، رقم الحاشية: ۱)

(۲) (راجع، ص: ۲۷۸، رقم الحاشية: ۳)

(۳) "و لا يحمل الرجل سراج المسجد إلى بيته، ويحمل من بيته إلى المسجد". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۱۰، الفصل الثانى فيما يكره فى الصلوة و ما لا يكره، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق: ۵/۴۲۰، كتاب الوقف، رشيديه)

(وكذا فى خلاصة الفتاوى: ۴/۴۲۳، الفصل الرابع فى المسجد و أوقافه، رشيديه)

(۴) "لو خرج لحاجة الإنسان، ثم ذهب لعيادة المريض، أو لصلوة الجنازة، من غير أن يكون لذلك قصد، فإنه جائز". (البحر الرائق: ۲/۵۲۹، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع: ۳/۲۸، فصل فى ركن الاعتكاف و محظوراته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى حاشية الطحطاوى، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمى)

(۵) "ويفسق معتاد المرور: ومن علم الأطفال"

"الذى فى القنية: أنه يأثم، ولا يلزم منه الفسق، ولم ينقل عن أحد القول به، ويمكن أنه بناء =

۵۷......گنجائش ہے اگر کوئی اَور انتظام نہیں (۱)۔

۵۸......جاسکتا ہے (۲)۔

۵۹......پہلی دعاء کافی ہے، ہر دفعہ پڑھ لینا بھی بہتر ہے۔

۶۰......اعتکاف ختم ہوگیا (۳)۔

۶۱......جاسکتا ہے (۴)۔

= على أنه بالإصرار عليه يفسق". (ردالمحتار: ۶/۴۲۸، فصل في البيع، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۶/۳۲۱، كتاب الكراهية، الباب الخامس في آداب المسجد، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(۱) (راجع، ص: ۲۸۲، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "و حرم عليه الخروج إلا لحاجة الإنسان طبعيةً كبول و غائط و غسل". (الدرالمختار). "لأن الإنسان قد لا يألف غير بيته، فإذا كان لا يألف غيره بأن لا يتيسر له إلا في بيته، فلا يبعد الجواز بلاخلاف". (ردالمحتار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۲/۴۶، كتاب الصوم، باب الاعتكاف، إمداديه ملتان)

(۳) "و إن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، سواء كان الخروج عامداً أو ناسياً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۲۲۲، كتاب الصوم، فصل في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في الدرالمختار: ۲/۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

(۴) "و لا يخرج من معتكفه إلا لحاجة شرعيةً كالجمعة والعيدين، أوحاجة طبعيةً". (مراقي الفلاح، ص: ۷۰۲، باب الاعتكاف، قديمي)

(وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۲۶، فصل في ركن الاعتكاف ومحظوراته، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۵، باب الاعتكاف، سعيد)

۶۲.....نہیں (۱)۔

۶۳.....مثل نمبر: ۲۸۔

۶۴.....ایضاً۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۲/۸۸ھ۔



(۱) جب معتکف کے گاؤں کی مسجد میں جمعہ ادا نہیں ہوتا تو گویا معتکف پر جمعہ فرض نہ ہوا، جب فرض نہیں ہے تو حاجتِ شرعیہ میں سے نہ ہوا اور معتکف کو بغیر حاجتِ شرعیہ اور طبعیہ کے نکلنا درست نہیں ہے:

"و أما مفسداته: فمنها الخروج من المسجد، فلا يخرج المعتكف من معتكفه ليلاً ونهاراً إلا بعذر، وإن خرج من غير عذر ساعةً، فسد اعتكافه". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۲، كتاب الصوم، الباب السابع في الاعتكاف، رشيديه)

(وكذا في مراقي الفلاح على نور الإيضاح، ص: ۷۰۳، باب الاعتكاف، قديمی)

(وكذا في الدر المختار: ۲/۴۴۷، باب الاعتكاف، سعيد)

كتاب الحج

باب فرضية الحج وشرائطه وأركانه

(حج کی فرضیت، شرائط اور ارکان کا بیان)

بیوی پر حج فرض ہے یا شوہر پر؟

سوال[۵۰۲۴]: بیوی پر حج فرض ہے یا نفل؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر شرائط موجود ہیں تو بیوی پر بھی حج فرض ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۸۸ھ۔

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر فرض نہیں ہوتا

سوال[۵۰۲۵]: کیا عورتوں پر حج کرنا فرض ہے کہ اپنے شوہر کے ساتھ جائیں؟

---

(۱) "شرائط الوجوب، و هي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا .... الإسلام، و بقاؤه إلى الموت، والعقل، والحرية، والبلوغ، والأداء بنفسه إن قدر، وعدم نية النفل، وعدم الفساد، وعدم النية عن الغير". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/ ۴۵۸، سعيد)

"فرض مرةً على الفور بشرط حرية و بلوغ وعقل و صحة وإسلام و قدرة زادٍ و راحلة فضلت عن مسكنه". (كنز الدقائق، كتاب الحج، ص: ۷۳، رشيديه)

"(شرائط الوجوب) و هي التي إذا وجدت جميعها وجب الحج على صاحبها، وإذا فقد واحد منها، لا يجب أصلاً". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب شرائط الحج، النوع الأول، ص: ۲۱، مكتبه مصطفى محمد مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر پر حج فرض ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں ہوتا، جب وہ خود مالدار ہوگی تب حج فرض ہوگا، شوہر اس کو از خود کرادے تو اس کا احسان ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۵/۲۳ھ۔

ضعیف العمر پر بھی بوقتِ استطاعت حج فرض ہے

سوال[۵۰۲۶]: زید ایک چھوٹا زمیندار تھا، زمینداری ختم ہونے کے بعد معاوضہ میں اس کو کچھ روپیہ کے بونڈ ملے تھے، جس کو اس نے فروخت کر کے نقد روپے کی صورت میں اپنے پاس محفوظ کر لیا ہے۔ اس کے پاس چند بیگھے کاشتکاری بھی ہے جس کی پیداوار اسی کے خورد ونوش کے لئے بمشکل کفایت کرتی ہے، بقیہ تمام ضروریاتِ زندگی کے اخراجات کے لئے نقد روپیہ میں سے کفایت اور تنگی ترشی کے ساتھ خرچ کرتا رہتا ہے۔ زید ضعیف آدمی ہے اس کے لڑکے پاکستان میں ہیں، جو اس کی کچھ مدد نہیں کر سکتے۔ اس کی بیوی اور یہ دونوں اپنے مکان میں رہتے ہیں۔ فی الحال زید کے پاس اس قدر رقم ہے کہ وہ حج کے اخراجات کو برداشت کر سکتا ہے اور زکوۃ

---

(۱) "قال المزني: قال الشافعي: فرض الله تبارک و تعالیٰ الحج علی کل حر بالغ استطاع إلیه سبیلاً بدلالة الکتاب و السنة". (الحاوی الکبیر، کتاب الحج: ۳/۵، المکتبه التجاریه مصطفی أحمد الباز)

"شروط الوجوب: و هی التی إذا وجدت بتمامها وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۴۵۸/۲، سعید)

(وکذا فی إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، باب شرائط الحج، ص: ۲۱، مکتبه مصطفی محمد صاحب المکة التجاریة الکبری بمصر)

"و یجوز الدفع لزوجة الغنی الفقیرة، الخ". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب المصرف من کتاب الزکوة، ص: ۷۲۰، قدیمی)

"و یدفع إلی امرأة غنی إذا کانت فقیرةً". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب السابع فی المصارف: ۱۸۹/۱، رشیدیه)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ غنائے زوج کی وجہ سے زوجہ غنی نہیں ہوتی، لہٰذا شوہر کے غنی ہونے سے عورت پر حج فرض نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

بھی ادا کرسکتا ہے اگر اس کے اوپر عائد ہوتی ہے، مگر یہ بات کہ اس کے پاس جو رقم ہے اس کی مثال ایک ایسے حوض کی سی ہے کہ جس میں پانی آنے کا راستہ نہ ہو مگر نکلنے کا راستہ ہو، ظاہر ہے کہ جس قدر جلد پانی باہر خارج ہوجائے گا اتنا ہی جلد حوض خشک ہوجائے گا۔

زید کی ضعیف العمری کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی امید نہیں کہ وہ کوئی کمائی کرسکتا ہے، بس یہ پسماندہ رقم اس کی زندگی کا ظاہری سہارا ہے، اگر موت نے اسے جلد یاد نہ کیا تو جس قدر روپیہ جلد ختم ہوجائے گا اتنا ہی جلد وہ قوم وملت پہ ناخوشگوار بوجھ بن کر رہ جائے گا اور اگر روپیہ ختم ہونے سے پہلے انتقال کرگیا تو بقیہ روپیہ اس کے ورثاء کے حصہ میں آجائے گا، دونوں صورتوں کا امکان ہے، معلوم نہیں کیا پیش آئے۔ بہرحال ان احوال میں کیا زید پر حج فرض ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان حالات میں اس پر حج فرض ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۶ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۱۶ھ۔

صاحبِ وسعت پر حج فرض ہے

سوال [۵۰۲۷]: زید کے گھر میں کافی دولت ہے مگر حج کو نہیں جاتا اور جب اس سے کہا جاتا ہے تو کہتا ہے کہ میرے اوپر ذمہ داری بہت ہے، یہ کیسا ہے؟

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"و من كان صحيح البدن، قادراً على المشي، و له زاد، فقد استطاع إليه سبيلاً، فيلزمه فرض الحج". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۵۲/۳، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

"الحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن مسكنه و ما لا بد منه، و عن نفقة عياله إلىٰ حين عوده". (اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱۶۴/۱، قديمي)

(و كذا في الهداية، كتاب الحج، ص: ۲۳۱/۱، ۲۳۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر زید کے پاس اتنی دولت ہے جس سے اس کے اوپر حج فرض ہے تو وہ گناہگار ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

روپیہ حج کے لئے تھا اس سے مکان بنالیا، کیا اب بھی حج فرض ہے؟

سوال[۵۰۲۸]: کہ ایک شخص کے پاس اتنا روپیہ تھا کہ وہ حج بیت اللہ کر سکے، مگر پھر بعض دقتوں کی وجہ سے اپنی سکونت دوسری جگہ اختیار کر لی، اب وہاں چونکہ مکان بنانا پڑا اس لئے وہ روپیہ خرچ ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس شخص پر اس وقت جب کہ اس کے پاس کافی روپیہ موجود تھا اس وقت اس کے ذمہ حج فرض ہو گیا تھا یا نہیں؟ بینوا و توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مکان کی ضرورت حج سے پہلے ہی پیش آ گئی اور اس مجبوری کی وجہ سے مکان بنالیا گیا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں ہوا تھا، اگر وقتِ حج یعنی جس وقت کہ لوگ آس پاس سے حج کے لئے جا رہے تھے اس وقت تو مکان کی ضرورت نہ تھی، بلکہ بعد میں ضرورت پیش آئی اور اس میں روپیہ خرچ کر لیا تو اس کے ذمہ حج فرض ہو چکا تھا:

قال ابن نجیمؒ: "لو لم یکن له مسکن و لا خادم وعنده مال یبلغ ثمن ذلك و لا یبقی بعده قدر ما یحج به، فإنه لا یجب علیه الحج؛ لأن هذا المال مشغول بالحاجة الأصلیة، إلیه

---

(۱) "و عن أبي أمامة رضي الله تعالی عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "من لم یمنعه من الحج حاجة ظاهرة أو سلطان جائر أو مرض حابس، فمات و لم یحج، فلیمت إن شاء یهودیاً وإن شاء نصرانیاً". (مشکوة المصابیح: ۱/۲۲۰، کتاب المناسک، الفصل الثالث، قدیمی)

"وعن علي رضي الله عنه: قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "من ملك زاداً و راحلة تبلغه إلی بیت الله، ولم یحج، فلا علیه أن یموت یهودیاً أو نصرانیاً". (مشکوة المصابیح: ۱/۲۲۲، کتاب المناسک، الفصل الثاني، قدیمی)

(و جامع الترمذي: ۱/۱۶۷، باب ما جاء من التغلیظ في ترك الحج، سعید)

أشار في الخلاصة، اهـ". بحر: ۲/۳۱۳(۱)۔ "هذا محمول على ماقبل حضور الوقت الذى يخرج فيه أهل بلده، فلو حضر تعين أداء النسك عليه، فليس له أن يدفعه عنه إليه، كماذكره ملا على قارى فى شرحه على باب المناسك". منحة الخالق: ۳۱۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح :سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ ہذا، صحیح عبد اللطیف، ۶/ ذیقعدہ/ ۵۷ھ۔

لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج ؟

سوال[۵۰۲۹]: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا مگر اس کی لڑکی شادی کے قابل ہو چکی ہے تو اس صورت میں پہلے حج کرے یا لڑکی کی شادی؟ جب کہ شادی کرنے میں حج کو ملتوی کرنا پڑے گا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی وجہ سے حج کو مؤخر یا ملتوی نہ کرے، آج کل کے رسم ورواج نے شادی کے لئے جو پابندیاں

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۴۹، رشيديه)

(۲) (منحة الخالق على البحر الرائق كتاب الحج: ۲/ ۵۴۹، رشيديه)

"ثم ماذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلىٰ مكة، حتى لو ملك الزاد والراحلة فى أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلىٰ مكة، فهو فى سعة من صرف ذلك إلىٰ حيث أحب، وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا يجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلىٰ غيره، فإن صرفه إلىٰ غير الحج أثم، وعليه الحج، كذا فى البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول فى تفسير الحج و فرضيته و وقته و شرائطه، الخ: ۱/ ۲۱۹، رشيديه)

"والذى رأيته فى الخلاصة هكذا: وإن لم يكن له مسكن و لا شيء من ذلك، و عنده دراهم تبلغ به الحج و تبلغ ثمن مسكن و خادم و طعام و قوت، وجب عليه الحج، وإن جعلها فى غيره أثم، اهـ. لكن هذا إذا كان وقت خروج أهل بلده، كما صرح به فى اللباب . أما قبله، فيشترى به ما شاء؛ لأنه قبل الوجوب". (رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/ ۴۶۲، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، فصل فى شرائط فرضيته: ۳/ ۵۳، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

لازم کردی ہیں وہ اکثر ایسی ہیں جو شرعاً لازم نہیں بلکہ شرعاً ناجائز ہیں۔ شادی کا مسنون طریقہ تحفۃ الزوجین وغیرہ اردو رسائل میں دیکھنا چاہیے، اگر طریقۂ مسنونہ پر شادی کی جائے تو حج کو ملتوی یا مؤخر کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

ایضاً

سوال[۵۰۳۰]: بالغہ لڑکی بغیر شادی شدہ گھر میں موجود ہو اور والدین حج کو جانا چاہتے ہیں تو بالغہ کی شادی کرنا افضل ہے یا حج کو جانا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر حج فرض ہے اور لڑکی کی حفاظت کا انتظام بھی ہے تو اس کی شادی کی وجہ سے حج کو مؤخر نہ کیا جائے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۵/ ۸۸ھ۔

استطاعت سے پہلے حج کا حکم

سوال[۵۰۳۱]: ایک مسکین نے مسکینی کی حالت میں کسی طرح حج کرلیا اب وہ مالدار ہوگیا تو کیا

(۱) "وفي البنابيع: إن كان له مقدار ما يحج به و عزم على التزوج، ذكر ابن شجاع عن أبي حنيفة رحمه الله تعالى أنه يحج و لا يتزوج". (التاتارخانية: ۲/ ۳۳۳، كتاب الحج، الفصل الأول في شرائط الوجوب، إدارة القرآن كراچى)

قال العلامة الحصكفي: "و في الأشباه: معه ألف و خاف العزوبة، إن كان قبل خروج أهل بلده، فله التزوج، و لو وقته لزم الحج". (الدر المختار: ۲/ ۴۶۲ كتاب الحج، سعيد)

"إذا وجد ما يحج به و قد قصد التزوج، يحج به و لا يتزوج؛ لأن الحج فريضة أوجبها الله تعالىٰ على عبده، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۲۱۷، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، رشيديه)

(۲) (تقدم تخريجه تحت عنوان: "لڑکی کی شادی مقدم ہے یا حج")

حج فرض دوبارہ ادا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اپنی ہی طرف سے حج کیا ہے تو اب مالدار ہوجانے کی وجہ سے دوبارہ حج فرض نہیں (۱)۔ اگر حج بدل کیا ہے تو اب مالدار ہوکر اپنا حج کرنا ضروری ہے، البحر : ۲/۳۳۵، ۳/۷٤(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و قد قدمنا من الشرائط: الوقت، أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملک ما به الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره، و أفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر، هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج، فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون فيها، و لم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملک في غيرها و صرفها إلى غيره، لا شيء عليه، كذا في فتح القدير". (البحر الرائق: ۲/۵۵۰، كتاب الحج، رشيديه)

"ثم ماذكر من الشرائط لوجوب الحج: من الزاد والراحلة وغير ذلک، يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلىٰ مكة، حتى لو ملک الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن يخرج أهل بلده إلىٰ مكة، فهو في سعة من صرف ذلک إلىٰ حيث أحب . وإذا صرف ماله ثم خرج أهل بلده، لا يجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلىٰ غيره، فإن صرفه إلىٰ غير الحج، أثم، وعليه الحج، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۹، كتاب المناسک، الباب الأول في تفسير الحج، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير : ۲/۴۰۹، كتاب الحج، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ثم الصحيح من المذهب في من حج عن غيره أن أصل الحج يقع عن المحجوج عنه، و لهذا لا يسقط به الفرض عن المأمور، و هو الحاج، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۵۷، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲/۴۲۴، كتاب الحج، باب الحج عن الغير، دارالكتب العلميه بيروت)

"لو حج الفقير نفلاً، يجب عليه أن يحج حجاً ثانياً". (البحر الرائق: ۳/۱۲۳، باب الحج عن الغير، رشيديه)

حج اکبر

سوال[۵۰۳۲]: قال اللّٰہ تعالیٰ: ﴿وأذانٌ من اللّٰہ و رسولہ إلی الناس یوم الحج الأکبر، أن اللّٰہ بریء من المشرکین و رسولُہ﴾(۱) اس آیت کریمہ میں حجِ اکبر سے کیا مراد ہے؟ کیا اس میں اقوال مختلف ہیں قول راجح کیا ہے؟ یوم عرفہ، وجمعہ کو حج اکبر کا سمجھنا کیا کسی امام فن کا قول ہے یا محض شیخ اکبر کا قول؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"یوم الحج الأکبر" کی تعیین میں مفسرین کے دو قول ہیں: ایک یہ کہ اس سے یومِ عرفہ مراد ہے، دوسرا قول ہے کہ اس سے یوم النحر مراد ہے، کما فی الإکلیل: ۳/۳۳٤(۲)۔ حافظ عماد نے اپنی تفسیر میں سعید بن مسیّب رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے: "قال: یوم الحج الأکبر الیوم الثانی من یوم النحر" مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ: "یوم الحج الأکبر أیام الحج کلها" تفسیر ابن کثیر: ۲/۳۳۵(۳)۔

حافظ ابوبکر جصاص رازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے نقل کیا ہے: "العمرة الحج الصغریٰ" أحکام القرآن: ۳/۹۹(٤) جس کا حاصل یہ ہے کہ "الأکبر" کی قید احترازعن العمرۃ کے لئے

---

(۱) (سورۃ التوبۃ: ۳)

(۲) الإکلیل دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے ردالمحتار کا حوالہ نقل کیا جاتا ہے:

"قال العلامة نوح فی رسالته المصنفة فی تحقیق الحج الأکبر: قیل: إنه الذی حج فیه رسول اللّٰه صلی اللّٰه تعالیٰ علیه وسلم، وهو المشهور، وقیل: یوم عرفة جمعةً أو غیرها، وإلیه ذهب ابن عباس وابن عمر وابن الزبیر وغیرهم -رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم أجمعین-، و قیل: یوم النحر، وإلیه ذهب علیّ وابن أبی أوفیٰ والمغیرة بن شعبة -رضی اللّٰه تعالیٰ عنهم أجمعین- و قیل: إنه أیام منی کلها، و هو قول مجاهد، وسفیان الثوری، الخ". (ردالمحتار، باب الهدی، مطلب فی الحج الأکبر: ۲/۶۲۲، سعید)

(۳) (تفسیر ابن کثیر، سورۃ التوبۃ: ۲/۳۳۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

(٤) "یوم الحج الأکبر لما کان یوم عرفة أو یوم النحر، و کان الحج الأصغر العمرة، وجب أن یکون أیام الحج غیر أیام العمرة، فلا تفعل العمرة فی أیام الحج .... (الحج عرفة) و هذا یدل علی أن یوم الحج الأکبر هو یوم عرفة، و یحتمل أن یکون یوم النحر؛ لأن فیه تمام قضاء المنسک والتفث، ویحتمل أیام منی علی ما روی عن مجاهد. و خصه بالأکبر؛ لأنه مخصوص بفعل الحج فیه دون العمرة الخ".=

ہے،اسی لئے ایامِ حج میں عمرہ منع ہے۔

جس دن پرقرآن پاک میں"یوم الحج الأکبر" کا اطلاق کیا گیا ہے مفسرین کی بڑی جماعت اس کی قائل ہے کہ وہ جمعہ کا دن تھا،مگر اس کا یہ مطلب کہ ہر وہ حج جو جمعہ کے روز ہووہ حج اکبر ہے جیسا کہ مشہور ہے میں نے ائمہ مجتہدین کے اقوال میں نہیں پایا،البتہ جو حج جمعہ کے روز ہو اس کی فضیلت کسی اَور دن کے حج پر ستر ۷۰/درجہ ہے اس کی تصریح طحطاوی، ص: ۴۰۳ (۱)، زیلعی: ۲/۲۶ (۲) اوراوجز، ص: ۲۲۷ (۳) وغیرہ میں مذکور ہے۔عوام جمعہ کے روز والے حج کو حجِ اکبر کہتے ہیں،العرف الشذی، ص: ۴۰ ۳، میں اس کی تردید موجود ہے(۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررالعبدمحمودگنگوہی غفرلہ۔

حجِ مبروراورمقبول میں فرق

سوال[۵۰۳۳]: حجِ مبروراورحجِ مقبول میں کیا فرق ہے؟اورحجِ نفل مقبول یا مبرور ہوسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مقبول ومبرور کے درمیان عموم وخصوص من وجہ کی نسبت ہے،مبرور وہ ہے کہ جس حج میں کوئی جنایت نہ

= (أحكام القرآن، للجصاص، سورة براءة: ۱۲۰/۳، قديمى)

(۱) "وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة، الخ".
(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح، فصل: العمرة سنة، ص: ۷۴۰، قديمى)

(۲) "عن طلحة بن عبيد الله أنه عليه الصلاة والسلام قال: "أفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق يوم جمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة". (تبيين الحقائق، باب الإحرام: ۲۹۲/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "وأفضل الأيام يوم عرفة إذا وافق الجمعة، وهو أفضل من سبعين حجةً فى غير جمعة". (أوجز المسالك، باب حج يوم الجمعة هل له مزية: ۲۲۷/۳، المكتبة اليحيويه سهارنفور يوبى هند)

(۴) "الحج الأكبر فى عرف الحديث هو الحج، وأما الحج الأصغر فالعمرة، لا ما هو متعارف فى عامة الناس من أن الحج الأكبر الذى يكون يوم عرفة فيه يوم الجمعة". (العرف الشذى على جامع الترمذى: ۱۸۹/۱، سعيد)

کی جس سے دم یا کفارہ لازم آئے (۱)، مقبول وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے (۲)۔کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ جنایت کے باوجود قبول ہوجائے تو وہ مقبول ہے مبرور نہیں ہے، کبھی جنایت سے پاک وصاف ہونے کے باوجود قبول نہیں ہوتا ہے مثلاً ناجائز روپیہ سے حج کیا تو وہ مبرور ہے مقبول نہیں (۳)۔مقبول ومبرور کا جمع ہونا ظاہر ہے کبھی ایک دوسرے کے معنیٰ میں بھی استعمال کرتے ہیں (۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۰/۹۴ھ۔

بیوی کو حج کے لئے ساتھ لیجانا کب ضروری ہے؟

سوال[۵۰۳۴]: زید حجِ بیت اللہ کے لئے جارہا ہے اس کی بیوی کے پاس ایک ہزار روپے نقد موجود ہیں جو کرایہ وغیرہ کے لئے کافی ہوگا مگر زادِراہ کا روپیہ اس کے پاس نہیں ہے، اس کی بیوی زید سے تقاضا

---

(۱) "وهو (أى الحج المبرور) مالا جناية فيه". (فيض البارى، باب فضل الحج المبرور: ۶۲/۳، خضر راه بک ڈپو ديوبند الهند)

"فعلى هذا يخرج الحج من أن يكون مبروراً بارتكاب الجناية عمداً مرةً بعد أخرى وإن كفّر عنها صاحبها .... و من فعل شيئاً مما يحكم بتحريمه، فقد أخرج حجه أن يكون مبروراً". (البحر الرائق، باب الجنايات: ۲۳/۳ رشيديه)

(۲) "والقبول المترتب عليه الثواب يبتنى علىٰ أشياء: كحل المال والإخلاص كما لو صلى مرائياً أوصام و اغتاب، فإن الفعل صحيح لكنه بلا ثواب". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

(۳) "ولذا قال فى البحر: و يجتهد فى تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد فى الحديث، مع أنها يسقط الفرض عنه معها، و لا تنافِيَ بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يثاب لعدم القبول". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد)

"و يجتهد فى تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام مع أنه يسقط الفرض معها". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۲۲۰/۱، رشيديه)

(۴) "المبرور المقبول، و قال غيره: الذى لايخالطه شيء من الإثم، و قال القرطبى: الأقوال التى ذكرت فى تفسيره متقاربة المعنى". (فتح البارى، باب فضل الحج المبرور: ۳۸۲/۳، دارالمعرفة بيروت)

کرتی ہے کہ آپ گھر رہنے کی صورت میں میرے نان ونفقہ کا انتظام کریں گے وہی روپیہ مجھے دیدیجئے تاکہ آپ کے ہمراہ میں بھی حج کو چلوں۔ تو کیا ایسی صورت میں زید کی بیوی پر حج فرض ہوجاتا ہے؟ کیا زید کی بیوی اپنے مطالبۂ نان ونفقہ میں حق بجانب ہے؟ کیا زید پر واجب ہے کہ بیوی کے زادراہ کا انتظام کر کے اپنے ہمراہ حج کے لئے لیجائے؟ اگر زید زحمت کی وجہ سے بیوی کو ساتھ لیجانے سے گریز کرے تو کیا وہ گناہ گار ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ زید حج کو جارہا ہے اور بیوی کے پاس خرچ راہ اور کرایہ آمدورفت موجود ہے تو بیوی کا نان ونفقہ ساقط ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ اگر بیوی نہ جاتی تو زید کے ذمہ لازم تھا کہ اس کو نان ونفقہ دیکر جاتا، البتہ ساتھ جانے کی صورت میں وہ نان ونفقہ لازم ہوگا جو حضر میں لازم ہوتا۔ سفر کی وجہ سے جس قدر نان ونفقہ زائد خرچ ہوگا اس کی ذمہ داری زید پر نہیں۔ زید کے ذمہ لازم ہے کہ اس کو ساتھ لیکر جائے جب کہ بیوی کا حج فرض ہو:

"ولو حجت معه فلها نفقة الحضر لا السفر .... وعن الثاني لو أرادت حجة الإسلام يؤمر الزوج بالخروج معها، وبالإنفاق عليها كما في المحيط، اه" سکب الأنهر: ۱/۴۹۸ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "(ولو حجت معه) فرضاً أو نفلاً (فلها نفقة الحضر) بالاتفاق؛ لأنها كالمقيمة في منزله، فما زاد على نفقة الحضر يكون في مالها؛ لأنه بإزاء منفعة لها، لا نفقة السفر ولا الكراء .... وعن الثاني: لو أرادت حجة الإسلام، يؤمر الزوج بالخروج معها، وبالإنفاق عليها، كما في المحيط". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر: ۲/ ۱۸۱، باب النفقة، المكتبه الغفاريه كوئته)

"وأما إذا حج الزوج معها، فلها النفقة إجماعاً، وتجب عليه نفقة الحضر دون السفر، ولا يجب الكراء. أما إذا حجت للتطوع فلا نفقة لها إجماعاً إذا لم يكن الزوج معها، هكذا في الجوهرة النيّرة. وإن حجت مع زوجها حجةً نفلاً كانت لها نفقة الحضر لا نفقة السفر، هكذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية: ۱/ ۵۴۶، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول في نفقة الزوجة، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/ ۴۳۸، باب النفقة، مكتبه شركة علميه ملتان)

حج کو جاتے وقت والد، والدہ، بیوی کس کو ساتھ لیجائے؟

سوال[۵۰۳۵]: میں حج کو جارہاہوں دریافت طلب امر یہ ہے کہ میں اپنی والدہ، بیوی اور والد میں سے کس کو اپنے ہمراہ لے جانے کا پہلے حق حاصل ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والدہ صاحبہ کو اپنے ساتھ لے جائیں تو بہتر ہے، خدا جانے پھر ان کو ساتھ جانے کے لئے محرم میسر آئے یا نہ آئے (۱)۔ ویسے آپ والد صاحب اور اہلیہ میں سے جس کو دل چاہے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۱ھ۔

بیوی سے کیا گیا حج کا وعدہ کیا شوہر کے حق میں مانع ہے؟

سوال[۵۰۳۶]: سائل نے اپنی بیوی سے اس بات کا وعدہ کیا تھا کہ وہ اس کو حج کرادے گا، لیکن بیوی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ مروجہ قانون کے مطابق اس کو اجازتِ سفر مل جائے تو کیا یہ امر سائل کے حج میں مانع ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

بیوی کا اس پوزیشن میں نہ ہونا آپ کے لئے حج سے مانع نہیں ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

---

(۱) "عن أبي هريرةؓ قال: "جاء رجل إلى رسول الله ﷺ، فقال: يا رسول الله! من أحق بحسن صحابتي؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "أمك" قال: ثم من؟ قال: "ثم أمك" قال: ثم من؟ قال: "ثم أبوك".

(صحيح البخاري، كتاب الأدب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة: ۲/۸۸۳، قديمي)

(و كذا في الصحيح لمسلم، كتاب البر والصلة والأدب، باب بر الوالدين أيهما أحق به: ۲/۳۱۲، قديمي)

(۲) "قال المزني: قال الشافعي رحمه الله تعالىٰ: فرض الله تبارك و تعالىٰ الحج علىٰ كل حر بالغ استطاع إليه سبيلاً بدلالة الكتاب والسنة". (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۳/۵، المكتبة التجارية، مصطفى احمد الباز)

"شروط الوجوب: و هي التي إذا وجدت بتمامها وجب الحج، و إلا فلا". (رد المحتار، =

کیا مال ضائع ہونے سے حج ساقط ہوجائے گا؟

سوال[۵۰۳۷]: ایک شخص پر حج فرض ہو چکا تھا مگر کسی طرح اس کا مال ضائع ہوگیا جس سے حج کو جانے کی طاقت جاتی رہی تو اب حج اس کے ذمہ سے ساقط ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر اس کے پاس مال بقدرِ حج ایسے وقت تھا کہ لوگ حج کو نہیں جارہے تھے بلکہ ابھی وقتِ حج میں دیر تھی اور وقتِ حج آنے سے پہلے ہی وہ مال ضائع ہوگیا تو اس کے ذمہ حج فرض نہیں، اگر زمانۂ حج میں مال تھا اور اس نے ارادہ کرلیا تھا مگر بغیر اس کے اختیار کے مال ضائع ہوگیا تب بھی اس کے ذمہ حج نہیں، اگر اس نے خود اپنے اختیار سے ایسی جگہ خرچ کردیا جہاں شریعت کی طرف سے خرچ کرنے کا امر نہیں تھا تو اس کے ذمہ حج لازم ہوگیا، بحر: ۲/۳۳۸(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعيد)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب شرائط الحج، ص: ۲۱، مكتبه مصطفى محمد صاحب المكة)

(۱) "وقد قد منا أن من شرائط الوقت أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك مابه الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلى غيره. وأفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر: هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج أهل البلدة إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها ولم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملك في غيرها وصرفها إلى غيره، لاشئ عليه، كذا في فتح القدير". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۰، رشيديه)

"ثم ماذكر من الشرائط لوجوب الحج من الزاد والراحلة وغير ذلك يعتبر وجودها وقت خروج أهل بلده إلى مكة، حتى لو ملك الزاد والراحلة في أول السنة قبل أشهر الحج وقبل أن أهل بلده لايجب عليه الحج. فأما إذا جاء وقت خروج أهل بلده، فيلزمه التأهب، فلا يجوز له صرفه إلى غيره فإن صرفه إلى غير الحج، أثم، وعليه الحج، كذا في البدائع". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۹، رشيديه) .... =

روپیہ ضائع ہونے سے فرضیتِ حج ساقط نہیں ہوتی

سوال[۵۰۳۸]: عرصہ ۲۶/سال کا ہوا جب زید پر حج فرض ہوا، اس رقم سے زید نے کھانڈ (چینی) خرید لی، چونکہ حج کے جانے میں زیادہ دن تھے، قسمت کی بات کہ اس دوران میں کھانڈ سرکاری گرفت میں آ گئی اور جو روپیہ تھا وہ سب ختم ہو گیا اور زید حج سے محروم رہ گیا۔ اب قدرت نے پھر موقع عنایت فرمایا ہے، لڑکے اپنے پیسے سے حج بیت اللہ کو بھیج رہے ہیں، اب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ جو زید کی حج کی فرضیت ماضی میں ہو چکی تھی وہ پیسہ ختم ہونے کے بعد فرضیت ختم ہو گئی یا باقی رہے گی؟ اور اگر باقی رہی تو کیا لڑکوں کے حج کرانے سے وہ فرضیت ختم ہو جائے گی یا نہیں؟ تو پھر کیا صورت اختیار کیا جائے کہ جس سے حج بھی ہو جائے اور فرضیت بھی نہ رہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

روپیہ محفوظ نہیں رکھا، تجارت میں لگا دیا جس کی وجہ سے وہ ضائع ہو گیا، اس لئے فریضۂ حج ختم نہیں ہوا، بلکہ ذمہ میں باقی ہے، لڑکے اگر پیسے دے رہے ہیں اور اس سے حج کریگا، فریضۂ حج ادا ہو جائے گا(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۰۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(۱) "و قد قدمنا أن من الشرائط الوقت: أعني أن يكون مالكاً لما ذكر في أشهر الحج، حتى لو ملك ما به الاستطاعة قبلها، كان في سعة من صرفها إلىٰ غيره. و أفاد هذا قيداً في صيرورته ديناً إذا افتقر: هو أن يكون مالكاً في أشهر الحج فلم يحج. والأولى أن يقال: إذا كان قادراً وقت خروج إن كانوا يخرجون قبل أشهر الحج لبُعد المسافة، أو كان قادراً في أشهر الحج إن كانوا يخرجون فيها، و لم يحج حتى افتقر، تقرر ديناً. وإن ملك في غيرها و صرفها إلىٰ غيره لا شيء عليه، كذا في فتح القدير".

(البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۰، رشيديه)

"بخلاف ما لو ملكه مسلماً، فلم يحج حتى افتقر، حيث يتقرر الحج في ذمته ديناً عليه".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب الحج: ۲/۴۰۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہونے کی حالت میں حج

سوال[۵۰۳۹]: سائل کی مالی حیثیت اتنی ہے کہ بیوی کا مہر ادا کرنے کے بعد اور اہل وعیال کے خرچہ کے بعد بہ آسانی حج کے اخراجات پورے ہو سکتے ہیں، تو کیا حج فرض ہو جاتا ہے، گو کہ حج کے بعد مالی پوزیشن صفر ہو جائے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس صورت میں حج فرض ہوگا:

"تلك القدرة الفاضلة عن نفقته ونفقة عياله إلى حين عوده، و قيل: بعده، وقيل: بشهر". طحطاوی(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/ ۸۹ھ۔

قحط کی حالت میں حج

سوال[۵۰۴۰]: عبدالرشید کی ایک لڑکی شادی شدہ ہے، لیکن داماد لڑکی کو بہت زدوکوب کرتا ہے، ہر چند سمجھایا مگر باز نہیں آیا۔ اب عبدالرشید حج کو جانا چاہتا ہے مگر ڈر یہ ہے کہ سفرِ حج میں اگر کچھ ہو گیا تو لڑکی یتیم ہو جائے گی اور اس کی زندگی بھیانک گزرے گی، اسی طرح اس علاقہ میں قحط پڑ رہا ہے تو پھر حج کو چلا جاوے یا اس وقت ملتوی کر دے، تو یہ کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی مذکورہ حالت کی بناء پر حج فرض کو ترک ہرگز نہ کرے، اسی طرح بارش نہ ہونے کی وجہ سے ترک نہ کرے(۲)، اِلّا یہ کہ وقتِ حج سے پہلے پہلے اپنا روپیہ غرباء کو صدقہ کر دے تا کہ قحط زدہ غریبوں کی امداد

(۱) (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، كتاب الحج، ص: ۷۲۸، قديمي)

"لأن الشرط في وجوب الحج زاد و راحلة، و نفقة أهله في ذهابه و عوده، و لا اعتبار بما بعده". (الحاوي الكبير، كتاب الحج: ۵/۷، المكتبة التجاريه، مصطفى أحمد الباز)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، كتاب الحج: ۱/۱۶۴، قديمي)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿و لله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷) ....=

ہو جاوے تو حج خود ہی امسال لازم نہیں رہے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

قرضۂ فرم کیا مانعِ حج ہے؟

سوال[۵۰۴۱]: فرم کا قرضہ حج سے مانع ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

مانع نہیں، بلکہ مالی حیثیت یہ ہے کہ اہل وعیال کا خرچہ ادا کرنے کے بعد حج کا خرچہ پاس ہو(۲)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۴/۸۹ھ۔

= "والحج واجب على الأحرار البالغين العقلاء الأصحاء إذا قدروا على الزاد والراحلة فاضلاً عن المسكن، الخ". (الهداية، كتاب الحج: ۱/۲۳۱ مكتبه شركة علميه ملتان)

"شروط الوجوب: وهي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعيد)

(۱) "السابع: الوقت وهو أشهر الحج أو وقت خروج أهل بلده إن كانوا يخرجون قبلها، فلا يجب إلا على القادر فيها أو في وقت خروجهم. فإن ملكه: أى المال قبل الوقت، فله صرفه حيث شاء، ولا حج عليه. وإن ملكه فيه، فليس له صرفه إلى غير الحج، الخ". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۳۹، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۱۹، رشيديه)

(۲) "(فضلاً عما لا بدمنه) كما في الزكاة". (الدرالمختار). "(قوله: كما مر في الزكاة): أى من بيان ما لا بد منه من الحوائج الأصلية كفرسه وسلاحه وثيابه وعبيد خدمته وآلات حرفته وأثاثه وقضاء ديونه وأصدقته، كما في اللباب وغيره. المراد قضاء ديون العباد، ولذا قال في اللباب أيضاً: وإن وجد مالاً، وعليه حج وزكاة يحج به، قيل إلا أن يكون المال من جنس ماتجب فيه الزكوة فيصرف إليها".

(ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۶۱، سعيد)

قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"شروط الوجوب، وهي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعيد)

"ولذا قلنا: لا يستقرض ليحج إلا إذا قدر على الوفاء، كما مر". (ردالمحتار، كتاب الحج، =

مشترکہ تجارت میں حج کس پر ہے؟

سوال[۵۰۴۲] : ۱......مثلاً کئی بھائی مشترکہ زندگی گزارتے ہیں اور سب کماتے ہیں کوئی تجارت سے، کوئی زراعت سے مگر تجارت کرنے والے بھائی زیادہ کماتے ہیں کہ سب کا اخراجات مشترکہ اٹھانے کے بعد بھی اتنا روپیہ بچ رہتا ہے کہ گھر کا ہر فرد حج کرسکتا ہے۔ اور مشترکہ گھر جس میں نصاب سے کم کماتے ہیں حسبِ ذیل قسم کے لوگ شامل ہیں: اس تاجر کے بھائی اور ان کی بیویاں اور اس کے والدین اور اس تاجر کے بالغ لڑکے غیر شادی شدہ۔ تو شرعاً ان میں کس پر حج فرض ہوگا اور کس پر نہیں؟

ایضاً

سوال[۵۰۴۳] : ۲......خاندان مشترکہ میں سوال نمبر: ۱ کی نوعیت کے لوگ شامل ہوں اور روپیہ صرف تین یا چار آدمی کے ہوں کہ حج کے لئے کفیل ہوتا ہو اور سب کے لئے کفالت نہیں کرتا تو کیا ان میں چار آدمیوں پر حج فرض ہوگا یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں خاندان کے کن لوگوں کو پہلے جانا ضروری ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جب سب بھائی الگ الگ کماتے ہیں تو ہر ایک اپنی کمائی کا مالک ہے، جس کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد بقدرِ حج روپیہ ہو اس پر حج فرض ہے(۱)۔ ان کا ایک ساتھ مشترکہ زندگی گزارنا اور ایک دوسرے کی اعانت کرنا یہ آپس کی ہمدردی ہے۔ جن کا کمایا ہوا روپیہ ہے اگر وہ پہلے حج کرلیں پھر نمبر وار دوسروں کو حج

= مطلب فی قولهم: یقدم حق العبد علی حق الشرع: ۲/ ۴۶۲، ۴۶۳، سعید)

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿ولله علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"(ومنها القدرة علی الزاد والراحلة) بطریق الملک أو الإجارة، دون الإعارة والإباحة ...... وتفسیر ملک الزاد والراحلة أن یکون له مال فاضل عن حاجته، وهو ما سوی مسکنه ولبسه وخدمه وأثاث بیته قدر ما یبلغه إلی مکة ذاهباً وجائیاً". (الفتاوی العالمکیریة، کتاب المناسک، الفصل الأول: ۱/ ۲۱۷، رشیدیه)

"الحج واجب علی الأحرار البالغین العقلاء الأصحاء إذا قدروا علی الزاد والراحلة، فاضلاً عن المسکن وما لا بد منه". (اللباب فی شرح الکتاب، کتاب الحج: ۱/ ۱۶۴، قدیمی)

کرائیں تو سب کو یہ سعادت حاصل ہوجائے گی۔ نابالغ پر حج فرض نہیں، اگر وہ حج کرلیں تو ثواب کے وہ بھی مستحق ہوں گے،مگر بالغ ہونے پر اگر فرض ہوا ہوتو پھر ادا کرنا ہوگا (۱)۔

۲..... نمبر: ا سے ظاہر ہے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۵/۱۰/۸۷ھ۔

کیا اپنے حج کے لئے پہلے والد کو حج کرانا ضروری ہے؟

سوال [۵۰۴۴]: ایک شخص نے اپنی کمائی سے حج کے لئے روپیہ اکٹھا کیا اور وہ حج کو جانا چاہتا ہے، مگر لوگ کہتے ہیں پہلے والد کو حج کرانا چاہئے، بعد میں خود کرے۔اب اس کو کیا کرنا چاہئے جب کہ اس کے پاس اتنی گنجائش نہیں کہ والد کو بھی ساتھ لے جاسکے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کو خود اپنا حج کرنا چاہئے، پھر اگر کسی وقت وسعت ہو اور اپنے والد کو بھی حج کرادے تو عینِ سعادت ہے۔ یہ بات کہ ''جب تک والد کو حج نہ کرائے، اپنا حج بھی نہ کرے'' شرعی مسئلہ نہیں، بلکہ بے علم عوام میں غلط مشہور ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "فمنها البلوغ، و منها العقل، فلا حج على الصبي، والمجنون؛ لأنه لا خطاب عليهما، فلا يلزمهما الحج، حتى لو حجا، ثم بلغ الصبي وأفاق المجنون، فعليهما حجة الإسلام، و ما فعله الصبي قبل البلوغ يكون تطوعاً، و قد روي عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "أيما صبي حج عشر حجج، ثم بلغ، فعليه حجة الإسلام". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۴۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۷، كتاب المناسك، الفصل الأول، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، ۴۵۹، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"(والقدرة زاد وراحلة)......... ولو لم يكن له زاد و لا راحلة، لا يجب عليه". (حاشية الشيخ الشلبي على تبيين الحقائق: ۲/۲۳۵، كتاب الحج، دارالكتب العلميه بيروت)

حج کے ارکان

سوال[۵۰۴۵]: اگر کسی مسلمان نے حج کی نیت سے احرام کی چادریں باندھیں، عرفات میں وقوف کیا اور طوافِ زیارت بھی کرلیا تو کیا اس کا حج ہوگیا؟ اور اس کو حج کا پورا پورا ثواب ملے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کے دو رکن ہیں: وقوفِ عرفات اور طوافِ زیارت، بحالتِ احرام ادا کرلینے سے حج ادا ہوجائے گا(۱)۔ بقیہ امورِ حج میں واجب، سنت اور مستحب ہیں جن کے ترک سے صدقہ وغیرہ لازم ہوتا ہے یا تو ثواب میں کمی آتی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حکومتِ سعودیہ کے حکم پر دو دن پہلے حج

سوال[۵۰۴۶]: اس سال ۲۹/ ذیقعدہ ۱۳۹۵ھ کو رویتِ ہلال بروز پنجشنبہ اور یکم ذی الحجہ جمعہ کو ہوئی، اس حساب سے یومِ عرفہ سنیچر کو تھا یہی دن وقوفِ عرفات یوم الحج تھا، کیا یہ حج صحیح ہے؟ ۱۰/ ذی الحجہ کو منیٰ میں

---

(۱) "قال الإمام ابن الهمام: الظاهر أنه عبارة عن الأفعال المخصوصة من الطواف والوقوف في وقته محرماً بنية الحاج سابقاً: أي على الأفعال". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب شرائط الحج، ص: ۱۷، مكتبه مصطفى محمد مصر)

"(هو الإحرام) و هو شرط للحج من وجه، و لذا يجوز قبل الوقت، و ركن له من وجه".

...... "و هو شرط للحج: أي عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، و عند الأئمة الثلاثة هو ركن ......

(والوقوف بعرفة): أي في وقته و لو ساعةً (وأكثر طواف الزيارة): أي في محله و هما ركنان للحج".

" قوله و هما ركنان، إلا أن الوقوف أقوى من الطواف ...... فإنه لا وجود للحج إلا بوجود ركنيه". (مناسك الملا على القاري، فصل في فرائضه، ص: ۶۲، مكتبه إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۳۸/۲، رشيديه)

جو قربانیاں دی گئیں، صحیح ہوئیں؟ کیا ان حجاج کا فریضۂ حج جوان پر فرض تھا ادا ہوگیا؟ یہ اَور بات ہے کہ بہ نیتِ حج ابتدائے سفر ہی سے یہ حجاج ثواب کے مستحق ہوگئے؟ اگر یہ حج نہیں ہوا کیونکہ حکومتِ سعودیہ کے حکم پر خاص یومِ حج سے دو دن پہلے ہوا تو کیا یہ مداخلت فی الدین نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حکومتِ سعودیہ میں جہاں تک مجھے علم ہے رؤیت ہلال کا خاص کر حج سے متعلق بہت اہتمام کیا جاتا ہے، جہاں بھی رویت ہوئی فوراً محکمہ میں شہادت لی جاتی ہے اور تمام علاقہ کے قضاۃ ثبوت فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پھر اس ثبوت وشہادت پر پوری جرح اور گفتگو ہوتی ہے، پھر سب کو سامنے رکھ کر ملکر خود فیصلہ کرتے ہیں اور باضابطہ اس کی اطلاع دی جاتی ہے اور اعلان کیا جاتا ہے، خطبات دیئے جاتے ہیں، منیٰ، عرفات، مزدلفہ کے انتظامات کئے جاتے ہیں، اس اہم فریضہ کی اس کی شان کے مطابق اس کا اہتمام کیا جاتا ہے۔

۸/ ذی الحجہ کو منیٰ روانگی ہوتی ہے، ۹/ ذی الحجہ کو عرفات میں وقوف ہوتا ہے، آفتاب غروب ہونے پر وہاں سے واپسی ہوتی ہے، مزدلفہ میں مغرب وعشاء پڑھتے ہیں، پھر ۱۰/ ذی الحجہ کو فجر بھی وہیں غلس میں ادا کی جاتی ہے، پھر منیٰ میں آکر رمی، اضحیہ، حلق کرتے ہیں پھر طوافِ زیارت ۱۰/ کو یا ۱۱/ کو یا ۱۲/ کو جب جب موقع ہوکرتے ہیں۔ اضحیہ کا سلسلہ بھی تین دن جاری رہتا ہے یہ عام نظم ہے، اپنے کسی ملک کی رویت اگر اس سے مختلف ہو تو اس کی وجہ سے تمام حجاج کے حج اور قربانی کو غلط کہنا، یا اس کو مداخلت فی الدین قرار دینا غلط ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۲۱/ ۹۵ھ۔

---

(۱) "و لاعبرة باختلاف المطالع، و قيل: يعتبر .... والأشبه أن يعتبر؛ لأن كل قوم مخاطبون بما عندهم، وانفصال الهلال عن شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار، كما أن دخول الوقت و خروجه يختلف باختلاف الأقطار، حتى إذا زالت الشمس في المشرق لا يلزم منه أن تزول في المغرب، بل كلما تحركت الشمس درجةً، فتلك طلوع فجر لقوم، و طلوع شمس لآخرين، وغروب لبعض، ونصف ليل لغيرهم". (تبيين الحقائق، كتاب الصوم: ۱/ ۳۲۱، مكتبه امداديه ملتان)

"و قيل: يختلف ثبوته باختلاف المطالع، واختاره صاحب التجريد و غيره، كما إذا زالت =

سرکاری روپیہ سے حج

سوال[۵۰۴۷]: حکومتِ ہند موسمِ حج میں حاجیوں کی دیکھ بھال کے لئے ویلفیئر آفیسر بنا کر کسی کو منتخب کرکے اس کے تمام مصارف برداشت کرتی ہے اور اس کے لئے بقدرِ ضرورت تمام رقم پیشگی دیدیتی ہے، وہ منتخب آفیسر اپنے فرائض انجام دینے کے ساتھ ساتھ حج بیت اللہ بھی ادا کرلیتے ہیں۔ اس کا یہ حج کیسا ہوگا؟ اس کا وہ حج فرضیتِ حج میں شمار ہوگا یا نفل؟ کیا حکومت نے جب رقم دی اس وقت وہ صاحبِ نصاب شمار نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کوئی شخص خود صاحبِ نصاب نہیں جس سے اس پر حج فرض ہو یعنی زادِ راہ پر قادر نہیں مگر وہ پیدل پہونچ جائے، یا کوئی شخص اس کو اپنے ساتھ لے جائے، یا کسی نے اس کو روپیہ دے دیا جس سے وہ وہاں پہونچ گیا اور حج ادا کرلیا تو اس کا حج ادا ہوجائے گا (۱)، پھر غنی ہوجانے پر اس کے ذمہ دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا (۲)۔

= الشمس عند قوم و غربت عند غيرهم، فالظهر على الأولين لا المغرب، لعدم انعقاد السبب في حقهم".

"(قوله: واختار صاحب التجريد) و هو الأشبه و إن كان الأول أصح، كذا في السيد. قوله: (كما إذا زالت، الخ) قال في شرح السيد: لأن انفصال الهلال من شعاع الشمس يختلف باختلاف الأقطار كما في دخول الوقت و خروجه، حتى إذا زالت الشمس في المشرق، لا يلزم منه أن تزول في المغرب، وكذا طلوع الفجر و غروب الشمس، بل كلما تحركت درجةً، فتلك طلوع الفجر لقوم وطلوع الشمس لآخرين، و غروب لبعض و نصف ليل لآخرين، و هذا مثبت في علم الأفلاك والهيئة، عيني". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب، فصل فيما يثبت به الهلال، ص: ۶۵۶، قديمي)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب الصوم، رؤية الهلال: ۳۵۵/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۱) "والثاني: أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقدر على الراحلة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۵۴۶/۲، رشيديه)

(و كذا في بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۵۷/۳، دارالكتب العلمية بيروت لبنان)

(۲) "والفقير إذا حج ما شياً ثم أيسر، لا حج عليه". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۴۳۷/۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی) =

الاشباہ والنظائر میں ہے کہ کسی فرض کی ادائیگی کے لئے جو شرائط ہوں ان کی تحصیل مقصود نہیں، بلکہ جب ان کا حصول ہو جائے خواہ کسی طریقے سے ہو تو بھی کافی ہے، مثلاً: نماز کے لئے طہارت شرط ہے، ایک شخص بلا اختیار نہر میں گر گیا، پانی اس کے بدن پر پہونچ گیا اور بہہ گیا، پھر اس نے نماز پڑھی تو اس کی نماز ہو جائے گی، یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس نے اپنے قصد سے وضو نہیں کیا، اس لئے اس کی نماز نہیں ہوئی۔ اسی طرح یہاں بھی اس کا حج ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/ ۱۱/ ۱۴۰۶ھ۔

والدہ کے روپیہ سے حج

سوال [۵۰۴۸]: میں خیریت سے رہ کر اس سال فریضۂ حج کے لئے اپنی والدہ محترمہ کا محرم بن کر ان کے ساتھ جانا چاہتا ہوں، میری عمر غالباً ۱۸/ سال ہے، مجھ سے بڑے ایک بھائی ہیں جن کی عمر تقریباً ۲۱/ سال ہے۔ میرے اس مسئلہ کا حل فرما کر مجھ پر احسان فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر خرچ کا روپیہ آپ کی ملک کر دیا جائے، یا پہلے سے آپ کے پاس اتنا ہو کہ جس میں آپ حج کر سکیں تو پھر والدہ محترمہ کے ساتھ جانے اور حج کرنے سے آپ کا حج ادا ہو جائے گا۔ اگر والدہ محترمہ اپنے روپیہ سے آپ کو ساتھ لے جائیں اور حج کرلیں تب بھی حج ادا ہو جائے گا۔ اس فکر میں نہ رہیں کہ بڑے بھائی نے حج نہیں کیا تو میں کیسے حج کرلوں، آپ کا حج ہر حال میں ادا ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم

املاہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۷/ ۳/ ۱۴۰۶ھ۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية: كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/ ۲۱۷، رشيديه)

(۱) "إنما يراعى حصولها (أي شرائط) لا تحصيلها". (الأشباه والنظائر، القاعدة الثانية: الأمور بمقاصدها: ۱/ ۱۳۵، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

"أما إذا كان شرطاً لحكم، لا تشترط النية في هذا الشرط؛ لأن الشرط يراعى وجوده مطلقاً، لا وجوده قصداً .... انه لو سال عليه المطر، فغسل أعضاء وضوءه أو جميع البدن أجزأه عن الوضوء والغسل". (الأشباه والنظائر، لاثواب إلا بالنية: ۱/ ۶۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(۲) "(و منها القدرة على الزاد والراحلة) "بطريق الملك، والإجارة دون الإعارة، والإباحة، سواء=

سرکاری ملازم کا دورہ پر حج ادا کرنا

سوال[۵۰۴۹]: زید ایک سرکاری ہسپتال میں کمپونڈر ہے، اس سال حکومتِ ہند کی جانب سے وہ بحیثیتِ ملازم سعودی عرب چار ماہ کے لئے بھیجا جا رہا ہے، اس مدت میں اس کو تنخواہ کے ساتھ دیگر سہولتیں بھی حکومت کی طرف سے حاصل رہے گی، مثلاً سفر خرچ وغیرہ۔ زمانۂ حج میں وہ سعودی عرب میں مقیم رہے گا، ایسی صورت میں اگر وہ فریضۂ حج ادا کرے گا۔ تو کیا اس کے ذمہ سے فرض اتر جائے گا؟ یا صاحبِ استطاعت ہونے کی صورت میں دوبارہ اپنے ذاتی مصارف سے حج کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر وہ سرکار کے دیئے ہوئے مصارف سے حج کرے گا تب بھی فریضۂ حج ادا ہوجائے گا (۱)، پھر

= كانت الإباحة من جهة مَن لا منّة له عليه كالوالدين والمولودين، أو من غيرهم كالأجانب، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج: ۱/۲۱۷، رشيديه)

"(قوله: ذى زاد و راحلة) أفاد أنه لا يجب إلا بملك الزاد وملك أجرة الراحلة، فلا يجب بالإباحة أو العارية، كما في البحر، و سَيُشير إليه". (رد المحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۵۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۸، رشيديه)

(۱) "والثاني: أن الفقير إذا وصل إلى المواقيت، صار حكمه حكم أهل مكة، فيجب وإن لم يقد، على الراحلة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۲، رشيديه)

"فإذا تحمل الحرج وقع موقعه كالفقير إذا حج، والعبد إذا حضر الجمعة فأداها، ولأنه إذا وصل إلى مكة، صار كأهل مكة، فيلزمه الحج". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۷، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

"في اللباب: الفقير الآفاقي إذا وصل إلى ميقات، فهو كالمكي .... و نظيره ماسنذكره في باب الحج عن الغير من أن المأمور بالحج إذا واصل إلى مكة، لزمه أن يمكث ليحج حج الفرض عن نفسه، لكونه صار قادراً علىٰ ما فيه، كماستعلمه إن شاء الله". (رد المحتار، مطلب في من حج بمال حرام: ۲/۴۶۰، سعيد)

صاحبِ استطاعت ہونے سے دوبارہ حج فرض نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۸۹ھ۔

کافر کے روپیہ سے حج کرنا

سوال[۵۰۵۰]: کافر کے روپیہ سے حج کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس نے ہبہ کر دیا ہے تو کرسکتا ہے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/۶۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

مالِ حرام سے حج

سوال[۵۰۵۱]: مالِ حرام سے حج کرنا چاہئے کہ نہیں؟

---

(۱) "والفقير إذا حج ما شيأً ثم أيسر لا حج عليه". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۱۷، رشيديه)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۲، رشيديه)

(۲) "وأما الهدية للمشركين وأهل الكتاب، وقبول هداياهم كل ذلك جائز إذا كانوا ذمةً لنا، وكذالك إذا كانوا أهل حرب، الخ". (إعلاء السنن، باب الهدية للمشركين و قبول الهدية منهم: ۱۶/۱۴۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

"قال العبد الضعيف: إن الهبة و الصدقة و الهدية و العطية معانيها متقاربةٌ". (إعلاء السنن، باب فى قبول الهبة: ۱۶/۲۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

"وأهل الذمة فى حكم الهبة بمنزلة المسلمين؛ لأنهم التزموا أحكام الإسلام فيما يرجع إلى المعاملات". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الهبة، الباب الحادى عشر فى المتفرقات: ۴/۴۰۵، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، تاہم اگر کرلیا جائے گا تو فریضہ ادا ہوجائے گا لیکن حجِ مقبول کا ثواب حاصل نہ ہوگا (۱)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

جائز وناجائز مخلوط مال سے حج

سوال[۵۰۵۲]: ایک شخص نے ارادۂ حج بیت اللہ شریف کے لئے پونجی جمع کی جو اس وقت حج کے لئے کافی معلوم ہوتی ہے، لیکن اس نے چند ایک کتب دینیات مطالعہ کیں جس سے اس نے اپنی غلطیاں محسوس کیں اور اس کو شک ہے کہ ایسی پونجی سے حجِ بیت اللہ شریف شاید واجب نہ ہو، لہٰذا معلوم ہو کہ پونجی جمع شدہ ایسی رقوم سے ہے:

۱- شخصِ مذکور آج سے ۷، ۸/ سال پہلے کمیٹی گھر میں ملازمت لال ٹین جلانے کی ۶، ۷/ سال کرتا رہا اس میں حسبِ دستور سب ملازم تیل کی بچت کرتے ہیں، چنانچہ اس نے بھی ایسا ہی کیا اور تیل فروخت کرکے رقم جمع کرتا رہا، لیکن معلوم نہیں ہے کہ ایسی کتنی رقم اس نے جمع کی ہے، لیکن رقم تیل فروخت شدہ تنخواہ سے زائد ہوا کرتی تھی۔

---

(۱) "ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لايقبل الحج بالنفقه الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافِيَ بين سقوطه وعدمه قبوله، فلا يثاب لعدم القبول، ولا يعاقب عقاب تارك الحج". (ردالمحتار: ۲/۴۵۶، مطلب في من حج بمال حرام، سعيد)

"و يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقةالحرام مع أنه يسقط الفرض معها وإن كانت مغصوبةً، كذا في فتح القدير". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج و فرضيته الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

"و قدرة زاد و راحلة .... فلا تجب بإباحة ولا بمال حرام، لكن لو حج به، جاز؛ لأن المعاصي لا تمنع الطاعات، فإذا أتى بها لا يقال: إنها غير مقبولة، كما في مكروهات صلاة الخزانة. ذكره القهستاني". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، كتاب الحج: ۱/۲۶۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

۲- نیز یہ شخص حافظِ قرآن شریف ہے جو عرصہ ۱۶، ۱۷/ سال سے ماہ رمضان المبارک کے موقعہ پر لوگوں کو مسجدوں میں سنایا کرتا ہے، بعد ختمِ قرآن کریم پر رسم کے طور پر لوگوں سے معقول رقم حاصل کرتا ہے جس کی بچت وہ جمع کر کے اسی پونجی میں جمع کر لیتا ہے۔

۳- یہ شخص تمام رقوم پس انداز کو ڈاکخانہ سرکاری میں آج تک جمع رکھتا ہے جس پر اس کو ہر سال سود ملتا ہے جو اصل رقم میں شامل ہو جاتا ہے۔

۴- انہیں رقوم پیدا شدہ سے اس نے چند ایک زیوارات خانہ داری اور ایک معمولی مکان رہائشی بھی بنایا ہے۔ لہذا کیا ایسے پیسہ سے حجِ بیت اللہ شریف واجب ہے؟ اگر نہیں تو ایسی رقم کا صحیح مصرف کیا ہو سکتا ہے؟

۵- اور کیا وہ شخص نمبر:۲ یعنی قرآن کریم کا سنانا اور اس پر بغیر طلب کئے اجرت کا حصول ہو جائے فی سبیل اللہ تو لینے کا حقدار ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو مل جانے پر صحیح مصرف کیا ہو سکتا ہے، یا انکار لازمی ہے؟ والسلام۔

نور محمد، دفتر جنگلات لاہور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"ولو خلط السلطان المال المغصوب بماله ملكه، فتجب الزكوة فيه، و يورث عنه؛ لأن الخلط استهلاك إذا لم يكن تمييزه عند أبي حنيفه رحمة الله عليه، وقوله أرفق؛ إذ قلّما يخلو مال عن غصب. و هذا إذا كان له مال غيرها استهلكه بالخلط منفصل عنه يوفي دينه، وإلا فلا زكوة، كما لو كان الكل خبيثاً، كما في النهر عن الحواشي السعدية، اهـ". الدرالمختار: ۳۸/۲(۱)۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ جو مال ناجائز طریقہ سے جمع کیا ہے اس کو منہا کرنے کے بعد اگر حج کے لئے کافی ہو تو حج فرض ہوگا، ورنہ حج فرض نہ ہوگا۔ اور جو مال حرام جمع کیا ہے اس کا اصل مالک کو، اگر وہ مر چکا ہے تو اس کے ورثہ کو واپس کرنا ضروری ہے، اگر نہ مالک موجود ہوں، نہ اس کے ورثہ موجود ہوں تو بہ نیتِ گلوخلاصی

(۱) (الدر المختار، مطلب فيما لو صادر السلطان جائراً فنوى بذالك أداء الزكاة إليه: ۲/۲۹۰، ۲۹۱، سعيد)

اس کا صدقہ کرنا ضروری ہے(۱)۔

رقم نمبرا: چوری ہے (۲)۔رقم ۲: بھی ناجائز ہے کہ یہ قرآن شریف رمضان شریف میں سنانے کی اجرت ہے(۳)۔رقم:۳، اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے، بعض کے نزدیک یہ بھی ناجائز ہے(۴)، تاہم اس کی واپسی ڈاکخانہ میں ہرگز جائز نہیں، اگر زیادہ احتیاط مطلوب ہو تو غرباء پر اس کو صدقہ کر دیا جائے(۵)، ورنہ اپنے پاس رکھنے میں بھی گنجائش ہے۔۴: یہ سب چیزیں جائز ہیں بشرطیکہ رقم ناجائز کا ضمان ادا کر دیا جائے(۶)۔

۵: قرآن کریم سنانے پر کوئی رقم لینا بغیر طلب بھی ناجائز ہے، لأن المعروف كالمشروط، البتہ اگر کسی جگہ یہ رواج ہو کہ سنانے والے کو کچھ نہ دیا جاتا ہو اور وہ محض ثواب کی غرض سے سناتا ہو اور اس کے ذہن

---

(۱) "والحاصل أنه إن علم أرباب الأموال وجب رده عليهم، وإلا فإن علم عين الحرام لا يحل له، ويتصدق به بنية صاحبه". (رد المحتار، مطلب فيمن ورث مالاًحراماً: ۹۹/۵، سعيد)

(۲) "هي لغةً أخذ الشيء من الغير خفيةً". (ردالمحتار، كتاب السرقة: ۸۲/۴، سعيد)

(۳) "أقول: المفتى به جواز الأخذ استحساناً على تعليم القرآن لا على القراءة المجردة، كما صرح به في التاتارخانية". (ردالمحتار، مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل و نحوه: ۵۶/۶ سعيد)

(وكذا في رسائل ابن عابدين: ۱۳/۱، ۱۴، سهيل اكيڈمى لاهور)

(۴) "قوله: لا ربوا بين أهل الحرب، أقول: قد طال النزاع في هذه المسئلة قديماً و حديثاً، فقال إبراهيم النخعي، وأبو حنيفة، والثوري، ومحمد: إنه لا ربوا بين أهل الحرب و أهل الإسلام في دار الحرب، وقال أبو يوسف والشافعي وأحمد و مالك بخلافه". (إعلاء السنن، باب الربوا في دار الحرب بين المسلم والحربي: ۳۳۳/۱۴، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(۵) "والسبيل في المعاصي ردها، وذلك ههنا برد المأخوذ إن تمكن من رده بأن عرف صاحبه، وبالتصدق به إن لم يعرفه ليصل إليه نفع ماله إن كان لا يصل إليه عين ماله". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الكسب: ۳۴۹/۵، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الكفالة: ۱۲۳/۳، إمداديه ملتان)

(۶) "إذ لو اختلط بحيث لا يتميز، يملكه ملكاً خبيثاً، لكن لا يحل له التصرف فيه ما لم يؤد بَدَلَه، كما حققناه قبيل باب زكاة المال، فتأمل". (ردالمحتار، مطلب فيمن ورث مالاً حراماً: ۹۹/۵، سعيد)

میں بھی نہ ہو کہ یہاں سے کچھ ملے گا، یا صاف طور پر تصریح کردی جائے کہ یہاں سے کچھ نہ دیا جائے گا اور پھر کوئی شخص ازخود کچھ خدمت کردے تو اس کے قبول کرنے میں مضائقہ نہیں اور چندہ کرنے اور جبراً وصول کرکے حافظ کو دینے کا جیسا رواج ہے یہ ہرگز درست نہیں، لینے والا اور دینے والا سب گناہ گار ہوتے ہیں، ایسی رقم کی واپسی ضروری ہے، کذا فی الشامی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/ ۶/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، عبداللطیف، ۱۸/ ذیقعدہ/ ۵۵ھ۔

ناجائز آمدنی سے حج کرنا

سوال[۵۰۵۳]: ہندہ کے پاس صرف ایک پختہ عمارت جس کی قیمت تقریباً ۱۶/ ہزار روپیہ ہے حلال اور حرام پیسے سے عمارت کی تعمیر ہوئی ہے یعنی رشوت اور غیر رشوت کے پیسے سے رشوت کا روپیہ ۳/ گنا لگا ہے۔ اس صورت میں عمارتِ مذکور بیچ کر حج کرسکتی ہے یا نہیں؟ حوالۂ حدیث مع کتب مدلل تحریر فرمادیں۔ بینوا وتوجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندہ کو چاہئے کہ کسی سے قرض لیکر اس سے حج کرے (کسی محرم کے ساتھ)، پھر عمارتِ مذکورہ کی قیمت سے وہ قرض ادا کردے تاکہ حج بلاشبہ حلال مال سے ادا ہو (۲)، لیکن عمارتِ مذکورہ کی قیمت بلکہ خالص حرام مال

---

(۱) "(و يجبر المستأجر على دفع ما قبل) فيجب المسمى بعقد وأجر المثل إذا لم تذكر مدة، شرح وهبانية من الشركة. (ويحبس به) به يفتي (ويجبر على) دفع (الحلوة المرسومة) هي ما يهدى للمعلم على رءوس بعض سور القرآن سميت بها؛ لأن العادة إهداء الحلاوى". (الدر المختار). وقال ابن عابدين: "وقال العيني في شرح الهداية: والآخذ والمعطي آثمان". (مطلب: تحرير مهم في عدم جواز الاستيجار على التلاوة والتهليل، الخ: ۶/ ۵۶، سعيد)

(۲) "إذا أراد الرجل أن يحج بمال حلال فيه شبهة، فإنه يستدين للحج ويقضي دينه من ماله، كذا في فتاوى قاضي خان". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/ ۲۲۰ رشيديه)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، المقدمة، الفصل الأول، مكتبه مطصفى محمد بيروت)

سے بھی اگر حج ادا کیا تو فریضۂ ساقط ہو جائے گا اور حرام مال اس میں خرچ کرنے کا گناہ بھی ہوگا۔

"قال في البحر: و يجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد في الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، ولا تنافيَ بين سقوطه وعدم قبوله، فلا يُثاب لعدم القبول، و لا يعاقب عقاب تارك الحج، اهـ". رد المحتار: ۲/۱۹۱ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

حج کے لئے رقم ناکافی ہو تو اپنا دوسرا انتظام کرنا

سوال [۵۰۵۴]: زید نے فریضۂ حج ادا کرنے کی نیت کی ہے، یہ سفر رمضان سے ۵/ ماہ قبل کا ہوگا، حکومت سے ۱۵۷۵/ روپے ملیں گے جس کے ۹۲۹/ ریال ملیں گے جب کہ صرف حج کا خرچہ ۹۴۶/ ریال بتلایا گیا ہے، یہ رقم سفر میں بالکل ناکافی ہے۔ کیا اس کے لئے جائز ہو سکتا ہے کہ سعودی عرب میں اخراجات کی کفایت کے لئے اپنے طور پر کوئی دوسرا انتظام کرے؟ برائے کرم فوری جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اپنے طور پر دوسرے انتظام کی اجازت ہے، مگر قانونی تحفظ کا لحاظ کرلیا جائے کہ کوئی مصیبت نہ آئے (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۱/۲۶۱، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۲) قال الله تعالىٰ: "﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾" فجعل ذلك رخصةً في التجارة في الحج، و قد ذكرنا ما روى فيه في سورة البقرة". (أحكام القرآن، للجصاص، سورة الحج، باب التجارة في الحج: ۳/۳۴۵، قديمي) ....=

غیر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ رکھتے ہوئے حج کرنا

سوال[۵۰۵۵] : خالد نے عمر کی زمین پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے تو اگر خالد حج کو جائے تو حج درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

زمین کے غصب کا گناہ مستقل ہے(۱) مگر حج ادا ہوجائے گا، اگر حرام روپیہ سے حج کیا ہے تو وہ مقبول نہیں ہوگا (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

= "و ككراهيتهم فى التجارة موسم الحج ظناً منهم أنها تخل بإخلاص العمل لله، فنزل: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ .... ﴿فضلاً﴾ رزقاً ﴿تبتغوا فضلاً من ربكم﴾: أى تبتغوا رزقاً بالتجارة في الحج. و قد نزلت هذه الآية رداً على كراهيتهم ذلك". (حجة الله البالغة، كره الجاهلون التجارة فى موسم الحج: ۱۴۸/۲، قديمى)

(۱) "عن سعيد بن زيد رضى الله تعالىٰ عنه: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من أخذ شبراً من الأرض ظلماً، فإنه يطوقه يوم القيامة من سبعين أرضين". متفق عليه" (مشكوة المصابيح، باب الغصب والعارية، الفصل الأول، ص: ۲۵۴، قديمى)

(۲) "و قد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام". (الدرالمختار). "فقد يقال: إن الحج نفسه هو زيارة مكان مخصوص الخ......... ليس حراماً بل الحرام هو إنفاق المال الحرام، و لا تلازم بينهما، كما أن الصلاة فى الأرض المغصوبة تقع فرضاً، وإنما الحرام شغل المكان المغصوب لا من حيث كون الفعل صلاةً؛ لأن الفرض لا يمكن اتصافه بالحرمة، و هنا كذالك، فإن الحج فى نفسه مأمور به، وإنما يحرم من حيث الإنفاق، و كأنه أطلق عليه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فيه، فإن الحج عبادة مركبة من عمل البدن والمال كما قدمناه، و لذا قال فى البحر: ويجتهد فى تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل بالنفقة الحرام، كما ورد فى الحديث، مع أنه يسقط الفرض عنه معها، و لا تنافى بين سقوطه و عدم قبوله فلا يثاب لعدم القبول، و لا يعاقب عقاب تارک الحج، الخ". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۴۵۶/۲، سعيد) .... =

1

حرام آمدنی والے کو بوقت حج اپنے گروپ میں شامل کرنا

سوال[۵۰۵۶]: ۱......ایک شخص ریاست نیپال میں چمڑا اور شراب کی بھٹی وغیرہ کا ٹھیکہ لیتا ہے وہ حج بیت اللہ کے لئے جانا چاہتا ہے، کچھ لوگ اسی گاؤں یا آس پاس کے ہیں وہ بھی جارہے ہیں، ان لوگوں کا شخص مذکور سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہے نہ کاروبار کا نہ رشتہ کا۔ شخص مذکور یا اس کی اہلیہ اس گروپ میں شامل ہونا چاہتا ہے یا چاہتی ہے اس کی اہلیہ کا محرم اس کا بھائی ہے وہ بھی اس گروپ میں ہے اور بھائی کا اپنی بہن کے کاروبار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ گروپ بنانے کا مقصد یہ ہے کہ دورانِ سفر قیام مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کھانا و رہائش وغیرہ ایک ساتھ ہو، کیا ایسے گروپ میں شامل ہوکر حج کیا جاسکتا ہے؟

حرام آمدنی والا اگر کہے کہ میں نے قرض لیا ہے یا حلال آمدنی ہے تو کیا اس کا قول معتبر ہے؟

سوال[۵۰۵۷]: ۲......اگر شخص مذکور یہ کہتا ہے کہ وہ حج حلال کمائی سے کر رہا ہے حرام کی کمائی سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو کیا اس کی اس بات کو قبول کیا جاسکتا ہے؟ اور پھر اس کو گروپ میں شامل کیا جاسکتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......حج ادا ہو جائے گا(۱) مگر حرام مال ان کی شرکت میں نہ کھائیں (۲)۔

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۱، رشيديه)

مذکورہ بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی ناجائز اور حرام چیز کے ارتکاب سے نفس حج میں کوئی خرابی نہیں آتی بلکہ حج ادا ہو جائے گا لیکن دوسرے ناجائز فعل کا گناہ مستقل ہوگا۔

(۱) "ويجتهد في تحصيل نفقة حلال، فإنه لا يقبل الحج بالنفقة الحرام، مع أنه يسقط الفرض معها، وإن كانت مغصوبةً، كذا في فتح القدير". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعيد)

(۲) "وفي الذخيرة: سئل أبو جعفر عمن اكتسب ماله من أمر السلطان والغرامات المحرمة وغير ذلك، هل يحل لمن عرف ذلك أن يأكل من طعامه؟ قال: أحب إليّ في دينه أن لا يأكل، و يسعه حكماً إن لم يكن غصباً أو رشوةً". (ردالمحتار، فصل في البيع: ۶/۳۸۶، سعيد) .... =

۲......اگراس کے پاس حلال آمدنی کا ذریعہ بھی ہے یا وہ کہتا ہے کہ یہ روپیہ قرض لیا ہے تو اس کا قول صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/۵/۹۰ھ۔

فرضیتِ حج کے لئے مدینہ طیبہ کا خرچ ہونا ضروری نہیں

سوال[۵۰۵۸]: زید کے پاس صرف مکہ معظمہ تک جانے آنے کا خرچ ہے تو ایسی صورت میں زید کے ذمہ حج کے لئے جانا فرض ہوگا، یا مدینہ طیبہ کے سفر خرچ ہونے تک حج کوملتوی رکھے، پھر جب بھی حرمین تک کا خرچ میسر آجائے اس وقت جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس کے پاس مکہ معظمہ تک جانے اور آنے اور حج کرنے کا خرچ موجود ہو اس کے ذمہ حج لازم ہوگا، بحر: ۲/۳۳٤(۲)، پھر مدینہ طیبہ کے لئے کوشش کرے اور اللہ سے دعاء کرے، اگر گنجائش ہوجائے تو وہاں حاضری کی سعادت بھی حاصل کرے، حج کو اس انتظار میں مؤخر نہ کرے کہ جب مدینہ طیبہ کا خرچ بھی پاس ہوگا تب حج کرے گا(۳)۔واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

= "آكل الربا و كاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه و غالب ماله حرام، لا يقبل و لا يأكل ما لم يخبره أن ذلك المال أصله حلالٌ ورثه أو استقرضه". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايا و الضيافات: ۱/۳۴۳، رشيديه)

(۱) "فإن كان الغالب هو الحرام ينبغي أن لا يقبل الهدية و لا يأكل الطعام، إلا أن يخبره بأنه حلال ورثته أو استقرضته من رجل، كذا في الينابيع". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني عشر في الهدايات والضيافات: ۱/۳۴۲، رشيديه)

(۲) (البحر الرائق: ۲/۵۴۳، كتاب الحج، رشيديه)

(۳) "(ومنها القدرة على الزاد والراحلة) بطريق الملك .... و تفسير ملك الزاد والراحلة أن يكون له مال فاضل عن حاجته، و هو ما سوى مسكنه و لبسه و خدمه و أثاث بيته قدر ما يبلغه إلى مكة ذاهباً و جائياً وراكباً، لا ماشياً، و سوى ما يقضي به ديونه و يمسك لنفقة عياله و مرمة مسكنه و نحوه إلى وقت انصرافه، كذا في محيط السرخسي". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۱۷ كتاب المناسك، رشيديه) ...... =

حج سے گناہ کی معافی

سوال[۵۰۵۹]: جس پر حج واجب ہو چکا اور اس نے حج کیا تو حدیث شریف کے لحاظ سے اس کے لئے شفاعت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر واجب ہو جاتی ہے اور اس کے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں جیسے کہ ماں کے پیٹ سے دوبارہ پیدا ہو، حج کے بعد جو کچھ گناہ بقیہ عمر میں ہوتے ہیں تو مرنے کے بعد اس سے باز پرس یعنی حساب وکتاب پیدائش سے تا موت کا ہوگا یا حج کے بعد سے موت تک جتنے گناہ کئے محض اس کی سزا بھگتنی ہوگی اور پیشتر کے گناہ بوجہ حج کے معاف ہو جائیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن گناہوں کے معافی کی بشارت حج کرنے پر دی گئی ہے حج کرنے سے ان کی باز پرس نہیں ہوگی کیونکہ وہ معاف ہو چکے ہیں اور بعد حج جو گناہ کئے ہیں ان کی معافی گذشتہ حج سے کسی حدیث میں مذکور نہیں، لہذا اگر توبہ نہیں کی تو ان کی باز پرس ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح عبد اللطیف، ۲۴/۶/۶۱ھ۔

= (وكذا في بدائع الصنائع: ۳/۵۲، كتاب الحج، دار الكتب العلميه بيروت لبنان)

(۱) "قال القاضي عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة، ولا قائل بسقوط الدين، ولو حقاً لله تعالىٰ كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب و يزيل الخطايا، إلا حقوق الآدميين، فإنها تتعلق بالذمة، حتى يجمع الله أصحاب الحقوق، ليأخذ كل حقه". (الفقه الإسلامي وأدلته، و هل الحج أفضل من الجهاد؟: ۳/۱۲، مكتبه حقانيه)

"وأما قوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من قضى نسكه، وسلم من لسانه و يده، غفر له ما تقدم من ذنبه". (مناسك الملا على القاري، باب المتفرقات، ص: ۴۸۷، إدارة القرآن كراچي)

"وعنه صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال لابن عمر: "أما علمت أن الإسلام يهدم ما قبله، و أن الهجرة تهدم ما قبلها، و أن الحج يهدم ما قبله". رواه مسلم ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب شرائط الحج، ص: ۱۹، مصطفى محمد بمصر)

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حج سے قبل کئے ہوئے گناہ حج سے معاف ہو جاتے ہیں لیکن حج کے بعد کئے گئے =

حج کے ذریعہ سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں

سوال[۵۰۶۰]: میری بیوی نیک صالح اور وفا شعار ہے، میں حج کو گیا تھا، بیوی کو کہا کہ گھر سے باہر نہ نکلنا وہ ایک دفعہ سینما گئی، ایک دفعہ عرس میں گئی اور ایک دفعہ کہیں اَور میرے بھائی نے اس کو بہت مارا، میری حج سے واپسی پر مجھے قصہ سنایا، اس کا بھائی مجھے لینے بمبئی آئے تھے، میں نے اس سے کہا کہ اپنی بہن کو اپنے گھر لے جا، وہ اس کو لے گیا، ۸،۹/ ماہ سے اپنی زوجہ کی شکل نہیں دیکھی، اس کو میں نے کہا بھیجا ہے کہ تو حج کو جاکر آجا تب میں تجھے گھر میں رکھوں گا، اس سے پہلے تو گھر میں نہیں آسکتی اور تو میری صورت نہیں دیکھ سکتی اور میں تیری صورت نہیں دیکھ سکتا، میرا یہ حج کی شرط لگانا صحیح ہے یا نہیں؟ کیونکہ حج کرنے سے گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس پر حج فرض ہے تو ضرور حج کو بھیجنا چاہیئے (۱)، اگر یہ توقع ہو کہ حج کے ذریعے سے ہی اس کی اصلاح ہوگی بغیر اس کے اصلاح نہ ہوگی تو پہلے حج کرالیا جائے، اگر اس کو ندامت ہے اور اپنی غلطی پر شرمندہ ہے تو حج سے پہلے بھی بلا سکتے ہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲۹/ ۱۳۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۰/۲۹/ ۱۳۸۸ھ۔

کیا حج سے قضا نمازیں معاف ہوجائیں گی؟

سوال[۵۰۶۱]: زید نے اپنی عمر میں بہت سی نمازیں چھوڑ دیں اب وہ حج کرنے جارہا ہے تو کیا حج کرنے سے اس کی نمازیں (جو نمازیں نہیں پڑھی ہیں) معاف ہوجائیں گی؟ ہمارے بعض احباب تو یہی کہتے ہیں اور ثبوت میں حدیث پیش کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حج کرنے سے دین معاف نہیں ہوتا، نہ اللہ کا دَین اور نہ بندے کا دین، مثلاً اگر کسی ذمہ کسی قرض ہوتو

= گذشتہ حج سے معاف نہیں ہوتے، اسی طرح حقوق العباد بھی۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وللہ علی الناس حج البیت من استطاع إلیه سبیلا﴾ (آل عمران: ۹۷)

حج کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا۔ اسی طرح کسی کے ذمہ کچھ فرض نمازیں ہوں یا فرض روزے ہوں یا فرض زکوۃ ہو تو حج کرنے سے یہ نماز، روزہ، زکوۃ کچھ بھی معاف نہیں ہوں گے، یہ اللہ کا دین ہے(۱) دین کا معاف نہ ہونا حدیث شریف میں موجود ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

حجِ ثانی کے لئے پانچ سال کی قید

سوال[۵۰۲۲]: حکومتِ ہند نے حج کے سلسلہ میں یہ قید لگا رکھی ہے کہ ایک مرتبہ ایک آدمی حج کرنے کے بعد پانچ برس تک حج کو نہیں جا سکتا ہے، ایسی قید کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ ایک حلف نامہ بھرنا پڑتا ہے

---

(۱) "عن ابن عباس رضي الله تعالیٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالیٰ عليه وسلم فقال: يارسول الله! إن أمي ماتت وعليها صوم شهر، أفأ قضيه عنها؟ قال: "نعم، فدين الله أحق أن يقضى".

(صحيح البخاري، كتاب الصوم، باب من مات وعليه صوم: ۱/۲۶۲، قديمي)

(والصحيح لمسلم، كتاب الصوم، باب قضاء الصوم عن الميت: ۱/۳۶۲، قديمي)

(۲) "عن أنس رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "القتل في سبيل الله يكفر كل خطيئة" فقال جبريل: إلا الدين، فقال رسول الله صلى الله تعالیٰ عليه وسلم: "إلا الدين".

(جامع الترمذي، أبواب فضائل الجهاد، باب ماجاء في ثواب الشهيد: ۱/۲۹۳، سعيد)

"قال في البحر الرائق: فليس معنى التكفير كما يتوهمه كثير من الناس أن الدين يسقط عنه، و كذا قضاء الصلاة، والصوم، والزكاة؛ إذ لم يقل أحد بذلك". (ردالمحتار، مطلب في تكفير الحج الكبائر: ۲/۶۲۳، سعيد)

"قال القاضي عياض: أجمع أهل السنة أن الكبائر لا يكفرها إلا التوبة، و لا قائل بسقوط الدين ولو حقاً لله تعالیٰ كدين الصلاة والزكاة، فالحج يغفر الذنوب و يزيل الخطايا، إلا حقوق الآدميين، فإنها تتعلق بالذمة، حتى يجمع الله أصحاب الحقوق، ليأخذ كلٌّ حقه". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب: و هل الحج أفضل من الجهاد: ۳/۲۱، حقانيه پشاور)

(وكذا في مناسك الملاعلي القاري، باب المتفرقات: ۳۸۶، إدارة القرآن كراچي)

کہ میں حلفیہ کہتا ہوں کہ پانچ برس میں سے کسی سال بھی حج کو نہیں گیا ہوں۔ کیا اس پابندی میں توریہ کی کوئی شکل ہوسکتی ہے؟ یہ شخص گذشتہ دوسال پہلے حج بدل میں جاچکا ہے، اب اپنا حج فرض ادا کرنا چاہتا ہے، مگر یہ حلف والی شرط درپیش ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

ایسی پابندی لگانے کا کوئی شرعاً حق نہیں۔ جھوٹی قسم کھانا اور جھوٹے حلف نامہ پر دستخط کرنا گناہ ہے(۱)، اگر توریہ میں یہ نیت کرے کہ گذشتہ پانچ سال میں اپنے حج فرض کو نہیں گیا تو نیت صحیح ہوسکتی ہے جب کہ اپنا حج فرض ادا نہیں کیا(۲)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۶/۲۵ھ۔

حج کرنے کے باوجود یہ کہنا کہ حج نہیں کیا

سوال[۵۰۲۳]: حج کے درخواست فارم میں اس بات کا بھی اقرار ہوتا ہے کہ پانچ سال کے اندر حج نہ کیا ہو، اگر کوئی شخص جاچکا ہے تو کیا یہ شخص دھوکا دینے والا کہلائے گا یا نہیں؟

---

(۱) "قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من حلف على يمين صبر وهو فيها فاجر، يقتطع بها مال امرئٍ مسلم لقي الله يوم القيامة وهو عليه غضبان". (صحيح البخاري، كتاب الأيمان والنذور: ۹۸۷/۲، قديمي)

(وكذا في جامع الترمذي، أبواب البيوع، باب ماجاء فيمن حلف على سلعته كاذباً: ۲۳۰/۱، سعيد)

(۲) "(قوله: ويورّى) التورية أن يظهر خلاف ما أضمر في قلبه، إتقاني. قال في العناية: فجاز أن يراد بها ههنا اطمئنان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (رد المحتار، باب، مطلب: بيع المكره فاسد، وزوائده مضمونة بالتعدي: ۱۳۴/۶، سعيد)

"والتورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها ههنا اطمئنان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه، فصل: ۲۴۱/۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس میں کیا شبہ ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۵/۸۸ھ۔

حج عرضی میں یہ قید کہ ''میں نے اتنی مدت سے حج نہیں کیا''

سوال[۵۰۶۴]: گذشتہ چند سالوں سے حکومت کے حج بیت اللہ کمیٹی کوٹہ مقرر کر دینے کی وجہ سے مغل لائن لمیٹڈ نے حج کے فارم میں ایک دفعہ اس طرح بڑھادی ہے کہ ''اس سے قبل آپ نے کسی سال حج کیا تھا''؟ فارم بھرنے سے قبل زندگی میں جس نے ایک مرتبہ حج بھی کیا ہو(خواہ نفلی ہو یا حج فرض)اب اگر وہ خانہ پری کے وقت صحیح حقیقت کہہ دیتا ہے کہ میں اس سے قبل فلاں سال حج کر چکا ہوں تو پھر مغل لائن والے ایسی عرضی کو ہر سال قرعہ ایسے اندر پہلے سال والی عرضیوں کی فہرست میں ڈال دیتے ہیں، اب ہر سال ہر صوبہ سے اس کے مقرر کوٹہ سے زیادہ عرضیاں آتی ہیں جو ہر سال واپس کی جاتی ہیں۔

چنانچہ وہ عرضیاں جو کہ تین چار سال سے مسلسل رد ہو رہی ہیں ان کو قرعہ اندازی میں ستر فیصدی کے تناسب سے شامل کیا جاتا ہے(بشرطیکہ عرض میں مذکورہ بالا دفعہ اس طرح پر کی گئی ہو کہ ''میں نے اس سے قبل حج نہیں کیا ہے'')اور جس عرضی میں صحیح حقیقت لکھ دی گئی ہو ایسی عرضی کو اگر چہ وہ تین چار سال سے مسلسل رد ہو رہی ہو تب بھی پہلے سال والوں کو فہرست میں ڈال کر قرعہ اندازی میں بیس تیس فیصدی کے تناسب سے شامل کیا جاتا

---

(۱) ''من غش فليس منا''. قال العلامة المناوی: ''من غش'': أی خان، والغش ستر حال الشیء ''فليس منا'': أی من متابعينا''. (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۸۷۹): ۱۱/۵۹۲۴، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة، الرياض)

''(قوله: و نهينا عن غدر) عدل عن قول الهداية و غيره، و ينبغي للمسلمين أن لا يغدروا؛ لأن المشهور عند المتأخرين استعمال ''ينبغي'' بمعنى: يندب، الخ''. (ردالمحتار، كتاب الجهاد، مطلب: لفظ: ينبغي يستعمل في المندوب وغيره عند المتقدمين: ۴/۱۳۰، سعيد)

''وأصل الخدع إظهار أمر وإضمار خلافه''. (فتح الباري، باب الحرب خدعة: ۶/۱۵۸، دارالمعرفة بيروت)

ہے جس کی بنا پر ان کی عرضی منظور ہونے کا کوئی امکان نہیں رہتا ہے۔

علاوہ ازیں اب تو یہ بھی سنا جا رہا ہے کہ جو ایک مرتبہ حج کر چکا ہو اس کی عرضی کو قرعہ اندازی میں شامل نہیں کیا جائے گا، چنانچہ اس صورت میں تو ہمیشہ کے لئے اس کی عرضی کی نامنظوری قطعی اور یقینی ہے۔ مذکورہ بالا وجوہات کی بنا پر اکثر لوگ جو زندگی میں ایک مرتبہ حج کر چکے ہیں وہ اپنے فارم میں یہی لکھ دیتے ہیں کہ ''میں نے اس سے قبل حج نہیں کیا''۔

اب سوال یہ ہے کہ موجودہ مشکلات کے پیش نظر اگر یہ صورت اختیار نہیں کرتا تو اس کے لئے دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کی اور کوئی دوسری شکل نہیں ہے اور دوسرے لوگ اس طرح عذر بیانی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنی گاڑھی کمائی سے رقم بچا کر دوسری مرتبہ حج بیت اللہ کے لئے جانا ایک مسلمان کا خالص مذہبی معاملہ ہے، مگر حکومت نے زرمبادلہ بچانے کے لئے کوٹہ سسٹم کر کے پابندیاں عائد کی ہیں۔ یہی بات ہے کہ یہ کوٹہ سسٹم اور اس طرح کی پابندیاں تو شریعتِ اسلامیہ کے بالکل مخالف ہے، لہٰذا دوبارہ زیارتِ حرمین شریفین کی تمنا اور شوق میں صحیح حقیقت چھپا کر اس طرح خانہ پری کی شرعاً اجازت اور گنجائش ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حج عظیم عبادت ہے جس کے ذریعہ سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں (۱)۔ جھوٹ گناہ ہے، عبادت کے

---

(۱) "قال: سمعت أبا هريرة رضى الله تعالىٰ عنه: قال: سمعت النبى صلى الله تعالى عليه وسلم: "من حج لله فلم يرفث ولم يفسق، رجع كيوم ولدته أمه".

قال العلامة العينى: "من حج أو اعتمر" وفى رواية الترمذى من حديث ابن مسعود رضى الله تعالىٰ عنه: "تابعوا بين الحج والعمرة، فإنهما ينفيان الفقر والذنوب كما ينفي الكير خبث الحديد والذهب والفضة، وليس لحج المبرور ثواب دون الجنة" .... قوله: "رجع كيوم ولدته أمه": أى رجع مشابهاً لنفسه فى البراء من الذنوب". (عمدة القارى، باب فضل الحج المبرور: ۹/۱۳۵، ۱۳۶، إدارة الطباعة المنيرية)

(وكذا فى مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۵/۳۸۱، ۳۸۲، رشيديه)

(وكذا فى الفقه الإسلامي وأدلته، باب: وهل الحج أفضل من الجهاد: ۳/۱۱، ۱۲، حقانيه پشاور)

لئے گناہ کی اجازت نہیں (۱)، ویسے بھی خلافِ قانون چیز کا ارتکاب اپنے مال اور عزت کو خطرہ میں ڈالنا ہے جو قرینِ دانشمندی نہیں (۲)۔ بعض حضرات نے ایسا کیا ہے اور ان کا روپیہ واپس نہیں ہوا، بلکہ معلوم ہونے پر جرم کی وجہ سے ضبط ہوگیا اور ان کا نام مستقلاً درج کرلیا گیا کہ یہ دروغ حلفی کے مجرم ہیں، سخت قوانین بننے کی وجہ بھی ہماری ہی اعمالِ وسیئات ہیں۔

اگر حج کو جانے والے واقعۃً حج وعبادت ہی کی نیت سے جائیں اور وہاں کے آداب کی رعایت رکھیں تو غالباً سخت گیری کی نوبت نہ آئے، مگر جب وہاں سے خلافِ قانون سامان چھپا کر لائیں اور رشوت کے باوجود مخبری ہوکر کسٹم پر پکڑے جاتے ہیں تو بڑی ذلت ہوتی ہے اور دوسرے حجاج بھی بدنام ہوتے ہیں۔ اللہ پاک اخلاص دے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "درء المفاسد أولیٰ من جلب المصالح، فإذا تعارضت مفسدة و مصلحة، قدّم رفع المفسدة غالباً؛ لأن اعتناء الشرع بالمنهيات أشد من اعتنائه بالمأمورات، و لذا قال عليه السلام: "إذا أمرتكم بشيئ فأتوا منه مااستطعتم، وإذا نهيتكم عن شيء فاجتنبوه". وروى في الكشف حديثاً: "لَترکُ ذرةٍ مما نهى الله عنه أفضل من عبادة الثقلين". ومن ثَمّ جاز ترك الواجب دفعاً للمشقة، و لم يسامح في الإقدام على المنهيات". (الأشباه والنظائر، القاعدة الخامسة: الضرر يزال: ۱/ ۲۹۰، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في شرح المجلة، (رقم المادة: ۳۰)، ص: ۳۲، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(و كذا في قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۱۳۳)، ص: ۸۱، الصدف پبلیشرز كراچی)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿أطيعوا الله و أطيعوا الرسول وأولى الأمر منكم﴾ .... و إنما أشار لهم بذلك إلى أن طاعة الأمير واجبة". (فتح الباری، كتاب الأحكام، باب السمع و الطاعة للإمام ما لم تكن معصيةً: ۱۳/ ۱۲۳، دارالمعرفة، بيروت)

(كذا في أحكام القرآن للجصاص، باب في طاعة أولى الأمر: ۲/ ۲۹۸، قديمی)

"(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أی يتبع، و لا تجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولی الأمر، و في ط، عن الحموی: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام في غير معصية واجبةٌ، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/ ۴۲۲، سعيد)

جھوٹا اندراج کر کے حجِ ثانی کرنا

سوال[۵۰۶۵]: سائل نے ۱۹۴۰ء میں حجِ بیت اللہ کا شرف حاصل کیا، امسال پھر حج کی خواہش ہے، ارادہ ہے کہ کلکتہ سے جہاں میرے ایک چچا زاد بھائی بسلسلۂ تجارت مقیم ہیں، وہاں سے حج کی درخواست دوں، مگر ایک دشواری یہ ہے کہ درخواست کے فارم میں ایک سوال یہ چھپا ہوتا ہے کہ کیا آپ نے اس سے پہلے کبھی حج کیا ہے''؟ اگر جواب اثبات میں دیا جائے تو درخواست منظور ہونے میں دشواری ہوتی ہے، بلکہ منظور ہونے کی امید ہی نہیں رہتی ہے، اگر نفی میں جواب دیں تو یہ جھوٹ ہے۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا حج کا شرف حاصل کرنے کے لئے اتنا جھوٹ بولنے کے سلسلہ میں معذور قرار دیا جاسکتا ہوں جب کہ جھوٹ کو جھوٹ اور غلط سمجھتا ہوں؟ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ سوال مذہبی معاملات میں مداخلت ہے، لہذا اس سوال کے آگے (×) نشان اس نیت سے بنادے کہ میں اس سوال کا جواب نہیں دیتا، وہ سمجھیں گے کہ اس نے حج نہیں کیا ہے۔

حاجی عبدالجلیل صاحب، مدن پورہ، ۱۴۸/۱۳۱، ہاؤس: ۱۴۸/۳۱/D، بنارس یوپی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمر بھر کا سوال نہیں ہوتا، بلکہ پانچ سال کا سوال ہوتا ہے، آپ نے پانچ سال میں حج نہیں کیا ہے، پس آپ کا اس میں انکار لکھ دینا صحیح ہوگا، جھوٹ نہیں۔ نیز جب آپ کلکتہ سے جارہے ہیں تو وہاں سے آپ نے کبھی بھی حج نہیں کیا، یہ بات بھی صحیح ہے، جھوٹ کی ضرورت نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۶/۹۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۶/۹۲ھ۔

---

(۱) "(قوله: و یورّی) التورية أن يظهر خلاف ماأضمر فی قلبه، إتقانی. قال فی العناية: فجاز أن يراد بها هنا اطمئنان القلب، وأن يراد الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (ردالمحتار، باب، مطلب: بيع المكره فاسد و زوائده مضمونة بالتعدی: ۱۳۴/۶، سعيد)

دروغ حلفی کر کے حجِ ثانی کرنا

سوال[۵۰۲۶]: حج کے لئے یہ پابندی ہے کہ ایک مرتبہ حج کرنے کے بعد پانچ سال تک وہ حج کے لئے نہیں جا سکتا، حکومت نے اس سلسلہ میں ایک حلف نامہ بھی جاری کیا ہے اگر ان پابندیوں کے باوجود کسی صورت میں ہم حج کے لئے چلے جائیں تو گناہ تو نہیں ہوگا اور حج ادا ہوگا کہ نہیں؟ حلف نامہ میں غلط بیانی کرنا درست ہے یا نہیں؟

حافظ محمد کلیم، کانپور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

دروغ، زبانی ہو یا تحریری، بہرحال دروغ ہے اور دروغ حلفی اس سے بھی زیادہ قبیح اور شنیع ہے(۱)، حجِ بدل کے لئے ایسے آدمی بھی بسہولت مل سکتے ہیں جن کے لئے حلفیہ دروغ بیانی کی ضرورت نہیں اور قانونی رکاوٹ بھی ان کے لئے نہیں ہوگی۔

= "والتورية أن يظهر خلاف ما يضمر، فجاز أن يكون المراد بها هاهنا اطمئنان القلب، وجاز أن يكون الإتيان بلفظٍ يحتمل معنيين". (فتح القدير، كتاب الإكراه، فصل: ۹/ ۲۴۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المطلب الثاني: صيغة اليمين القضائية، النية في اليمين: ۲۴۹۲/۶، حقانيه پشاور)

(۱) "عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه: قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "إن الصدق برٌّ، وإن البر يهدي إلى الجنة، وإن الكذب فجورٌ، وإن الفجور يهدي إلى النار". (الصحيح لمسلم، باب قبح الكذب و حسن الصدق و فضله: ۳۲۵/۲، قديمى)

"قال: سمعت أنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه قال: ذكر رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الكبائر أو سئل عن الكبائر، فقال: "الشرك بالله، وقتل النفس، و عقوق الوالدين". فقال: "ألا أنبئكم بأكبر الكبائر"؟ قال: "قول الزور". (صحيح البخاري، باب عقوق الوالدين من الكبائر: ۸۸۴/۲، قديمى)

پھر قانون کی مخالفت تو اَور بھی خطرناک ہے،جعل کھل جانے پر مال،عزت دونوں کا خطرہ ہے،ایسا خطرہ مول لینا قرینِ دانشمندی نہیں (۱)۔تاہم حج فرض ادا ہو ہی جائے گا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔



(۱) قال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أى يتبع و لا تجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولى الأمر، و فى ط عن الحموى: إن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فى غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۴۲۲/۵، سعيد)

(وكذا فى فتح البارى، كتاب الأحكام، باب: السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصيةً: ۱۲۳/۱۳، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فى أحكام القرآن، للعلامه الجصاص رحمه الله تعالىٰ عليه، باب فى طاعة أولى الأمر: ۲۹۸/۲، قديمى)

باب اشتراط المحرم للمرأة

(عورت کے لئے محرم کا بیان)

بغیر محرم کے بڑھیا کو سفرِ حج کرنا

سوال[۵۰۶۷]: ۱...... ایک ساٹھ سالہ بوڑھی عورت حج کو جانا چاہتی ہے، مگر کوئی محرم ساتھ نہیں ہے، ایک بڑے میاں جو اس عورت کے محرم تو نہیں مگر ان کی عمر بھی ساٹھ سے زیادہ ہے۔ تو ایسی صورت میں وہ عورت ان بڑے میاں کے ساتھ حج کے لئے جاسکتی ہے یا نہیں؟

۲...... مذکورہ بالا صورت میں اگر بڑے میاں عورت کو ساتھ لیجانے سے انکار کردیں مگر وہ عورت دورانِ سفر میں ان بڑے میاں کے قافلے کے ساتھ لگ جائے تو اب ایسی صورت میں بڑے میاں کو اس عورت کی خبر گیری کرنی چاہئے، یا اس کو کسمپرسی کے عالم میں چھوڑ دینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... بوڑھی عورت کو بھی بغیر شوہر یا کسی محرم کے سفر نہیں کرنا چاہئے، بحر: ۲/۳۳۹(۱)۔

۲...... جب وہ ساتھ لگ ہی گئی ہے تو اس کی خبر گیری لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "و يشترط في حج المرأة من سفر زوج، أو محرم بالغ ...... وأطلق المرأة، فشمل الشابة والعجوز، لإ طلاق النصوص". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۲، رشيديه)

"وسواء كانت المرأة شابةً أو عجوزاً ؛ أنها لا تخرج إلا بزوج أو محرم، لأن ما روينا من الحديث لا يفصل بين الشابة والعجوز، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۴، إدارة القرآن كراچی) ...... =

بوڑھی عورت کا بلا محرم کے حج کرنا

سوال[۵۰۲۸]: مسماۃ ہندہ عمر ۵۵/ سالہ ہے، پردہ نشین بیوہ ہے، وارثوں میں صرف ایک لڑکا جو کہ ملازم ہے، لڑکے کی ایک لڑکی جو کہ غیر شادی شدہ ہے اس کے علاوہ دو بچے چھوٹے و بیوی بھی موجود ہے۔ اس صورت میں ہندہ غیر کفو کے ساتھ حج کے لئے جا سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز نہیں جب تک کوئی محرم ساتھ نہ ہو، حج کے لئے بھی سفر کرنا گناہ ہے، تاہم اگر حج کیا تو حج بھی ادا ہو جائے گا: "الرابع: المحرم، أو الزوج لامرأة بالغة، و لو عجوزاً، ومعها غيرها من النساء الثقات والرجال الصالحين، اهـ". غنية المناسك: ۱۰ (۱)۔ "أشار به إلى أن مااستفيد من المقام من عدم جواز السفر للمرأة إلا بزوج أو محرم خاصٌّ بالحرة، اهـ". رد المحتار (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۱۴/ ربیع الثانی/ ۶۷ھ۔

عورت کو بلا محرم سفر حج کرنا

سوال[۵۰۲۹]: زید اپنی والدہ کو حج میں بلانا چاہتا ہے جس میں زید کی والدہ کو صرف بمبئی سے جدہ تک بذریعۂ ہوائی جہاز بغیر محرم سفر کرنا ہوگا اور واپسی میں زید خود ساتھ رہے گا۔ کیا شریعت میں اس کی اجازت ہے؟

= (وكذا في رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۴، سعيد)

(۱) (غنية الناسک، باب شرائط الحج، وأما شرائط وجوب الأداء خمسة على الأصح، ص: ۲۶، إدارة القرآن كراچی)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحج: ۲/۴۶۴، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفر شرعی (۴۸ میل) کے بغیر محرم یا بغیر شوہر کے عورت کو اجازت نہیں، خواہ کسی سواری سے ہو، ہے تو وہ سفر شرعی ہی، اس پر احکام شرعی مرتب ہوتے ہیں مثلاً نماز کا قصر کرنا وغیرہ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کسی عورت کا دوسری عورتوں کے ساتھ حج کرنا

سوال [۵۰۷۰]: میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ جن کی عمر پچاس برس کی ہے اور ان پر حج فرض ہو چکا ہے، فریضۂ حج ادا کرنے کی تڑپ رکھتی ہے، لیکن میں ایک خاص عذر کی وجہ سے مجبور ومعذور ہوں، ان کے ساتھ سفر نہیں کر سکتا اور نہ کوئی محرم موجود ہے جو ان کے ساتھ سفر حج کر سکے۔ حسنِ اتفاق سے نواب بسالت جاہ حیدرآبادی مدظلہ العالی اور ان کی اہلیہ محترمہ اور ان کی والدہ محترمہ حج کو جارہے ہیں۔ آیا بصورتِ ہذا ان بزرگوں خواتین کے ساتھ میری اہلیہ محترمہ ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ سفرِ حج کو جانا چاہتی ہیں؟ میں اس پر راضی ہوں۔ آیا بصورت ہذا از روئے شرع شریف اپنا فریضہ حج ادا کر سکتی ہیں؟ بینوا توجروا۔

جواب از مدرسہ حقانیہ بنگلور

الجواب حامداً ومصلیاً:

واضح ہو کہ سفر حج چونکہ مہتم بالشان اور مقدس سفر ہے، حدیث شریف میں ہے:

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم: "لا یخلون رجل بامرأة، و لا تسافر امرأة إلا و معہا محرم". متفق علیہ (۲)۔

---

(۱) "والمراد سفر خاص، و ھو الذی تتغیر بہ الأحکام من قصر الصلاة، وإباحة الفطر، وامتداد مدة المسح إلی ثلاثة أیام، و سقوط وجوب الجمعة، والعیدین، والأضحیة، وحرمة الخروج علی الحرة من غیر محرم، عن العنایة". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/۱۲۰، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۸، رشیدیہ)

(وکذا فی البحر الرائق، باب المسافر: ۲/۲۲۶، رشیدیہ)

(۲) (مشکوة المصابیح، کتاب المناسک، الفصل الأول، ص: ۲۲۱، قدیمی) .... =

اور ہدایہ میں ہے: "و يعتبر في المرأة أن تكون لها محرمٌ تحج معه، أو زوج، و لا يجوز لها أن تحج بغيرهما، إذا كان بينها و بين مكة ثلاثة أيام"(۱)۔

اور مرقات شرح مشکوۃ میں ہے: "ولهذا قال أبو حنيفة وأحمد رحمهما الله تعالى. و قال مالك رحمه الله تعالى: يلزمها إذا كان معها جماعة النساء. وقال الشافعي رحمه الله تعالى: يلزمها إذا كان معها امرأة ثقة. و قال الشمني: مذهب مالك: إذا وجدت المرأة صحبة مأمونة، لزمها الحج؛ لأنه سفر مفروض كالهجرة. و مذهب الشافعي: إذا وجدت سفرة ثقات، فعليها أن تحج معهن"(۲)۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عورت مطلق سفر یا سفرِ حج اس وقت کرسکتی ہے جب کہ اس کے ساتھ اس کا شوہر یا اس کا کوئی محرم موجود ہو"۔ امام ابوحنیفہ اور امام احمد رحمہما اللہ تعالی کا یہی مذہب ہے، امام مالک اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر معتبر عورتیں یا ایک عورت ساتھ ہو اور امن ہو تو عورت بلامحرم بھی حج کرسکتی ہے۔

اب صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ صاحبہ اگر مضطرب ہیں اور مضطر ہیں اور شوہر کی اجازت ہے مگر وہ خود جا نہیں سکتا اور کوئی محرم بھی نہیں ہے تو از روئے قرآن شریف حالتِ اضطراری میں جائز ہے، اللہ تعالی فرماتے ہیں: ﴿فمن اضطر غير باغ و لا عاد فلا إثم عليه﴾(۳)۔ اس صورت میں فقہ کا مسئلہ یہ ہے کہ اگر فقہ حنفی میں کسی مسئلہ میں سختی ہو اور امام مالک کے مذہب میں سختی نہ ہو تو مذہبِ مالک پر عمل کرنے کی اجازت خود فقہ حنفی دیتا ہے، بلکہ اس پر فتوی حنفی دے سکتا ہے جیسا کہ مفقود الخبر کے مسئلہ میں مذہبِ حنفی کے خلاف مذہبِ مالکی پر فتوی حنفی علماء دیتے ہیں، دیکھو رد المحتار، باب الرجعة میں ہے:

= (والصحيح لمسلم، كتاب الحج، باب سفر المرأة مع محرم إلى حج وغيره: ۱/۴۳۴، قديمي)

(۱) (الهداية، كتاب الحج: ۱/۲۳۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول: ۵/۳۸۹، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۵۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۳) (سورة البقرة: ۱۷۳)

"فالأولى الجمع بين مذهبين: مذهب أبي حنيفة و مذهب مالك رحمهما الله تعالىٰ؛ لأنه كالتلميذ لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، لذا مال أصحابنا إلى بعض أقوال مالك رحمه الله تعالىٰ ضرورةً"(۱)۔

اورایک جگہ ہے:"وقد قال في البزازية: الفتوى في زماننا على قول مالك "(۲)۔

غرض تقلیدِ مالکیہ میں صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحب عالی جناب نواب بسالت جاہ مدظلہ کی والدہ محترمہ اوران کی اہلیہ محترمہ کے ساتھ فریضۂ حج کی غرض سے سفر کرسکتی ہے۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

کتبہ ابوالکمال محمد حبیب اللہ باقوی ندوی حنفی قادری، مفتی دارالافتاء مدرسہ حقانیہ عربیہ بنگلور۔

(دار العلوم دیوبند)

الجواب حامداً ومصلیاً:

عورت کے پاس اگراپنے حج کے لئے روپیہ کافی ہواورشوہر یا کوئی محرم بھی جانے والا ہوتب تو اس کے ذمہ حج کے لئے جانا فرض ہوتا ہے ورنہ فرض نہیں ہوتا، بلکہ حجِ بدل کے لئے وصیت کرنا ضروری ہوتا ہے جس کی تنفیذ ایک تہائی ترکہ سے لازم ہوتی ہے،عورت بوڑھی ہو یا جوان،اور قافلہ میں دوسری عورتیں ہوں یا نہ ہوں سب کا حکم یہی ہےاور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا مذہب ہے۔

دوسرے بعض حضرات نے ہجرت واسارت پر قیاس کرتے ہوئے عورت کودوسری قابلِ اعتماد عورتوں کے ساتھ سفر کی اجازت دی ہے،مگر حنفیہ نے اس کی تردید کی ہے کہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے جس کی اجازت نہیں ہےاور قیاس بھی قیاس مع الفارق ہے جوشرعاً حجت نہیں ہے۔ اضطرار کا یہاں کوئی محل ہی نہیں کہ حرام شئی کی حرمت مرتفع ہوجائے اس لئے کہ اضطرار جان کے تحفظ کے لئے ہوتا ہے، یا ایمان کے تحفظ، یہاں حج کے لئے نہ جانے میں جان کا کوئی خطرہ نہیں، نہ ایمان میں کوئی نقص آتا ہے، کیونکہ محرم نہ ہونے کی وجہ سے جانا

---

(۱) (ردالمحتار، باب الرجعة، مطلب: مال أصحابنا إلى بعض أقوال مالک رحمه الله تعالىٰ ضرورة: ۴۱۱/۳، سعید)

(۲) (ردالمحتار، کتاب المفقود، مطلب في الإفتاء بمذهب مالک في زوجة المفقود: ۲۹۶/۴، سعید)

فرض نہیں، بخلافِ زوجۂ مفقود کے کہ وہاں نفقہ کا انتظام نہ ہونا اور در بدر بھیک مانگنا، نامحرموں کی ملازمت کرنا، عصمت کا محفوظ نہ رہنا، حرام کاری میں مبتلا ہونا، دین اسلام چھوڑ کر ارتداد اختیار کرنا، یہ امور قبیحہ، شنیعہ ضرور ایسے ہیں کہ امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول پر عمل کرنے سے ان سب کا سدِ باب ہوجاتا ہے۔

صورتِ مسئولہ میں ڈاکٹر آمنہ خاتون صاحبہ کو سفرِ حج نہ کرنے سے کسی امر قبیح شنیع کا ارتکاب نہیں کرنا پڑتا ہے، سب سے حفاظت ہے۔ ہاں! سفر کرنے سے حدیث پاک کی مخالفت ہے، اپنے امام کے مذہب کی مخالفت ہے اور نیز بھی سفرِ حج ہے جس کی بنیاد ہی گناہوں کو معاف کرانا ہے، گناہ معاف کرانے کے لئے مستقلاً گناہ کا راستہ اختیار کرنا ویسے بھی دانشمندی سے بعید تر ہے:

"(ومحرم أو زوج لامرأة في سفر): أي ونشرط محرم إلى آخره، كما في الصحيحين: "لا تسافر امرأة ثلاثاً إلا و معها محرم". وزاد مسلم في رواية: "أو زوج". و روى البزار: "لاتحج امرأة إلا و معها محرم". فقال رجل: يا رسول الله! إني كتبت في غزوة وامرأتي حاجة؟ قال: "ارجع، فحج معها". فأفاد هذا كله أن النسوة الثقات لاتكفي قياساً على المهاجرة و المأسورة؛ لأنه قياس مع النص، و مع وجود الفارق، فإن الموجود في المهاجرة والمأسورة ليس سفراً؛ لأنها لا تقصد مكاناً معيناً، بل النجاة خوفاً من الفتنة، حتى لو وجدت مأمناً كعسكر المسلمين، وجب أن تقر، ولأنه يخاف عليها الفتنة، و تزاد بانضمام غيرها إليها، ولهذا تحرم الخلوة بالأجنبية، وإن كان معها غيرها من النساء.......... وأطلق المرأة، فتشمل الشابة والعجوز، لإطلاق النصوص". كذا في البحر الرائق: ۲/ ۳۱٤، ۳۱۵(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۲/۱۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیو بند، ۸۸/۲/۱۵ھ۔

رضاعی بھائی کے ساتھ حج

سوال [۵۰۷۱]: رسولن اور خلیل دودھ شریک بھائی بہن ہیں اور رشتہ میں بھی چچازاد بھائی بہن ہیں، رسولن کا کوئی محرم نہیں کہ جس کے ساتھ وہ حج کو جائے۔ کیا وہ خلیل کے ہمراہ حج کو جاسکتی ہے؟

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/ ۵۵۱، ۵۵۲، رشیدیہ)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جاسکتی ہے، در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اپنے خسر کے ساتھ اپنی ہمشیرہ کا حج کو بھیجنا

سوال [۵۰۷۲]: میری ہمشیرہ میرے خسر اور ساس کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، ان کا کوئی محرم نہیں ہے، کیا یہ ہمشیرہ جاسکتی ہے یا نہیں؟ ان کا حج ادا ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کا خسر آپ کی ہمشیرہ کا محرم نہیں، ان کے ساتھ سفر حج کرنے کی اجازت نہیں اگرچہ فریضہ ادا ہو جائے گا، لیکن بغیر محرم کے سفر کرنے کا گناہ بھی ہوگا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۷/ ۸/ ۸۹ھ۔

---

(۱) "(و) مع (زوج أو محرم) ولو عبداً أو ذمياً أو برضاع". (الدر المختار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/ ۴۶۴، سعيد)

"قوله: (ومحرم أو زوج لامرأة في سفر): أي و بشرط محرم إلى آخره، لما في الصحيحين: "لا تسافر المرأة، إلا و معها محرم .... والمحرم مَن لايجوز له مناكحتها على التأبيد بقرابة، أو رضاع، أو مصاهرة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/ ۵۵۱، رشيديه)

(بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/ ۵۶، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/ ۴۳۴، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "(ومع زوج أو محرم) و هو مَن لا يحل له نكاحها على التأبيد للمرأة، و لو عجوزةً، إن كان بينها وبين مكة مسافة سفر، وإلا فلا يحتاج، و لا تحج بلا أحدهما فإن حجت، جاز مع الكراهة". (الدر المنتقى في شرح الملتقى: ۱/ ۲۶۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"إنها لا تخرج إلا بزوج أو محرم .... ثم صفة المحرم: أن يكون ممن لا يجوز نكاحها على التأبيد، إما بالقرابة أو الرضاع أو الصهرية، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في شرائط فرضيته: ۳/ ۵۶، دار الكتب العلميه بيروت) .... =

بغیر شوہر کی اجازت کے بھائی کے ساتھ حج کرنا

سوال[۵۰۷۳]: زید کی عورت اپنے شوہر کی مرضی کے خلاف امسال حج کو جانے پر بضد ہے اور اس کے حقیقی برادر بھی حج کو جارہے ہیں، زید اپنے خانگی حالات کی وجہ سے اس سال اجازت دینے سے روکتا ہے، یعنی زید کی بیوی اپنے شوہر کے حقوق ادانہیں کرتی ہے۔ زید کی بہن نے بھی اپنے حج کی درخواست دے رکھی ہے اگر خدا کو منظور ہوتو زید کا مکان تنہا رہ جائے گا اور اس کے مکان پر سوائے ان دونوں کے اور کوئی قابلِ اطمینان آدمی نہیں ہے۔ سو زید کی بیوی اپنے برادر کے ساتھ زید کی بلا اجازت حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟

اور زید کی بیوی اپنے حقوق کا اور خداوندی حقوق یعنی صوم وصلوۃ میں پاکی ناپاکی کا خیال نہیں رکھتی ہے جیسا کہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہشتی زیور کے پانچویں حصہ میں صفحہ: ۶۳ تا ۷۰ میں تحریر فرمایا ہے اور دیگر حوالہ بہشتی زیور کے تیسرے حصہ کے صفحہ: ۶۷/ میں نامحرم بہنوئی ونندوئی وغیرہ وغسل آنے پر ہفتہ تا چالیس یوم تک بغل وغیرہ کے بال دور کرنا، بدن کو صاف ستھرا کرنا، تحت تحریر فرمایا ہے۔ جب اس عورت کو دو دو، تین تین ماہ ہوجاتے ہیں بغیر کسی مجبوری کے تو اس عورت پر کیسا گناہ ہوا، صغیرہ یا کبیرہ؟ اب اس کو حج کے لئے اس صورت میں اجازت دی جائے یا نہیں؟ اور ایسی صورت میں اس کے ساتھ اس کے بھائی وغیرہ جو اس کے ساتھ حج کو جائیں گے تو ان کا یہ حج ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس عورت کی ملک میں اتنا روپیہ ہے کہ اس پر حج فرض ہوجائے اور ساتھ جانے والا محرم بھی موجود ہے تو اس کو ضرور اجازت دیدی جائے، شوہر کو حق نہیں کہ وہ اس حالت میں وہ حج سے اس کو روکے(۱)۔ وہ

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۲/۴۳۵، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في قولهم: يقدم حق العبد على حق الشرع: ۲/۴۶۴، سعيد)

(۱) "ولو كان معها محرم، فلها أن تخرج مع المحرم في الحجة الفريضة من غير إذن زوجها عندنا، وعندالشافعي: ليس لها أن تخرج بغير إذن زوجها .... ولنا أنها إذا وجدت محرماً، فقد استطاعت إلى حج البيت سبيلاً؛ لأنها قدرت على الركوب والنزول، وأمنت المخاوف؛ لأن المحرم يصونها". =

اگر ناپاکی سے پاک نہیں ہوئی، خدا اور شوہر کے حقوق کو ادا نہیں کرتی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے، اس کو توبہ لازم ہے(۱) اور اس کی فہمائش کی جائے اور وعید سنائی جائے اور بتایا جائے کہ خدا کے گھر جانے کے لئے پاکی کا اہتمام کرے، نماز وغیرہ کی پابند ہو جاوے، شوہر کی نافرمانی چھوڑ دے۔ امید ہے کہ وہ سفر حج کی برکت سے اس کی مزید اصلاح ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیو بند۔



= (بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل فی شرائط فرضیته: ۵۵/۳، دار الکتب العلمیه بیروت)

"وإذا وجدت محرماً، و لا يأذن لها زوجها أن تخرج، فلها أن تخرج بغير إذنه في حجة الإسلام دون التطوع". (التاتارخانية، كتاب المناسك، شرائط الوجوب: ۴۳۵/۲، إدارة القرآن كراچی)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب الحج: ۲۶۳/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويستحب حلق عانته و تنظيف بدنه بالاغتسال في كل أسبوع مرة، والأفضل يوم الجمعة، وجاز في كل خمسة عشر، و كره تركه وراء الأربعين". (الدر المختار).

"(قوله: و كره تركه): أي تحريماً، لقول المجتبى: "و لا عذر فيما وراء الأربعين، و يستحق الوعيد". (رد المحتار، فصل في البيع: ۴۰۶/۶، ۴۰۷، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان والخصاء وقلم الأظفار: ۳۵۷/۵، ۳۵۸، رشيديه)

بابٌ فی واجبات الحج وسننه

(واجبات وسننِ حج کا بیان)

وقوفِ مزدلفہ

سوال[۵۰۷۴]: ۱......اگر ہجوم کی وجہ سے عورتیں اور ضعیف مرد- جسے ہجوم کی وجہ سے تکلیف کا اندیشہ ہو- مزدلفہ کا قیام نہ کریں تو دم واجب نہیں ہوگا، مگر یہ بھی مغرب وعشا کی نمازیں مزدلفہ میں ملاکر عشاء کے وقت پر پڑھ کر منیٰ کو روانہ ہوں تو نہیں ہے۔ کیا بالکل ہی مزدلفہ نہ جائیں؟ اور جہاں مغرب کا وقت ہو مغرب کی نماز پڑھیں اور عشاء کے وقت عشاء کی نماز پڑھیں تو کیا یہ بلاکراہت جائز ہے؟

ایضاً

سوال[۵۰۷۵]: ۲......اگر تندرست مرد عورتوں اور بوڑھے مَردوں کیساتھ کسی وجہ سے مزدلفہ نہ ٹھہریں تو اس کو دم دینا ہوگا، ایسی صورت میں عورتیں اور بوڑھے مرد کس طرح تنہا عرفات سے منیٰ اپنے خیمہ میں جاسکتے ہیں؟ اگر دوسرے تندرست آدمی بھی ان معذوروں کولیکر عرفات سے منی جاکر ان کو وہاں چھوڑ کر واپس آنا چاہیں تو آج کل بہت ہجوم کی وجہ سے مزدلفہ میں آنا اور قیام کرنا مشکل ہوجائے گا اور دوسرے ساتھیوں کو تلاش کرنا ناممکن ہوگا۔ بہتیری عورتیں تنہا منیٰ میں رہیں گی، آج کل فتنہ کے زمانہ میں ان کی عزت و آبرو کا ڈر ہے، بعض عورتیں تنہائی میں گھبراتی ہیں اور عورتوں اور بوڑھے مَردوں کو جس طرح بھی ہو مزدلفہ کا قیام کرانا چاہئے۔ اور اگر ان کو منی میں پہنچانا ضروری ہو تو پھر ساتھی تندرست مرد اور عورت بھی مزدلفہ کا قیام بوجہِ مجبوری ترک کردیں۔

کیا یہ ترکِ قیامِ مزدلفہ مجبوری میں جائز ہوگا؟ ورنہ معذور اور غیر معذور سب ایک ہی جگہ مزدلفہ میں رہیں اور صبح صادق میں قیام کرکے مزدلفہ سے روانہ ہوجائیں۔

منیٰ سے روانگی

سوال[۵۰۷۶]: ۳......اس کا مسئلہ بھی بہت مشکل ہے بوڑھے ضعیف مردوں اورعورتوں کے لئے ،لہٰذا دس ذی الحجہ کوضعیف مرداورعورت رات میں- جبکہ ہجوم کم ہوجاتا ہے- قیام کریں صبح صادق سے پہلے پہلے تک،اس طرح گیارہ، ذی الحجہ کو قیام مغرب کے بعد سے بارہ ذی الحجہ کوتقریباً سب ہی حجاج کرام منی سے واپس ہوجاتے ہیں،اگر مستورات کا ساتھ ہوتو مناسب بھی یہی ہے کہ بارہ ذی الحجہ میں منیٰ کوواپس جائے۔

اکثر منمین خیمے بناتے ہیں،دوردور کہیں ایک خیمہ نظر آتا ہے جو تیرہ ذی الحجہ کو قیام کرنے والوں کے لئے رہ جاتا ہے۔بارہ ذی الحجہ کواول اپنے خیمہ میں عصر کی نماز پڑھ کر مستورات کو لے کر جائیں اس وقت ہجوم کم ہوجاتا ہے اور آفتاب غروب ہونے سے پہلے پہلے حدودِ منیٰ چھوڑ دیتے ہیں ورنہ صبح صادق سے پہلے تک منیٰ چھوڑنے کی گنجائش ہے،لہٰذا اگر مستورات یا ضعیف مردوں کی وجہ سے آفتاب غروب ہوجائے تو ایسی صورت میں مکروہ وقت خیال نہ کریں اس سے فارغ ہوتے ہی روانہ ہوجائیں۔کیا یہ مناسب اور درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......صبح صادق سے سورج نکلنے تک ذراسی دیر بھی وقوف کرلیا خواہ سوتے یا جاگتے بلکہ وہاں سے گزرنے سے بھی وقوف ہوکر واجب ادا ہوجائے گا(۱)،صبح صادق سے پہلے مزدلفہ میں ٹھہرنے سے واجب ادا نہیں ہوگا اور ترکِ واجب کی وجہ سے دم لازم ہوگا۔اگر رات کومزدلفہ نہیں پہنچ سکا حتی کہ صبح صادق ہوگئی اس وقت ہی پہنچا تو اس پر دم لازم ہے(۲)۔

---

(۱) "وأما ركنه: فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أو بفعل غيره، بأن كان محمولاً وهو نائم أومغمى عليه، أو كان علىٰ دابة لحصوله كائناً بها". (بدائع الصنائع، فصل في الوقوف بمزدلفة: ۸۸/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما ركنه فكينونته بمزدلفة سواء كان بفعل نفسه أو فعل غيره، بأن كان محمولاً بأمره أو بغير أمره، وهو نائم أو مغمى عليه أو مجنون أو سكران، إن نواه أو لم ينو، علم بها أو لم يعلم" (ردالمحتار، مطلب في الوقوف بمزدلفة: ۵۱۱/۲، سعيد)

(۲) "و هذا الوقوف من الواجبات عندنا و ليس بركن، حتى لو تركه أصلاً يلزمه الدم، و لكن يجزيه=

سورج نکلنے میں جب دورکعت کی مقدار وقت باقی رہ جائے اس وقت تک ٹھہرنا سنتِ مؤکدہ ہے، لیکن ضعیف مرد اور عورت اگر صبح صادق ہوتے ہی نماز فجر پڑھ کر منیٰ کے لئے روانہ ہوجائے تو ان کے لئے اجازت ہے، بلکہ جو زیادہ ضعیف ہو اور برداشت نہ کرسکیں وہ اگر اندھیرے ہی میں صبح صادق سے بھی پہلے روانہ ہوجائیں تو ان پر عذر کی وجہ سے دم لازم نہیں آئے گا (۱)۔ اگر وقوفِ مزدلفہ نہ کرنا ہو تو نماز اپنے وقت پر پڑھی جائے جمع نہ کی جائے (۲)۔

۲... بہتر یہی ہے کہ سب مزدلفہ میں قیام کریں، ضعیفوں کی وجہ سے زیادہ نصرت ہوگی: "هل تنصرون إلا بضعفائكم" (۳)۔ اگر یہ صورت نہ ہوسکے تو ان ضعیفوں کی نگرانی وحفاظت کی خاطر جو تندرست

= الحج .... فقال: إذا أسفر النهار بحيث لم يبق إلىٰ طلوع الشمس إلا مقدار ما يصلي ركعتين يذهب. و في الخلاصة: و من لم يكن هذه الليلة بالمزدلفة، عليه دم إن لم يأتها قبل طلوع الشمس جبراً للنقصان". (الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب الحج، الوقوف بمزدلفة، والذهاب إلىٰ منى: ۲/۴۵۹، ۴۶۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

"فمن دفع من جمع قبل نصف الليل و لم يعد في الليل، فعليه دم .... والمستحب الاقتداء برسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في المبيت إلى أن يصبح، ثم يقف حتى يسفر". (أوجز المسالك، الوقوف بعرفة والمزدلفة: ۳/۵۲۷، المكتبة اليحيوية سهارنفور يو بی، هند)

(۱) "قال الحنفية: إن فات الوقوف، فإن كان لعذر فلا شيء عليه؛ لأنه صلى الله عليه وسلم قدم ضعفة أهله، و لم يأمرهم بالكفارة، وإن كان فواته لغير عذرٍ فعليه دم؛ لأنه ترك الواجب من غير عذر، وأنه يوجب الكفارة". (الفقه الإسلامي و أدلته، حكم فوات الوقوف بالمزدلفة عن وقته: ۳/۸۹؛ المكتبة الحقانية بشاور)

(۲) "والحاصل أن من عزم علىٰ عدم المرور بالمزدلفة تلك الليلة، فعليه أن يصلي كل صلاة في وقتها لعدم استكمال شروط الجمع، اهـ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، فصل في الجمع بين الصلاتين بها، يستحب التعجيل في هذا الجمع، ص: ۱۴۵، مصطفى محمد صاحب المكة)

(۳) "عن مصعب بن سعد قال: رأى سعد أن له فضلاً على من دونه، فقال النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هل تنصرون وترزقون إلا بضعفائكم". (الصحيح للبخاري، كتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب: ۱/۴۰۵، قديمی)

اس وقوف سے پہلے (رات ہی میں) چلا جائے تو وہ دم دیدے(۱)۔

۳......ایسا کرنا مکروہ ہے، لیکن دم واجب نہیں ہوگا اور مستورات وضعفاء کی رعایت سے کراہت میں بھی تخفیف ہو جائے گی (۲)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

---

(۱) (راجع، ص: ۳۳۹، رقم الحاشیہ: ۲)

"و قالت الأحناف: الواجب هو الحضور بالمزدلفة قبل فجر يوم النحر، فلو ترك الحضور لزمه دم، إلا إذا كان له عذر، فإنه لا يجب عليه الحضور، و لا شئ عليه حينئذ". (فقه السنة، المبيت بالمزدلفة والوقوف بها: ۱/ ۷۲۵، دارالكتاب العربي بيروت)

(وكذا في إعلاء السنن، باب وجوب الوقوف بمزدلفة و لزوم الدم بفواته بلا عذر الخ: ۱۰/ ۱۳۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچى)

(۲) "يرجع من منىٰ إلىٰ مكة قبل غروب الشمس من اليوم الثاني عشر بعد الرمي عند الأئمة الثلاثة، وعند الأحناف: يرجع إلىٰ مكة مالم يطلع الفجر من اليوم الثالث عشر من ذي الحجة، لكن يكره النفر بعد الغروب لمخالفة السنة، و لا شئ عليه". (فقه السنة، متى يرجع من منى: ۱/ ۷۳۶، دارالكتاب العربي بيروت)

"عن نافع أن عبد الله بن عمر رضي الله تعالىٰ عنهما كان يصلي الظهر والعصر والمغرب والعشاء والصبح بمنى، ثم يغدو إذا طلعت الشمس إلىٰ عرفة".

"ثم يغدو إذا طلعت الشمس من منىٰ إلى عرفة" قال الباجي: و هو السنة. و قد روى ابن المواز عن مالك: يغدو الإمام والناس إذا طلعت الشمس إلىٰ عرفة إلا من كان ضعيفاً .... وقال محمد بعد أثر الباب: هكذا السنة، فإن عجل أو تأخر فلا بأس إن شاء الله تعالىٰ، و هو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ". (أوجز المسالك، باب الصلوٰة بمنى يوم التروية والجمعة بمنى و عرفة: ۳/ ۲۲۰، ۲۲۱، المكتبة اليحيويه سهارنفور)

(وكذا في مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، فصل: فإذا دخل مكة: ۱/ ۲۸۲، دار إحياء التراث العربي بيروت لبنان)

متمتع اور قارن پر کیا دودم ہیں؟

سوال[۵۰۷۷]: قارن ومتمتع کوایک ہی قربانی واجب ہے یادو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک قربانی تو دمِ قران، یا دمِ تمتع واجب ہے(۱)، پھر اگر وہاں پہونچ کر مقیم ہوجائے اور صاحبِ نصاب ہوتو ایک قربانی صاحبِ نصاب ہونے کی وجہ سے واجب ہوگی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "دم القارن شاة أو بدنة، أو سبع بدنة، و هو دم شكر لتوفيق الجمع بين العبادتين". (مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۱/۲۸۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل التاسع في القارن: ۲/۵۲۶، إدارة القرآن كراچی)

"و يجب الدم على المتمتع شكراً لما أنعم الله تعالىٰ عليه بتيسير الجمع بين العبادتين، كذا في فتاوىٰ قاضي خان". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع في القران والتمتع: ۱/۲۳۹، رشيديه)

"وعلى المتمتع دم إذا وجد ذلك ...... أدناه شاة وإنه دم شكر، الخ". (التاتارخانية، الفصل العاشر في المتمتع: ۲/۵۳۱، إدارة القرآن كراچی)

"اتفق العلماء على أن المتمتع والقارن يلزمهما إذا أحرما بالحج الهدى ... ودم القران والتمتع شكراً، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب دم التمتع والقران: ۳/۲۲۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في مناسك الملاعلي القاري، المعروف بالمنسك المتوسط، فصل في هدى القارن والمتمتع: ۲۶۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "وأما الأضحية فإن كان مسافراً، فلا يجب عليه، و إلا كالمكي، فتجب كما في البحر". (ردالمحتار، مطلب في رمي الجمرة العقبة: ۲/۵۱۵، سعيد)

"(وإنما تجب) التضحية دون الأضحية .... (على حر) .... (مسلم) .... (مقيم)، فلا تجب على المسافر .... موسر؛ لأن العبادة لاتجب إلا على القادر، و هو الغني دون الفقير، ومقداره ماتجب فيه صدقة الفطر". (مجمع الأنهر، كتاب الأضحية: ۲/۵۱۶ دار إحياء التراث العربي بيروت)

احرام سے حلال ہونے کے لئے چند بالوں کا منڈانا

سوال[۵۰۷۸]: ارکانِ عمرہ ادا کرنے کے بعد ارکانِ حج میں دس ذی الحجہ کے بعد اور متمتع اور قارن کو قربانی کرنے کے بعد مرد کو سارے سر کے بال استرے سے منڈوانا چاہئے، یا سارے سر کے بال انگلی کے ایک پور کے برابر کٹوانا ہوں گے؟ اگر سر کے بال انگلی کے ایک پور یعنی انملہ کے برابر بڑے نہیں تو سارے سر کے بال کو کم از کم چوتھائی سر کے بالوں کو استرے سے منڈوانا پڑے گا تاکہ احرام اتر جائے اور ممنوعاتِ احرام حلال ہوجائیں، مگر آج کل لاکھوں کی تعداد حج میں ایسے لوگوں کی ہوتی ہے کہ وہ سر کے بال کے صرف چند بال کٹوا لیتے ہیں، لہٰذا نہ تو ان کا احرام اترتا ہے اور نہ بیوی کے لئے حلال ہوتے ہیں جس کو دیکھ کر صدمہ ہوتا ہے، کثرت سے مرد اِس میں مبتلا ہیں۔ تو کیا کسی امام کے نزدیک اس طرح سر کے چند بال کاٹنے سے مرد کا احرام اتر جاتا ہے اور بوجۂ مجبوری حنفیہ بھی ایسا کر سکتے ہیں؟ ورنہ یہ کوتاہی عام ہے اور کوئی مانتا نہیں، لہٰذا اکثریت کا گناہِ عظیم سے بچانے کے لئے کوئی گنجائش ہوسکتی ہو تو ان کے لئے بتلا دیا جائے تاکہ وہ بال منڈوانے کو غیر ضروری نہ سمجھیں بلکہ اس گنجائش پر عمل کریں اور حلال ہوجائیں، یہ رواج ہوگیا کہ چند بال کٹواتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ رواج غلط ہے اور خلافِ شرع ہے، اس چیز کے اختیار کرنے پر عوام کو کس نے مجبور کیا، خاص کر جبکہ فقہاء نے اس سلسلہ میں بہت وسعت دی، مثلاً: چوتھائی سر کے بال منڈوانا، یا کتروانا بھی کافی ہے، ایک انگل سے کچھ زیادہ بال کٹا دینا بھی کافی ہوتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ جڑ ہی سے کاٹا جائے یعنی احرام سے ان صورتوں میں بھی حلال ہوجائے گا اگرچہ صرف چوتھائی سر کے بال منڈانے یا کٹانے سے مکروہ تحریمی کا ارتکاب ہوگا۔ اگر کسی دوا، صابون وغیرہ سے سر کے بال کو ختم کردے تب بھی کافی ہے۔ اگر سر پر بال ہی نہیں تو صرف استرہ پھیر لینا بھی کافی ہوگا، اگر سر پر زخم ہو تو استرہ بھی نہ پھر سکے تو اس سے یہ واجب ہی ساقط ہے (حلق وقصر)(۱)۔

---

(۱) "(قوله: و حلقه أفضل): أي هو مسنون، و هذا في حق الرجل، و يكره للمرأة؛ لأنه مثلة في حقها كحلق الرجل لحيته. و أشار إلى أنه لو اقتصر على حلق الربع جاز كمافي التقصير، لكن مع الكراهة لتركه السنة، فإن السنة حلق جميع الرأس أو تقصير جميعه، كما في شرح اللباب و القهستاني. قال في النهر: و إطلاقه- أي إطلاق قول الكنز: (والحلق أحب) يفيد أن حلق النصف أولى من التقصير، ولم أره اهـ. =

ان سب کے باوجود اگر عوام غلط راستہ بلا کسی مجبوری کے اختیار کرلیں تو وہ خود ذمہ دار ہیں ان کی وجہ سے حکمِ شرعی کو نہ بدلا جائے گا، مثلاً: داڑھی منڈانے، جھوٹ بولنے، غیبت کرنے، سود لینے، سود دینے کا عام رواج ہوجائے تو اس کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی، بلکہ وعیدات وترغیبات کے ذریعہ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی ورنہ شریعت عوام کے لئے کھلونا بن جائے گی۔ (العیاذ باللہ)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

حلق وقصر میں ایک ربع بھی کافی ہے

سوال[۵۰۷۹]: قصر میں پورے سر کے بال چھوٹے کرانے ضروری ہیں یا ربعِ رأس کا قصر کافی ہے، اگر کسی کے سر پر پیٹھے ہوں تو وہ بال کتنے چھوٹے کرائے، جو شرعی قصر کا مصداق بن سکیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ربعِ رأس بھی کافی ہے، ایک انگلی بال کٹانے سے قصر معتبر ہوجائے گا، حلق افضل ہے: "ثم يحلق أو يقصر، والحلق أفضل، و يكفى فيه الربع. والتقصير أن يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة". مراقی الفلاح، ص: ٤٤٣ (١)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/ ۱۰/ ۸۹ھ۔

= قلت: إن أراد أنه أولىٰ من تقصير الكل، فهو ممنوع لما علمت، أو من تقصير النصف أو الربع فهو ممكن" (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب فى رمى الجمرة العقبة: ۲/ ۵۱۶، سعيد)

"ثم يحلق أو يقصر، والحلق أفضل، و يكفى فيه ربع الرأس، والتقصير أن يأخذ من رؤوس شعره مقدار الأنملة". (حاشية الطحطاوى علىٰ مراقى الفلاح، فصل فى كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۶، قديمى)

(وكذا فى بدائع الصنائع، فصل فى مقدار الواجب فى الحلق: ۳/ ۱۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) (مراقى الفلاح، كتاب الحج، فصل فى كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۶، قديمى)

"ثم يحلق، و هو أفضل من تقصير، أو يقصر بأن يأخذ من شعره قدر الأنملة وجوباً، وتقصير =

عورتیں حلال ہونے کے لئے کتنے بال کہاں کے کاٹیں؟

سوال[۵۰۸۰]: حج کے بعد قربانی کے وقت مرد سر منڈاتے ہیں اور عورتیں اپنی انگلی کے پھیر کے اتنے بال تراشتی ہیں تو جب عمرہ کرتے ہیں تو حج کے بعد جتنے بال کاٹتے ہیں اتنے بال عمرہ کے بعد بھی کاٹنا چاہئے یا اس سے بھی کم بال کاٹ سکتے ہیں؟ اور یہ کہ نیچے کے بال کاٹے جائیں یا پیشانی کے بال بھی کاٹے جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک انگلی کے برابر یعنی ایک انگلی کی تہائی کی مقدار تمام سر کے بال کاٹ دیں(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

= الکل مندوب، والربع واجب". (مجمع الأنهر فی شرح ملتقی الأبحر: ۱/ ۲۸۰، دار إحياء التراث العربی بيروت لبنان)

(وكذا فی بدائع الصنائع، فصل فی مقدار الواجب فی الحلق: ۳/ ۱۰۱، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "و لا حلق على المرأة، لما روى عن ابن عباس رضی الله تعالىٰ عنهما عن النبی صلی الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "ليس على النساء حلق، وإنما عليهن تقصير". و روت عائشة رضی الله تعالىٰ عنها أن النبی صلی الله تعالى عليه وسلم، أنه نهى المرأة أن تحلق رأسها". و لأن الحلق فی النساء مثلة، ولهذا لم تفعله واحدة من نساء رسول الله صلی الله تعالىٰ عليه وسلم، و لكنها تقصر، فتأخذ من أطراف شعرها قدر أنملة، لما روى عن ابن عمر رضی الله تعالىٰ عنه أنه سئل فقيل له: كم تقصر المرأة ؟ فقال: "مثل هذه". وأشار إلى أنملته". (بدائع الصنائع، فصل فی أحكام الحلق والتقصير: ۳/ ۱۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

"وأما المرأة، فلا حلق عليها، و لكنها تقصر بأخذ شیء من أطراف الشعر مقدار أنملة، والأفضل لها أن تقصر من كل شعرة مقدار أنملة". (الفتاوى التاتارخانية، كتاب المناسك الحلق والتقصير: ۲/ ۵۴۳، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، كراچی)

(وكذا فی إعلاء السنن، باب وجوب الحلق أو التقصير فی الحج والعمرة: ۱۰/ ۱۷۲، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

محرم کو حلال ہونے کے لئے حلق وقصر خود کرنا

سوال[۵۰۸۱]: محرم اپنا احرام کھولنے کے وقت حلق یا قصر خود کرسکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ احرام سے باہر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے سر کا حلق یا قصر کسی غیر محرم کے پاس کرائے۔

محمد یونس افریقی، متعلم دارالعلوم دیوبند۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حلق یا قصر خود بھی کرسکتا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۳۰/ ۸/ ۹۰ھ۔

وقتِ احصار بغیر ذبح حلال ہونے کی شرط

سوال[۵۰۸۲]: "اشتراط الإحلال بغیر ذبح عند الإحرام وقت الإحصار"۔ مفتی بہ قول کے مطابق صحیح اور معتبر ہے یا نہیں؟ بصورتِ مذکورہ احصارِ شرعی پیش آگیا تو ہدی ذبح کئے بغیر احرام سے حلال ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ شرط کارآمد نہیں، بغیر ہدی ذبح کئے حلال نہیں ہوگا:

"مالم یذبح لا یحل، و ہو قول عامة العلماء، سواء شرط عند الإحرام الإحلال بغیر ذبح

(۱) "(و إذا حلق): أی المحرم (رأسه): أی رأس نفسه (أو رأس غیره): أی و لو کان محرماً (عند جواز التحلل): أی الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسک (لم یلزمه شیء) -الأولیٰ: لم یلزمهما شیء- وهذا حکم یعم کل محرم فی کل وقت". (مناسک الملا علی القاری، فصل فی الحلق والتقصیر، ص: ۲۳۰، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

"و إذا حلق: أی المحرم رأسه أو رأس غیره و لو کان محرماً عند جواز التحلل: أی الخروج من الإحرام بأداء أفعال النسک، لم یلزمه شیء". (إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، فصل فی واجباته، ص: ۵۰، مطبعة مصطفی محمد مصر)

عند الإحصار أو لم يشترط، و يجب أن يواعد يوماً معلوماً يذبح عنه، فيحل بعد الذبح و لا يحل قبله، اھ". فتاویٰ عالمگیریة(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/۹۵ھ۔

کیا احرام باندھ کر طواف ضروری ہے؟

سوال[۵۰۸۳]: حج کا احرام باندھنے کے بعد جب منیٰ کا ارادہ کرکے جاتے ہیں تو جانے سے پہلے خانہ کعبہ کا طواف کرکے جانا ضروری ہے یا بغیر طواف کے بھی جاسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ طواف فرض یا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۷/۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی الإحصار: ۱/۲۵۵، رشیدیه)

"و ما لم يذبح لا يحل، و هذا قول عامة العلماء، سواء كان شرط عند الإحرام الإحلال بغير ذبح عند الإحصار أو لم يشترط .... و يجب أن يواعدهم يوماً معلوماً يذبح فيه، فيحل بعد الذبح، ولايحل قبله". (بدائع الصنائع، فصل في حكم الإحصار: ۳/۱۹۱ ۱۹۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في اللباب في شرح الكتاب، باب الإحصار: ۱/۱۹۱، قديمي)

(۲) "وروى الحسن عن أبي حنيفة: أن المتمتع إذا أحرم بالحج يوم التروية أو قبله، فإن شاء طاف وسعى قبل أن يأتي إلى منى وهو أفضل. وروى هشام عن محمد أنه إن طاف وسعى، لابأس به، ووجه ذلك أن هذا الطواف ليس بواجب، بل هو سنة". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل في بيان سنن الحج والترتيب، اھ: ۲/۱۲۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، باب المتمتع: ۲/۵۳۸، سعيد)

"(السابع: طواف التطوع): أي النافلة، و إلا فطواف التحية أيضاً تطوع، و هو لا يختص بوقت: أي بزمان دون زمان لجوازه في أوقات كراهة الصلاة عندنا أيضاً، الخ". (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب: أنواع الأطوفة، ص: ۹۷، مكتبه مصطفى محمد مصر)

دوگانہ طواف اوقات مکروہہ میں

سوال[۵۰۸۴]: طواف کے بعد دورکعت کا پڑھنا کیا ہر وقت درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن اوقات میں نمازِ فرض کا پڑھنا منع اور نفل کا پڑھنا مکروہ ہے: سورج نکلتے وقت، جس وقت سورج سر پر ہو، سورج ڈوبتے وقت، صبح صادق کے بعد سورج نکلنے سے پہلے، عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے سے پہلے، مغرب کی نماز سے پہلے، خطبہ کے وقت، جماعت شروع ہو جانے کے بعد، ان اوقات میں ان دورکعت کا پڑھنا بھی منع ہے، بحر: ۱/۲٦٢ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

دوگانہ طواف بھول کر دوسرا طواف شروع کر دیا

سوال[۵۰۸۵]: اگر طواف کے بعد دورکعت پڑھنا بھول جائے اور دوسرا طواف شروع کردے تب یاد آئے تو کیا کرے؟ آیا اس دوسرے طواف کو چھوڑ کر دورکعت پڑھے یا دوسرا طواف بھی پورا کرے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دوسرے طواف کا ایک چکر پورا ہونے سے پہلے یاد آجائے تو اس کو چھوڑ کر دورکعت پڑھ لے۔ اگر ایک چکر پورا ہونے کے بعد یاد آئے تو یہ طواف پورا کرلے، اس کے بعد دورکعت پہلے طواف کے لئے پڑھے اور

---

(۱) "ویدخل فی الواجب رکعتا الطواف، فلا تصح فی ھذہ الأوقات الثلاثة، اعتبرت واجبةً فی حق ھذا الحکم ونفلاً فی کراھتھا بعد صلاة الفجر والعصر احتیاطاً فیھما". (البحر الرائق: ۱/۴۳۴، کتاب الصلاة، رشیدیه)

(وأیضا البحر الرائق: ۲/۵۸۵، باب الإحرام، رشیدیه)

"ثم صلی شفعاً فی وقت مباح". (الدرالمختار). "لما مر فی أوقات الصلاة من أن الواجب و لو لغیرہ کرکعتی الطواف والنذر، لا تنعقد فی ثلاثة من الأوقات المنھیة: أعنی الطلوع والاستواء والغروب". (ردالمحتار: ۲/۴۹۹، مطلب فی طواف القدوم، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۲٦، الباب الخامس فی کیفیة أداء الحج، رشیدیه)

دورکعت دوسرے طواف کے لئے ،منحہ: ۲/ ۲۵٦(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

طوافِ زیارت بحالتِ احرام

سوال[۵۰۸٦]: دسویں ذی الحجہ کو رمی اور قربانی کے بعد اگر دیر ہونے کے سبب حجامت نہ بنوائے یا حجام نہ ملے تو ایسی صورت میں طوافِ زیارت کو جاسکتا ہے، احرام کے ساتھ یا بلا احرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب اس نے حجامت نہیں بنوائی، یعنی نہ حلق کیا نہ قصر تو وہ احرام سے حلال نہیں ہوا، بحالتِ احرام ہی طوافِ زیارت کرلے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

نفل طواف کے بعد استلام

سوال[۵۰۸۷]: کیا حجرِ اسود کا استلام دورکعت طواف کے بعد بھی کیا جاتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس طواف کے بعد سعی ہے اس کی دورکعت کے بعد استلام کے لئے جاتے وقت حجر اسود کا استلام کیا

---

(۱) "فروع: طاف ونسي ركعتي الطواف، فلم يتذكر إلا بعد شروعه في طواف آخر، فإن كان قبل تمام شوط، رفضه. وبعد إتمامه، لابل يتم طوافه الذي شرع فيه". (منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۵۰۸، رشيديه)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۵۸۱، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في طواف القدوم: ۲/ ۴۹۹، سعيد)

(۲) "ولو لم يحلق حتى طاف بالبيت، لم يحل له شئ حتى يحلق، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس في كيفية أداء الحج: ۱/ ۲۳۲، رشيديه)

"لكن لا شئ على من طاف قبل الرمي والحلق". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/ ۵۵۵، سعيد)

(وكذا في معلم الحجاج، باب شرائط طواف زيارة: ۲۰۹، إدارة القرآن كراچی)

جائے گا اور جس کے بعد سعی نہیں اس کی دو رکعت کے بعد استلام بھی نہیں، منحہ: ۲/۲۵۷(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

متعدد طوافوں کے بعد نفل

سوال[۵۰۸۸]: اگر کوئی شخص چند طواف مسلسل کرے اور پھر ہر طواف کے لئے دو دو رکعت مسلسل پڑھے تو کیا اس میں کوئی قباحت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ جن اوقات میں طواف کی دو رکعت کا پڑھنا مکروہ ہے ان اوقات میں اس طرح مسلسل طواف کرنا اور پھر بعد میں ہر طواف کے لئے دو دو رکعت پڑھنا مکروہ نہیں، منحہ: ۲/۳۵۷(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "قال فی شرح اللباب: والأصل أن کل طواف بعده سعی، فإنه یعود إلی استلام بعد الصلوة، ومالا فلا، علی ماقاله قاضی خان فی شرحه: إن هذا الاستلام لإفتتاح السعی بین الصفا والمروة، فإن لم یرد السعی بعده، لم یعد علیه". (منحة الخالق علی البحر الرائق، کتاب الحج، باب الإحرام: ۲/۵۸۳، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب فی السعی بین الصفا والمروة: ۲/۵۰۰، سعید)

(وکذا فی حاشیة الشلبی علی تبیین الحقائق، کتاب الحج، باب الإحرام، ص: ۲۷۶، ۲۷۷، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) "قال فی السراج: و یکره الجمع بین أسبوعین أو أکثر من غیر صلوة بینهما عند أبی حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالیٰ، سواء انصرف عن وتر أو شفع . و قال أبو یوسف رحمه الله تعالیٰ: لا یکره إذا انصرف عن وتر نحو أن ینصرف عن ثلاثة أسابیع أو خمسة أو سبعة".

"قوله: (و لم أر، الخ) قال فی اللباب فی فصل مکروهات الطواف: والجمع بین أسبوعین أو أکثر من غیر صلاة بینهما إلا فی وقت کراهة الصلاة، و هو مؤید لما قاله المؤلف أیضاً، تأمل". (منحة الخالق علی البحر الرائق: ۲/۵۸۱، کتاب الحج، باب الإحرام، رشیدیه) ....=

ایامِ معلومات کی تشریح

سوال[۵۰۸۹]: "و قد روی ابن أبی شیبة من وجه اخر عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما: أن المعلومات یوم النحر وثلثة أیام بعده. ورجح الطحاوی هذا، لقوله تعالیٰ: ﴿ ویذکروا اسم الله فی أیام معلومات علی ما رزقهم ﴾الخ". فتح الباری: ۲/۲۲۶۔ ابن ابی شیبہ کی مکمل سند مطلوب ہے، پوری سند تحریر فرمادیں۔

امام طحاوی کا بیان طحاوی میں نہیں ملتا، امام طحاوی نے جو چار دن کی قربانی کو قرآن کی آیت سے ترجیح فرمائی ہے، یہ بیان امام طحاوی کا کونسی کتاب میں ہے؟ اس کتاب کا نام وصفحہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہاں مصنف ابن ابی شیبہ کا مکمل نسخہ موجود نہیں، نہ مطبوعہ، نہ قلمی، جس قدر ہے اس میں یہ روایت موجود نہیں (۱)۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے امام طحاوی رحمۃ اللہ کی کونسی کتاب سے یہ روایت لی، معلوم نہیں ہوسکا، تلاش سے بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

اغلب یہ ہے کہ اس میں کسی کو خلط ہوا، وہ اس طرح کہ "أیام معلومات" کی تفسیر میں متعدد اقوال ہیں:

= "و یکره له الجمع بین الأسبوعین بغیر صلاة بینهما فی قول أبی حنیفة و محمد رحمهما الله تعالیٰ، سواء انصرف عن شفع أو وتر، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاوی العالمکیریة: ۱/۲۲۷، الباب الخامس فی کیفیة أداء الحج، رشیدیه)

(وکذا فی التاتارخانیة: ۲/۴۴۹، کتاب المناسک، تعلیم أعمال الحج، السعی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامیة کراچی)

(۱) قد تتبعت فلم أجده فی مصنف ابن أبی شیبة.

لکن رواه العلامة ابن حزم فی محلاه فقال: "روینا من طریق محمد بن المثنی، نا عبید الله بن موسیٰ، نا ابن أبی لیلی عن الحکم ابن عتیبة عن مقسم عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: "الأیام المعلومات یوم النحر، وثلاثة أیام بعده". (المحلی بالآثار، کتا ب الأضاحی، مسألة: ۹۸۲، اختلاف العلماء فی تحدید وقت الأضحیة ونهایة: ۶/۴۱، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی إعلاء السنن، کتاب الأضاحی: ۱۷/۲۳۸، إدارة القرآن کراچی)

ایک قول یہ بھی ہے:"یوم النحر و ثلثة أیام بعده" اس سے ذہن اس طرف چلا گیا کہ یہی ایامِ ذبح بھی ہیں۔

حافظ ابوبکر جصاص رازیؒ نے أحکام القرآن: ۲۸۷/۳ میں لکھا ہے:

"فروی عن علیّ وابن عمر رضی الله عنهم: أن المعلومات یوم النحر و یومان بعده، واذبحُ فی أیها شئت. قال ابن عمر رضی الله عنهما: المعلومات أیام النحر، والمعدودات أیام التشریق. وذکر الطحاوی عن شیخه أحمد ابن أبی عمران عن بشر بن ولید الکندی القاضی قال: کتب أبوالعباس الطوسی إلی أبی یوسف یسئله عن أیام المعلومات، فأملی علی أبی یوسف جواب کتابه: اختلف أصحاب رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فیها، فروی عن علی و ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهم أنها أیام النحر، وإلی ذلك أذهب؛ لأنه قال: ﴿علی ما رزقهم من بهیمة الأنعام﴾ وذلك فی أیام النحر۔

وعن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما والحسن وإبراهیم رحمهما الله تعالیٰ أن المعلومات أیام العشر، والمعدودات أیام التشریق. وروی معمر عن قتادة مثل ذلك. و روی ابن أبی یعلی عن الحکم عن مقسم عن ابن عباس رضی الله تعالی عنهما فی قوله تعالیٰ: ﴿واذکروا الله فی أیام معلومات﴾ یوم النحر وثلثة أیام بعده. وذکر أبو الحسن الکرخی أن أحمد القاری روی عن محمد عن أبی حنیفة أن المعلومات العشر. وعن محمد أنها أیام النحر الثلثة: یوم الأضحی و یومان بعده، اهـ"(۱)۔

علاوہ ازیں اَور بھی بعض امور ایسے ہیں جن کو حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے طحاوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کیا ہے مگر وہ تصانیفِ طحاوی میں موجود نہیں، بلکہ اس کے برعکس موجود ہے، غالباً کسی دوسرے نے لکھا ہے، اس کے اتباع میں حافظ نے بلاتحقیق کے نقل کردیا ہے۔

ایامِ ذبح کی تعداد میں متعدد اقوال ہیں: ایک قول یہ بھی ہے:"یوم النحر ثلثة أیام بعده" اس کے استدلال میں جبیر بن مطعم کی روایت پیش کی جاتی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں:"إن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "کل فجاج منیٰ منحر، فی کل أیام التشریق ذبح"۔

---

(۱) (أحکام القرآن، للجصاص، باب الأیام المعلومات: ۳۴۵/۳، ۳۴۶، قدیمی)

مگر جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کو عبدالرحمٰن بن ابی حسین روایت کرتے ہیں اور بزار نے اپنی مسند میں لکھا ہے: "لم يلق ابن أبي حسين جبير ابن معطم فيكون منقطعاً" ۔ اسی روایت کو سلیمان بن موسیٰ نے جبیر بن مطعم سے نقل کیا ہے، مگر بیہقی نے لکھا ہے: "سليمان بن موسى لم يدرك جبير بن مطعم، فيكون منقطعاً"۔

ابن عدی نے کامل میں دوسری سند سے لیا ہے: "عن معاوية بن يحيىٰ الصدفي عن الزهري عن ابن المسيب عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيام التشريق كلها ذبح" مگر نسائی، ابن معین، علی ابن المدینی نے معاویۃ بن یحییٰ کی تضعیف کی ہے، حتیٰ کہ ابن ابی حاتم نے "كتاب العلل" میں فرمایا ہے: "قال أبي: هذا حديث موضوع بهذا الإسناد"۔ یہ سب بحث عینی: ۱۰/۲۳، میں ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

یوم القر کی تشریح

سوال [۵۰۹۰]: "إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر"۔ مشکوۃ شریف، ص: ۲۳۲، جب کہ قربانی کے تین دن ہیں تو لفظ "یوم القر" کا کیا مطلب ہے؟ کیا حاجیوں کے لئے قربانی کے تین دن نہیں ہیں؟ اگر ہیں، لفظ "یوم القر" کیوں فرمایا؟ اس حدیث سے تو صاف یہ بیان ظاہر ہوتا ہے کہ قربانی کرنے کا صرف ایک ہی دن ہے، دوسرا دن آرام کرنے کا۔

---

(۱) "العبارة المذكورة بأسرها: "ورواه البزاز في مسنده، وقال: ابن أبي حسين لم يلق جبير بن مطعم، فيكون منقطعاً؛ لأنه يرجحه فإن قلنا: أخرجه أحمد أيضاً والبيهقي عن سليمان بن موسى لم يدرك جبير بن معطم، فيكون منقطعاً، فإن قلت: أخرج ابن عدي في الكامل عن معاوية بن يحيى الصَّدَفي عن الزهري عن ابن المسيب رضي الله تعالىٰ عنه عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "أيام التشريق كلها ذبح". قلت: معاوية بن يحيى ضعّفه النسائي وابن معين وعلي ابن المديني، وقال ابن أبي حاتم في كتاب العلل: فإن هذا حديث موضوع بهذا الإسناد". (البناية في شرح الهداية للعيني، باب الأضحية: ۱۱/۳۰، ۳۱ رشيديه)

الجواب حامداً ومصلياً:

"إن أعظم الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر"، مشكوة شريف، ص: ۲۳۲(۱)۔
اس میں تو حصر نہیں ہے کہ قربانی صرف ایک روز ہی ہوسکتی ہے اس کے بعد درست نہیں۔"یوم القر" کو یوم القر کہنے کی وجہ یہ ہے کہ قال ابن المنظور الأفريقي في لسان العرب:٦/٣٩٦۔

"ويوم القر اليوم الذي يلي عيد النحر؛ لأن الناس يقرون في منازلهم. و قيل: لأنهم يقرون بمنىٰ عن كراع: أي يسكنون ويقيمون .... و قال أبو عبيد: أراد بيوم القر الغد من يوم النحر، و هو حادي عشر ذي الحجة، سُمّي يوم القر؛ لأن أهل الموسم يوم التروية و يوم عرفة و يوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قروا بمنىٰ، فسمي يوم القر، اهـ"(۲)۔

مجمع البحار: ۲/۱۳۱، میں علامہ پٹنی نے لکھا ہے:"أفضل الأيام يوم النحر، ثم يوم القر وهو حادي عشر ذي الحجة؛ لأنهم يقرّون فيه بمنى: أي يسكنون و يقيمون، اهـ"(۳)۔ ایسا ہی تقریباً تاج العروس في شرح القاموس: ۳/۳۸۷ میں ہے(۴)۔
شروح مشکوۃ:مرقاۃ: ۳/۲۳۷، لمعات (۵) طیبی: ۳/٤۳٤(٦) میں بھی یہی وجہ تسمیہ لکھی ہے:

---

(۱) (مشكوٰة المصابيح، باب الهدى، الفصل الثاني، ص: ۲۳۲، قديمي)

(۲) (لسان العرب: ۵/۸۲، دارصادر بيروت)

(۳) (مجمع بحار الأنوار: ۴/۲۴۵. مجلس دائرة المعارف العثمانية حيدر آباد الدكن الهند)

(۴) و في الحديث: "أفضل الأيام عند الله يوم النحر، ثم يوم القر". و هو الذي يلي يوم النحر؛ لأنهم يقرّون فيه بمنى عن كراع. وقال غيره: لأنهم يقرون في منازلهم. وقال أبو عبيد: و هو حادي عشر ذي الحجة، سمي به؛ لأن أهل الموسم يوم التروية و يوم عرفة و يوم النحر في تعب من الحج، فإذا كان الغد من يوم النحر قرّوا بمنى، فسمي يوم القر". (تاج العروس في جواهر القاموس: ۱۳/۳۹۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۵) (أشعة اللمعات، كتاب المناسك، باب الهدى، الفصل الثاني: ۲/۳۵٦ مكتبه نوريه رضوية سكهر)

(٦) (شرح الطيبي، باب الهدى: ۵/۳۰٦، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

" یوم القر بفتح القاف و تشدید الراء: أی یوم القرار، بخلاف ما قبله و ما بعده من حیث الانتشار. قال بعض الشراح: هو الیوم الأول من أیام التشریق، سمی بذلك؛ لأن الناس یقرّون یومئذ فی منازلهم بمنیٰ، و لاینفرون عنه بخلاف الیومین الأخیرین اهـ "(۱)۔

وجہ تسمیہ سے دور کا بھی اشارہ نہیں ملتا کہ قربانی کا صرف ایک دن ہے۔

یوم الترویہ میں مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ پہنچے، یوم عرفہ میں منیٰ سے چل کر عرفات گئے، بعد غروب وہاں سے چل کر مزدلفہ آئے، شب میں ٹھہر کر یوم النحر میں منیٰ آئے، وہاں رمی جمرۂ عقبہ، اضحیہ، حلق سے فارغ ہو کر مکہ مکرمہ آئے، طواف زیارت اور سعی کر کے جب ہی اسی روز منیٰ پہونچ گئے، یہ تین روز مسلسل چلنا پھرنا ہوا، درمیان میں کوئی دن قرار کا نہیں ملا، ۱۱/ کو منیٰ میں قرار پکڑا کہ نہ مکہ مکرمہ جانا ہے، نہ مزدلفہ میں، نہ عرفات میں، اس لئے یہ دن یوم القر ہے۔ امام طحاویؒ نے حدیث روایت کی ہے: "بسنده:

"عن عبد الله بن قُرط رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "أحب الأیام إلی الله عزوجل یوم النحر، ثم یوم القر". فقدمت إلیٰ رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بدنات خمساً أو ستاً، فطفقن یزدلفن إلیه، فلما وجبت جنوبها، قال كلمةً خفیةً لم أفقهها، فقلت للذی كان إلیٰ جنبی: ماقال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم؟ قال: قال: "من شاء اقتطع، اهـ". مشکل الآثار: ۲/۱۳۲ (۲)۔

ابوداؤد شریف میں بھی بتغیر بعض الالفاظ (۳)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قربانی حضرت نبی کریم صلی

---

(۱) (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، باب الهدی: ۵/۵۳۰، رشیدیه)

(۲) (شرح مشکل الآثار، باب بیان مشکل ما روی عن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم من قوله: "من انتهب فلیس منا". (رقم الحدیث: ۱۳۱۹): ۳/۲۶۰ مؤسسة الرسالة بیروت)

(۳) "عن عبد الله بن قرط رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: قال: "إن أعظم الأیام عند الله یوم النحر، ثم یوم القر". و هو الیوم الثانی، قال: و قرب لرسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم بدنات خمس أو ست، فطفقن یزدلفن إلیه بأیتهن یبدأ، فلما وجبت جنوبها، قال: فتکلم بکلمة خفیة لم أفهمها فقلت: ماقال؟ قال: "من شاء اقتطع". (سنن أبی داؤد، باب الهدی إذا عطب قبل أن یبلغ: ۱/۲۴۵، دار الحدیث ملتان)

اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یوم القر میں فرمائی ہے۔

سیوطیؒ نے اس کو جن الفاظ میں نقل کیا ہے ان میں زیادہ وضاحت ہے:"أخرج الطبرانی وأبو نعیم والحاکم و صححه عن عبد الله بن قرط قال: قدم رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم فی یوم القر بدنات خمس أو ست، فطفقن یزدلفن إلیه، بأیتهن یبدأ.اهـ". خصائص کبری: ۳۹/۲ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔



(۱) (الخصائص الکبری. باب ما وقع فی حجة الوداع من الآیات والمعجزات: ۶۶/۲، المکتبة الحقانیه پشاور)

باب المقامات المتبركة

(متبرک مقامات کا بیان)

استلام حجرِ اسود کا ثبوت

سوال [۵۰۹۱]: ایک صاحب کہتے ہیں کہ حجر اسود کو بوسہ دینا حج کے موقع پر نہ مسنون ہے نہ واجب نہ فرض، کلام پاک میں بھی اس کا ذکر نہیں، نہ حدیث میں وارد ہے، نہ کسی صحابی کا قول ہے، بلکہ لوگوں کی ایجاد ہے۔ کیا یہ قول درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

حجر اسود کو بوسہ دینا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ ان صاحب کا انکار کرنا حدیث، فقہ سے ناواقفیت اور جہالت پر مبنی ہے، تمام کتب فقہ میں جہاں بھی حج کا ذکر کیا گیا ہے، حجر اسود کو بوسہ دینا مذکور ہے:

"عن سالم عن أبيه رضي الله تعالى عنه قال: رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم حين يقدم مكة إذا استلم الركن الأسود أول ما يطوف يخبّ ثلاثة أطواف من السبع". بخاری: ۱/۲۱۸ (۱)۔

"إن عمر بن الخطاب رضي الله تعالى عنه قال للركن: أما والله! إني لأعلم أنك حجر، لا تضر ولا تنفع، لولا أني رأيت رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم استلمك ما استلمتُك فاستلمه". بخاری: ۱/۲۱۸ (۲)۔ "واللفظ له". لمسلم، ص: ۴۱۲/۴۱۳ (۳)۔

---

(۱) (صحيح البخاري، باب استلام الحجر الأسود حين يقدم مكة أول ما يطوف و يرمل ثلثاً: ۱/۲۱۸، قديمي)

(۲) (صحيح البخاري، باب الرمل في الحج والعمرة: ۱/۲۱۸، قديمي)

(۳) (الصحيح لمسلم، باب استحباب تقبيل الحجر الأسود في الطواف: ۱/۴۱۲، ۴۱۳، قديمي)

"عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم فی الحجر: "واللّٰہ! لیبعثنہ اللّٰہ یوم القیامۃ لہ عینان یبصر بہما، و لسان ینطق بہ، یشہد علیٰ من استلمہ بحق". رواہ الترمذی(۱) وابن ماجہ(۲) والدارمی". مشکوۃ، ص: ۲۲۷ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

حجر اسود کا استلام

سوال[۵۰۹۲]: سنگِ اسود جو پتھر کعبہ شریف میں نصب ہے، اس کے کیا خواص ہیں؟ اور جب ابراہیم علیہ السلام نے بنیاد کعبہ ڈالی تب پتھر تھا یا نہیں؟ اگر تھا تو کہاں سے آیا؟ اس کا بوسہ لینا اور چومنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ پتھر جنت سے آیا ہے(۴)۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کعبۃ اللہ کی تعمیر کی، اس وقت اس

---

(۱) (جامع الترمذی، کتاب الحج، باب: ۱/۱۹۰، سعید)

(۲) (سنن ابن ماجۃ، أبواب المناسک، باب استلام الحجر، ص: ۲۱۱، قدیمی)

(۳) (مشکوٰۃ المصابیح، باب دخول مکۃ والطواف، الفصل الثانی، ص: ۲۲۷، قدیمی)

(۴) "وعنہ، قال: قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم: "نزل الحجر الأسود من الجنۃ، و ہو أشد بیاضاً من اللبن، فسوّدتہ خطایا بنی آدم". "رواہ أحمد والترمذی، و قال: ہذا حدیث حسن صحیح".

قال الملا علی القاریؒ: "و فی روایۃ أحمد عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، و النسائی عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: "الحجر الأسود من الجنۃ". و فی روایۃ میمونۃ عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنہ: "الحجر الأسود من حجارۃ الجنۃ". وفی روایۃ أحمد وابن عدی، والبیہقی، عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: "الحجر الأسود من الجنۃ، و کان أشد بیاضاً من اللبن حتی سوّدتہ خطایا أہل الشرک". و فی روایۃ الطبرانی عنہ: "الحجر الأسود من حجارۃ الجنۃ، و ما فی الأرض من الجنۃ غیرہ، و کان أبیض کالماء، و لو لا مسہ من رجس أہل الجاہلیۃ ما مسہ ذو عاہۃ، إلا برئ". (مرقاۃ المفاتیح، باب دخول مکۃ والطواف، الفصل الثانی: ۵/۲۶۹، ۲۷۰، (رقم الحدیث: ۲۵۷۷)، رشیدیہ)

"و قد وردت فیہ أحادیث: فمنہا: حدیث عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ =

پتھر کو اس جگہ نصب کیا تھا، اس کا بوسہ لینا ثواب ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

حجرِ اسود کہاں سے آیا؟

سوال[۵۰۹۳]: سنگِ اسود کی مختصر تعریف کیجئے اور کہاں سے صادر ہوا جو دیوارِ ملتزم کعبہ پر نصب ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا ہے، جس وقت آیا تھا نہایت روشن تھا، بنی آدم کی

= مرفوعاً: "إن الحجر والمقام ياقوتتان من ياقوت الجنة، طمس الله نورهما، و لو لا ذلک لأضائا مابين المشرق والمغرب". .... ومنها: حديث ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعاً: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشد بياضاً من اللبن، فسوّدته خطايا بنی آدم". (فتح الباری، باب ما ذکر فی الحجر الأسود: ۳/۴۶۲، دارالمعرفة بيروت)

(وجامع الترمذی، کتاب الحج، باب ما جاء فی فضل الحجر الأسود والرکن والمقام: ۱/۱۷۷، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۱) "و عنه قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه وسلم فی الحجر: "والله! ليبعثنه الله يوم القيامة، له عينان يبصربهما، و لسان ينطق به، يشهد علی من استلمه بحق". رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی". (مشکوة المصابيح للتبريزی، کتاب الحج، باب دخول مکة والطواف، الفصل الثانی، ص: ۲۲۷، قديمی کتب خانه کراچی)

"و فی صحيح ابن خزيمة أيضاً عن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما مرفوعاً: "إن لهذا الحجر لساناً و شفتين يشهدان لمن استلمه يوم القيامة بحق". (فتح الباری، باب ما ذکر فی الحجر الأسود: ۳/۴۶۲، دارالمعرفة بيروت)

"و قد علمت أن استلام الحجر والرکن اليمانی يعم التقبيل، فقد دل علیٰ سنية استلامه". (البحرالرائق، باب الإحرام. ۲/۵۷۹، رشيديه)

خطاؤں نے اس کو سیاہ کردیا۔ اخبار مکہ (۱)، شروحِ حدیث: فتح الباری (۲) وغیرہ اور کتبِ تفسیر میں تفصیل مذکور ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

رکنِ یمانی کی تعریف

سوال [۵۰۹۴]: ۱...... رکن یمانی کی مختصر تعریف کیجئے اور کہاں سے صادر ہوا؟

۲...... معبودِ حقیقی کے خلیفہ سیدنا حضرت آدم علیہ السلام سنگِ اسود کو جنت سے لائے تھے، یا جہاں بیت اللہ شریف بنا ہے، یا زمین کی نشانی کے واسطے آسمان سے خدائے برتر نے یہ پتھر پھینکا کہ اس جگہ تعمیر کعبہ کی جائے۔ کیا حقیقت ہے؟

---

(۱) "عن عبد الله بن لبيد قال: بلغني أن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما أهبط الله سبحانه آدم عليه السلام إلى الأرض أهبطه إلى موضع البيت الحرام وهو مثل الفلك من رعدته، ثم أنزل عليه الحجر الأسود يعني الركن وهو يتلألأ من شدة بياضه فأخذه فضجه إليه أُنساً به .... اهـ". (أخبار مكه، ذكر هبوط آدم إلى الأرض و بناءه الكعبة: ۱/ ۳۹، دار الثقافة مكة المكرمة)

(۲) "ومنها حديث ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما مرفوعاً: "نزل الحجر الأسود من الجنة و هو أشد بياضاً من اللبن، فسودته خطايا بني آدم". (فتح الباري: ۳/ ۵۹۰، كتاب المناسك، باب ما ذكر في الحجر الأسود، قديمي)

(وكذا في مشكاة المصابيح: ۱/ ۲۲۷، باب دخول مكة والطواف، الفصل الثاني، قديمي)

(۳) "فلما بنيا القواعد فبلغا مكان الركن، قال إبراهيم لإسماعيل: يا بنيّ! اطلب لي حجراً حسناً أضعه ههنا .... فانطلق يطلب له حجراً، فجاءه بحجر .... و جاء جبريل بالحجر الأسود من الهند، وكان أبيض ياقوته بيضاء مثل الثغامة، وكان آدم هبط به من الجنة، فاسودّ من خطايا الناس......... اهـ".

(تفسير ابن كثير: ۱/ ۲۴۵، ۲۴۶، سورة البقرة، دار الفيحاء بيروت)

(وكذا في جامع البيان في تفسير القرآن (تفسير الطبري): ۱/ ۴۳۱، سورة البقرة، دارالمعرفة بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی جنت سے آیا ہے(۱)۔

۲......اس کا جواب نمبر:۱، میں آ گیا۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

حجرِ اسود کا استیلام

سوال[۵۰۹۵]: ۱......سنگِ اسود کے معاملہ میں جھگڑا تھا جس کو اللہ کے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے طے فرمایا۔ سنگِ اسود کو بوسہ دیا، کیا یہ سنت قیامت تک جاری رہے گی؟ بوسہ دینے کی وجہ کیا تھی؟

۲......مشہور روایت ہے: اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس وقت فرمایا تھا کہ جب کہ سنگ اسود کے پاس بڑا ہجوم آپس میں دھڑ و پکڑ وغیرہ میں مصروف تھا کہ: ''سنگِ اسود! تو ایک پتھر ہے، اگر اللہ کے محبوب نے بوسہ نہ دیا ہوتا تو میں بوسہ نہ دیتا'' کیا توحید پر کچھ اثر ہو رہا تھا؟

۳......دیگر قوم کا کہنا ہے کہ قومِ مسلم سنگِ اسود کو چومتی ہے اور ہمارے پتھر چومنے کو بُرا کہتی ہے، سوال کرنے والے کو کیا دلیل پیش کی جائے جب کہ مسلمانوں کا ایک گروہ بزرگوں کی قبر چومتا ہے اور سر جھکاتا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......اللہ ورسولہ اعلم۔

۲......تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ نافع یا ضار ہے، جیسا کہ بت پرست اپنے بتوں کو نافع وضار

---

(۱) "عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ما مررت بالركن اليماني إلا وجدت جبريل عليه قائماً"........... وأخبرني جعفر بن محمد بن علي بن حسين بن علي و قد مررنا قريباً من الركن اليماني و نحن نطوف دونه، فقلت: ما أبرد هذا المكان؟ فقال: قد بلغني أنه باب من أبواب الجنة". (أخبار مكة، استيلام الركن اليماني و فضله: ۱/۳۳۸، دار الثقافة مكة المكرمة)

"وكان الله عزوجل استودع الركن أبا قبيس حين غرق الله الأرض زمن نوح، و قال: إذا رأيت خليلي يبني بيتي فأخرجه له". (أخبار مكة، ما ذكر من بناء إبراهيم عليه السلام الكعبة: ۱/۳۳۸، دار الثقافة مكة المكرمة)

سمجھتے تھے(۱)۔

۳......محض چومنا اس عقیدت کے ساتھ جس کا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صاف اظہار فرمادیا، ہرگز پرستش نہیں، بت پرست اپنے بتوں کو نافع وضار سمجھتے ہیں اوران کوسجدہ کرتے ہیں(۲)۔ جوگروہ قبروں کو چومتا اوران کے سامنے سر جھکاتا ہے، وہ غلط کار ہے، خلافِ شرع کرتا ہے، وہ اسلام کی تعلیم نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۵ھ۔

مقاماتِ اجابت

سوال[۵۰۹۶]: حج میں کون کون سے خاص مقامات ہیں جہاں دعاء زیادہ قبول ہوتی ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

ملتزم کے پاس، تحت المیزاب، بیت اللہ میں، زمزم پیتے وقت، مقام ابراہیم کے پیچھے، صفا ومروہ پر، سعی میں، عرفات میں، مزدلفہ میں، رمی کے وقت، بیت اللہ پرنظر پڑتے وقت، بحر: ۲/ ۳۷۸(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال: رأیت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنه قبّل الحجر ثلاثاً، ثم قال: إنک حجر لا تضر و لا تنفع، و لولا أنی رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم قبّلک ما قبّلتُک، ثم قال: رأیت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم فعل مثل ذلک". قال الطبری: إنما قال: ذلک عمر؛ لأن الناس کانوا حدیثی عهدٍ بعبادة الأصنام فخشی عمر أن یظن الجهال أن استیلام الحجر من باب تعظیم بعض الأحجار کما کانت العرب تفعل فی الجاهلیة، فأراد عمر أن یعلّم الناس أن استیلامه اتباع لفعل رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم، لا لأن الحجر ینفع و یضر بذاته کما کانت الجاهلیة تعتقده فی الأوثان" (فتح الباری: ۳/ ۵۹۰، باب ما ذکر فی الحجر الأسود، قدیمی)

(۲) (راجع المصدر السابق من فتح الباری)

(۳) "وفی رسالة الحسن البصری التی أرسلها إلی أهل مکة: أن الدعاء هناک یستجاب فی خمسة=

میزابِ رحمت کے نیچے دیوار کا التزام

سوال[۵۰۹۷]: ۱...... حطیم میں بیت اللہ شریف کی دیوار جو میزاب رحمت کے نیچے ہے اس کا بھی التزام جائز ہے یا نہیں؟ بہت سے حضرات اس کو مشروع کہتے ہیں، بحوالہ قرۃ العین: ۲۳۶۔

منجاء پر وقوف شعارِ روافض ہے

سوال[۵۰۹۸]: ۲...... اسی طرح مکانِ منجاء جو کہ پشتِ کعبہ میں رکنِ یمانی سے بائیں طرف چار ہاتھ کی مقدار تک ہے، اس کا التزام بھی مکروہ ہے، اگر چہ ایسا کرنا روافض کا شعار ہو گیا ہے، وہ اس جگہ دعاء کے لئے وقوف کرتے ہیں۔ بہر حال جائز تو ہے اور اکثر کے علم میں نہیں ہے کہ یہ روافض کا شعار ہے۔ لہٰذا کیا ہم حنفی اس جگہ التزام بلا کراہت کر سکتے ہیں؟

طواف میں شاذوران کو مس کرنا

سوال[۵۰۹۹]: ۳...... بیت اللہ شریف کے تین طرف کی دیوار کے نیچے (سوائے حطیم کی طرف کے) ایک انچ کے برابر پشتہ بنا ہوا ہے جس کو "شاذوران" بھی کہتے ہیں، ہم حنفیوں کے نزدیک بیت اللہ شریف

= عشر موضعاً في الطواف، و عند الملتزم، و تحت الميزاب، و في البيت، و عند زمزم، و خلف المقام، و على الصفا، وعلى المروة، و في السعي، و في عرفات، و في مزدلفة، و في منى، و عند الجمرات الثلاث. و زاد غيره: و عند رؤية البيت، و في الحطيم، لكن الثاني هو تحت الميزاب، فهو ستة عشر موضعاً". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۶۱۷، رشيديه)

"و هو من مواضع الإجابة، و هي بمكة خمسة عشر نظمها صاحب النهر، فقال:

دعاء البرايا يستجاب بكعبة ... وملتزم والموقفين كذا الحجر

طواف و سعي مروتين و زمزم ... مقام و ميزاب جمارك نعتبر

زاد في اللباب: و عند رؤية الكعبة، و عند السدرة، والركن اليماني، و في الحجر، و في منى في نصف ليلة البدر". (الدر المختار، مطلب في إجابة الدعاء: ۲/۵۰۷، ۵۰۸، رشيديه)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۷، ۷۳۸، قديمي)

سے باہر ہے، مگر امام شافعی اور امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیت اللہ میں داخل ہے۔

اگر بیت اللہ میں شاذوران داخل ہے تو رکنِ یمانی کو چلتے ہوئے ہاتھ لگانے سے اتنا حصہ بیت اللہ کے اندر طواف کرتے وقت ہوگا، لہٰذا طواف بھی نہیں ہوگا، یا کوئی عضو شاذوران کے اوپر سے گھوم جائے تو اس عضو کی طواف میں کوئی نقص رہے گا، یا ہم حنفیہ کے نزدیک کوئی مضائقہ نہیں ہے؟ لہٰذا یہاں ٹھہر کر ہاتھ لگانا چاہئے یا چلتے ہوئے ہی رکنِ یمانی پر ہاتھ لگائیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

۱...... میزابِ رحمت کے نیچے حطیم میں دعاء مقبول ہونا تو کتب فقہ میں منقول ہے(۱) مگر اس جگہ کا التزام اس طرح منقول نہیں، ترک احوط ہے(۲)۔

۲...... جو امر فی نفسہ مندوب ہو مگر وہ روافض کا شعار بن جائے تو اس سے بھی اجتناب چاہئے (۳)۔

---

(۱) "وفي رسالة الحسن البصري التي أرسلها إلى أهل مكة: أن الدعاء هناك يستجاب في خمسة عشر موضعاً: في الطواف، و عند الملتزم، و تحت الميزاب و في البيت .... وزاد غيره: و عند رؤية البيت، و في الحطيم، لكن الثاني هو: تحت الميزاب، فهو ستة عشر موضعاً". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/۷۱۲، رشيديه)

(و كذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في كيفية ترتيب أفعال الحج، ص: ۷۳۷، ۷۴۲، قديمي)

(۲) "قال ابن المنير: فيه: أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رُفعت عن رتبتها". (فتح الباري، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ۲/۴۳۸، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، الباب الثالث عشر في سجود التلاوة: ۱/۱۳۶، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، باب سجود التلاوة: ۲/۱۲۰، سعيد)

(۳) "وعنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تشبه بقوم فهو منهم". رواه احمد و أبو داؤد". قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "من تشبه بقوم": أي من شبه نفسه بالكفار مثلاً في اللباس وغيره، أو بالفساق أو الفجار، أو بأهل التصوف والصلحاء الأبرار "فهو منهم": أي في الإثم والخير. قال الطيبي: هذا عام في الخَلق والخُلق والشعار. ولما كان الشعار أظهر في الشبه، ذكر في هذا الباب، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثاني: ۸/۱۵۵، حقانيه) =

۳......اس سے طواف میں نقص نہیں آئے گا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

آبِ زمزم

سوال[۵۱۰۰]: آبِ زمزم کو دوسرے پانیوں سے کچھ امتیاز حاصل ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

حدیث پاک میں اس کی فضیلت وارد ہے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے پیر رگڑنے کی جگہ سے شدید

= قال العلامة المناويؒ: "وقال بعضهم: قد يقع التشبه في أمور قلبية من الاعتقادات وإرادات وأمور خارجية من أقوال وأفعال، قد تكون عبادات و قد تكون عادات .... فأمر بمخالفتهم في الهدى الظاهر في هذا الحديث .... و قد يحمل منهم في القدر المشترک الذی شابههم فيه، فإن كان كفراً أومعصيةً أوشعاراً لها، كان حكمه كذالک، الخ". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۵۹۳): ۵۷۴۳/۱۱، نزار مصطفى البابى مكة المكرمة)

(۱) "والمكان و هو حول البيت داخل المسجد: أى و لوعلى السطح لا خارجه، و لو لم يكن حجاب جدار .... ولا مفسد للطواف، وإنما يبطله الردة". (مناسک الملا على القارى، فصل فى شرائط صحة الطواف، ص: ۲۳۳، إدارة القرآن كراچى)

"مكانه أن يقع حول البيت في المسجد بقوله تعالىٰ: ﴿وليطّوّفوا بالبيت العتيق﴾ و الطواف بالبيت هو الطواف حوله، فيجوز الطواف في المسجد الحرام قريباً من البيت أو بعيداً عنه بشرط أن يكون في المسجد، فلو طاف من وراء زمزم قريباً من حائط المسجد، أجزأه بوجود الطواف بالبيت. ولو طاف حول المسجد و بينه و بين البيت حيطان المسجد، لم يجز؛ لأن حيطان المسجد حاجزة فلم يطف بالبيت، لعدم الطواف حوله. ويطوف من خارج الحطيم؛ لأن الحطيم من البيت على لسان رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، الخ". (الفقه الإسلامى وأدلته، باب شروط الطواف و واجباته: ۱۵۳/۳، ۱۵۴، مكتبه حقانيه پشاور)

پیاس کے دفعیہ کے لئے اس کا ظہور ہوا(۱)۔ شقِ صدر کے وقت قلب مبارک کو اس سے دھویا گیا، اور بھی امتیازات حاصل ہیں (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۵/ ۹۶ھ۔

غلافِ کعبہ کو پھاڑ توڑ کر لانا

سوال [۵۱۰۱]: حاجی لوگ حج کرنے جاتے ہیں اور بہت سامان لاتے ہیں، ضرورت کے علاوہ بھی اور بعض غلافِ کعبہ کو توڑ کر لاتے ہیں اور بعض پھاڑ کر لاتے ہیں۔ یہ افعال جائز ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

غلافِ کعبہ کو توڑ کر نوچ کر لانا ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی بزرگ کے بدن پر کُرتا ہو اور اس کو توڑ کر لانا، یہ سخت بےادبی ہے، ہرگز اس کی اجازت نہیں، علاوہ ازیں وہ وقف کا مال بھی ہے، بلا اذنِ واقف ومتولی اس کے لینے کا کسی کو حق نہیں (۳)، اگر کوئی کنکر یا پتھری معمولی طور پر تبرک کی نیت سے لے آئے تو اس کی گنجائش ہے،

---

(۱) "وغمز بعقبه على الأرض قال: فانبثق الماء، فدهشت أم إسمعيل، فجعلت تحفر، قال: فقال أبو القاسم صلى الله عليه وسلم: "لو تركته، كان الماء ظاهراً". قال: "فجعلت تشرب من الماء ويدر لبنها على صبيها". (صحيح البخاري، كتاب الأنبياء، باب قول الله: ﴿واتخذ الله إبراهيم خليلاً﴾ الخ: ۱/ ۴۷۳، قديمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباري، كتاب الأنبياء: ۶/ ۴۹۲، قديمی)

(۲) "كان أبو ذر رضى الله تعالىٰ عنه يحدث أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "فرج سقفي وأنا بمكة، فنزل جبرئيل ففرج صدري، ثم غسله بماء زمزم، ثم جاء بطست من ذهب ممتلئ حكمةً وإيماناً فأفرغها في صدري ثم أطبقه". الحديث. (صحيح البخاري، كتاب المناسك، باب ماجاء في زمزم: ۱/ ۲۲۱، قديمی)

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: (فتح الباري، كتاب الحج: ۳/ ۶۲۹، قديمی)

(ومناسک الملا علی القاری رحمه الله، باب الدعاء عند شرب ماء زمزم، ص: ۲۲۳، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "لكن في البحر الزاخر: أنه لا يجوز قطع شيء من كسوة الكعبة، و لا نقله، و لا بيعه، و لا شراؤه، و لا وضعه في أوراق المصحف، و من حمل شيئاً من ذالك، فعليه ردّه .... أو على أن أصل الكسوة=

جس سامان کے لانے کی قانوناً اجازت نہیں، اس کو لانا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے (۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۱۰/۹۰ھ۔

خانہ کعبہ کے غلاف کا رنگ

سوال[۵۱۰۲]: احقر نے کئی بار یہ محسوس کیا کہ مجھے یہ ہدایت ہو رہی ہے کہ جب تو یہ جانتا ہے کہ نورِ خداوندی سفید اور نورِ محمدی کا رنگ سبز ہے تو علمائے حق کو غلافِ خانہ کعبہ کے سیاہ رنگ کی طرف کیوں توجہ نہیں، کیونکہ حضور رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جن رنگوں کا غلاف خانہ کعبہ پر چڑھایا وہ سرخ، سفید یا سبز رنگ کے تھے۔ نیز یہ بات بھی احقر کے دل میں ہے کہ یہ رنگ تصوف میں عیسائیوں سے منسوب کیا جاتا ہے۔ سیاہ رنگ کا استعمال غلافِ کعبہ پر اول اول کس نے دیا، یہ تو احقر کو معلوم نہیں، امید ہے کہ جناب اس بارے میں اپنی گراں قدر رائے اور احادیث کی روشنی میں حوالوں سے احقر کو یہ بتائیں کہ حقیقتِ حال کیا ہے؟ اور میں اس بارے میں کیا طریقہ اختیار کروں؟

= من الأوقاف، فيعمل على وفق شرط الواقف، و ليس فيه التصرف لسلطان و لا لغيره". (مناسک الملا علی القاری، باب المتفرقات، ص: ۴۹۵، ۴۹۶، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، فصلٌ، مطلب فی کسوة الکعبة المشرفة، ص: ۳۳۰، مکتبه مصطفی محمد صاحب المکة التجاریه الکبری بمصر)

(و کذا فی ردالمحتار: ۲/۲۴۳ مطلب فی استعمال کسوة الکعبة، سعید)

(۱) "(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أی يتبع، و لا يجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولی الأمر، و فی ط عن الحموی: أن صاحب البحر ذکر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فی غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

(و کذا فی فتح الباری، کتاب الأحکام، باب السمع و الطاعة للإمام مالم تکن معصيةً: ۱۳/۱۲۳، دار المعرفة بيروت)

(و کذا فی أحکام القرآن للجصاص، باب فی طاعة أولی الأمر: ۲/۲۹۸، قديمی)

الجواب حامداً ومصلياً:

بیت اللہ شریف کا غلاف مامون الرشید نے دیباجِ ابیض کا سب سے پہلے ڈالا۔ دیر تک یہ سلسلہ رہا، پھر محمود بن سبکتگین نے دیباجِ اصفر کا ڈالا۔ پھر ناصر عباسی نے دیباج اخضر کا ڈالا، پھر اسی نے دیباجِ اسود کا ڈالا جو اَب تک جاری رہا(١)۔ عباسیوں کا درباری لباس اور خصوصی شعار بھی سیاہ تھا۔ وہ اس کو عزت وعظمت کا لباس تصور کرتے تھے۔ حضرت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسود عمامہ احادیث میں مذکور ہے، غالباً اسی وجہ سے عباسیوں نے اسود کو انتخاب کیا۔ غلافِ کعبہ کے متعلق تفصیل فتح الباری: ٣٦٢/٣، عینی: ٦٠٠/٤(٢)، أوجز المسالك: ٥٤٣/٢، میں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ٩٢/١/٢٩ھ۔



(١) "وذكر الفاكهاني أن أول من كساها الديباج الأبيض المأمون بن الرشيد واستمر بعده .... وكساها محمد بن سبكتكين ديباجاً أصفر، وكساها الناصر العباسي ديباجاً أخضر، ثم كساها ديباجاً أسود فاستمر إلى الأن". (فتح الباري، كتاب الحج، فصل في معرفة بدء كسوة البيت: ٥٨٧/٣، قديمي)

(٢) (عمدة القاري، باب كسوة الكعبه: ٣٣٨/٩، دارالكتب العلميه بيروت)

بابٌ فی أحکام الحج

(حج کے احکام کا بیان)

مدینہ طیبہ میں حاجی قصر کرے گا یا اتمام؟

سوال[۵۱۰۳]: مدینہ طیبہ کے قیام میں مسافر رہے گا یا مقیم؟ کیونکہ سنا جاتا ہے کہ وہاں آٹھ یوم سے زیادہ قیام کی اجازت نہیں ہے، یا پندرہ یوم کی نیت کر لینے سے مقیم ہو جائے گا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پندرہ یوم قیام کی نیت سے مقیم ہو جائے گا (۱)، دس روز تو ضابطہ میں قیام ہوتا ہے، اس کے بعد ایک روپیہ روزانہ دینا پڑتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کیا عرفات میں حاجی قصر کرے؟

سوال[۵۱۰۴]: عرفات میں جو نماز پڑھی جاتی ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ اس میں قصر کر سکتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ پوری نماز ادا کی جائے، کیونکہ وہاں سے مکہ کا فاصلہ چھ میل ہے جو قصر کرنے کے فاصلہ سے کم ہے۔ صحیح کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو لوگ کم از کم پندرہ روز مکہ معظمہ میں مقیم رہے پھر منیٰ گئے اور عرفات گئے وہ وہاں پوری نماز پڑھیں

---

(۱) "و لا یزال علیٰ حکم السفر حتی ینوی الإقامة فی بلدة أو قریة خمسة عشر یوماً أو أکثر، کذا فی الهداية". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الخامس عشر فی صلاة المسافر: ۱/۱۳۹، رشیدیه)

"ثم لا یزال المسافر علیٰ حکم السفر حتی یدخل وطنه أو ینوی إقامة خمسة عشر یوماً بموضع واحد بمصر، الخ". (الحلبی الکبیر، فصل فی صلاة المسافر، ص: ۵۳۵، سهیل اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الهداية: ۱/۱۶۶، باب صلوة المسافر، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

گےاور جولوگ اس سے کم مکہ شریف میں رہے وہ نماز قصر کریں گے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دار العلوم دیوبند،۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ،دار العلوم دیوبند۔

حج سے پہلے پہونچنے والا مکہ معظّمہ میں مقیم ہے یا مسافر؟

سوال[۵۱۰۵]: جوشخص یکم ذی الحجہ کو مکہ شریف پہونچے اور بیس روز قیام کی نیت کرےاور حج سے فارغ ہوکر اکیس کو مدینہ طیبہ جانے کا قصد کرے تو وہ شخص قیامِ مکہ معظّمہ میں نماز پوری پڑھے گا یا قصر کرے گا؟ ایسا شخص مقیم ہے یا مسافر؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

وہ شخص مقیم نہیں بلکہ مسافر ہے،اس کو چاہئے کہ مکہ مکرمہ میں بھی قصر کرےاور منیٰ،عرفات،مزدلفہ میں بھی قصر کرے(۲)۔البتہ اگر مقیم امام کے پیچھے پڑھے گا تو قصر نہیں کرے گا،بلکہ اتمام کرے گا جیسا کہ ہر مسافر کا

---

(۱) "فلو دخل الحاج مكة أيام العشر لم تصح نيته؛ لأنه يخرج إلى منى و عرفة، فصار كنية الإقامة فيغير موضعها وبعد عوده من منى تصح". (الدرالمختار).

"(قوله: فلو دخل، الخ) هو ضد مسألة دخول الحاج الشام، فإنه يصير مقيماً حكماً وإن لم ينو الإقامة، و هذا مسافر حكماً و إن نوى الإقامة، لعدم انقضاء سفره ما دام عازماً على الخروج قبل خمسة عشر يوماً". (ردالمحتار، باب صلاة المسافر: ۲/ ۱۲۶، سعيد)

"ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة نصف شهر، لا تصح؛ لأنه لا بدّ له من الخروج إلى عرفات، فلا يتحقق الشرط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر: ۱/ ۱۴۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب المسافر: ۲/ ۲۳۲، ۲۳۳، رشيديه)

(۲) "و ذكر في كتاب المناسك أن الحاج إذا دخل مكة في أيام العشر و نوى الإقامة نصف شهر، لا يصح، لأنه لا بد له من الخروج إلىٰ عرفات، فلا يتحقق الشرط". (البحرالرائق، ۲/ ۲۳۲، باب المسافر، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/ ۱۴۰، الباب الخامس عشر في صلاة السافر، رشيديه) .... =

حال ہوتا ہے، بحر: ۲/۱۴۳ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

حالتِ حیض میں طواف کرنا

سوال[۵۱۰۶]: ۱.....بعض حضرات مع اپنی بیوی کے اسی ملک میں قیام کرتے ہیں ملازم ہیں، صرف دس بارہ یوم کی رخصت بڑی مشکل سے ملتی ہے لہذا عینِ وقت پر حج کو آتے ہیں۔ کبھی کوئی ایسا واقعہ بھی پیش آتا ہے کہ بیوی یا لڑکی کو حیض شروع ہو جاتا ہے، ایسا فتنہ ہے کہ بیوی کو تنہا جائے ملازمت پر چھوڑ کر بھی نہیں آسکتے ہیں اور وہ خود حج کے آنے کے جذبہ میں ہوتی ہے، لہذا اس مجبوری میں طوافِ زیارت حیض کی حالت میں ہی کر کے جانا ہوسکتا ہے۔ شوہر بیوی کو تنہا مکۃ المکرّمہ میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا ہے اور نہ دوسرے ساتھیوں کے ساتھ چھوڑا جاسکتا ہے اور خود کو چھٹی بہت کم ملتی ہے، لہذا مجبوری میں واپس جانا ہوتا ہے۔

تو اس مجبوری کی صورت میں عورت حیض کی حالت میں طوافِ زیارت اور سعی کرلے، کیونکہ حیض کی حالت میں بوجہِ مجبوری طوافِ زیارت کیسا ہے؟ اور ایک اونٹ یا گائے یا بیل حدودِ حرم میں ذبح کردے تاکہ مرد کے لئے حلال ہو جائے، حج مکمل ہو جائے، حیض کی حالت میں طواف کرنے کے گناہ کے لئے توبہ استغفار کرلے کہ بالکل مجبوری کی وجہ سے کیا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ طوافِ زیارت جان بوجھ کر حالتِ حیض میں کرنا بہت بڑا جرم ہے، کیونکہ اونٹ یا گائے کے ذبح کرنے کی جزا اس پر لازم ہے۔

ساتھ ہی مندرجہ بالا مجبوری لاکھوں عورتوں کے مجمع میں صرف چند کو پیش آتی ہے اور اس حالت سے بچنا مستورات کے بس کا نہیں، اگر جلد واپسی ضروری نہ ہو تو کبھی کوئی عورت اتنا بڑا گناہ نہیں کرے گی۔ بالکل مجبوری کی حالت میں حالتِ حیض میں طواف کیا جائے تاکہ حج مکمل ہو جائے اور مرد کے لئے حلال ہو جائے۔

= (وكذا في تبيين الحقائق: ۱/۵۱۲، باب صلاة المسافر، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وإن اقتدى مسافرٌ بمقيم، أتم أربعاً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۱۴۳، الباب الخامس عشر في صلاة المسافر، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/۳۴۷، باب صلاة المسافر، إمداديه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الصلوة، باب المسافر: ۲/۲۳۵، رشيديه)

ایک صاحب کی اہلیہ کوایسا ہی معاملہ پیش آیا، ان کے میاں نے بیوی سے کہا کہ ہم تمہارا حج فسخ کراتے ہیں، لہٰذا تم اپنے کو حاجی ہی مت سمجھنا مجبوری ہے۔ لوگوں نے بہت سمجھایا کہ اس طرح حج فسخ نہیں ہوتا، مگر نہیں مانے اور واپس بھی چلے گئے۔ بعض عورتیں حیض والی عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے ذکر مت کرو اور خوب اطمینان سے ایسی حالت میں طوافِ زیارت کرو، چنانچہ بعض عورتیں ان کے کہنے پر عمل کرتی ہیں اور اس کو گناہ نہیں سمجھتیں اور نہ جزا دیتی ہیں۔

حالتِ حیض میں حرم شریف کی نماز اور صلوٰۃ وسلام

سوال[۵۱۰۷]: ۲......اسی طرح مکۃ المکرّمہ میں یا مدینہ منورہ کے قیام کے زمانہ میں عورت یا جوان لڑکی کو حیض شروع ہوگیا، عزت وآبرو کی وجہ سے مرد اپنی بیوی یا اپنی لڑکی کو تنہا قیام گاہ پر نہیں چھوڑنا چاہتا ہے اور وقت کم ہوتا ہے، خود حرم شریف میں جاکر نمازیں ادا کرنا چاہتا ہے، طواف کرنا چاہتا ہے اور مدینہ منورہ میں نمازیں ادا کرنا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سلام عرض کرنا چاہتا ہے۔

بعض عورتیں ایسی عورتوں کو مشورہ دیتی ہیں کہ کسی سے کہو نہیں، نمازیں بھی پڑھو، طواف بھی کرو، سلام بھی عرض کرو۔ یہ صریحاً گناہ ہے، مگر ایسی مجبوری میں مرد اپنی بیوی کو اور لڑکی کو حیض کی حالت میں حرم شریف میں اور مسجد نبوی میں کسی ایک جگہ لاکر بٹھادے تاکہ وہ خاموش بیٹھے بیٹھے توبہ استغفار کرے، درود شریف پڑھتی رہے، نمازیں ادا نہیں کرے اور نہ طواف کرے۔ تو کیا ایسا کرنے میں بوجہ مجبوری کوئی گناہ نہیں؟ جب مرد مسجد سے یا حرم شریف سے باہر نکلے تو بیوی کو ساتھ لے لے اور کیا بوجہ مجبوری حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر سلام بھی عرض کرسکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱......ناپاکی کی حالت (حیض، نفاس، جنابت) میں طواف کرنا حرام ہے، اسکو گناہ نہ سمجھنا خطرناک گناہ ہے(۱)۔

---

(۱) "و يمنع الطواف: لأن الطواف في المسجد. قيل: إذا كان الطواف في المسجد، يكون الحكم معلوماً من قوله: و دخول المسجد، فلمَ ذكره؟ أجيب بأن المفهوم منه عدم جواز شروع الحائض للطواف؛ إذ يلزمها الدخول في المسجد حائضاً، و لا يفهم منه أنه لو حاضت بعد الشروع في الطواف لا يجوز لها الطواف؛ إذ حينئذ لا يوجد منها الدخول في المسجد حائضاً، وإنما يفهم ذلك من هذه =

طوافِ زیارت ایسی حالت میں کرنے سے اونٹ یا گائے کا دم دینا واجب ہے (۱)۔ تاہم اس گناہ کے باوجود فریضۂ حج ادا ہو جائے گا، سعی ایسی حالت میں بھی درست ہے، دم واجب نہیں ہے (۲)۔

۲......مسجد میں داخل نہ کیا جائے (۳)، مسجد کے متصل خارجِ مسجد بٹھادے تاکہ وہ تسبیح واستغفار میں

= المسئلة، فاحتيج إلىٰ ذكرها". (مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، باب الحيض: ۱/۵۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"و منها حرمة الطواف لهما بالبيت وإن طافتا خارج المسجد" (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الرابع في أحكام الحيض و النفاس والاستحاضة: ۱/۳۸، رشيديه)

(و كذا في مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۳۸، قديمي)

(۱) "والثاني: إذا طاف للزيارة جنباً، أو حائضاً أو نفساء، فإن الواجب في هذين الموضعين البدنة".

(حاشية الطحطاوي علىٰ مراقي الفلاح، باب الجنايات، ص: ۷۴۱، قديمي)

"و لاتجب البدنة إلا إذا طاف للزيارة جنباً أو حائضاً أو نفساء، أو جامع بعد الوقوف بعرفة وقبل الحلق". (فقه السنة، متى تجب البدنة: ۱/۷۳۷، دار الكتاب العربي)

(و كذا في ردالمحتار، مطلب في طواف الزيارة: ۲/۵۱۹، سعيد)

(۲) "و إن سعى جنباً أو حائضاً أو نفساء، فسعيه صحيح". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثاني في الجنايات، الفصل الخامس في الطواف والسعي والرمل و رمي الجمار: ۱/۲۴۷، رشيديه)

"وأما الطهارة عن الجنابة والحيض فليست بشرط، فيجوز سعي الجنب والحائض". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز السعي: ۳/۸۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في مبسوط السرخسي، باب السعي بين الصفا والمروة: ۴/۵۷، مكتبه غفاريه كوئٹه)

(۳) "يمنع (أي الحيض) صلاةً و صوماً، فتقضيه دونها، و دخول مسجد والطواف و قربان ما تحت الإزار و قراءة القرآن". (النهر الفائق، باب الحيض: ۱/۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، مكتبه امداديه ملتان)

"و هو: أي الحيض يمنع الصلاة والصوم، و تقضيه لزوماً دونها، للحرج. و يمنع دخول المسجد والطواف بالبيت". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحيض: ۱/۵۳، دارإحياء التراث العربي بيروت)

مشغول رہے، صلوۃ وسلام بھی وہیں پڑھتی رہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۷/ ۹۰ھ۔



(۱) "قالوا: لا تقرأ الحائض و لا الجنب من القرآن شيئاً إلا أطراف الآية والحرف و نحو ذلك، ورخصوا للجنب والحائض في التسبيح والتهليل". (إعلاء السنن، باب: إن الحائض والنفساء والجنب لا يقرأون شيئاً من القرآن: ۱/ ۲۶۷، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه كراچی)

"و لا بأس لحائض و جنب بقرأة أدعية و مسها وحملها، وذكر الله تعالىٰ، و تسبيح". (الدر المختار، باب الحيض: ۱/ ۲۹۳، سعيد)

(و كذا في مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة، ص: ۱۴۳، قديمی)

باب المواقیت

(میقات کا بیان)

یلملم سے احرام

سوال[۵۱۰۸]: زید نے جہاز میں یلملم پر احرام نہیں باندھا حالانکہ دوسرے عوام اور اہل علم نے وہیں احرام باندھا اور زید کو بھی کہا لیکن زید نے جدہ پہونچ کر احرام باندھا۔ تو کیا ایسی حالت میں احرام کے میقات سے مؤخر ہونے کی وجہ سے زید پر دم یا فدیہ لازم آئے گا یا نہیں؟ اگر ہوگا تو کیا لازم ہوگا اور اس کو ہندوستان ہی میں ادا کرنا کافی ہوگا یا حرم میں بھیجنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

عامۂ علمائے اہلِ ہند یلملم پر احرام باندھنے کو لازم فرماتے ہیں۔ میقات سے بغیر احرام گزر جانا حاجی کے حق میں جنایت ہے جس کی وجہ سے دم لازم ہوگا (۱) یعنی ایک بکری کی قربانی کی جائے گی اور یہ قربانی ہندوستان میں کافی نہیں، بلکہ روپیہ دے کر کسی کو ذمہ دار بنادیا جائے کہ وہ حرم میں قربانی کردے، یہی

---

(۱) "من جاوز الميقات الذى يجب عليه الإحرام منه غير محرم ثم أحرم، لزمه دم". (الدر المنتقى فى شرح الملتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب الحج، باب مجاوزة الميقات بلا إحرام: ۱/۳۰۲، ۳۰۳، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"فإن أحرم بالحج أو بالعمرة قضاء لما عليه من ذلك لمجاوزته الميقات، ولم يرجع إلى الميقات، فعليه دم؛ لأنه جنى على الميقات، لمجاوزته إياه من غير إحرام، و لم يتداركه، فيلزمه الدم جبراً، الخ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۶۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى التاتارخانية، كتاب المناسك، ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۲/۴۷۵، إدارة القرآن كراچى)

احوط ہے(۱)، اگر چہ بعض حضرات اس کے بھی قائل ہیں کہ جدہ پہونچ کر احرام باندھنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے کہ ہندوستان سے جاتے وقت نہ یلملم درمیان میں آتا ہے، نہ یلملم کی محاذات ہوتی ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "و لا یجوز ذبح الهدایا إلا فی الحرم؛ لأن الهدی اسمٌ لما یهدی إلی مکان، و مکانه الحرم". (الفقه الإسلامی و أدلته، خامساً: مکان ذبح الهدی و زمانه: ۲۳۶۸/۳، رشیدیه)

"قال: (والکل بالحرم): أی کل دم یجب علی الحاج یختص بالحرم، لقوله تعالیٰ: ﴿هدیاً بالغ الکعبة﴾ الخ". (تبیین الحقائق، باب الهدی: ۴۳۴/۲، دار الکتب العلمیه بیروت)

(و کذا فی الهدایة، باب الهدی: ۳۰۱/۱، شرکة علمیة، ملتان)

(۲) "اور یہ ظاہر ہے کہ اہلِ ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی بہتر طریقہ سے نہیں معلوم ہوتی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے............ پرانی کتابوں میں اسی کو اہلِ ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے، لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لئے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھنا جائز ہے"۔ (زبدة المناسک، مواقیت الإحرام، حج اور عمرے کا بیان، ص: ۶۲، سعید)

(ومعلم الحجاج، ص: ۱۰۳ إدارة القرآن کراچی)

(وقرة العینین فی زیارة الحرمین، ص: ۴۹، ۵۰، شہزادہ ٹرسٹ)

حضرت مولانا مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاک و ہند کے حجاجِ کرام کے میقات "یلملم" میں اسی قسم کا اختلاف نقل کیا ہے اور جن حضرات کی عبارات نقل کی ہیں اس سے احتیاطی پہلو یہی نکل آتا ہے کہ یلملم کے محاذات سے پہلے ہی احرام باندھا جائے، البتہ اگر بغیر احرام ہی کے گذر جائے تو اس صورت میں بھی اس پر دم لازم نہیں ہے، لیکن ہوائی جہاز پر سفر کرنے والے کو بہر حال پہلے ہی سے احرام باندھنا لازم ہے۔ فرماتے ہیں:

سوال: ۱- "جو حضرات بحری جہاز سے حج بیت اللہ کے لئے جاتے ہیں، ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ ان لوگوں کا خیال یہ ہے کہ جدہ پہنچ کر احرام باندھ سکتے ہیں۔ کیا یہ صحیح ہے؟ اگر ان کا قول صحیح نہیں ہے اور کسی نے کسی وجہ سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو دم لازم ہوگا یا نہیں؟

۲- اور جو حجاج کرام ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں ان کو کب احرام باندھنا چاہیے؟ کیا یہ لوگ جدہ پہنچ کر احرام باندھیں تو صحیح ہے یا نہیں؟ یا دم لازم ہوگا یا نہیں؟ بینوا و توجروا"۔

الجواب: ۱- "ہندوستان (یا پاکستان) والوں کی میقات یلملم ہے، لہٰذا جو حجاجِ کرام مکہ معظمہ جانے کا ارادہ رکھتے =

....

= ہیں، ان کو یلملم یا اس کے محاذ سے پہلے پہلے احرام باندھ لینا چاہیے۔

ہمارے زمانہ میں جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے بحری راستہ سے سفر کرتے ہیں وہ جدہ تک احرام مؤخر کرسکتے ہیں یا نہیں، اس بارے میں ہمارے زمانہ کے اکابرین علماء کی تحقیق میں اختلاف ہے: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ ''بحری جہاز سے سفر کرنے والے حجاج کرام کے لئے جدہ تک احرام مؤخر کرنا جائز ہے''۔ آپ فرماتے ہیں کہ ''بحری جہاز یلملم سے آگے جو جدہ کی طرف تجاوز کرتا ہے وہ تجاوز آفاق میں ہوتا ہے، جہت حرم میں نہیں ہے''۔ لہٰذا اگر جدہ تک احرام مؤخر کریں تو جائز ہے، موجب دم نہیں۔ صاحب زبدۃ المناسک حضرت مولانا الحاج شیر محمد صاحب سندھیؒ اور حضرت مولانا محمود منظور نعمانی صاحب مدظلہم العالی کی بھی یہی تحقیق ہے۔

اس کے بالمقابل حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور مولانا مفتی رشید احمد لدھیانویؒ (پاکستانی) اور مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی (پاکستانی) کی تحقیق یہ ہے کہ یلملم کی محاذات جدہ سے پہلے آجاتی ہے اور بحری جہاز جدہ پہنچنے سے پہلے ہی محاذات میقات سے تجاوز کرکے حدودِ حِلّ میں داخل ہوجاتا ہے، اس لئے ہندوستان و پاکستان کے حجاج کرام کو سمندر میں یلملم کی محاذات سے ہی احرام باندھ لینا ضروری ہے، اگر اس سے تاخیر کریں گے تو محاذاتِ میقات سے بلا احرام گذرنے کی وجہ سے دم بھی لازم ہوگا اور گناہ بھی ہوگا۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ جدہ آنے سے پہلے پہلے یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، اسی میں احتیاط ہے، چنانچہ حضرت مفتی شفیع صاحب رحمہ اللہ نے بھی یہی تحریر فرمایا ہے، فرماتے ہیں:

> ''ایسے حالات میں کہ اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف رائے ہے، احتیاط اسی میں ہے کہ بحری جہاز میں یلملم ہی سے احرام باندھ لیں، یا ساحلِ جدہ پر اترنے سے پہلے احرام باندھ لیں، کیونکہ حسب تصریح فقہاء محلِ اختلاف میں احتیاط کا پہلو اختیار کرنا بہتر ہے تاکہ اپنی عبادت کے جواز میں کسی کا اختلاف نہ رہے۔
>
> اس کے علاوہ احرام کو میقات سے پہلے باندھنا سب ہی کے نزدیک افضل ہے، بلکہ بعض روایات حدیث میں اپنے گھر سے ہی احرام باندھ کر چلنے کی فضیلت آئی ہے، شرط یہ ہے کہ محظوراتِ احرام میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو۔ اور جس کو یہ خطرہ ہو کہ محظوراتِ احرام سے بچنا اس تمام عرصہ میں اس کے لئے مشکل ہوگا، اس کے لئے آخری حد تک مؤخر کرنا بہتر ہے، ایسے شخص کو آخری حد میں اتنی احتیاط کرلینا چاہیے کہ اس کا احرام علماء کے اختلاف سے نکل جائے'' (جواہر الفقہ: ۱/ ۴۸۹)۔ ....=

کسی ضرورت کے لئے مکہ سے جدہ آئے، پھر مکہ جانے کے لئے کیا احرام ضروری ہے؟

سوال[۵۱۰۹]: اگر جدہ کو میقات مانا جائے تو مکہ سے جو لوگ کام کاج کے لئے جدہ آتے ہیں، جدہ سے مکہ واپس ہوتے وقت احرام لازم نہ ہونا جواب تحریر فرمایا گیا ہے، اس کی وجہ کیا یہ ہے کہ میقات میں رہنے والا اور جو اُن کے حکم میں ہو کسی ضرورت کے لئے مکہ جائے تو احرام ضروری نہیں ہوتا؟ بعض لوگوں کا خیال یہ تھا کہ جب میقات پر واپس آ گیا ہے تو پھر سے احکام دخول مکہ کے لئے دوسرا احرام ضروری ہوگا۔ مہربانی فرما کر دونوں مسئلوں کا جواب روانہ فرمائیں۔

= اس اختلاف رائے کی بناء پر بہتر صورت وہی ہے جو اوپر درج ہوئی کہ جدہ سے پہلے ہی یلملم کی محاذات پر احرام باندھ لیا جائے، لیکن اگر کسی نے غلطی سے یا کسی مجبوری سے جدہ تک احرام مؤخر کر دیا تو اس پر دم کا لزوم نہ ہوگا، مگر احتیاطاً دم دے دے تو بہتر ہے۔ فقط۔

۲- جو حجاج کرام ہندوستان (یا پاکستان) سے مکہ مکرمہ جانے کے لئے ہوائی جہاز سے سفر کرتے ہیں، ان کو ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل احرام باندھ لینا چاہیے، جدہ تک مؤخر کرنا جائز نہیں، اگر مؤخر کریں گے تو گناہ بھی ہوگا اور دم بھی لازم ہوگا، اس لئے کہ ہوائی جہاز حدود میقات سے گذر کر جدہ پہنچتا ہے۔ اور ہوائی جہاز کے مسافروں کو یہ معلوم ہونا مشکل ہے کہ جہاز کس وقت حدودِ میقات کے اندر داخل ہوگا اور اگر حدود میقات کا علم ہو بھی جائے تو اس سے پہلے پہلے احرام باندھ کر فارغ ہونا مشکل ہے، اس لئے کہ ہوائی جہاز بہت ہی تیز رفتاری کے ساتھ پرواز کرتا ہے اور ساتھ ساتھ اس وقت احرام باندھنے میں احرام کے سنن و مستحبات کی رعایت بھی مشکل ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ تحریر فرماتے ہیں:

''آج کل ان ممالکِ مشرقیہ سے آنے والے حجاج کے لئے راستے دو ہیں: ایک ہوائی، دوسرا بحری۔ ہوائی جہازوں کا راستہ عموماً خشکی کے اوپر سے براہِ ''قرن المنازل'' ہوتا ہے، ہوائی جہاز ''قرن المنازل'' اور ''ذات عرق'' دونوں میقاتوں کے اوپر سے گذرتے ہوئے اول حل میں داخل ہوجاتے ہیں اور پھر جدہ پہنچتے ہیں، اس لئے ہوائی سفر میں تو قرن المنازل کے اوپر آنے سے پہلے پہلے احرام باندھنا لازم وواجب ہے۔ اور چونکہ ہوائی جہازوں میں اس کا پتہ چلنا تقریباً ناممکن ہے کہ کس وقت اور کب یہ جہاز قرن المنازل کے اوپر سے گذرے گا، اس لئے اہل پاکستان وہندوستان کے لئے تو احتیاط اسی میں ہے کہ ہوائی جہاز میں سوار ہونے سے قبل ہی احرام باندھ لیں، اگر بغیر احرام باندھے ہوئے ہوائی جہاز کے ذریعہ جدہ پہنچ گئے تو ان کے ذمہ دم یعنی قربانی ایک بکرے کی واجب ہوجائے گی۔ اور گناہ اس کے علاوہ ہوگا جس کی وجہ سے حج ناقص رہ جاتا ہے، مقبول نہیں ہوتا، بہت سے حجاج اس میں غفلت کرتے ہیں''۔ (جواہر الفقہ: ۱/۴۷۴، ۴۷۵) (عمدۃ الفقہ: ۴/۹۲) فقط واللہ اعلم بالصواب''۔

(فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحج، باب: احرام سے متعلق احکامات: ۶/۷۳، ۷۴، دارالاشاعت کراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس مقام سے بغیر احرام کے آگے حرم کی طرف جانا جائز نہیں، اس مقام سے خروج کے بعد بغیر احرام دوبارہ مکہ معظّمہ جانا درست نہیں۔ اگر جدہ کو بالفرض میقات تسلیم کیا بھی جائے تو جب جدہ سے نکل جائے گا پھر دوبارہ داخل ہونا پایا جائے گا تو دوبارہ احرام باندھنا لازم ہوگا، محض جدہ میں داخل ہونے کی وجہ سے دوبارہ احرام لازم نہیں ہوگا، میقات سے تجاوز جب ہوگا کہ جدہ سے دوسری طرف نکل جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

پانی کے جہاز سے جانے والا ہندوستانی کہاں سے احرام باندھے؟

سوال [۵۱۱۰]: ہندوستان سے پانی کے جہاز سے جانے والے حجاج کو بمطابق شرع احناف احرام کہاں سے باندھنا چاہئے؟ کس جگہ سے واجب ہے اور کس جگہ سے فرض؟ احناف کا فتوی کس پر ہے؟ بندہ حج کا ارادہ رکھتا ہے، حرم کہاں سے شروع ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

پانی کے جہاز سے جانے کے لئے جو قدیم ایام سے راستہ تھا تو یلملم کی محاذات پر پہونچ کر احرام باندھا جاتا تھا، یہی ہندوستان کے اکابر علماء فقہاء کا معمول رہا، اب بھی احوط یہی ہے، اگرچہ موجودہ اہلِ جغرافیہ کا قول یہ ہے کہ اب راستہ میں نہ یلملم آتا ہے اور نہ اس کی محاذات آتی ہے، بلکہ جدہ سے احرام باندھنا لازم

---

(۱) "فإن جاوزه، فليس له أن يدخل مكة من غير إحرام؛ لأنه صار آفاقياً". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۵۶۰، رشيديه)

"والمكي إذا خرج من مكة لحاجة له، فلم يجاوز الوقت، فله أن يدخل مكة بغير إحرام، وإن جاوز، لم يكن له أن يدخل مكة إلا بإحرام، لما بيّنّا أن من قصد إلى موضعٍ فحاله في حكم الإحرام كحال أهل ذالك الموضع". (المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/ ۱۵۵، حبيبيه كوئٹه)

"ونظيره المكي إذا خرج منها أو جاوز الميقات، لايحل له العود بلا إحرام". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/ ۴۷۸، سعيد)

ہے، مگر احتیاط کا تقاضا وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا، وہاں جہاز سیٹی دیتا ہے اور عامۂ حج کو جانے والے احرام باندھتے ہیں، حدود حرم جدہ سے آگے چل کر شروع ہوتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ "معلم الحجاج" ساتھ رکھیں اس میں مسائلِ حج اور مواقیت کی پوری تفصیل مذکور ہے(۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۳ھ۔

---

(۱) "المواقيت التى لا يجوز أن يجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسة: لأهل المدينة ذو الحليفة، و لأهل العراق ذات عرق، و لأهل الشام جحفة، ولأهل نجد قرن، ولأهل يمن يلملم .... و كل من قصد مكة من طريق غير مسلوك أحرم إذا حاذى ميقاتاً من هذه المواقيت، كذا فى محيط السرخسى".
(الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثانى فى المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)

"كذا روى فى الحديث: أن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقّت لأهل المدينة ذاالحليفة، ولأهل الشام الجحفة، ولأهل نجد قرن، و لأهل اليمن يلملم، و لأهل العراق ذات عرق .... فأما إذا قصدها من طريق غير مسلوك، فإنه يحرم إذا بلغ موضعاً يحاذى ميقاتاً من هذه المواقيت؛ لأنه إذا حاذى ذلك الموضع ميقاتاً من المواقيت، صار فى حكم الذى يحاذيه فى القرب من مكة و لو كان فى البحر". (بدائع الصنائع، فصل. وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۵۹، ۱۶۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۵، ۵۵۶، رشيديه)

"جب بحری راستہ سے کوئی جدہ میں آئے تو چونکہ جدہ مکہ مکرمہ سے دو منزل دور ہے اور اس سے آگے محاذ معلوم نہیں ہے، حضرت مولانا خلیل احمدؒ نے بھی یہی فرمایا ہے، امداد الفتاویٰ کے خامسہ حصہ کے ص: ۱۵۱، پر حضرت مہاجر مدنی کی تحریر درج ہے، مناسک علی قاری میں عبارت موجود ہے: "وان يعلم المحاذاة فعلى مرحلتين. اور یہ ظاہر ہے کہ اہل ہند کے لئے یلملم کی محاذات کسی معتبر طریقہ سے نہیں معلوم ہوئی، لہٰذا جدہ بھی ان کے لئے میقات ہے .... پھر اس سے آگے وہ محاذ بحرہ اور جدہ سے اوپر جدہ کی طرف مائل ہوکر جحفہ (رابغ تک چلا جاتا ہے)، پرانی کتابوں میں اسی کو اہل ہند کی میقات لکھا چلا آتا ہے، لیکن حال کے بعض ممتاز فاضلوں نے جن کی نظر فقہ کے ساتھ جغرافیہ پر بھی ہے، صاف صاف لکھ دیا ہے کہ ہندی حاجیوں کے لئے بجائے یلملم کے مفروضہ میقات کے جدہ بلکہ چند میل بعد سے احرام باندھنا جائز ہے۔ (زبدة المناسک، ص: ۶۲ سعيد)

لیکن مفتی عبدالرحیم لاجپوری رحمہ اللہ علیہ کی تحقیق علی حسب العقول اس سے مختلف ہے، كما تقدم تحت عنوان: "یلملم سے احرام"، ص: ۳۷۶، رقم الحاشية: ۱) .... =

10

ہندوستانیوں کے لئے میقات یلملم ہے یا جدہ؟

سوال[۵۱۱۱]: یلملم پہاڑی جو ہندوستان کے لئے میقات ہے وہاں کے بجائے جدہ پہونچ کر احرام باندھنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کہتے ہیں جدہ بھی حرم سے باہر ہے، لہٰذا وہاں سے احرام باندھنے میں بھی کوئی حرج نہیں، مگر افضل واحسن کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

افضل واحوط یہی ہے کہ یلملم سے احرام باندھا جائے، اسلاف کا معمول بھی یہی رہا ہے، گو اب جغرافیہ کی رو سے بعض حضرات نقشے دیکھ کر یہ بتلاتے ہیں کہ جہاز میں یلملم کی محاذات بھی نہیں آتی، لہٰذا جدہ سے قبل احرام باندھنا لازم نہیں (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۹ھ۔

میقات سے بلا احرام گزرنا

سوال[۵۱۱۲]: ایک شخص ہندوستان سے حج کا ارادہ کرکے چلتا ہے، اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جانا چاہے، یا ایک شخص مکہ کے قصد سے یہاں سے چلتا ہے اور اس کا ارادہ ہے کہ کچھ روز جدہ ٹھہر کر تجارت کرے، اس کے بعد مکہ مکرمہ حاضر ہو تو اس کے لئے بغیر احرام کے میقات سے گزرنے کا کیا حکم ہے؟ اہل ہند کی میقات کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو آفاقی مکہ یا حرم کا ارادہ رکھتا ہے اس کے لئے میقات سے بغیر احرام کے گزرنا جائز نہیں، خواہ اس کا حج عمرہ کا ارادہ ہو، خواہ سیر، تجارت وغیرہ کا ارادہ ہو (۲)، اگر گزر جائے تو اس کے ذمہ لازم ہے کہ کسی میقات پر

= (وقرة العينين في زيارة الحرمين، فصل: مواقیت احرام حج وعمرہ کے بیان، ص: ۴۹، ۵۰ شہزادہ ٹرسٹ)

(۱) (راجع، ص: ۳۷۶، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "وكذالک لو أراد بمجاوزة هذه المواقيت دخول مكة، لا يجوز له أن يجاوزها إلا محرماً، سواء أراد بدخول مكة النسک من الحج أو العمرة أو التجارة أو حاجة أخرى، الخ". (بدائع الصنائع، فصل: =

جا کر احرام باندھے ورنہ اس پر دم واجب ہوگا (۱)۔ اگر کسی کا قصد اول یہ ہو کہ حل میں کسی جگہ تجارت کے لئے جائے تو اس کے لئے احرام لازم نہیں، بلا احرام حل میں جا سکتا ہے، پھر اپنی تجارت وغیرہ سے فارغ ہو کر مکہ معظمہ میں بھی بغیر احرام کے داخل ہو سکتا ہے بشرطیکہ ادائے نسک کا ارادہ نہ ہو، اگر ادائے نسک کا ارادہ ہو تو حل سے احرام باندھ کر داخل ہو۔ اگر میقات پر گزرتے وقت قصدِ اوّلی تو ادائے نسک ہو یا دخولِ مکہ ہو، لیکن مُرورفی الحل کی مجبوری کی وجہ سے حل میں تجارت وغیرہ کی نیت کرے تو اس کے لئے میقات سے بلا احرام گزرنا جائز نہیں، یہ تمام جزئیات کتبِ فقہ میں صراحۃً مذکور ہیں:

"و حرم تأخير الإحرام عنها كلها لمن: أي للآفاقي قصد دخول مكة، يعني الحرم و لو لحاجة غير الحج. أما لوقصد موضعاً من الحل كخليص وجدة، حل له مجاوزته بلا إحرام، فإذا حل بها التحق بأهله، فله دخول مكة بلا إحرام، و هو الحيلة لمريد ذلك. وحل لأهل داخلها، يعني لكل من وجد في داخل المواقيت دخول مكة "الخ". درمختار۔

"(قوله: وحرم الخ) فعليه العود إلى ميقات منها وإن لم يكن ميقاته". رد المحتار: ۲/۲۱۱(۲)۔

= وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۶۰، دارالكتب العلميه بيروت)

"و لا يجوز للآفاقي أن يدخل مكة بغير إحرام نوى النسك أو لا، و لو دخلها فعليه حجة أو عمرة، كذا في محيط السرخسي". (الفتاوىٰ العالمكيرية: الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)
(وكذا في المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/۱۵۲، حبيبيه كوئٹه)

(۱) "فإن دخل مكة قبل أن يحرم فأحرم منها، فعليه أن يخرج من الحرم فيلبي، فإن لم يفعل حتى يطوف بالبيت فعليه دم؛ لأنه ترك الميقات المعهود في حقه للإحرام، الخ". (المبسوط للسرخسي، باب المواقيت: ۲/۱۵۳، حبيبيه كوئٹه)

"فإن أحرم بالحج أو العمرة من غير أن يرجع إلى الميقات، فعليه دم لترك حق الميقات".
(التاتارخانية، باب ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۲/۴۷۵، إدارة القرآن كراچی)
(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۶۴، دارالكتب العلميه بيروت)
(۲) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۷، سعيد) .... =

غنية الناسك، ص: ۲۷ میں یہ حیلہ لکھا ہے اور مسئلہ کو زیادہ واضح کردیا، چنانچہ عبارات متعددہ نقل کرکے لکھا ہے:

"وفي الطوالع: و ذكر السيد مير غني في حاشيته على التبيين: أن من كان في خاطره أنه إذا فرغ من بيعه و شرائه دخل مكة، وجب عليه الإحرام عند الميقات، لكونه قاصداً مع دخول جدة الحرم، وإن كان قصد دخول جدة سابقاً على قصد دخول الحرم، اهـ"(۱)۔

جس شخص کے راستہ میں میقات واقع نہ ہو اس کو میقات کی محاذات سے احرام باندھنا چاہئے، جس کے راستہ میں دو میقات واقع ہوں اس کو میقاتِ أبعد عن الحرم سے باندھنا افضل ہے، اقرب سے بھی درست ہے(۲)۔ اہلِ ہند کے لئے یلملم کی محاذات سے احرام باندھنا چاہئے (۳)، حرم میں داخل ہونے کے لئے احرام کی ضرورت ہوتی ہے، جدہ حرم سے خارج ہے، لہٰذا جو شخص پہلے مدینہ طیبہ کا قصد کرے، اس کے لئے

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۷، رشيديه)

(۱) (غنية الناسک، باب المواقيت، فصل الثالث، ص: ۵۵، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "و من سلک ميقاتاً من هذه المواقيت، أحرم منه، لما روينا، وإن سلک بين ميقاتين في البحر أو البر اجتهد، وأحرم إذا حاذى ميقاتاً منهما، و أبعدهما أولى بالإحرام منه". (تبيين الحقائق، كتاب الحج: ۲/۲۴۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسک الملا على القاري، فصل في مواقيت الصنف الأول، ص: ۵۲، مكتبه مصطفى محمد بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)

(۳) "المواقيت التي لا يجوز أن يجاوزها الإنسان إلا محرماً خمسةٌ: لأهل المدينة ذو الحليفة، ولأهل العراق ذات عرق، و لأهل الشام جحفة، و لأهل نجد قرن، و لأهل يمن يلملم .... و كل من قصد مكة من طريق غير مسلوک، أحرم إذا حاذى ميقاتاً من هذه المواقيت، كذا في محيط السرخسي".

(الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني في المواقيت: ۱/۲۲۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان مكان الإحرام: ۳/۱۵۹، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۵، رشيديه)

یلملم سے احرام ضروری نہیں، بلکہ وہ مدینہ طیبہ سے واپسی پر ذوالحلیفہ سے احرام باندھے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،۵/ رجب/ ۶۶ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ رجب/ ۶۶ھ

احرام کے بعد میقات سے خارج ہونا

سوال[۵۱۱۳]: ایک آفاقی شخص میقات پر پہونچ کر احرام پہنتا ہے اور نیتِ حج یا عمرہ کرتا ہے، مگر جدہ پہونچ کر احرام کی حالت میں میقاتِ مدینہ ذوالحلیفہ سے بھی باہر ہوکر مدینہ شریف جاتا ہے۔ پوچھنا یہ ہے کہ کیا ایسے محرم کو جس نے میقات پر پہونچ کر احرام پہنا اور نیت کی ہے قبل حج یا عمرہ دوسری آفاقی میقات سے باہر نکل جانا درست ہے، کیا اس پر کوئی کفارہ ہے؟ میقات ہی سے جو اس نے احرام پہنا ہے اس سے تو بظاہر لازم آتا ہے کہ وہ سوائے مکہ کے کہیں نہ جائے نہ کہ آفاقی میقات سے گزر جانا۔ بینوا توجروا۔

---

(۱) قرۃ العینین کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ: ''جو آدمی میقات سے باہر کا رہنے والا ہو، اگر وہ پہلے مدینہ طیبہ جائے، پھر واپسی کے وقت وہاں کے میقات ذوالحلیفہ سے حج کا احرام باندھ کر حج کرے گا تو جائز ہے کہ وہ آدمی اپنے میقات یلملم سے احرام نہ باندھے، کیونکہ اس کو اپنے میقات سے گزرنے کے وقت فی الحال حدِ حرم میں جانے کا ارادہ نہیں ہے، الخ''۔(**قرة العينين في زيارة الحرمين، فصل**: مواقیت احرام حج وعمرہ کے بیان، ص: ۴۹، ۵۰، **شهزاده ٹرسٹ**)

معلم الحجاج میں ہے: ''جو آفاقی شخص مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہا ہو، اسے ذوالحلیفۃ یعنی بیرِ علی سے احرام باندھنا چاہئے''۔(**معلم الحجاج ص: ۱۰۴، إدارة القرآن كراچی**)

''(**قوله: كمكي يريد الحج، الخ) أما لو خرج إلى الحل لحاجة فأحرم منه ووقف بعرفة، فلا شيء عليه، كالآفاقي إذا جاوز الميقات قاصد البستان، ثم أحرم منه. الخ**'' (**ردالمحتار، مطلب: لايجب الضمان بكسر آلات اللهو: ۲/ ۵۸۱، سعيد**)

(**وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، ما يلزم لمجاوزة الميقات بغير إحرام: ۲/ ۴۷۶، ادارة القرآن كراچی**)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس پر بھی کوئی کفارہ نہیں، ممنوعاتِ احرام سے بچتا رہے، بغیر حج یا عمرہ کئے احرام سے حلال نہ ہو، یہی احرام کا احترام ہے۔ میقات سے خارج ہوجانا احرام کے منافی نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۰/ رجب/ ۶۶ھ۔

کیا جدہ میقات ہے؟

سوال [۵۱۱۴]: ۱.....جدہ کے متعلق علمائے کرام کیا فرماتے ہیں کہ آیا اس کا میقات میں شمار ہے یا نہیں؟

میقات کا علم نہ ہو تو تحرّی کرے

سوال [۵۱۱۵]: ۲.....آفاقی اگر حرمِ مکہ کا قصد کرے، دخول کے وقت وہ مواقیتِ خمسہ سے داخل نہیں ہوتا، بلکہ مواقیت کے مابین جو محاذاۃ ہے وہاں سے داخل ہوتا ہے تو ایسا شخص احرام کہاں سے باندھے؟ اور ایسے شخص کے لئے محاذات شرط ہے یا نہیں؟ اگر شرط ہے تو آدمی کس طرح کرے گا، کیونکہ اس کے لئے تو کوئی علامت موجود نہیں جس پر وہ اعتماد کر سکے؟ نیز یہ بھی تحریر فرمائیں کہ محاذات کی تعریف شرعاً کیا ہے؟

مکی اگر جدہ جائے تو واپسی پر احرام لازم ہے یا نہیں؟

سوال [۵۱۱۶]: ۳.....مکی یا وہ شخص جو مکی کے حکم میں ہے ایسا شخص اگر جدہ چلا جائے تو مکہ عود

---

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "والثاني أنه إذا أتم الإحرام بحج أو عمرة، لا يخرج عنه، إلا بعمل ما أحرم به وإن أفسده". (الدر المختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "والأصل: لا يخرج عنه في حالة من الأحوال بعمل من الأعمال إلا بعمل". (ردالمحتار، فصل في الإحرام: ۲/ ۴۸۰، سعيد)

"الأول أنه إذا تم الإحرام للحج أو للعمرة، لايخرج عنه إلا بعمل النسك الذي أحرم به وإن أفسده الخ". (البحر الرائق، باب الإحرام: ۲/ ۵۲۰، رشيديه)

(وكذا في معلم الحجاج، باب: حکم احرام، ص: ۱۱۳، إدارة القرآن كراچي)

کرتے وقت اس کے لئے احرام باندھنا واجب ہے یا نہیں؟

سائل: ابراہیم میاں، جوہانسبرگ، ساؤتھ افریقہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......جس کے راستہ میں مواقیتِ مخصوصہ واقع نہ ہوں، یا ان کی محاذات کا علم نہ ہو اور بحری راستہ سے آرہا ہو تو اس کے حق میں جدہ میقات ہے:

"من سلك: أي طريقاً ليس فيه ميقات معين براً أو بحراً، اجتهد إذا حاذى ميقاتاً منها: أي من المواقيت المعروفة. وإن لم يعلم المحاذاة، فعلى رحلتين من مكة كجدة المحروسة من طرف البحر، اهـ". شرح المنسك المتوسط(۱)۔

۲......جو میقات مکہ مکرمہ سے أبعد ہے اس کی محاذات سے احرام أفضل ہے، اقرب کی محاذات بھی درست ہے۔ اگر کوئی بتانے والا نہ ہو تو تحری کرلے:

كما مرّ انفاً من قوله: "اجتهد". "و من حذو الأبعد أولى، فإن الأفضل أن يحرم من أول الميقات، و هو الطرف الأ بعد من مكة حتى لا يمر شئ يسمى ميقاتاً غير محرم. ولو أحرم من الطرف الأقرب إلى مكة، جاز باتفاق الأربعة". شرح المنسك المتوسط(۲)۔

---

(۱) (مناسک الملا علی القاری المسمی بالمنسک المتوسط، فصل فی مواقیت الصنف الأول، ص: ۸۰، ۸۱، إدارة القرآن کراچی)

(و کذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۵۶، ۵۵۷ رشیدیه)

(۲) (مناسک الملا علی القاری المسمی بالمنسک المتوسط، فصل فی مواقیت الصنف الأول، ص: ۸۰، ۸۱، إدارة القرآن کراچی)

"اجتهد .... و من حذو الأبعد أولیٰ، فإن الأفضل أن يحرم من أول الميقات، وهو الطرف الأبعد من مكة، حتى لا يمر بشيء مما يسمى ميقاتاً غير محرم. و لو أحرم من الطرف الأقرب إلى مكة، جاز باتفاق الأربعة". (إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، فصل فی مواقیت الصنف الأول، ص: ۵۲، مکتبه مصطفی محمد بیروت)

"وإن سلک بين ميقاتين فی البحر أو البر، اجتهد و أحرم إذا حاذى ميقاتاً منهما، و أبعدهما =

۳...... جدہ کو بعض احوال میں ضرورةً میقات تسلیم کیا گیا ہے جیسا کہ جواب نمبر: ا میں ہے، ورنہ وہ درحقیقت حل میں ہے، مکی آدمی اگر حل میں جائے تو اس کو مکۃ المکرمہ جانے کے لئے احرام کی ضرورت نہیں:

"أما لو قصد موضعاً من الحل كخليص وجدة، حل له مجاوزته بلا إحرام، فإذا حل به، التحق بأهله، كما مر انفاً بشرط أن لا يجاوز ميقات الآفاقي". ردالمحتار: ۲/۱۵۵(۱)۔

البتہ اگر حج یا عمرہ کی نیت ہو تو اہلِ حل کو بھی بلا احرام دخولِ مکہ ممنوع ہے: "من أراده من أهل الحل لا يدخل مكة بلا احرام، اهـ". (الدرالمختار)۔

"والمراد بالمكي من كان داخل الحرم، سواء كان بمكة أولا، سواء كان من أهلها أولا، يشمل الأفاقي المفرد بالعمرة والمتمتع والحلال من أهل الحل، اهـ". شامی: ۲/۱۵۵(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۲ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۲ھ۔



= أولى بالإحرام منه". (تبيين الحقائق، كتاب الحج: ۲/۲۴۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، باب من حاذى الميقات: ۳/۲۷ مكتبه حقانيه)

(۱) (رد المحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۸، سعيد)

"وقيدنا بقصد مكة؛ لأن الآفاقي إذا قصد موضعاً من الحل كخليص، يجوز له أن يتجاوز الميقات غير محرم، وإذا وصل إليه، التحق بأهله". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۷، رشيديه)

(۲) (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في لمواقيت: ۲/۴۷۸، سعيد)

"(ولداخلها الحل) .... وإنما كان الحل ميقاته؛ لأن خارج الحرم كله كمكان واحد في حقه كالميقات للآفاقي، فلا يدخل الحرم عند قصد النسك إلا محرماً. و أما عند عدم هذا القصد، فله الدخول بغير إحرام للحاجة والضرورة". (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۵۹ رشيديه)

باب القِران والتمتع

(حجِ قران وتمتع کا بیان)

حج کی افضل صورت

سوال[۵۱۱۷]: حرم سے باہر رہنے والوں کے لئے حج کی کونسی صورت افضل ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

قران افضل ہے، بحر(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مفرد اور قارن کے لئے سعی

سوال[۵۱۱۸]: ۱...... مفرد اور قارن کو طوافِ قدوم میں سعی کرنا چاہئے یا نہیں؟

۲...... طواف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یا خلفائے راشدین سے کون سی دعائیں منقول ہیں؟ طواف کرنے والا اپنی زبان میں جو دعاء چاہے پڑھے جائز ہے یا نہیں؟

سید شاکر علی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

۱...... طوافِ قدوم میں سعی کرنے کا مطلب سمجھ میں نہیں آیا، کیونکہ طواف کیا جاتا ہے مسجد حرام میں اور

---

(۱) قال العلامة ابن نجيم رحمه الله تعالىٰ: "هو (أى القران) أفضل، ثم التمتع، ثم الإفراد". (البحر الرائق، كتاب الحج، باب القران: ۲/۲۲۵، رشيديه)

"القران فى حق الآفاقى أفضل من التمتع والإفراد، والتمتع فى حقه أفضل من الإفراد، و هذا هو المذكور فى ظاهر الرواية، وكذا فى المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السابع فى القران والتمتع: ۱/۲۳۹، رشيديه)

(وكذا فى رد المحتار، باب القران: ۲/۵۲۹، سعيد)

سعی کی جاتی ہے خارجِ مسجد، صفا ومروہ کے درمیان۔

۲......بہت سی دعائیں ایسے موقعہ پر پڑھنے کے لئے علماء نے لکھی ہیں، مستقل رسائل بھی تصنیف کئے ہیں، ایک دعاء جوحدیث شریف میں آئی ہے یہ ہے:"اللهم إني أسألك العفو، والعافية في الدنيا والاٰخرة، ربنا اٰتنا في الدنيا حسنةً، و في الاٰخرة حسنةً، و قنا عذاب النار"(۱)۔

یہ رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان پڑھی جاتی ہے، دعاء اپنی زبان میں بھی درست ہے (۲)۔لیکن جس شخص کوعربی کی دعاء یاد نہ ہو اس کے لئے "سبحان الله، والحمد لله، و لا إله إلا الله، والله أكبر، ولاحول و لا قوة إلا بالله العلي العظيم" پڑھنا بہتر ہے، اس کی بڑی فضیلت آئی ہے، وكذا في شرح سفر السعادة، ص:۱۴۱۳(۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ۔

---

(۱)(نيل الأوطار، باب ذكر الله في الطواف: ۵/۱۲۰، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وابن ماجة، باب فضل الطواف: ۳/۲۱۲، قديمي)

(۲)"والدعاء يجوز بالعربية، و بغير العربية، والله سبحانه يعلم قصد الداعي و مراده وإن لم يقوم لسانه، فإنه يعلم ضجيج الأصوات باختلاف اللغات على تنوع الحاجات". (مجموعة الفتاوى لشيخ الإسلام ابن تيمية، باب صفة الصلاة: ۲۲/۲۸۷، مكتبة العبيكان سعوديه)

"و ظاهر التعليل أن الدعاء بغير العربية خلاف الأولى، وإن الكراهة فيه تنزيهية". (رد المحتار، مطلب في الدعاء بغير العربية: ۱/۵۲۱ سعيد)

(۳) (شرح سفر السعادة للشيخ عبدالحق الدهلويؒ، فصل در حج، پيغمبر صلى الله تعالىٰ عليه وسلم الخ، ص: ۱۴۱، مطبع نامي منشي نول كشور)

"وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، يقول: "من طاف بالبيت سبعاً، و لا يتكلم إلا سبحان الله والحمد لله و لا إله إلا الله والله أكبر، ولاحول ولا قوة إلا بالله، محيت عنه عشر سيئات، و كتب له عشر حسنات، ورفع له بها عشر درجات". رواهما ابن ماجة".

(نيل الأوطار، باب ذكر الله في الطواف: ۵/۱۲۰، ۱۲۱ مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وابن ماجة، باب فضل الطواف: ۳/۲۱۲، قديمي)

استفتاء متعلق سوال بالا

سوال[۵۱۱۹]: جناب مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی عم فیضہ! سلام مسنون۔

میرے استفتاء کا جواب ملا مگر تشفی نہیں ہوئی، میں نے عرض کیا تھا کہ ''مفرد اور قارن طواف کے بعد سعی کرے یا نہیں''؟ آپ نے لکھا ہے کہ ''میری سمجھ میں نہیں آیا'' حالانکہ موٹی بات ہے، عرض یہ ہے کہ جس طرح تمتع والا طواف کر کے صفا و مروہ جا کر سعی کرتا ہے ان دونوں کو بھی سعی کرنا چاہئے یا نہیں، یا کب سعی کریں؟ اب یہ عرض بھی ہے کہ مفرد اور قارن طوافِ قدوم میں عمرہ کی نیت کرے یا طوافِ قدوم کی اور مفرد و قارن سعی کب کرے گا؟

سید شاکر علی، از شاہ پور، ضلع فتحپور۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

آپ دوبارہ اپنے خط کو دیکھئے اس میں لکھا ہے: ''مفرد اور قارن طواف میں سعی کرے گا یا نہیں''؟ موٹی سی بات ہے کہ طواف مسجدِ حرام میں ہوتا ہے اور سعی بین الصفا والمروۃ ہوتی ہے، پھر طواف میں سعی کرنے کا مطلب کیسے سمجھ میں آئے۔ اب آپ نے مطلب کی وضاحت کی ہے، جواب یہ ہے کہ ان دونوں کو بھی طواف کرنے کے بعد صفا و مروہ جا کر سعی کرنا چاہئے، قارن اول عمرہ کے لئے طواف کرتا ہے پھر عمرہ ہی کے لئے سعی کرتا ہے اس کے بعد حج کے لئے طوافِ قدوم کرتا ہے، پھر سعی بھی اسی کے لئے کرتا ہے، درمیان میں حلال نہیں ہوتا، پھر بقیہ ارکانِ حج ادا کرتا ہے اور یوم النحر میں ذبح کے بعد ممنوعاتِ احرام حلال ہو جاتے ہیں، کذا فی مجمع الأنہر (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مظاہر علوم سہارنپور، ۲۲/محرم/۷۰ھ۔

---

(۱) "فإذا دخل مكة، ابتدأ بالعمرة، فطاف للعمرة سبعة أشواط، يرمل الثلاثة الأُوَل، و يصلي بعد الطواف ركعتين، و سعى بين الصفا والمروة، و يهرول بين الميلين الأخضرين، ولا يتحلل، و لو تحلل بأن حلق أو قصر، كان جنايةً على إحرام الحج وإحرام العمرة؛ لأن تحلل القارن من العمرة إنما هو يوم النحر". (مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ۱/۲۸۷، ۲۸۸، دار إحياء التراث العربي، بيروت)

(وكذا في الفتاوى الخانية، فصل في القران: ۱/۳۰۱، رشيديه) =

متمتع کا مدینہ طیبہ جانا پھر عمرہ کرنا

سوال[۵۱۲۰]: ۱.....ایک شخص آفاقی اَشہرِ حج میں مکہ مکرمہ گیا اور عمرہ ادا کیا، عمرہ کی ادائیگی کے بعد مدینہ منورہ چلا گیا، مدینہ منورہ سے واپسی پر دوسرا عمرہ کیا پھر حج کا احرام مکہ سے باندھا۔ کیا اس کا تمتع صحیح ہے یا نہیں؟

۲.....اس پر دمِ تمتع ہے یا نہیں؟

۳.....کیا اس پر کوئی دمِ جبر ہے یا نہیں؟

۴.....تمتع پہلے عمرہ یا دوسرے عمرہ سے ادا ہوا؟

۵.....آفاقی کے لئے ایک عمرہ سے زائد کرنا اَشہرِ حج میں صحیح ہے یا نہیں؟

۶.....مدینہ منورہ سے واپسی پر اگر فقط حج کا احرام باندھا تو اس کا تمتع ادا ہوگا یا نہیں؟

۷.....کیا اس پر دمِ جبر ہے یا نہیں؟

۸.....آفاقی حاجی کا اَشہرِ حج میں میقات سے باہر نکلنا کیسا ہے؟

۹.....ان صورتوں میں بہتر کونسی صورت ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

''اَشہرِ حج میں اگر کوئی شخص عمرہ کر کے مدینہ طیبہ چلا گیا، پھر وہاں سے واپسی کے بعد صرف حج کا احرام باندھ کر آیا تو تمتع صحیح ہوگا، یہ امام صاحب کے نزدیک ہے، بخلافِ صاحبین رحمہما اللہ کے، ان کے نزدیک پہلا تمتع باطل ہوگیا، ہاں اگر پھر مدینہ منورہ سے عمرہ کا احرام باندھ کر آئے اور پھر حج کرے تو ان کے نزدیک تمتع ہوجائے گا، مگر امام صاحب کے نزدیک ایسا نہ کرے''۔ معلم الحجاج، ص: ۲۱۸، میں مولانا شیر محمد کے حاشیہ کے حاشیہ نمبر: ۱، سے یہ عبارت لی گئی ہے(۱)۔ اس عبارت سے آپ کے تمام سوالات کے جوابات صراحۃً یا اشارۃً

= (وكذا في الهداية، باب القران: ۱/۲۵۸، شركت علميه، ملتان)

(۱) (معلم الحجاج، ص: ۲۵۲، إدارة القرآن كراچي)

(وقرة العينين في زيارة الحرمين، ص: ۲۶۰ - ۲۶۳، شهزاده ٹرسٹ)

(وزبدة المناسك مع عمدة المناسك، ص: ۳۰۹-۳۱۸، سعيد) .... =

نکل آئے، اب نمبر وار جوابات لیجئے:

۱......صاحبین کے نزدیک اس کا تمتع صحیح ہے۔

۲......ان کے نزدیک دمِ تمتع واجب ہے۔

۳......میقات سے باہر چلے جانے کی وجہ سے اس کا پہلا تمتع باطل ہوگیا، اس کا تقاضا یہ ہے کہ اس پر دمِ جبر واجب ہو۔

۴......دوسرے عمرہ سے تمتع منعقد ہوا۔

۵......اس میں اختلاف ہے، معلم الحجاج، ص:۲۲۱، پر یہ مسئلہ مذکور ہے اور حاشیہ نمبر:۱، پر اختلاف نقل کیا ہے(۱)۔

۶......امام صاحب کے نزدیک اس کا تمتع ادا ہو جائے گا۔

۷......اس پر دمِ جبر واجب نہیں۔

= "(قوله: لبقاء سفره) أما إذا أقام بمكة أو داخل المواقيت، فلأنه ترفق بُنسكين في سفر واحد في أشهُر الحج، و هو علامة التمتع. وأما إذا أقام خارجها، فذكر الطحاوي أن هذا قول الإمام، وعندهما لا يكون متمتعاً؛ لأن المتمتع من كانت عمرته ميقاتية، وحجته مكية، و له أن حكم السفر الأول قائم ما لم يَعُدْ إلى وطنه، و أثر الخلاف يظهر في لزوم الدم. وغلطه الجصاص في نقل الخلاف، بل يكون متمتعاً اتفاقاً؛ لأن محمد ذكر المسئلة، و لم يحك فيها خلافاً. قال أبواليسر: هوالصواب. وفي المعراج: إنه الأصح، الخ". (ردالمحتار، باب التمتع: ۵۴۲/۲، سعيد)

(و كذا في التبيين، باب التمتع: ۳۴۹/۲، ۳۵۰، دارالكتب العلميه بيروت)

(و كذا في المبسوط، كتاب المناسک، باب الجمع بين الإحرامين: ۱۶۸/۲، مكتبه حبيبيه كوئته)

(۱) متمتع ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ حج سے پہلے کرسکتا ہے: "قال في اللباب: ولا يعمر قبل الحج. وقال القاري في الشرح: و هذا بناء على أن المكي ممنوع من العمرة المفردة، أيضاً، قد سبق أنه غير صحيح، بل أنه ممنوع من التمتع والقران، و هذا المتمتع آفاقي غير ممنوع من العمرة، فجاز له تكرارها؛ لأنها عبادة مستقلة كالطواف" (لباب المناسک مع المسلک المتقسط في المنسک المتوسط لملا علي القاري، ص: ۳۱۹، دارالكتب العلميه بيروت)

۸......نامناسب ہے۔

۹......بہتر صورت امام صاحب کے نزدیک یہی ہے کہ مدینہ طیبہ سے فقط حج کا احرام باندھ کر آئے، عبادات میں بروقتِ اختلاف امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہوتا ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ایک عمرہ کے بعد دوسرا عمرہ کرنے سے کیا تمتع باقی رہے گا؟

سوال[۵۱۲۱]: ایک شخص جو رمضان سے پہلے مکہ معظّمہ جا کر عمرہ کر کے حلال ہو کر مقیم رہا اور اشہرِ حج وہیں شروع ہوگئے، پھر شوال میں مدینہ منورہ گیا، مدینہ سے واپسی کے وقت بہتر بات یہ ہے کہ حج کا احرام باندھ کر آئے لیکن عمرہ کا احرام باندھ کر آنے میں گنجائش ہے، یہ گنجائش مذکورہ دونوں صورتوں والوں کے لئے ہے یا فرض ہے؟ اور اجازت کی وجہ کیا یہی ہے کہ یہ حاجی آفاقی ہے اور حقیقی طور پر مکی نہیں ہے؟ دوسرا وہ جو اشہرِ حج میں عمرہ کے احرام سے مکہ معظّمہ جا کر حلال ہوا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس شخص نے اشہرِ حج میں عمرہ کر لیا ہے اس کے بعد مدینہ طیبہ میں حاضر ہوا، پھر اس سال حج کر کے وطن واپس ہوگا، امام صاحب کے نزدیک وہ شخص متمتع ہے، اس کو ایک عمرہ کر لینے کے بعد حج سے پہلے مدینہ سے چل کر عمرہ کرنے سے امام صاحب منع فرماتے ہیں۔اور صاحبین کے نزدیک مدینہ طیبہ چلے جانے کی وجہ سے اس کا تمتع باطل ہوگیا، اب اگر دوبارہ وہ عمرہ کرے گا تو تمتع صحیح ہوجائے گا۔جس شخص نے اشہرِ حج میں عمرہ نہیں کیا -اگرچہ اس سے پہلے کیا ہو- وہ مدینہ طیبہ کی زیارت سے فارغ ہو کر جب حج کے لئے آئے اور احرام باندھ کر عمرہ کرے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں(۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۷ھ۔

---

(۱) سوالات کو تفصیلی جوابات کے ساتھ دیکھئے: (فتاوی رحیمیہ: ۲/ ۳۹۶، دار الاشاعت کراچی)

(۲) "فأما إذا عاد إلی غیر أهله، بأن خرج من المیقات، ولحق بموضع لأهله القران والتمتع کالبصرة =

اشہرِ حج سے پہلے عمرہ کرنے سے تمتع نہیں ہوتا

سوال[۵۱۲۲]: حج میں اگر حاجی ایامِ حج سے پہلے حجِ تمتع میں عمرہ کا احرام باندھ کر حرم میں داخل ہوا اور عمرہ کے سب کام کرے تو اس کا حجِ تمتع ہو جائے گا، یا اس کو پھر ایامِ حج میں عمرہ کرنا پڑے گا تب حجِ تمتع درست ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اَشہرِ حج شروع ہونے سے پہلے یعنی شوال شروع ہونے سے پہلے اگر عمرہ کیا اور پھر حج کیا تو وہ تمتع نہیں ہوگا (۱)، اشہرِ حج میں عمرہ کر کے حلال ہوکر پھر حج کے لئے احرام باندھ کر حج کرنے

= مثلاً أو نحوها، و اتخذ هناك داراً، أولم يتخذ هناك داراً، توطن بها أو لم يتوطن، ثم عاد إلى مكة، و حج من عامه ذلك، فهل يكون متمتعاً؟ ذكر في الجامع الصغير أنه يكون متمتعاً، ولم يذكر الخلاف. وذكر القاضي أيضاً أنه يكون متمتعاً، في ذ لهم. وذكر الطحاوي: أنه يكون متمتعاً في قول أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وهذا و ما إذا أقام بمكة، و لم يبرح منها سواء. و أما في قول أبي يوسف و محمد رحمهما الله تعالىٰ: فلا يكون متمتعاً، ولحوقه بموضعٍ لأهله التمتع والقران، و لحوقه بأهله سواء.

وجه قولهما: أنه لما جاوز الميقات، ووصل إلى موضع لأهل التمتع والقران، فقد بطل حكم السفر الأول، و خرج من أن يكون من أهل مكة ؛ لوجود إنشاء سفر آخر، فلا يكون متمتعاً كما لو رجع إلى أهله. و لأبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ: أن وصوله إلى موضعٍ لأهله القران والتمتع لا يُبطل السفر الأول ما لم يَعد إلى منزله: لأن المسافر ما دام يتردد في سفره، يعدّ ذلك كله منه سفراً واحداً، ما لم يَعدْ إلى منزله، و لم يعد ههنا، فكان السفر الأول قائماً، فصار كأنه لم يبرح من مكة، فيكون متمتعاً، و يلزمه هدي المتعة". (بدائع الصنائع، فصل: و أما بيان ما يحرم به: ۱۷۵/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ردالمحتار، باب التمتع: ۵۳۲/۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب القران والتمتع: ۲۹۰/۱، ۲۹۱، دار إحياالتراث العربي بيروت)

(۱) "لا يسمى تمتعاً إذا كان أحدهما في غير أشهر الحج، والآخر في أشهر الحج". (تبيين الحقائق، باب التمتع: ۳۳۸/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

"وعلم من هذا أن الاعتمار في سنة قبل أشهر الحج مانع من التمتع في سننه، الخ". (البحر الرائق،=

سے تمتع ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۷/ ۸/ ۸۷ھ۔

قارن کے لئے وطن کے اعتبار سے حرم میں قربانی افضل ہے

سوال [۵۱۲۳]: قارن قران کے شکر میں قربانی دینے کے بعد وہ اَور بھی قربانی جو اپنے وطن میں کرتا تھا وہاں کرے یا اپنی اولاد کو وطن میں قربانی کرنے کو کہہ دے۔ کون افضل ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کی طرف سے اس کی اولاد قربانی کردے گی اس کے کہنے کے مطابق، تو اس کی قربانی درست ہوجائے گی (۲)، لیکن حرم محترم میں قربانی کا اجر بہت زیادہ ہے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= باب التمتع: ۲/ ۶۴۵، رشيديه)

"الثامنة: واختلفوا فيمن أنشأ عمرةً في غير أشهر الحج، ثم عمل لها في أشهر الحج، فقال مالك: عمرته في الشهر الذى حل فيه، يريد إن كان حل منها في غير أشهر الحج، فليس بمتمتع، وإن كان حل منها في أشهر الحج، فهو متمتع، إن حج من عامه". (تفسير القرطبي، (سورة البقرة، آيت: ١٩٦): ٢/ ٢٦٤، دارالكتب العلميه بيروت)

(١) "أما المتمتع فالمعروف أنه الاعتماد في أشهر الحج، ثم التحلل من تلك العمرة، والإهلال بالحج في تلك السنة". (فتح الباري، باب التمتع والقران والإفراد بالحج، و فسخ الحج لمن لم يكن معه هدى: ٣/ ٥٣٩، قديمى)

(وكذا في نيل الأوطار، باب التخيير بين التمتع والإفراد والقران و بيان أفضلها: ٥/ ٣٩، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(وكذا في الدر المنتقىٰ شرح الملتقى المعروف بسكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، باب القران والتمتع: ١/ ٢٨٩، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(٢) "وكذا لك لولم يوص وأمر رجلاً أن يضحى عنه ولم يسم شيئاً، فهو جائز". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ٥/ ٣٠٦، كتاب الأضحية، الباب التاسع في المتفرقات، رشيديه)

(٣) "وجاءت أحاديث تدل على تفضيل ثواب الصوم وغيره من القربات بمكة إلا أنها في الثبوت ليست =

عمرہ کے بعد کیا بال منڈوانا لازم ہے؟

سوال[۵۱۲۴]: ۱......زید جدہ میں ملازم ہے، تقریباً ہر ہفتہ عمرہ کرتا ہے، عمرہ کے بعد باریک مشین سے بال کٹوادیتا ہے، استرہ سے نہیں مونڈتا ہے کیونکہ اس نے معلم الحجاج میں پڑھا ہے کہ بال کتروانے کی اجازت ہے اگرچہ مونڈوانا افضل ہے، ہر ہفتہ عمرہ کے بعد بال رگڑ کر مشین سے کٹوادیتا ہے، اسی طرح بہت سے عمرے کر چکا ہے۔ اس دفعہ عمرہ کے بعد کسی شخص نے بتایا کہ اس طرح جائز نہیں، بال منڈوانا لازم ہے۔ برائے مہربانی مجھے مطلع فرمائیں کہ یہ شخص تو اب تک اسی طرح بیسیوں عمرے کر چکا ہے، اب وہ کیا کرے؟ اس کا کیا علاج کرے جو کہ وہ کر چکا ہے؟

حج کے مہینوں میں بار بار عمرہ

سوال[۵۱۲۵]: ۲......کیا حج کے مہینوں میں عمرہ جائز ہے؟ معلم الحجاج والے بزرگ کہتے ہیں کہ جائز ہے، لیکن کئی دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ نا جائز ہے۔ صحیح جواب کا انتظار ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر مشین ایسی ہے کہ چھوٹے سے چھوٹا بال بھی کاٹ دیتی ہے تو اب کسی تدارک کی ضرورت نہیں، سب عمرہ درست ہوگئے، البتہ ایسی حالت میں احتیاط یہ ہے کہ استرہ پھیر دیا کریں(۱)۔

۲......عمرہ صرف ایام حج میں نہیں ہے بقیہ تمام سال جائز ہے(۲)، البتہ جو شخص تمتع کرے یعنی اشہرِ حج

= كأحاديث الصلاة فيها". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في مضاعفة الصلاة بمكة: ۲/ ۵۲۵، سعيد)

(۱) "فإن حلق رأسه بالنورة أجزأه، والموسىٰ أفضل، أما الجواز فلحصول المقصود، وهو إزالة الشعر، و أما أفضلية الحلق بالموسىٰ، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في أحكام الحلق والتقصير: ۳/ ۹۹، ۱۰۰، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الحج، باب الإحرام: ۲/ ۶۰۲، رشيديه)

(۲) "اتفق العلماء على أن العمرة تجوز في أي وقت من أوقات السَّنَة في أشهر الحج وغيرها، الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، باب وقت العمرة: ۳/ ۲۲، المكتبة الحقانيه پشاور) .... =

میں عمرہ کر کے حلال ہو جائے پھر اسی سال حج کرے تو بعض فقہاء نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ اشہرِ حج میں عمرہ کرنے کے بعد حج سے پہلے اگر عمرہ کرے گا تو تمتع باطل ہو جائے گا، مگر دوسرے فقہاء نے فرمایا ہے کہ جب دوسرا عمرہ کیا تو اس کے ذریعہ سے تمتع ہو جائے گا، علیٰ ہذا القیاس جتنے عمرے کرے گا اخیر عمرہ کے ذریعہ تمتع ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۳/ ۸/ ۹۳ھ۔

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تمتع سے منع کرنے کی وجہ

سوال[۵۱۲۶]: حج کی اقسامِ ثلاثہ سے تمتع کے اندر آدمی افعالِ عمرہ سے فارغ ہوکر مکہ معظّمہ میں ایامِ حج تک حلال ہوکر اپنے علاقائی لباس، وضع قطع، ہیئت، نیز خاندانی اور قومی خصوصیات وامتیازات کے ساتھ رہتا ہے، چونکہ اس صورت میں حجاج کرام میں باہمی علاقائیت کے جذبات ابھرنے، تخریب، گروہ بندی، نیز قومی خاندانی، ملکی عصبیت کے جذبات پیدا ہونے کا قوی امکان بلکہ یقین ہے جو مقصدِ حج یعنی اتحاد بین المسلمین، باہمی یگانگت مساوات وغیرہ کے منافی ہے، اس لئے دورِ خلافتِ راشدہ میں حضرات شیخین رضی اللہ

= "وقت العمرة السنة: أی أیامها كلها وقت لها: أی لجوازها، إلا أنه: أی الشأن يكره تحريماً: أی كراهة تحريم إحرامها فی الأيام الخمسة: أی المذكورة سابقاً، الخ". (مناسک الملا علی القاری، باب العمرة، فصل فی وقتها، ص: ۴۶۶، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية كراچی)

(وكذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السادس فی العمرة: ۱/ ۲۳۷، رشيديه)

(۱) "لو أحرم لعمرة قبل أشهر الحج فقضاها و تحلل و أقام بمكة، فأحرم بعمرة، ثم حج من عامه ذلک، لم يكن متمتعاً، فإن كان حين فرغ من الأولىٰ خرج، فجاوز الميقات قبل أشهر الحج، فأهلّ منه لعمرة فی أشهر الحج، و حج من عامه فهو متمتع. وإن كان جاوز الميقات فی أشهر الحج، لم يكن متمتعاً، إلا إذا خرج من أهله، ثم اعتمر، ثم حج من عامه عند أبی حنيفة رحمه الله تعالىٰ. وعندهما: هو متمتع جاوز الميقات قبل أشهر الحج أو بعدها، كذا فی محيط السرخسی". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب السابع فی القران والتمتع: ۱/ ۲۴۰، رشيديه)

(وكذا فی البدائع. فصل: و أما بيان ما يحرم به: ۳/ ۱۷۲، دار الكتب العلمية بيروت لبنان)

(وكذا فی البحر الرائق مع منحة الخالق، باب التمتع: ۲/ ۶۴۵، رشيديه)

تعالیٰ عنہما نے اپنے خلافت کے زمانہ میں تمتع پر بالکلیہ پابندی لگا رکھی تھی اور قطعاً کسی کو تمتع کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، لیکن پھر حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانۂ خلافت میں تیسیراً علی الناس تمتع کی اجازت دیدی اور لوگوں نے تمتع کیا۔ چنانچہ مذکورہ بالا مفاسد (علاقائیت کے جذبات، تخریب، گروہ بندی وغیرہ وغیرہ) امکان سے فعل میں آ گئے، لوگوں نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خلاف میٹینگیں کیں اور ان کے خلاف محاذ قائم کیا جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت پر منتج ہوا۔

دریافت طلب امر یہ ہے کہ حضراتِ شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں خود یا صحابہ یا تابعین میں سے کسی نے ان کے علم اور اجازت سے کبھی تمتع نہیں کیا؟ مذکورہ بالا خیال تاریخ، اقوال وآثار اور عملِ صحابہ ان کی روشنی میں صحیح ہے؟ اگر صحیح ہو تو اس کی تائید کی روایات اقوال وآثارِ صحابہ میں سے کچھ بطورِ مثال تحریر فرما کر ممنون فرمائیں۔

۲...... اگر یہ خیال صحیح نہ ہو بلکہ حضراتِ شیخین کے دور میں تمتع معمول بہ ہوا اور اس پر عام پابندی ونکیر نہ ہو، تو اقوال وآثارِ صحابہ میں سے کچھ اس کی تائید میں حوالہ کے ساتھ نقل فرما کر صحیح رہنمائی فرمائیں۔

۳...... حضراتِ شیخین کے دور میں قران یا اِفراد کی شکل میں حج ہوتا تھا اور طوافِ زیارت حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جبراً وکرہاً (حتی کہ دُرّے سے پٹائی کر کے) آفاقی حجاج کرام کو اپنے اپنے وطن واپس کر دیتے تھے اور مکہ معظمہ میں قیام نہیں کرنے دیتے تھے کیونکہ اب وہ احرام سے حلال ہو کر اپنے اصلی وضع قطع اور لباس وغیرہ میں آ گئے ہیں، اس لئے کہ کہیں مذکورہ بالا مفاسد پیدا نہ ہو جائیں۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جن بعض صحابہ- رضی اللہ تعالیٰ عنہم- نے حج وعمرہ ایک ساتھ کرنے کو منع فرمایا ہے اس کی **تین وجوہ** حافظ ابوبکر جصاص ؒ نے احکام القرآن میں لکھی ہیں: **ایک وجہ** یہ ہے کہ حج کی طرح عمرہ بھی مستقل عبادت ہے، اس کے لئے بھی مستقل سفر کیا جائے، جیسے کہ حج کے لئے کیا جاتا ہے، اس کو حج کے ضمن میں ادا کرنے سے اس کی استقلالی شان نہیں رہے گی۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح اوقات حج میں زائرین وطائفین سے بیت اللہ معمور رہتا ہے اسی طرح غیر اوقاتِ حج میں بھی معتمرین سے معمور رہے۔ **تیسری وجہ** یہ ہے کہ حجاج ومعتمرین سب ہی ایک وقت میں جمع

ہوں تو ازدحام زیادہ ہوکر سب کو ضیق ہوتی ہے، اس سے حفاظت رہے اور مناسک بہ آسانی ادا ہوں، لہٰذا جو کچھ اختلاف ہے وہ حظر واباحت کا اختلاف نہیں بلکہ افضلیت کا اختلاف ہے:

"وقد روى عن أصحاب النبى صلى الله تعالى عليه وسلم فى هذه المتعة رواياتٌ ظاهرها يقتضى الاختلاف فى إباحتها، وإذا حصلت، كان الاختلاف فى الأفضل، لا فى الحظر والإباحة". كذا فى أحكام القرآن: ١/٢٨٢(١)۔ "وذلك لمعان: أحدها: الفضيلة، ليكون الحج فى الأشهر المعلومة له، و يكون العمرة فى غيرها من الشهور. والثانى أنه أحب عمارة البيت ويكثر زواره فى غيرها من الشهور. والثالث: أنه راى إدخال الرفق على أهل الحرم بدخول الناس إليهم، فقد جاء ت بهذه الوجوه أخبار مفسرة عنه، اهـ". أحكام القرآن(٢)۔

پھر وہ اخبار بھی سند کے ساتھ نقل کی ہیں جن سے ان وجوہ پر استدلال مقصود ہے، اس کے بعد اپنی سند حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما تک پہونچا کر لکھا ہے:

"عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: سمعت عمر رضى الله تعالىٰ عنه يقول: "لو اعتمرت، ثم اعتمرت، ثم اعتمرت، ثم حججت لتمتعت". ففى هذا الخبر اختياره للمتعة، فثبت بذلك أنه لم يكن ما كان منه فى أمر المتعة على وجه النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وإنما كان على وجه اختيار المصلحة لأهل البلد تارةً و لعمارة البيت أخرىٰ". أحكام القرآن: ١/٢٨٥(٣)۔

(١) (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلى الحج: ١/٣٩٠، قديمى)
(٢) (أحكام القرآن للجصاص، المصدر السابق)

"وزعم من صحح نهى عمر عن التمتع، أنه إنما نهى عنه، لينتجع البيت مرتين أو أكثر فى العام، حتى تكثر عمارته بكثرة الزوار له فى غير الموسم، و أراد إدخال الرفق على أهل الحرم بدخول الناس تحقيقاً لدعوة إبراهيم". (تفسير القرطبى، (سورة البقرة، آيت: ١٩٦): ٢/٢٥٢، دارإحياء التراث العربى بيروت)

(٣) (أحكام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلى الحج: ١/٣٩٠، قديمى)
(و مصنف ابن أبى شيبة، باب فى المتعة من كان يراها أو يرخص فيها: ٣/٢٢٠، دار الكتب العلمية بيروت)

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے متعلق سنئے:

"عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہما: لأن اعتمر فی شوال، أو فی ذی القعدة، أو فی ذی الحجة فی شهر یجب علیّ فیه الهدی أحب إلیّ من أن أعتمر فی شهرٍ لا یجب علیّ فیه، اهـ". أحکام القرآن: ۱/۲۸۵ (۱)۔

بخاری شریف، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا زمانۂ حصار ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما میں عمرہ کے لئے جانا اور جب فتنہ کی وجہ سے بعض اولاد نہ جانے کا مشورہ دیا تو یہ فرمانا منقول ہے:

"عن نافع أن بعض بنی عبد اللّٰہ قال له: لو أقمت العام، فإنی أخاف أن لا تصل إلی البیت، قال: خرجنا مع النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فحال کفار قریش دون البیت، فنحر النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم هدایاه، وحلق، و قصر أصحابه، أشهدُکم أنی أوجبت عمرةً، فإن خلی بینی و بین البیت، طفتُ، وإن حیل بینی و بین البیت، صنعت کما صنع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم، فسار ساعةً، ثم قال: ما أری شانهما إلا واحدة، أشهِدُکم أنی قد أوجبت حجةً مع عمرة، اهـ". بخاری شریف، ص: ۶۰۱ (۲)۔

امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد اشکال باقی نہیں رہے گا۔

تنبیه: حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمتع سے منع فرمایا اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اجازت دی ہے، کما فی أحکام القرآن: ۱/۲۸۵ (۳)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۱/۸۵ھ۔



(۱) (أحکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/۳۹۰، قدیمی)
(وکذا فی حاشیة موطا الإمام مالک، باب ماجاء فی التمتع، ص: ۳۵۴ مکتبہ میر محمد کراچی)

(۲) (صحیح البخاری، باب غزوة الحدیبیة، لقول اللہ تعالیٰ: ﴿لقد رضی اللہ عن المؤمنین إذیبایعونک تحت الشجرة﴾ الآیة: ۲/۶۰۱، قدیمی)

(۳) "وعن قتادة قال: سمعت جریّ بن کلیب یقول: رأیت عثمان ینهی عن المتعة وعلیٌّ یأبها، الخ". (أحکام القرآن للجصاص، سورة البقرة، باب التمتع بالعمرة إلی الحج: ۱/۳۹۰، قدیمی)

باب الحج عن الغیر

(حجِ بدل کا بیان)

حجِ بدل

سوال[۵۱۲۷]: جس شخص نے اپنا حجِ فرض پہلے ادا نہ کیا ہو، وہ دوسرے کی طرف سے حجِ بدل کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

مکروہ ہے، بحر: ۳/۷٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایضاً

سوال[۵۱۲۸]: زید کی تجارت اور کاروبار مدراس شہر میں تھا اور اصل مکان اور اہل وعیال مدراس سے ۵۷/میل کے فاصلہ پر ہے، زید مدراس سے ہفتہ عشرہ میں ایک مرتبہ وطن آیا کرتا تھا، اس اثناء میں زید نے حج کا قصد کیا، حج کی تیاری سے فارغ ہوکر مکان سے رخصت ہوتے ہوئے مدراس پہنچا اور حج کے ٹکٹ بھی خرید لئے، بمبئی کے ریل پر سوار ہونے کے قبل دفعتاً بیمار ہوکر ایک ہفتہ کے عرصہ میں اس بیماری میں انتقال ہوگیا۔ ایسی صورت میں زید سے فریضۂ حج ساقط ہوا یا نہیں؟ اگر نہیں تو اس کا بدل کرانا ہے یا نہیں؟

---

(۱) "ثم المصنف رحمه الله تعالیٰ لم یقید الحاج عن الغیر بشيء لیفید أنه یجوز إحجاج الصرورة: و هو الذی لم یحج أولاً عن نفسه، لکنه مکروه، کما صرحوا به، الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۱۲۳/۳، رشیدیه)

(وکذا فی إرشاد الساری، باب الحج عن الغیر، ص: ۳۰۰، مصطفی محمد مصر)

(وکذا فی رد المحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی حج الصرورة: ۲/۲۰۳، سعید)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگراسی سال زید کے ذمہ حج فرض ہوا تھا اوراس سے قبل زید میں اتنی وسعت نہ تھی کہ اس پر حج فرض ہوتا اور وقتِ حج آنے سے پیشتر زید انتقال کر گیا تو زید کے ذمہ میں حج نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں، کیونکہ ادائے حج کے لئے زید نے کوئی وقت نہیں پایا۔ اس سال سے قبل حج فرض نہیں ہوا وُسعت نہ ہونے کی وجہ سے، اس سال وسعت ہوئی، اور زید نے ارادہ ہی کرلیا مگر قضائے الٰہی سے وقتِ ادائے حج سے قبل انتقال ہوگیا۔

اگراس سے قبل اس کے ذمہ حج فرض ہو چکا تھا اوراس نے ادانہیں کیا، امسال یہ واقعہ پیش آیا تو زید کے ذمہ فرض باقی رہ گیا اور نہ کرنے سے گناہ گار رہا، اس کے ذمہ واجب تھا کہ مرنے سے پہلے اپنی طرف سے حج کرانے کی وصیت کرتا، پس اگر وصیت کی ہے تو حسبِ وصیت تو اس کی طرف سے حج کرانا فرض ہے (۱)، لیکن اس کے ترکہ میں سے ایک ثلث مال سے اس کی وصیت کا پورا کرنا فرض ہے، اگر ایک ثلث میں حج ہوسکتا ہے تب تو خیر، ورنہ اگر ورثاء بالغ ہوں اور وہ اجازت دیں تب بھی حج کرادیا جائے۔

اگر ایک ثلث میں حج نہ ہوسکتا ہو اور ورثاء نابالغ ہوں یا ورثہ بالغ ہوں، اگر ایک ثلث سے زائد خرچ کرنے کی اجازت نہ دیں (۲) (ایک ثلث تو بغیر اجازت کے بھی خرچ کرنا ضروری ہے) تو جس جگہ ثلث میں سے حج ادا ہوسکے، حج کرانا کافی ہوگا (۳)۔

---

(۱) "وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و يجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج عنه يجوز عند استجماع شرائط الجواز". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۲۹۲/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج، ۲۵۸/۱، رشيديه)

(۲) "فإن أجازت الورثة و هم كبار، جاز، وإن لم يجيزوا، لا يجوز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۲۵۹/۱، رشيديه)

(وكذا في الفتاوى التاتارخانيه، كتاب المناسک، الوصية بالحج: ۵۵۶/۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۲۱۳/۲، سعيد)

(۳) "الحادي عشر أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث، وإلا فمن حيث يبلغ، كماسيأتي بيانه". (ردالمحتار، مطلب: شروط الحج عن الغير عشرون: ۲۰۰/۲، سعيد) .... =

اگر وصیت نہیں کی تو ورثہ کے ذمہ حج کرانا ضروری اور فرض نہیں، تاہم اگر بالغ ورثا اپنے روپیہ سے (خواہ وہ روپیہ زید کے ترکہ سے ہی ملا ہو) حج کرادیں تو زید کو ثواب پہونچ جائے گا (۱)۔

"خرج المكلف إلى الحج، و مات في الطريق، وأوصى بالحج عنه، إنما تجب الوصية به إذا أخره بعد وجوبه، أما لو حج عن عامه فلا، فإن فسر المال أو المكان، فالأمر عليه: أي على ما فسره، و إلا فيحج عنه من بلده إن وفى به ثلثه، وإن لم يف فمن حيث يبلغ استحساناً". درمختار: ۲/۳۷۳ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۵/ ذی الحجہ/ ۵۶ھ۔

ایضاً

سوال [۵۱۲۹]: حاجی صاحبان کو چندہ کر کے یا کچھ لوگ اپنی خواہش سے اپنے صرفہ سے حج کے

= (وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك الوصية بالحج: ۲/۵۵۲، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۱/۲۵۹، رشيديه)

(۱) "و من مات وعليه فرض الحج و لم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حج، و أرجوا أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ". (التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۲/۵۶۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۶، مصطفى محمد مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/۶۰۲ سعيد)

"فيجب عليه أن يوصي به، فإن لم يوص به حتى مات، أثم بتفويته الفرض عن وقته مع إمكان الأداء في الجملة". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۳/۲۹۱، دارالكتب العلميه بيروت)

لئے روانہ کریں تو اسکے لئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص حج کو نہ جاسکے وہ اپنی طرف سے یا کسی میت کی طرف سے حجِ بدل کو بھیجے تو یہ درست ہے، جس کی طرف سے حج کیا جائے گا اس کا حج ادا ہو جائے گا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۱۱/۹۰ھ۔

والد اور دادا کی طرف سے بغیر وصیت کے حجِ بدل کرانا

سوال [۵۱۳۰]: ایک شخص حج کے لئے جارہا ہے اور اپنے ساتھ دو شخصوں کو اپنے سرمایہ سے لے جارہا ہے، اس کا خیال ہے کہ ان دونوں سے اپنے والد اور دادا کی طرف سے حج کراؤں مگر والد اور دادا کی طرف سے حج کی کوئی وصیت نہیں ہے، محض تبرعاً یہ ان کی طرف سے حج کرارہا ہے تو حجِ بدل کرانا اپنے والد اور دادا کا زیادہ بہتر ہے یا نفلی حج اپنی طرف سے کرنا بہتر ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اپنی طرف سے حجِ بدل کراکے والد اور دادا کو ثواب پہونچادے (۲)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "فمن عجز عن حج الفرض، فأحج غيره صح حجه، و يقع عنه: أي يقع عن الآمر أصل الحج". (الدر المنتقىٰ شرح ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۸، دار إحياء التراث بيروت)

"وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان بإحجاج غيره إذا كان المُحِجّ وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، و دام عجزه إلى أن مات، الخ". (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۲/۵۴۵، إدارة القرآن كراچى)

"وإن أذن له الآمر بذلك: أي بدفع المال إلى غيره عند حصول عجزه، جاز: أي وقوع الحج عنه، أو جاز دفع المال إلى غيره ليحج عنه". (إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۳، مصطفى محمد مصر)

(۲) "والأصل فيه أن الإنسان له أن يجعل ثواب عمله لغيره صلاةً أو صوماً أو صدقةً .... أو حجاً أو =

حجِ بدل میں والدین کی طرف سے قِران وغیرہ کی نیت کرنا

سوال[۵۱۳۱]: اپنے والدین کی طرف سے حج بدل کرنے میں عربی میں حجِ قران کی نیت، طواف کی نیت اور قربانی کے وقت منی کی جگہ پر ماں یا باپ کا نام لیا جائے، یا صرف یہ کہے کہ اپنے والد بزرگوار کی طرف سے یا اپنی والدہ محترمہ کی طرف سے نیت کر رہا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نیت تو اصالۃً دل سے ہوتی ہے، زبان سے عربی میں کہے یا اردو میں ہر طرح درست اور کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند۔

کیا حج بدل میں نام لینا ضروری ہے؟

سوال[۵۱۳۲]: حجِ بدل میں لبیک پڑھتے وقت جس کی جانب سے حج بدل کیا جاتا ہے اس کا نام بھی لبیک میں ملانا ضروری ہے، اگر ضروری ہے تو اس کی کیا صورت ہوگی؟ پوری تفصیل سے لکھیں اور کس جگہ تلبیہ

= عمرةً أو غير ذلك .... والظاهر أنه لا فرق بين أن ينوى به عند الفعل للغير، و يفعله لنفسه، ثم بعد ذلك يجعل ثوابه لغيره". (البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۰۵/۳، ۱۰۶، رشيديه)

"والأصل أن كل من أتى بعبادةٍ مّا، له جعل ثوابها لغيره وإن نواها عند الفعل لنفسه، لظاهر الأدلة". (الدر المختار، باب الحج عن الغير ۵۹۵/۲، ۵۹۶، سعيد)

(وكذا فى مناسك الملا على القارى، باب الحج عن الغير، ص: ۴۳۳، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "(وينوى النائب عنه) الحج (فيقول: لبيك بحجة عن فلان) .... وإن اكتفى بنية القلب، جاز. ولو نسى اسمه فنوى عن الآمر، صح". (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۳۰۸/۱، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"وبشرط نية الحج عنه: أى عن الآمر فيقول: أحرمتُ عن فلان ولبيتُ عن فلان. ولو نسى اسمه فنوى عن الآمر، صح، و تكفى نية القلب". (الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب فى الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۵۹۸/۲، سعيد)

(وكذا فى إرشاد السارى، باب الحج عن الغير، ص: ۲۹۲، مصطفى محمد مصر)

میں نام لیا جائے اور پورا تلبیہ لکھ کر بھیجیں تا کہ حجِ بدل صحیح ہو جائے۔ عام طور پر لوگ جاتے ہیں اور اپنی ذاتی حج کی طرح نسبت وغیرہ کرتے ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

کوئی ضروری نہیں ہے، دل میں یہ نیت کافی ہے کہ فلاں شخص کی طرف سے احرام باندھتا ہوں۔ اگر احرام کے وقت اس کی طرف سے احرام کی نیت نہیں کی اور اعمالِ حج شروع کر دیئے تو حجِ بدل صحیح نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

حجِ بدل کے لئے ذوالحلیفہ سے احرام

سوال [۵۱۳۳]: حج بدل میں جانے والے کے لئے حج سے پہلے مدینہ جانا اور ذوالحلیفہ (بیرِ علی) سے احرام باندھنا درست ہے یا نہیں؟ جب کہ آمر کی میقات سمندر میں محاذاتِ یلملم ہے۔ کیا اس میں آمر کا حج خراب ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اذنِ آمر سے درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

---

(۱) "ویشترط نیة الحج عنه: أی عن الآمر فیقول: أحرمتُ عن فلان ولبیتُ عن فلان. ولو نسی اسمه فنوی عن الآمر، صح، وتکفی نیة القلب". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدینؒ: "(قوله: ولو نسی اسمه ولو أحرم مبهماً: أی بأن أحرم بحجة وأطلق النیة عن ذکر المحجوج عنه، فله أن یعینه من نفسه أو غیره قبل الشروع فی الأفعال، کما فی اللباب وشرحه". (ردالمحتار: ۵۹۸/۲، ۵۹۹، سعید)

(وکذا فی ارشاد الساری، باب الحج عن الغیر، ص: ۲۹۲، مکتبه مصطفیٰ محمد مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۱۱۲/۳، ۱۱۳، رشیدیه)

(۲) "(الثامن أن یحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث): أی ثلث مال المیت (وإن لم یتسع): أی الثلث=

مامور بالحج کا پہلے مدینہ طیبہ جانا

سوال[۵۱۳۴]: (الف) حجِ بدل والے کوتمتع کرنامحتاط علماء منع کرتے ہیں، اب آج کل جہازوں

= (يحج عنه من حيث يبلغ) .... (ولو أوصى): أى من له وطن (أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما أوصى): أى على وفق ما أوصى به (قرب) أى ذلك المكان الوصى به (من مكة أو بعد) .... اهـ". (المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط)

وفى ارشاد السارى: "قوله من حيث يبلغ : أقول : فيه أنه لو كان ثلثه لا يسع إلا بأن يحج من مكة، فظاهره جواز ذالك، ويحج به عنه من مكة، لكن من جملة الشروط على ما ستقف عليه أن ميقات الآمر شرط لجواز ذلك، فلو أحرم المأمور من مكة، لايصح . وإطلاق المتن هنا يقتضى الجواز، ولم أر من تعرض لذلك، ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلك عند الإطلاق، وأما عند التعيين فلا، كما سيصرح به الشيخ رحمه الله بقوله: ولو أوصى بأن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما لو أوصى". (إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، فصل فى شرائط جواز الحج، ص: ۴۸۳، ۴۸۴، دارالكتب العلميه بيروت)

"میرامشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والاشخص آمر سے ہرقسم کے احرام کی اجازت لے لےاور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے دوتین ذی الحجہ کومیقات (ذوالحلیفہ) اگر حج افراد کا احرام باندھے، پھر مکہ آجائے، اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑےگا:

"قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل رحمه الله تعالىٰ: إذا أمر غيره بأن يحج عنه ينبغى أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عنى بهذا المال كيف شئتَ، إن شئتَ حجةً، وإن شئت حجةً وعمرةً، وإن شئت قراناً". (فتاوىٰ قاضى خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۳۰۷ . (زبدة المناسك: ۲/۱۵۸)

(وكذا فى فتاوىٰ رحيميه، كتاب الحج، حج بدل کے متعلق احکامات، حج بدل والا کون سا احرام باندھے؟: ۸/۱۲۸، ۱۲۹، دارالإشاعت كراچى)

(وكذا فى جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مكتبه دار العلوم كراچى)

(وكذا فى أحسن الفتاوى: ۴/۵۲۳، سعيد)

(وكذا فى معلم الحجاج، ص: ۴۲۸ إدارة القرآن كراچى)

کے ٹکٹوں کا معاملہ کچھ ایسا ہے کہ کبھی بہت پہلے جانے کی صورت ہوجاتی ہے، اس لئے حج بدل میں جانے والے بعض ذی علم یہ صورت کرتے ہیں کہ پہلے مدینہ منورہ چلے جاتے ہیں اور وہاں سے واپسی میں ذوالحلیفہ سے حج بدل کے لئے اِفراد کا احرام باندھتے ہیں۔ایسا کرنے میں کوئی حرج تو نہیں؟ کیا یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟ کیا اس کے لئے بھی بھیجنے والے کی اجازت ضروری ہے؟

(ب) اسی طرح اگر بھیجنے والے کی اجازت سے حجِ بدل والا قبل از رمضان جاوے اور بیس پچیس رمضان تک مکہ مکرمہ میں ٹھہر کر اشہرِ حج شروع ہونے سے پہلے مدینہ چلا جاوے، پھر ابتدائے ذی الحجہ میں وہاں سے حجِ بدل کے لئے اِفراد کا احرام باندھ کر آئے تو جائز ہے یا نہیں؟

شبیر محمود سورتی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

(الف) آمر کی اجازت سے ایسا کرنا درست ہے۔

(ب) یہ بھی اجازت سے درست ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) "(الثامن أن يحج عنه من وطنه إن اتسع الثلث): أى ثلث مال الميت (وإن لم يتسع): أى الثلث (يحج عنه من حيث يبلغ) .... (ولو أوصى): أى من له وطن (أن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما أوصى): أى على وفق ما أوصى به (قرب) أى ذلك المكان الوصى به (من مكة أو بعد) .... اهـ". (المسلك المتقسط فى المنسك المتوسط)

وفى ارشاد السارى: "(قوله: من حيث يبلغ): أقول: فيه أنه لوكان ثلثه لا يسع إلا بأن يحج من مكة، فظاهره جواز ذالك، ويحج به عنه من مكة، لكن من جملة الشروط على ما يستقف عليه أن ميقات الآمر شرط لجواز ذلك، فلو أحرم المأمور من مكة لايصح. وإطلاق المتن هنا يقتضى الجواز، ولم أر من تعرض لذلك، ويمكن أن يجاب عنه بأن ذلك عند الإطلاق، وأما عند التعيين فلا كما سيصرح به الشيخ رحمه الله يقوله: ولو أوصى بأن يحج عنه من غير بلده يحج عنه كما لو أوصى". (ارشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، فصل فى شرائط جواز الحج، ص: ۴۸۳، ۴۸۴، دارالكتب العلميه بيروت) .... =

حجِ بدل والے کو مدینہ طیبہ پہلے جانا

سوال[۵۱۳۵]: ہندوستان سے حج بدل کرنیوالے اگر جدہ سے سیدھے مدینہ شریف چلے جائیں اور حج کے قریب کے دنوں میں اِفراد کا احرام باندھ کر حج کریں تو کسی قسم کی قباحت تو نہیں؟ اگر ایسا حاجی رمضان سے پہلے والے جہاز سے سفر کرے اور سیدھا مکہ شریف جائے اور شوال آنے سے پہلے وہاں سے مدینہ شریف چلا جائے اور آخر میں اِفراد کا احرام باندھ کر حج کرے تو اس میں کوئی قباحت تو نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آمر کی طرف سے اجازت ہو تو اس میں کوئی قباحت نہیں، دونوں صورتیں اختیار کرسکتا ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۶/۸۹ھ۔

= "میرا مشورہ یہ ہے کہ حج بدل میں جانے والا شخص آمر سے ہر قسم کے احرام کی اجازت لے لے اور سب سے پہلے مدینہ طیبہ جاوے، وہاں سے دو تین ذی الحجہ کو میقات (ذوالحلیفہ) اگر حجِ افراد کا احرام باندھے، پھر مکہ آجائے اس صورت میں آٹھ روز احرام کی حالت میں رہنا پڑے گا۔

"قال الشیخ الإمام أبوبکر محمد بن الفضل رحمه الله تعالیٰ: إذا أمر غیره بأن یحج عنه ینبغی أن یفوّض الأمر إلی المأمور، فیقول: حجّ عنی بهذا المال کیف شئتَ، إن شئت حجةً، وإن شئتَ حجةً وعمرةً، وإن شئت قراناً". (فتاویٰ قاضی خان علی هامش الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۳۰۷". (زبدة المناسک: ۲/۱۵۸)

(وکذا فی فتاویٰ رحیمیه، کتاب الحج، حج بدل کے متعلق احکامات، حج بدل والا کون سا احرام باندھے؟: ۸/۱۲۸، ۱۲۹، دارالإشاعت کراچی)

(وکذا فی جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مکتبه دار العلوم کراچی)

(وکذا فی أحسن الفتاوی: ۴/۵۲۳، سعید)

(وکذا فی معلم الحجاج، ص: ۴۲۸ إدارة القرآن کراچی)

(۱) "ودم القران والتمتع والجنایة علی الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فیصیر مخالفاً فیضمن". (الدرالمختار، باب الحج عن الغیر، مطلب العمل علی القیاس دون الاستحسان هنا": ۲/۶۱۱، سعید) =

حج بدل میں پہلے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حاضری

سوال[۵۱۳۶]: ۲۸/شوال المکرّم کے جہاز سے میں حجِ بدل کے لئے روانہ ہورہا ہوں، جو۵/ ذیقعدہ تک جدہ پہونچے گا۔ موسم سرما کی وجہ سے پہلے مدینہ منورہ جانے کے بجائے عمرہ کا احرام باندھ کر مکۃ المکرّمہ جانے کا خیال تھا، مگر معلوم یہ ہوا کہ بدل میں حج کرنے والا صرف افراد کرسکتا ہے، تمتع کی کوئی گنجائش نہیں، اگر ایسا ہے تو اولاً مدینہ منورہ جانا ناگزیز ہوجائے گا، کیونکہ اس موسم میں ایک مہینہ دس روز تک حالتِ احرام میں رہنا تو بہت دشوار ہے، لہٰذا مسئلہ کی تحقیق مقصود ہے۔ اگر جدہ سے مکہ مکرمہ جاکر عمرہ کے حلال ہوجانے کی کوئی شرعی گنجائش ہوتو بتلادیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

سفرِ مبارک مبارک ہو

زهے سعادتِ بنده که کرد نزول گهے به بیتِ خدا وگهے به بیتِ رسول

حق تعالیٰ بہت سہولت وعافیت کے ساتھ جملہ مناسک پورے کرائے اور ہر قسم کی جنایت سے محفوظ رکھے، مقاماتِ مقدس کے آداب کی رعایت پوری توفیق دے، بہت ہی اعزاز واکرام کے ساتھ ترقیات سے نوازے۔ روزۂ اقدس پر اس سیاہ کار کی طرف سے بھی صلوۃ وسلام پیش فرماویں۔

آپ جدہ سے اتر کر پہلے دراقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر حاضری دیں، پھر وہاں کی شفاعت اور دعاء ساتھ لے کر مکہ مکرمہ حاضر ہوں، یہی اسلم وارجح ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۱۰/۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۱/۱۰/۸۹ھ۔

= (وكذا في جواهر الفقه: ۵۰۸/۱، مكتبه دار العلوم كراچى)

(وكذا في فتاوى رحيميه: ۳۱۲/۸، ۳۱۳، دار الإشاعت كراچى)

(وكذا في أحسن الفتاوى: ۵۲۳/۴، سعيد)

(۱) جب کہ مذکورہ خدشات اوراعذار سامنے ہوں تو اس صورت میں حجِ بدل والا شخص زیارتِ مدینہ کو حج پر مقدم کرسکتا ہے:

"وزيارة قبره مندوبة، بل قيل واجبة لمن له سعة، ويبدأ بالحج لو فرضاً، ويخير لو نفلاً، مالم =

حجِ بدل میں تمتع

سوال[۵۱۳۷]: مشہور واعظ حضرت شاہ ولی صوفی مولانا محمد روح الامین مفتیٔ اعظم جمعیۃ العلماء بنگال جوکہ ایک زبردست اور محقق عالم گذرے ہیں، ان کی تصنیف کردہ کتاب مسائل حج، ص: ۱۳۰، میں انہوں نے یہ بات تحریر فرمائی ہے کہ:

''منیب یاوصی اگر نائب کو پورا اختیار دے دے تو اس کے تمتع کرنا بلاشبہ جائز ہے اور اس سے حج بھی ادا ہوجاتا ہے''۔

مگر حضور عالی کا لکھا ہوا فتویٰ جوکہ معلم الحجاج میں مرقوم ہے، اس کے بالکل خلاف معلوم ہوتا ہے(۱)،

= مالم یمرّ به فیبدأ بزیارته لامحالة". (الدرالمختار). "قال فی شرح اللباب: وقد روی الحسن عن أبی حنیفة أنه إذا كان الحج فرضاً، فالأحسن أن يبدأ بالحج، ثم يثنی بالزیارة. وإن بدأ بالزیارة، جاز، اهـ. وهو ظاهر؛ إذ یجوز تقدیم النفل علی الفرض إذا لم یخش الفوات بالإجماع". (ردالمحتار، کتاب الحج، باب الهدی، مطلب فی تفضیل قبره المكرم –صلی الله تعالیٰ علیه وسلم–: ۲/۶۲۷، سعید)

قال مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ: إنها أفضل المندوبات، وفی مناسک الفارسی وشرح المختار أنها قریبة من الوجوب لمن له سعة. والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم یثنی بالزیارة. وإن كان نفلاً بالخیار". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الحج، خاتمة فی قبر النبی صلی الله تعالیٰ تعالیٰ علیه وسلم مطلب: زیارة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۱/۲۶۵، رشیدیه)

قال مشایخنا رحمهم الله تعالیٰ: من أفضل، وفی مناسک الفارسی وشرح المختار أنها قریبة من الوجوب لمن له سعة، روی الدار قطنی، والبزاز عنه –علیه الصلوة والسلام–: "من زار قبری وجبت له شفاعتی، وأخرج الدار قطنی أیضاً "من حج وزار قبری بعد موتی، كان كمن زارنی فی حیاتی". هذا، والحج إن كان فرضاً، فالأحسن أن يبدأ به، ثم یثنی بالزیارة. وإن كان تطوعاً، كان بالخیار". (فتح القدیر، کتاب الحج، مسائل منشورة، المقصد الثالث فی زیارة قبر النبی –صلی الله تعالیٰ علیه وسلم–: ۳/۱۷۹، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۱) مفتی سعید احمد رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''آمر کی مخالفت نہ کرنا، اگر آمر نے افراد یعنی صرف حج کا حکم کیا تھا اور مامور نے تمتع کیا تو مخالف ہوگا اور ضمان واجب ہوگا اور حج مامور کا ہوگا۔ اسی طرح اگر قران کیا تو بھی مخالف ہوگا اور ضمان =

= دینا ہوگا۔ البتہ قران آمر کی اجازت سے کرنا جائز ہے، لیکن دمِ قران اپنے پاس سے دینا ہوگا، آمر کے روپے سے دینا جائز نہیں۔ اور تمتع کرنا اجازت سے بھی جائز نہیں، اگر اجازت سے تمتع کرے گا تو گو مامور پر ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا

(وفی حاشیتہ) "حج بدل کرنے والے کو آمر کی بلا اجازت تمتع کرنا کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، لیکن اگر آمر تمتع کی اجازت دے دے تو بعض علماء جائز کہتے ہیں، مگر محققین کی رائے یہی ہے کہ حج بدل والے کو آمر کی اجازت سے بھی تمتع کرنا جائز نہیں، اگر تمتع اجازت سے کرے گا تو گو ضمان نہ ہوگا، لیکن آمر کا حج ادا نہ ہوگا۔

امام الناسکین ملا علی القاری نے شرح لباب میں اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی (نور اللہ مرقدہ) نے زبدۃ المناسک میں عدمِ جواز ہی کو اختیار کیا ہے اور حضرت الاستاذ مولانا خلیل احمد صاحب مہاجر مدنی شارح سنن أبی داؤد (برد اللہ مضجعہ) بھی عدمِ جواز ہی کا فتویٰ دیتے تھے۔

اس لئے حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کر کے آمر کے حج کو خراب نہ کرنا چاہیے اور آمر کو چاہیے کہ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے"۔ سعید احمد غفرلہ۔ (معلم الحجاج، حج بدل کے شرائط، ص: ۳۳۵، ۳۳۶، إدارۃ القرآن کراچی)

[تنبیہ] : حجِ بدل میں قران اور افراد کا جواز محقق ہے، لیکن اگر کوئی شخص اس میں تمتع کرے تو اس کی بھی گنجائش فقہائے کرام کی عبارات میں ہے، اردو فتاویٰ اور اس طرح عربی فتاویٰ میں اس کا جواز ملتا ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"خاکسار کے پاس عدۃ ارباب الفتویٰ اور فتاویٰ اسعدیہ موجود نہیں، اپنے پاس کی موجودہ کتابوں میں جہاں تک میں نے غور کیا، مجھے یہ معلوم ہوا کہ حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران اور تمتع کرسکتا ہے............اھ۔

لیکن اس عدمِ جواز کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میقات آمر سے احرام باندھا جانا شرط تھا، بلکہ عدم جواز کی وجہ مخالفت آمر ہے اور جب کہ آمر نے صرف حج کا امر کیا ہو تو اس وقت بظاہر یہی ہے کہ اس کا حکم ایسے ہی حج سے متعلق ہوگا جس کا احرام میقات سے باندھا گیا ہو تو اس ظاہرِ حال کی دلالت سے مطلقِ حج کی آمر کو حج عن المیقات کے ساتھ فقہاء نے مقید کردیا ہے اور اس صورت میں نہ صرف تمتع بلکہ =

بہر کیف جو قابلِ ترجیح بات ہو عنایت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اور بھی بعض علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے، لیکن ہمیں کتبِ فقہ: شامی، بحر، غنیہ وغیرہ سے وہی راجح معلوم ہوا جو معلم الحجاج میں مذکور ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/۱۲/۶۷ھ۔

= قران کو بھی مخالفتِ آمر کی مد شمار کیا ہے، حالانکہ قارن کا حج آفاقی ہے نہ مکی:

"فيصير مخالفاً بالقران أو التمتع، كما مر" (درمختار) "ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلافيصر مخالفاً، فيضمن، انتهى"، (درمختار: ۲/۱۱۶)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوگیا کہ اگر حاج عن الغیر آمر کی اجازت سے قران یا تمتع کرے تو جائز ہے"۔ (كفايت المفتي، كتاب الحج: ۴/۳۵، ۳۴۶، دارالاشاعت كراچی)

(وكذا في أحسن الفتاویٰ، كتاب الحج: ۴/۵۲۳، سعيد)

(۱) "(وينبغي للآمر أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عني): أي بهذا (كيف شئتَ مفرداً أوقارناً أو متمتعاً) فيه أن هذا القيد سهوٌ ظاهرٌ؛ إذِ التفويض المذكور في كلام المشايخ مقيدٌ بالإفراد والقران لاغير، ففي الكبير: قال الشيخ الإمام أبوبكر محمد بن الفضل: إذا أمر غيره أن يحجّ عنه، ينبغي أن يفوّض الأمر إلى المأمور، فيقول: حجّ عني بهذا كيف شئتَ، إن شئت حجةً، وإن شئتَ فاقرنْ. والباقي من المال وصية له، لكي لايضيق الأمر على الحاج، ولايجب عليه الرد إلى الورثة، انتهى كلامه.

وقد سبق أيضاً أن من شرط الحج عن الغير أن يكون ميقاتياً افاقياً وتقرر أن بالعمرة ينتهي سفره إليها ويكون حجه مكياً. وأما ما في قاضيخان من التخيير بحجة أو عمرة وحجة أو بالقران، فلا دلالة على جواز المتمتع؛ إذ الواو لاتفيد الترتيب، فيحمل على حج وعمرة بأن يحج أولاً عنه، ثم يأتي بعمرة أيضاً فتدبر؛ فإنه موضع خطرٍ". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط)

في إرشاد الساري "(قوله: إن هذا القيد سهو ظاهر) قال القاضي عيد في شرحه لهذا الكتاب: =

ایضاً

سوال[۵۱۳۸]: جیسا کہ معلم الحجاج میں ہے کہ ''اگر زندہ ہواور اس کی طرف سے تمتع کی اجازت ہوتو کرسکتا ہے''۔ اور یہ کہ معلم الحجاج میں اس مسئلہ سے کوئی تعرض نہیں، وہ مسئلہ وصیت کرنے کی صورت میں ہے۔ اب حضرت والا مزید اطمینان کے لئے تحریر فرمائیں۔ مولانا سعید احمد خان صاحب نے یہ جواب دیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

معلم الحجاج میں حج بدل کے مسائل کے تحت یہ تشریح وتفصیل نہیں ہے کہ: ''اگر زندہ ہے تو یہ حکم ہے، مرگیا ہے تو یہ حکم ہے'' بلکہ مطلقاً حجِ بدل میں تمتع کو منع کیا ہے اگرچہ آمر کی طرف سے اجازت ہوحتی کہ حاشیہ معلم الحجاج، ص: ۳۰۷ میں تصریح کی ہے:

''حج بدل والوں کو محض سہولت اور احرام کی طوالت سے بچنے کے لئے تمتع کرکے اس کے حج کو خراب نہ کرنا چاہئے اور اس کو چاہئے کہ حجِ بدل کرنے والے کو خاص طور سے ہدایت کردے کہ تمتع نہ کرے''(۱)۔

ظاہرِ عبارت سے تو یہ استفادہ ہوتا ہے کہ آمر زندہ ہے، اگر زندہ نہ بھی ہوتب بھی اس کے امر کے بعد مرگیا ہوتو اس کے امر کی پابندی دونوں حالت میں مامور کو لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/۱۰/۸۹ھ۔

= ولايخفى أن هذا سهو منه، لأن الميت لو أمره بالتمتع فتمتع المأمور، صح، ولايكون مخالفاً بلا خلاف بين الأئمة الأسلاف، فيدبر". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مع ارشاد الساري، فصل في النفقة، ص: ۵۰۳، ۵۰۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) (معلم الحجاج، ص: ۴۲۸ إدارة القرآن كراچی)

''تنبیه: پھر بھی احتیاط اس میں ہے کہ حجِ بدل میں تمتع نہ کیا جاوے کہ مسئلہ مختلف فیہ ہے''۔ (زبدة المناسك مع عمدة المناسك، ص: ۴۵۶، سعيد)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۱۲، دارالعلوم كراچی)

ایضاً

سوال[۵۱۳۹]: ایک شخص حج کے لئے جارہاہےاوراپنے ساتھ والدین کی طرف سے بغیر وصیت کئے ہوئے حجِ بدل کے لئے دوشخصوں کواپنے خرچ سے لے جارہاہے، یہ دونوں شخص اگر حجِ بدل کریں بغیر کسی وصیت کےتو کیاان کے لئے یلملم ہی سے احرام باندھنا ضروری ہے؟اگر یہاں سےاحرام باندھاجائے توبڑالمبا زمانہ احرام کاہوجائے گا،اس کی پابندیوں کانبھانامشکل ہے۔اگر یہ دونوں جدہ سے مدینہ پاک سیدھے جائیں توبھی جس مقصد کے لئے ان کوساتھ لیاہے، وہ فوت ہوجائے گااورسب رفقاء کاسیدھے مدینہ جانامشکل ہے۔تو کیااس کی گنجائش ہے کہ میقات سے عمرہ کااحرام باندھیں اورمکۃ المکرّمہ جاکرعمرہ کے ارکان سے فارغ ہو کراحرام کھولدیں اورحج کااحرام یہ دونوں شخص جدہ آکرباندھیں؟

مولانا منظورنعمانی نے ''الفرقان'' کےشعبان ۸۷ھ دسمبر ۶۷ء کے پرچہ میں اپنی رائے اورحضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب اوردوسرے حضرات کی رائے بھی نقل کی ہے کہ''ہندوستان و پاکستان سے آنے والےحضرات کے لئے جدہ میں احرام باندھنا صحیح ہے،اس سے پہلے جہاز میں احرام باندھنا ضروری نہیں ہے، وہاں سے یلملم کی محاذات ایسی نہیں ہے کہ جس کی وجہ سےاحرام ضروری ہو''۔اس کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے؟اگرجدہ سےاحرام باندھنا صحیح ہوتو یہ آمرکی میقات ہوجائے گی تو کیااس میں کچھ گنجائش ہے کہ روپیہ دینے والےکی اجازت سے یہ تمتع کااحرام باندھیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

''الفرقان'' کی اس تحقیق کے بغیربھی نفلی حج بدل میں (بلاوصیت) تمتع کی گنجائش ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح:بندہ نظام الدین غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "الرابع عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد فقرن أوتمتع ولوللميت، لم يقع عنه ويضمن النفقة .... وهذه الشرائط كلها في الحج الفرض. وأما النفل، فلا يشترط فيه شئ منها إلا الإسلام والعقل والتمييز". (ردالمحتار، كتاب الحج، باب الحج عن الغير: ۲/ ۶۰۱، سعيد) ....=

حجِ بدل میں اِفراد ہو یا قران؟

سوال[۵۱۴۰] : ۱......حج بدل اگر میت کی طرف سے کیا جائے جب کہ اس نے حج کی قسم سے کسی قسم کا تعین نہ کیا ہو تو کون سی صورت مناسب ہے؟

۲......اگر حج بدل میں افراد کرنا ہو تو رمضان المبارک سے قبل والے جہاز سے روانہ ہو کر پھر ایامِ حج میں حج کا احرام میقات سے باندھنا کیسا ہے؟

۳......بمبئی سے جدہ اور جدہ سے مدینہ منورہ احرام کے بغیر جا کر پھر ایامِ حج میں حجِ بدل لے کر افراد کا احرام باندھ کر آنا کیسا ہے؟

۴......حجِ بدل میں تمتع اور قران کے بارے میں کیا مسئلہ ہے؟ تمتع کی کوئی صورتِ جواز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......افراد کیا جائے (۱)۔

= (وكذا في المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الاحجاج، ص: ۴۹۶، دار الكتب العلميه بيروت)

"(وأما في الحج النفل فلا يشترط فيه شيء، الخ) قال العلامة الرافعي في تقريره على ردالمحتار: "الاقتصار على ماذكر من المستثنيات ظاهر فيما إذا حج عن غيره نفلاً مجاناً بلا أمر، أما إذا كان بأمر ومال، فينبغي أن يشترط عدم المخالفة أيضاً، والإنفاق من مال المحجوج عنه ليحصل له ثواب الإنفاق، الخ". (إرشاد الساري إلى المناسك الملا علي القاري على هامش المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۹۶، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في تقريرات الرافعي على ردالمحتار، باب الحج عن الغير: ۲/۱۷۱، سعيد)

(وكذا في جواهر الفقه: ۱/۵۰۸، مكتبه دار العلوم كراچی)

(وكذا في فتاوى رحيميه: ۸/۳۱۲، ۳۱۳، دار الاشاعت كراچی)

(۱) "(الثالث عشر عدم المخالفة، فلو أمره بالإفراد): أي للحج أو العمرة (فقرن): أي عن الأمر، فهو مخالف ضامن عند أبي حنيفة، وعندهما يجوز ذلك عن الآمر استحساناً . وأما لو نوى بأحدهما عن نفسه أو عن غيره، والآخر عن الآمر فهو مخالف ضامن إجماعاً، كذا في المحيط .... (أو تمتع): أي =

۲......درست ہے(۱)۔

۳......درست ہے(۲)۔

۴...... جب وصیت کے ماتحت بدل میں حج فرض ادا کرنا ہوتو تمتع نہ کیا جائے، قران کی گنجائش ہے لیکن دمِ قران مامور پر لازم ہوگا(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۶/۸۸ھ۔

= بأن نوى العمرة عن الميت ثم حجه عنه، فإنه يصير مخالفاً إجماعاً على مافي البحر الزاخر، ولعل وجهه أنه مأمور بتجريد السفر للحج عن الميت، فإنه القرض عليه، وينصرف مطلق الأمر إليه". (المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في شرائط جواز الإحجاج، ص: ۴۸۸، دارالكتب العلميه بيروت)

"وإن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً فيضمن". (الدرالمختار). "أمره بسفر يصرفه إلى الحج لا غير، فقد خالف أمر الآمر فضمن". (رد المحتار، باب الحج عن الغير، مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۲/۶۱۱، سعيد)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل حج بدل میں افراد ہے ورنہ قران اور تمتع کے لئے اجازت لینا ضروری ہے۔

معلم الحجاج میں ہے: "حج بدل والے کو تمتع کرنا جائز نہیں، بلکہ افراد کرنا چاہیے"۔ (معلم الحجاج، ص: ۴۲۸، ادارۃ القرآن کراچی) فتاویٰ رحیمیہ میں ہے: "حج بدل میں افراد کیا جائے"۔ (فتاویٰ رحیمیہ: ۳/۱۲۰، دارالاشاعت، کراچی)

(۱) "أن الآفاقي الحاج عن الغير إذا جاوز الميقات بلا إحرام للحج، ثم عاد إلى الميقات وأحرم هل يصح عن الآمر؟ قيل: لا، وقيل: نعم .... قلت: وهذا يفيد جواز الحيلة المذكورة له إذا عاد إلى الميقات وأحرم. والجواب عن (قوله: لأن سفره حينئذ لم يكن للحج) أنه إذا قصد البندر عند المجاوزة ليقيم به أياماً لبيع أو شراء مثلاً، ثم يدخل المكة، لم يخرج عن أن يكون سفره للحج، كما لو قصد مكاناً آخر في طريقه ثم النقلة عنه". (ردالمحتار، كتاب الحج، مطلب في المواقيت: ۲/۴۷۷، سعيد)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

(۳) "ودم القران والتمتع والجناية على الحاج إن أذن له الآمر بالقران والتمتع، وإلا فيصير مخالفاً فيضمن". (الدرالمختار، باب الحج عن الغير. مطلب: العمل على القياس دون الاستحسان هنا: ۲/۶۱۱، سعيد) =

بیمار کاحجِ بدل کرانا

سوال[۵۱۴۱]: ایک شخص پر حج واجب تھااور وہ حج کے لئے تیار بھی تھا،لیکن حج کرنے سے قبل ایک شدید مرض میں مبتلا ہوگیا کہ اطباء نے حکم دیا کہ چار چھ ماہ سے قبل اس کو شفاء ہونی مشکل ہے۔تو کیا یہ شخص اپنی طرف سے کسی کو حج بدل کے لئے بھیج سکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابھی تو حج بدل کے لئے نہ بھیجے بلکہ علاج کرائے ،اگر شفاء ہوجائے تو خود حج کرے ورنہ اخیر وقت میں جب خود جانے سے مایوس ہوجائے تواس وقت حج بدل کی وصیت کردے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ۔

= "وإنما وجب دم القران على المأمور .... وأطلق في القران، فشمل ما إذا أمره واحد بالقران فقرن". (البحرالرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۱۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

[**تنبيه**] (حج بدل میں تمتع ناجائز ہے،فیلراجع ،ص: ۴۱۶، رقم الحاشية: ۱)

(۱) "وفي العبادات البدنية المعتبر الوسع، و لا يعتبر العجز للحال؛ لأن الحج فرض العمر، فيعتبر عجز مستغرق لبقية العمر ليقع بها اليأس عن الأداء بالبدن، فقلنا: إن كان عجزه بمعنى لا يزول أصلاً كالزمانة، يجوز الأداء بالنائب مطلقاً. و إن كان عارضاً يتوهم زواله بأن كان مريضاً أو مسجوناً، فإذا أدى بالنائب كان ذلک مراعى، فإن دام به العذر إلى أن مات تحقق اليأس عن الأداء بالبدن، فوقع المؤدى موقع الجواز. وإن برئ من مرضه تبيّن أنه لم يقع فيه اليأس عن الأداء بالبدن، فكان عليه حجة الإسلام، والمؤدى تطوع له". (المبسوط للسرخسي، كتاب المناسک، باب الحج عن الميت وغيره: ۲/۱۳۸، حبيبيه كوئته)

"تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت؛ لأنه فرض العمر حتى تلزم الإعادة بزوال العذر". (الدرالمختار). "(قوله: لأنه فرض العمر) تعليل لاشتراط دوام العجز إلى الموت: أي فيعتبر فيه عجز مستوعب لبقية العمر ليقع به اليأس عن الأداء بالبدن". (ردالمحتار، باب=

ایضاً

سوال[۵۱۴۲]: زید مالدار ہے، حج اس پر فرض ہے، لیکن آنت اترنے کا عارضہ ہے اور بیماری ہے، آنکھ کی روشنی بھی کم ہے، زید چاہتا ہے کہ حج بدل کرالیا جائے۔ اب آپ فرمایئے کہ ایسی صورت میں زید کا حج بدل ہوجائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر مرض کی وجہ سے زید خود جا کر ارکانِ حج ادا نہیں کرسکتا تو اس کے لئے درست ہے کہ اپنی طرف سے کسی کو بھیج کر حجِ بدل کرالے، لیکن اگر زید پھر خود حج کرنے کے قابل ہوگیا تو خود کرنا لازم ہوگا، یہ حج بدل کافی نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹/۷/۸۹ھ۔

= الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۵۹۸/۲، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، باب الحج عن الغير: ۵۴۷/۱، دارالمعرفة بيروت)

(ومعلم الحجاج، ص: ۳۳۲، إدارة القرآن كراچى)

(۱) "وفي الذخيرة: ثم إنما يسقط فرض الحج عن الإنسان باحجاج غيره إذا كان المُحِجّ وقت الأداء عاجزاً عن الأداء بنفسه، و دام عجزه إلى أن مات. أما إذا زال عجزه بعد ذلك، فلا يسقط عنه حج الفرض .... رجل أحجّ رجلاً و هو مريض، فلم يزل مريضاً حتى مات، فهو جائز عن حجة الإسلام. وإن صح، لايجزيه عن حجة الإسلام". (الفتاوى التاتارخانيه، كتاب المناسك، الحج عن الغير: ۵۴۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

"(قوله: حتى تلزم الإعادة بزوال العذر): أي العذر الذي يُرجى زواله كالحبس والمرض، بخلاف نحو العمى، فلا إعادة لَو زال على مايأتي". (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۵۹۸/۲، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۳۰۸/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

حج بدل کے بعد عذر زائل ہوگیا، تو دوبارہ حج فرض نہیں

سوال[۵۱۴۳]: اگر کوئی نابینا شخص قائد نہ ملنے کی وجہ سے حج بدل کرادے اور بعد کو قائد میسر آجائے تو کیا صاحبین کے قول کے مطابق دوبارہ حج ادا کرنا فرض ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نابینا نے اگر حج بدل کرادیا، پھر اس کا عذر زائل ہوگیا، مثلاً بینائی آگئی، تب بھی اس کے ذمہ اپنا حج خود کرنا لازم نہیں، قائد ملنے کا مسئلہ بھی اسی سے واضح ہوگیا:

"هذا: أي اشتراط دوام العجز إلى الموت إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله: أي يمكن. وإن لم يكن كذلك كالعمى والزمانة، سقط الفرض بحج الغير عنه، فلا إعادة مطلقاً، سواء استقر به ذلك العذر، أم لا، اهـ". در مختار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۴/۹۳ھ۔

میت کی طرف سے بلا وصیت حج بدل

سوال[۵۱۴۴]: "تکمیل القبور ترجمہ شرح الصدور" میں منجملہ چند احادیث کے ایک حدیث کا یہ مضمون ہے: "بزار اور طبرانی نے بسندِ حسن حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے، انہوں نے کہا کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میرے والد کا انتقال ہوگیا، انہوں نے حجِ اسلام یعنی حج فرض ادا نہیں کیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ: "مجھ کو یہ بتا کہ اگر تیرے باپ کے ذمہ کسی

---

(۱) (الدر المختار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۲/۵۹۹، سعيد)

"والعجز الدائم إلى الموت؛ لأنه فرض العمر حتى تلزمه الإعادة بزوال العذر إن كان يرجى زواله، وإن لم يرجى كالأعمى والزمانة يجب عليه الإحجاج، كمافي القهستاني عن المحيط. ولا يعيد مطلقاً، كما في البحر عن المحيط". (مجمع الأنهر شرح ملتقى الأبحر، باب الحج عن الغير: ۱/۳۰۷، ۳۰۸، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان: ۱/۳۰۹، فصل في الحج عن الميت، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۰۸، رشيديه)

کا قرضہ ہوتا، کیا اس کی جانب سے تُو ادا کرتا؟'' تو اس نے عرض کیا کہ: ہاں، ضرور کرتا، آپ نے فرمایا کہ: ''یہ بھی تو اس کے ذمہ قرض ہے، سوتو اس کو ادا کر'' (۱)۔ اَور بھی کئی حدیثیں اس قسم کی ہیں۔ اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جو شخص اتنا سرمایہ چھوڑ کر مرے جس سے حج ادا ہو سکتا ہے تو اس کے ورثاء کو لازم ہے کہ اس کے ترکہ سے پہلے اس کا قرض ادا کرے، چونکہ حج بھی جس پر فرض ہو گیا ہے قرض ہی میں داخل ہے، لہذا اس کو بھی ادا کیا جائے، اس کے بعد جو بچے اس کو ورثاء حسبِ حصہ تقسیم کرلیں۔

احقر کو اس میں یہ تشویش ہو رہی ہے کہ چچا پٹواری کا ترکہ جو کئی ہزار روپیہ کی مالیت تھی، ہم لوگوں نے بلا اس کی طرف سے حج ادا کرائے سب ورثاء نے آپس میں تقسیم کرلیا تو ان کی حق تلفی کی گئی، اس کے سوا بہت سی جگہ ایسا معاملہ ہوا اور ہوتا رہتا ہے کہ قرضہ تو قرض خواہوں کی طلب پر ادا کر دیا جاتا ہے، لیکن حج مُردہ کا کوئی نہیں کراتا۔ اس کا مواخذہ ورثہ سے ہوگا یا کیوں کر؟ جواب صواب سے ممنون فرمایا جاوے۔ فقط۔

الجواب حامداً ومصلياً:

میت کی طرف سے حج کرانا اس وقت واجب ہے جب کہ اس نے وصیت کی ہو، وہ بھی ایک ثلثِ ترکہ سے، بغیر وصیت واجب نہیں، اگر بغیر وصیت کوئی وارث اپنے حصے سے حج ادا کرادے، یا اپنی طرف سے اپنے مال سے ادا کرادے تو امید ہے کہ وہ میت مواخذہ سے بری ہو جائے، حدیث کا مطلب بھی یہی ہے کہ میت کو مواخذہ سے بچانے کے لئے حج ادا کردو، یہ مطلب نہیں کہ اگر حج نہیں کروگے تو تم سے مواخذہ ہوگا اور ترکہ تقسیم کرنا ناجائز ہوگا، اگر آپ کے چچا نے وصیت نہیں کی تو آپ پر مواخذہ نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۵/ ۷/ ۶۴ھ۔

---

(۱) "عن أنس بن مالک رضي الله تعالیٰ عنه: أن رجلاً سأل النبي صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال: هلک أبي ولم يحج، قال: "أرأيت لو كان على أبيك دَينٌ فقضيته عنه أيتقبل منه"؟ قال: نعم، قال: فاحجج عنه". (سنن الدار قطني، كتاب الحج: ۲/ ۲۶۰، دار نشر الكتب الإسلاميه لاهور)

(۲) "و من مات وعليه فرض الحج و لم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، و إن أحب أن يحج عنه حجَّ، و أرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ". (التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۲/ ۵۶۴، إدارة القرآن كراچي) .... =

والد مرحوم کی طرف سے حجِ بدل

سوال[۵۱۴۵]: زید کے والد مرحوم پر حج فرض تھا مگر نادانی اور غفلت کی وجہ سے فریضۂ حج ادا نہیں کر سکے، یہاں تک کہ ان پر ایسا بھی وقت آ گیا کہ وہ بہت مقروض ہو گئے اور مقروض ہو کر انتقال کر گئے اور اپنے حج کی کوئی وصیت نہیں کی۔ وصال کے بعد زید نے والد مرحوم کا سب قرض ادا کر دیا، اب اس کے دل میں خیال گزرا کہ والد مرحوم کی جانب سے حجِ بدل کرادے اور اس فریضہ سے بھی ان کو سبکدوش کرادے، مگر اب زید پر بھی حج فرض ہے اور نقد روپیہ اتنا نہیں کہ خود بھی حج کے لئے جائے اور والد کا حج بدل بھی کرادے۔ تو اب مقدم کس کو کرے خود کو یا والد مرحوم کو؟ جس کو مؤخر کرے اگر اس کے لئے قرض لے کر ساتھ حج کرائے تو اس میں شرعاً کوئی قباحت تو نہیں، بہتر کیا ہے؟

نیز اس کے والد کا معیارِ زندگی بہت بلند تھا۔ اب زید چاہتا ہے کہ والد کے حجِ بدل کے لئے کسی ایسے شخص کو بھیجے جس کا معیارِ زندگی والد سے پست ہو، تاکہ کم سے کم روپیہ میں حج ہو جائے۔ تو کیا ایسا کرنے سے اس کے والد کا حج بدل درست ہو جائے گا اور وہ عنداللہ سبکدوش ہو سکیں گے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

والد نے حج بدل کی وصیت نہیں کی تو ان کی طرف سے حج بدل کرانا فرض نہیں (۱) اور خود زید کے ذمہ

= (وكذا في بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۲۹۱/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، فصل: اعلم أنه إذا حج المأمور فأصل الحج يقع عن الآمر، ص: ۳۰۲، مكتبه مصطفى محمد مصر)

(۱) "و من مات وعليه فرض الحج، و لم يوص به، لم يلزم الوارث أن يحج عنه، وإن أحب أن يحج عنه حَجَّ، و أرجوا أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ". (التاتارخانيه، كتاب المناسك، الوصية بالحج: ۵۶۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

"فإن لم يوص به حتى مات، أثم بتفويته الفرض عن وقته .... حتى لا يلزم الوارث الحج عنه من تركته .... وإن أحب الوارث أن يحج عنه حجَّ، وأرجو أن يجزيه إن شاء الله تعالىٰ، الخ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۲۹۱/۳، دار الكتب العلميه بيروت) =

حج فرض ہے، لہذا اپنا حجِ فرض اول ادا کرے (۱)، پھر اگر وسعت ہوتو والد کی طرف سے بھی حج ادا کرادے، ان کو بھی ثواب پہونچ جائے گا۔ جس معیار کے آدمی سے جس قدر روپیہ بھی خرچ کر کے حج ادا کرادے گا اسی قدر ثواب پہونچ جائے گا۔ اگر انہوں نے وصیت کی ہوتی تو ادائے فرض کا حتمی حکم کیا جاتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

بیوی کو اپنے حج سے پہلے حجِ بدل کرانا

سوال[۵۱۴۶]: میں اپنی مرحوم بیوی کے ساتھ ایک مرتبہ حج کر چکا ہوں، اب دوبارہ اپنی موجودہ بیوی کے ساتھ حج کا ارادہ ہے، لیکن بیوی کو حج بدل میں لیجانے کا ارادہ ہے اور اس نے اب تک حج نہیں کیا ہے۔ میں نے اس کے نام گذارے کے لئے پانچ ہزار روپیہ کے شیئر لکھ دیئے ہیں۔ پانچ ہزار روپیہ کے شیئر کا جو دیوان

= (وكذا في إرشاد الساري إلى مناسك الملا علي القاري، باب الحج عن الغير، فصل: اعلم أنه إذا حج المأمور فأصل الحج يقع عن الآمر، ص: ۳۰۶ مكتبه مصطفى محمد مصر)

(۱) "فدل أنه لايجوز الحج عن غيره قبل أن يحج عن نفسه، ولأن حجه عن نفسه فرض عليه، و حجه عن غيره ليس بفرض، فلا يجوز ترك الفرض بماليس بفرض". (بدائع الصنائع، فصل في التعرض لنبات الحرم، كتاب الحج: ۲۷۴/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

"إن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة، فهو مكروه كراهة تحريم؛ لأنه تضيق عليه في أول سني الإمكان، فيأثم بتركه". (ردالمحتار، مطلب في حج الصرورة: ۶۰۳/۲ سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الحج عن الغير: ۱۲۳/۳، رشيديه)

(۲) "وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و يجب أن يحج عنه؛ لأن الوصية بالحج قد صحت، وإذا حج يجوز عند استجماع شرائط الجواز". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان حكم فوات الحج عن العمر: ۲۹۲/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

"وإن مات عن وصية لا يسقط الحج عنه، و إذا حج عنه يجوز عندنا باستجماع شرائط الجواز". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر في الوصية بالحج: ۲۵۸/۱، رشيديه)

(آمدنی) ملے گا، وہ استعمال کرے گی، اس کے علاوہ اس کو نکاح کے وقت میں نے ڈیڑھ ہزار روپیہ کے زیور بھی دیئے ہیں اور قصبہ کے رواج کے مطابق جتنی قیمت کا زیور ہوتا ہے اتنی ہی قیمت کی مہر بھی لکھائی جاتی ہے جو میں نے لکھ دی ہے۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس صورت میں بیوی پر حج فرض ہوتا ہے یا نہیں؟ اور حج فرض ہونے کی صورت میں حج فرض ادا کرنے سے قبل حج بدل کے لئے اس کو لے جاسکتا ہے یا نہیں؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

آپ کی موجودہ بیوی کی ملک میں اگر اتنا مال ہے کہ حج کے سفر کے لئے واپسی تک کافی ہو سکے تو اس پر حج فرض ہے اور جب کہ شوہر بھی سفرِ حج میں ہمراہی کے لئے موجود ہے تو اس کو بہت جلد اپنا فرض حج ادا کرنا چاہئے، حجِ بدل کے لئے اس وقت نہ جائے کہ پھر خدا جانے محرم یا شوہر کا ساتھ میسر آئے یا نہ آئے کہ جس نے اپنا حج فرض ادا نہ کیا ہو، اگر وہ حج بدل کرلے تو حج بدل ہوجائے گا، لیکن اعلیٰ بات یہ ہے کہ حج بدل ایسے شخص سے کرایا جائے جس نے اپنا حج فرض ادا کیا ہو، جس کے ذمہ خود اپنا حج فرض ہو اور اس کو موقع بھی ہو، اس سے حج بدل نہ کرایا جائے، کیونکہ وہ اپنا حج فرض ادا نہ کرنے کی وجہ سے گنہگار ہے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۶/ ۸۹ھ۔

حج بدل کرنے والے کا مکہ پہونچ کر کسی دوسرے سے حجِ بدل کرانا اور خود اپنا حج کرنا

سوال [۵۱۴۷]: حج بدل کرنے والا غریب ہے اور حاجی بھی نہیں، اب حج بدل جانے کے وقت حج

---

(۱) "فدل أنه لايجوز الحج عن غيره قبل أن يحج عن نفسه، ولأن حجه عن نفسه فرض عليه، و حجه عن غيره ليس بفرض، فلا يجوز ترك الفرض بماليس بفرض". (بدائع الصنائع، فصل في التعرض لنبات الحرم، كتاب الحج: ۳/ ۲۷۴، دار الكتب العلميه بيروت)

"والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسك الذى حج عن نفسه". (البحر الرائق). "إن حج الصرورة عن غيره إن كان بعد تحقق الوجوب عليه بملك الزاد والراحلة والصحة، فهو مكروه كراهة تحريم عليه؛ لأنه يتضيق عليه والحالة هذه في أول سني الإمكان، فيأثم بتركه". (منحة الخالق، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۲۳، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، مطلب في حج الصرورة: ۲/ ۶۰۳، سعيد)

فرض ہوگا یانہیں؟ حج بدل کرنے والا مالک کی اجازت سے مکہ مکرمہ پہونچ کرکسی دوسرے کو وہ حج بدل کرنے کو کہہ کر پھرخود اپنا حج کرسکتا ہے یانہیں؟ مالک یعنی بھیجنے والے نے صرف یہی کہا کہ مرنے والے کے لئے حج بدل کوتم کو بھیج رہاہوں، یہ روپئے ہیں، میرے باپ کا حج اداہونا چاہئے، اب تم کیسے بھی کرو۔ یہ مالک کی طرف سے اجازت ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

غریب آدمی (جس پر حج فرض نہیں) مگر دوسرے کے روپے سے حج بدل کے لئے جائے تو اسی کی طرف سے حج بدل کرے، وہاں پہونچ کرکسی اَورکو حج بدل کے لئے تجویز کر کے اپنا حج نہ کرے(۱)، وہاں حج بدل کے لئے پہونچ جانے کی وجہ سے خود اس غریب کے ذمہ حج فرض نہیں ہوجائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۹/ ۹۲ھ۔

---

(۱) "وإذا مرض المأمور بالحج في الطريق، ليس له دفع المال إلى غيره ليحج ذلک الغير عن الميت، إلا إذا أذن له بذلک بأن قيل له وقت الدفع: اصنع ما شئت، فيجوز له ذلک مرض أولا؛ لأنه صار وكيلاً مطلقاً". (الدرالمختار).

"لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر فيحرم عن الآمر، و يحج عنه، الخ". (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب في حج الصرورة: ۲/ ۶۰۴، سعید)

"و ليس للمأمور أن يأمر غيره بما أمر به عن الآمر وإن مرض في الطريق، إلا أن يكون وقت الدفع قيل له: اصنع ما شئت، فحينئذ له أن يأمر غيره به وإن كان صحيحاً". (البحرالرائق، باب الحج عن الغير: ۳/ ۱۱۳، رشیدیہ)

(و كذا في تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحج: ۱/ ۱۴، مکتبہ تاجران کتب ارگ بازار قندھار)

(۲) "ويجوز إحجاج الصرورة، ولكن يجب عليه عند رؤية الكعبة الحج لنفسه .... (أقول) وقد ألف سيدي عبد الغني النابلسي رسالةً في ذلک، جنح فيها إلى عدم الوجوب". (تنقيح الفتاوى الحامدية، كتاب الحج: ۱/ ۱۳، مکتبہ تاجران کتب ارگ بازار قندھار)

"قلت: و قد أفتى بالوجوب مفتي دارالسلطنة العلامة أبوالسعود، وتبعه في سكب الأنهر، =

حج بدل میں روپیہ مامور کو دیں یا اپنے پاس رکھے؟

سوال[۵۱۴۸]: ایک شخص خود حج کرنے جارہا ہے اور دو شخصوں کو اپنے والدین کی طرف سے حجِ بدل کرانے لے جارہا ہے تو اخراجات کے لئے روپیہ ان کو دیدینا زیادہ بہتر ہوگا یا اپنے پاس رکھ کر ان کی ضروریات میں خرچ کرنا؟ ان کو ہر ہر چیز کا پھر حساب بھی مشکل ہے۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر یہ اعتماد ہو کہ وہ روپیہ حفاظت سے رکھیں گے اور بے محل خرچ نہیں کریں گے اور مقصدِ وصیت بھی فوت نہیں ہوگا تو ان کو دیدینا بہتر ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۱۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱۱/۹۰ھ۔

حجِ صرورہ

سوال[۵۱۴۹]: ایک شخص کا انتقال ہوگیا یا مرض الموت میں مبتلا ہے جس پر حج فرض تھا، اگر وہ

= وكذا أفتى به السيد أحمدبادشاه، وألف فيه رسالةً، وأفتى سيدى عبد الغنى النابلسى بخلافه، وألف فيه رسالةً؛ لأنه فى هذا العام لايمكنه الحج عن نفسه؛ لأن سفره بمال الآمر، فيحرم عن الآمر و يحج عنه، و فى تكليفه بالإقامة بمكة إلى قابل ليحج عن نفسه و يترك عياله ببلده حرجٌ عظيمٌ، و كذا فى تكليفه بالعود و هو فقير حرجٌ عظيمٌ أيضاً". (ردالمحتار، باب الحج عن الغير، مطلب فى حج الصرورة: ۲/۶۰۴، سعيد)

(وكذا فى إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، باب الحج عن الغير، ص: ۳۰۰، مصطفى محمد مصر)

(۱) "فإذا عرف ذلك فللمأمور بالحج أن ينفق على نفسه بالمعروف ذاهباً و آيباً و مقيماً من غير تبذير و لا تقتير، الخ". (البحرالرائق، باب الحج عن الغير: ۳/۱۱۵، رشيديه)

زبدۃ المناسک میں ہے کہ: "جو عاجز ہوجائے وہ دوسرے شخص کو امرِ حج کردینے کا کرے اور خرچ راہ اس کو دے اور جانے والا اس کے خرچ سے سوار ہو کر حج ادا کردے"۔ (زبدة المناسک، ص: ۴۴۸، سعيد)

حج کرانا چاہے۔ تو کیا ایسے شخص کے ذریعہ کراسکتا ہے کہ جس نے قبل اس کے کسی قسم کا حج نہ کیا ہو، مگر اس پر حج فرض نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تندرستی میں حج فرض ہوا تھا اور پھر بیمار ہوگیا حج نہیں کرسکا اور اس نے وصیت بھی کی ہے، نیز ترکہ میں اتنی گنجائش بھی ہے کہ ثلثِ مال سے حج کرایا جاسکے تو اس کی طرف سے حج کرانا ضروری ہے اور بہتر یہ ہے کہ ایسے شخص کے ذریعہ حج کرایا جائے جس نے پہلے حج کرلیا ہو، اگر اس نے پہلے اپنا حج نہیں کیا تو اس کو حج کرانا مکروہ ہے:

"یجوز إحجاج الصرورة، و یراد به الذی لم یحج عن نفسه حجة الإسلام. قال فی البدائع: إلا أن الأفضل أن یکون قد حج عن نفسه؛ لأنه بالحج عن غیره یصیر تارکاً لإسقاط الفرض عن نفسه، فیتمکن فی هذا الإحجاج ضرب کراهة، و لأنه أعرف بالمناسك و أبعد عن محل الخلاف، فکان أفضل، اهـ". غنیة (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الثانی / ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

---

(۱) (غنیة الناسک، باب الحج عن الغیر، فصل فیما لیس من شرائط النیابة فی الحج، ص: ۳۳۷، إدارة القرآن کراچی)

"ثم المصنف لم یقید الحاج عن الغیر بشیء، لیفید أنه یجوز إحجاج الصرورة، و هو الذی لم یحج أولاً عن نفسه، لکنه مکروه کما صرحوا به، واختار فی فتح القدیر أنها کراهة تحریم، للنهی الواردفی ذلک. و فی البدائع: یکره إحجاج المرأة والعبد والصرورة. والأفضل إحجاج الحر العالم بالمناسک الذی حج عن نفسه، و هو یدل أنها کراهة تنزیه، الخ". (البحر الرائق، باب الحج عن الغیر: ۱۲۳/۳، رشیدیه)

(و کذا فی إرشاد الساری، باب الحج عن الغیر، ص: ۳۰۰، مصطفی محمد مصر)

(و کذا فی رد المحتار، باب الحج عن الغیر، مطلب فی حج الصرورة: ۶۰۳/۲ سعید)

(والتاتارخانیه، کتاب المناسک، الحج عن الغیر: ۵۶۳/۲، إدارة القرآن کراچی)

بیوی پر حج فرض ہونے کے باوجود کسی سے اس کا حجِ بدل کرانا

سوال[۵۱۵۰]: رواج ہے کہ حج میں جا کر کسی شخص کو سو روپیہ دے کر حج بدل کراتے ہیں اپنی زوجہ کی طرف سے جس پر بھی حج فرض تھا، لیکن زوج زوجہ کو اپنے ساتھ لے جانے میں راضی نہیں ہوا اور کہا کہ میں تیری طرف سے بھی حج کراؤں گا یعنی کچھ روپیہ دیکر کسی غیر کی طرف سے افعالِ حج ادا کرانے سے حج کا ثواب ملتا ہے اور فرضیت حج ساقط ہوجاتی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح فریضۂ حج ادا نہیں ہوگا (۱)، سو روپیہ اگر کسی مستحق کو دیئے ہیں تو صدقہ دینے کا ثواب مل جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند۔

مکتب میں پیسہ دینے کا ثواب زیادہ ہے یا حجِ بدل کا؟

سوال[۵۱۵۱]: میری والدہ پر حج فرض نہیں تھا اور وہ اس کی بہت زیادہ خواہشمند تھیں، مگر ان کا انتقال ہوگیا، میں ان کو ثواب پہونچانے کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں تو حجِ بدل کرانے میں زیادہ ثواب ملے گا یا

---

(۱) "تقبل النيابة عند العجز فقط، لكن بشرط دوام العجز إلى الموت". (الدرالمختار، باب الحج عن الغير، مطلب في الفرق بين العبادة والقربة والطاعة: ۵۹۹/۲، سعيد)

"ولجواز النيابة في الحج شرائط: منها أن يكون المحجوج عنه عاجزاً عن الأداء بنفسه و له مال، فإن كان قادراً على الأداء بنفسه بأن كان صحيح البدن و له مال أو كان فقيراً صحيح البدن، لا يجوز حج غيره عنه، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الرابع عشر في الحج عن الغير: ۲۵۷/۱، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الخامس عشر في الرجل يحج عن الغير: ۵۴۴/۲، إدارة القرآن كراچی)

(۲) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من تصدق بعدل تمرة من كسب طيب، و لا يقبل الله إلا الطيب، فإن الله يتقبلها بيمينه، ثم يربيها لصاحبها كما يربي أحدكم فلوّه حتى تكون مثل الجبل". متفق عليه". (مشكوة المصابيح، باب فضل الصدقة، الفصل الأول، ص: ۱۶۷، قديمي)

ایک سکتے ہوئے مکتب کی مدد کرنے میں جس مکتب کے بند ہوجانے کا اندیشہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب کہ میت کے ذمہ حج فرض نہیں تھا اوران کوثواب پہونچانا مقصود ہے تو جس مکتب میں بچوں کو دینی تعلیم دی جاتی ہے اوروہ مکتب ضرورت مند بھی ہے تو وہاں روپیہ دے کر مکتب کو سنبھالنے اورترقی دینے میں ثواب زیادہ ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۵/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/ ۵/ ۸۹ھ۔

حج بدل کے لئے دی ہوئی رقم اگر کمپنی ضبط کرلے تو مامور پر ضمان نہیں

سوال[۵۱۵۲]: زید فرض حج ادا کر چکا ہے، عمر اپنے کسی عزیز کی طرف سے زید کو حج بدل کرانے کو تیار ہوگیا اور رقم بھی دی مگر عمر سے پہلے بکر نے بھی زید کو حج بدل کرانے کے لئے تجویز کیا تھا، اتفاق وقت کہ بکر تو پہلے اس ارادہ سے پلٹ گیا اور عمر بھی اسی طرح پلٹ گیا، زید قانونی مجبوری کی وجہ سے حج کو نہ جاسکا اور بھیجنے والوں کے دل بھی بدل گئے۔ بہر حال عمر اپنی دی ہوئی رقم کی واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، زید میں دینے کی سکت نہیں، یہ جواب دے دیا کہ جو رقم داخل کمپنی کی گئی ہے واپس مل جائے تو ادا کردوں گا، لیکن عمر کو یہ شک ہے کہ کمپنی اس روپیہ کو ضبط بھی کرگئی ہے تو اگر یہ ضبطی عمل میں آگئی تو زید کے ذمہ یہ ادائیگی ساقط ہوجائے گی، یا باقی رہے گی؟

---

(۱) "(ورجح فی البزازیة أفضلیة الحج) حیث قال: الصدقة أفضل من الحج تطوعاً .... وإذا کان الفقیر مضطراً". (ردالمحتار، مطلب فی تفضیل الحج علی الصدقة: ۲/ ۶۲۱، سعید)

"قلت: قد یقال: إن صدقة التطوع فی زماننا أفضل لمایلزم الحاج غالباً من ارتکاب المحظورات، و مشاهدته لفواحش المنکرات، وشح عامة الناس بالصدقات، و ترکهم الفقراء".

(البحر الرائق مع منحة الخالق، کتاب الحج: ۲/ ۵۴۴، رشیدیه)

(و کذا فی التاتارخانیة، المناسک، المتفرقات: ۲/ ۵۲۷، إدارة القرآن کراچی)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب کہ عمر نے زید کو حج بدل کے لئے رقم دیدی اور اس نے حسبِ قانون ٹکٹ خریدنے کے لئے کمپنی میں بھیج دیا، اس کے بعد عمر کا ارادہ بدلا ہے تو زید کی طرف سے تعدی نہیں پائی گئی، اگر خدانخواستہ کمپنی نے رقم ضبط کر لی تو زید پر ضمان لازم نہیں ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۲/۲۴ھ۔

حج بدل کی رقم میں تصرف کرنے کا ضمان

سوال [۵۱۵۳]: ا...... زید نے اپنے والد مرحوم کا حج بدل کرانے کے متعلق اپنے بہنوئی کو تیار کیا اور اس نے متواتر دو سال درخواست دی مگر قرعہ میں نام نہ آسکا، کچھ رقم زید نے اپنے بہنوئی کو بہ سلسلۂ درخواست اور فارم بھرنے کے لئے دیا تھا جو تقریباً ایک ہزار ہے، وہ بہنوئی نے بغیر زید کے علم میں لائے اپنے بھانجے کو تجارت کے سلسلہ میں دیدی۔ اس کے بارے میں علمائے دین کیا فرماتے ہیں کہ آیا وہ روپیہ جو زید کا تھا وہ زید کے بہنوئی نے جو خرچ کر دیا جائز ہے یا نہیں؟

۲...... زید کے پاس جو رقم حج بدل کے لئے جمع ہے، اگر تیسری بار بھی قرعہ میں نام نہ آیا تو وہ روپیہ کسی تجارت میں یا مکان بنانے کے لئے استعمال میں لاسکتا ہے اور کیا زید کے لئے جمع شدہ رقم جو ایک مرحوم کے حج بدل کی نیت سے تھی استعمال میں لانا علمائے دین جائز قرار دیتے ہیں اور جائز ہے تو کس حد تک؟ تفصیل دی جائے۔

---

(۱) "قال: والوديعة أمانة، فإذ تلفت بغير تفريط من المودع، فليس عليه ضمان .... و حكم عام يعطي قانوناً كلياً مقتضاه أن الوديعة أمانة لا ضمان فيها إلا أن يتعدى". (إعلاء السنن، كتاب الوديعة، باب: لا ضمان على المؤتمن: ۱۶/۶۲، إدارة القرآن كراچی)

"الأمانة غير مضمونة، فإذا هلكت، أو ضاعت بلا صنع الأمين، و لا تقصير منه، لا يلزمه الضمان". (شرح المجلة، الباب الأول في أحكام عمومية تتعلق بالأمانات، (رقم المادة: ۷۶۸)، ص: ۴۲۶، مكتبه حنفيه كوئٹه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الوديعة، فصل في بيان حال الوديعة: ۸/۳۶۳، دار الكتب العلمية بيروت)

۳......اگر جمع شدہ رقم حج بدل والی زید اپنی ضروریات میں لانے کا حقدار نہ ہوتو وہ رقم کس استعمال میں لاسکتا ہے؟ کیا دینی مدرسہ میں دینا جائز ہے؟ اگر جائز ہے تو کس مد میں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲،۳......اگر والد مرحوم نے اپنی طرف سے حج بدل کرانے کی وصیت نہیں کی تھی، بلکہ زید خود ہی ان کی طرف سے حج بدل کرانے کی نیت کر چکا ہے اوراس مقصد کے لئے روپیہ رکھا ہوا ہے تو محض اس نیت کی وجہ سے حج بدل کرانا واجب نہیں ہوا، زید اس روپیہ کا مالک ہے، اس کو اختیار ہے کہ کسی بھی دینی کام میں لگا کر والد کو ثواب پہونچادے، مثلاً: کسی مسجد کی تعمیر یا پانی اورنل کا انتظام، یا دینی مدرسہ کی تعمیر، طلبہ کی خوراک، پوشاک یا دینی کتب خرید کر وقف، یا غریب بچوں کی پرورش، یا بیواؤں کی ضروریات میں خرچ کردے، ضرورت ہوتو اپنے ذاتی کام میں بھی صرف کرسکتا ہے، بہنوئی وغیرہ اقرباء کو بھی دے سکتا ہے(۱)۔

بہنوئی صاحب کا اس روپیہ کو جو کہ درخواست فارم وغیرہ کے لئے دیا گیا تھا کسی دوسرے کام میں خرچ کرنا جائز نہیں، بھانجے کو تجارت کے لئے دینا بھی جائز نہیں، یہ خیانت ہے(۲)، ان کو لازم ہے کہ وہ زید کو روپیہ واپس کردیں اوراس سے معافی طلب کریں تاکہ وہ دنیا وآخرت میں بری الذمہ ہوسکیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۴/۹۰ھ۔



(۱) قال العلامة ابن عابدين: "لأن الملک ما من شانه أن يتصرف فيه بوصف الاختصاص، كمافي التلويح ". (ردالمحتار، باب البيع الفاسد، مطلب في تعريف المال: ۵/ ۵۱، سعيد)

"والحاصل أن القياس في جنس هذه المسائل أن يفعل المالک ما بدا له مطلقاً؛ لأنه متصرف في خالص ملكه". (ردالمحتار، باب: هذه مسائل شتى، مطلب: اقتسموا داراً و أراد كل منهم فتح باب، لهم ذلک: ۵/۴۴۸، سعيد)

قوله تعالىٰ: ﴿يأيها الذين آمنوا لاتأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ (سورة النساء: ۳۰)

وقوله تعالىٰ : ﴿يأيها الذين آمنوا لاتخونوا الله والرسول﴾ (سورة الأنفال: ۲۷)

(۲) "لا يجوز التصرف في مال غيره بلا إذنه ". (ردالمحتار، كتاب الغصب، مطلب فيما يجوز من التصرف بمال الغير بدون إذن صريح: ۶/ ۲۰۰، سعيد)

"لا يجوز لأحد أن يتصرف في ملک غيره بلا إذنه". (شرح المجلة، ص: ۶۱ رقم المادة: ۹۶، حنفيه)

باب الجنایات

(دورانِ حج جنایات کا بیان)

طوافِ وداع نہ کرنے سے وجوبِ دم

سوال[۵۱۵۴]: ۱.....زید بغیر طوافِ وداع کے چلا آیا، دم واجب ہوا تو جدہ میں قربانی کرے یا وطن پہونچ کر؟

۲.....زاہد طوافِ وداع کے لئے تیار تھا، مگر تار آیا کہ جہاز تیار ہے، فوراً آؤ، حجاج لاری پر سوار ہوگئے، زاہد بھی سوار ہوگیا تو اس عذر سے دم ساقط ہوا یا نہیں؟

حاجی سید عبدالماجد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱.....حرم میں قربانی کرادے: "وخص ذبح هدى المتعة والقران بأيام النحر، و خص الكل بالحرم لا بغيره و لا بمنى على الأصح. اهـ". سكب الأنهر (۱)۔

۲.....ساقط نہیں ہوا۔

---

(۱) (سكب الأنهر، على مجمع الأنهر، باب الهدى: ۱/۳۰۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

قال العلامة الكاساني: "وأما مكان هذا الدم: فالحرم، لا يجوز في غيره، لقوله تعالى: ﴿والهدى معكوفاً أن يبلغ محله﴾ و محله الحرم، والمراد منه هدى المتعة لقوله: ﴿فمن تمتع بالعمرة إلى الحج فما استيسر من الهدى﴾ والهدى اسم لما يهدى إلى بيت الله الحرام: أي يبعث و ينقل إليه وأما زمانه فأيام النحر، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الحج، فصل فيما يجب على المتمتع والقارن: ۱۸۳/۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب المناسك، الإحصار: ۵۳۵/۲، إدارة القرآن كراچي)

تنبیه : طوافِ وداع کے لئے مخصوص نیت شرط نہیں، بلکہ منی سے فارغ ہوکر جب مکہ مکرمہ میں آئے اور بہ نیتِ تطوع طواف کرلے تو وہ بھی طوافِ وداع کے حکم میں ہوجائے گا:

"فإذا أراد الظعن عنها: أی عن مكة، طاف للصدر، و يسمى طواف الوداع، وهو واجب، ولكن لا تشترط له نية معينة، حتى لو طاف بعد ما حل النفر و نوى التطوع، أجزأه عن الصدر". مجمع الأنهر (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

رمی اور قیامِ منی کو چھوڑنے سے دم لازم ہے یا نہیں؟

سوال[۵۱۵۵]: کیا حاجی کو رمی چھوڑنے پر اور قیامِ منی چھوڑنے پر کوئی دم دینا ہوگا؟ اگر دم دینا ضروری ہے تو کیا، کب اور کہاں دینا ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیا:

رمی چھوڑنے سے دم واجب ہوگا (۲) اور وہ حرم (منی وغیرہ) میں ہی ذبح کرنا ہوگا (۳)، منی میں

---

(۱) (مجمع الأنهر، فصل: فإذا دخل مكة: ۱/۲۸۲، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"فأما تعيين النية فليس بشرط حتى لو طاف بعد طواف الزيارة لا يعين شيئاً، أو نوى تطوعاً، كان للصدر؛ لأن الوقت تعين له، فتنصرف مطلق النية إليه، كمافي صوم رمضان". (بدائع الصنائع، في طواف الصدر، فصل في شرائط جوازه: ۳/۱۰۵، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، باب جزاء ترك الوداع: ۳/۱۳۹، حقانيه پشاور)

(وكذا في رد المحتارمع الدر المختار، مطلب في طواف الصدر: ۲/۵۲۳، سعيد)

(۲) "رمي الجمار واجب كما عرفنا، فإن تأخر عن وقته، أو فات وجب دم". (الفقه الإسلامي وأدلته، سابعاً: تأخير الرمي عن وقته: ۳/۲۰۱، حقانيه پشاور)

(وكذا في البدائع، فصل في حكمه إذا تأخرعن وقته أو فات: ۳/۹۵، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في المسلك المتقسط في المنسك المتوسط مناسك الملاعلي القاري، فصل في الجناية في رمي الجمرات: ۳۵۸، إدارة القرآن كراچي)

(۳) "وخص ذبح هدى المتعة والقران بأيام النحر، و خص الكل بالحرم ولا بغيره، و لا بمنى على الأصح".=

قیام چھوڑنے سے دم واجب نہ ہوگا (۱)، استغفار کرنا ہوگا، رمی وغیرہ چھوڑنے سے بکری (شاۃ) واجب ہوتی ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

رمی سے پہلے قربانی کرنے سے وجوبِ دم

سوال [۵۱۵٦]: ا...... حاجی عرفات سے واپسی پر رمی کئے بغیر قربان گاہ میں جاکر قربانی کردی۔

قربانی سے پہلے بال کٹوانے سے دم

سوال [۵۱۵۷]: ۲...... ایک حاجی نے عرفات سے واپسی پر رمی کرنے کے بعد فوراً ہی بال کٹوادیئے اور بعد میں قربانی کی۔

= (سکب الأنهر، علی مجمع الأنهر، باب الهدی: ۱/ ۳۱۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب الحج، فصل فیما یجب علی المتمتع والقارن: ۳/ ۱۸۳، دار الکتب العلمیه بیروت)

(۱) "(ثم أتی منی) فیبیت بها للرمی". (الدرالمختار). "(قوله: فیبیت بها للرمی): أی لیالی أیام الرمی هو السنة، فلو بات بغیرها کره، ولا یلزمه شیء، لباب". (ردالمحتار، کتاب الحج، مطلب فی حکم صلوة العید والجمعة فی منی: ۲/ ۵۲۰، سعید)

(وکذا فی الفقه الإسلامی وأدلته، المطلب الثانی: رمی الجمار فی منی، و حکم المبیت فیها: ۳/ ۲۰۴، حقانیه پشاور)

(۲) "والدم حیث ذکر فی الجنایات، وجب شاة تجزیء فی الأضحیة والصدقة، إذا ذکرت یرادبها" (مجمع الأنهر، باب الجنایات، الفصل الأول: ۱/ ۲۹۷، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"فالمراد الشاة، وهی تجزیء فی کل موضع: أی من مواضع الجنایات إلا فی موضعین". (مناسک الملاعلی القاری، فصل فی أحکام الدماء و شرائط جوازها، ص: ۳۹۳، إدارة القرآن کراچی)

و کذا فی الهدایة، باب الجنایات: ۱/ ۲٦۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

رمی اور طوافِ زیارت میں ترتیب بدلنے سے دم

سوال[۵۱۵۸] : ۳......ایک حاجی نے غلطی سے پہلے رمی کی اور پھر جا کر طوافِ زیارت کیا اور پھر آ کر قربانی کی اور پھر بال کٹوائے۔ ان تمام صورتوں میں حاجی پر شرعاً کیا واجب ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر یہ قارن یا متمتع ہے تو اس پر دم واجب ہے۔

۲......اس پر دم واجب ہے جب کہ یہ قارن یا متمتع ہو۔

۳......اس پر دم واجب نہیں البتہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔

یہ تینوں حکم غنیة المناسك، المطلب العاشر فی ترك الترتیب بین الرمی والذبح میں مذکور ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ دار العلوم دیوبند، ۷/۳/۹۱ھ۔

رمی کا بدل آئندہ سال

سوال[۵۱۵۹] : اسلم نے حج کیا مگر اس سے رمی اُولیٰ ترک ہوگئی، عدمِ سہولت وعدمِ گنجائش کی بناء

(۱) "ولو حلق المفرد أو غيره قبل الرمي، أو القارن أو المتمتع قبل الذبح، أو ذبح قبل الرمي، فعليه دم عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ بترك الترتيب .... ولو طاف قبل الرمي والحلق لا شيء عليه، ويكره، تتمة". (غنیةالمناسک، باب الجنایات، المطلب العاشر فی ترک الترتیب بین الرمی والذبح والحلق: ۲۷۹ إدارة القرآن كراچی)

"ولو حلق المفرد أوغيره: أي من القارن والمتمتع قبل الرمي أوالقارن أو المتمتع: .... أو حلقا قبل الذبح، أو ذبح قبل الرمي، فعليه دم .... ولو طاف: أي المفرد وغيره قبل الرمي والحلق، لا شيء عليه، ويكره: أي لتركه السنة، و هي الترتيب بين الثلاثة، الخ". (مناسک الملاعلی القاری، باب الجنایات، فصل فی ترک الترتیب بین أفعال الحج، ص: ۳۵۸، إدارة القرآن کراچی)

(وكذا في رد المحتار، باب الجنايات: ۲/۵۵۵، سعيد)

پراسی سال دم (قربانی) نہ دے سکا، اگر وہ اپنی اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونے کے لئے اس سال دم دینا چاہے تو دے سکتا ہے؟ اور وہ بری الذمہ ہو جائے گا اور اس کی کیا شکل ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

آئندہ سال بھی حدودِ حرم میں دم دینے سے بری ہو جائے گا، کسی کو وکیل بنادے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۵/۸۹ھ۔

حالتِ احرام میں شکار کی ممانعت

سوال [۵۱۲۰]: بحالتِ احرام خشکی کے شکار کی ممانعت ہے دریائی شکار کی نہیں، ایسا کیوں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

اللہ پاک نے ایسا ہی فرمایا ہے: ﴿أحل لكم صيد البحر و طعامه متاعاً لكم و للسيارة، وحرم عليكم صيد البر ما دمتم حرماً﴾ (۲)۔ اور وہ حاکم بھی ہے اور حکیم بھی ہے، اس کے نازل فرمائے ہوئے قانون میں کسی کو چوں وچرا (کیوں کا سوال) کا حق نہیں جو چاہے کرے ﴿لا يسئل عما يفعل﴾ (۳)۔

(۱) دم جنایات کے لئے مکان حرم کا ہونا شرط ہے نہ کہ تعیین زمانہ، یعنی بعد میں بھی آدمی دم جنایت ادا کرسکتا ہے: "و مايختص بالمكان دون الزمان، و هو دم الجنايات". (مجمع الأنهر، باب الهدى: ۱/۳۱۰، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(و كذا في تبيين الحقائق، باب الهدى: ۲/۴۳۴، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا في فتاوى رحيمية، دم جنایت کسی کے ذریعہ دلواسکتا ہے یانہیں: ۸/۲۹۹، دار الإشاعت كراچى)

(۲) (سورة المائده: ۹۶)

"إعلم أن صيد البر محرم على المحرم، و صيد البحر حلال، لقوله تعالى: ﴿أحل لكم صيد البحر﴾ إلى آخر الآية، الخ". (الهداية، باب الجنايات، الفصل الثاني: ۱/۲۷۷، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الجنايات، الباب التاسع في الصيد: ۱/۲۴۷، رشيديه)

(و كذا في البدائع، فصل في أنواع الصيد: ۳/۲۳۲، ۲۳۳ دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) (سورة الأنبياء: ۱۷/۲۳)

بندوں کا فریضہ اطاعت ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

حالتِ احرام میں رضائی اوڑھنا

سوال [۵۱۶۱]: حالت احرام میں روئی کی رضائی وغیرہ اوڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محرم کو حالتِ احرام میں سردی سے حفاظت کے لئے لحاف روئی دار اوڑھنا درست ہے مگر سر کھلا رکھے، باقی تمام بدن پر لحاف رہے تو مضائقہ نہیں (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱/ ۱۱/ ۸۸ھ۔

حالتِ احرام میں کیا عورت منہ کھولے رکھے؟

سوال [۵۱۶۲]: اسلام میں ہر زیبائش کی جگہ کو چھپانے کا حکم ہے اور سختی سے پردہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے، مگر عورتیں جب حج کو جاتی ہیں تو عموماً چہرہ ہاتھ وغیرہ کھلا رکھتی ہیں کیوں کہ احرام کے زمانے میں چہرہ کو کپڑا لگانا سختی سے منع ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس طرح کھلا رکھنا جائز نہیں ہے بلکہ اس طرح چہرہ کھلا رکھنا گناہ ہے اس لئے ایسا انتظام کریں کہ چہرے کے سامنے ٹٹی (۲) یا کسی قسم کا فریم لگا کر نقاب اوڑھا جائے تاکہ چہرہ ڈھکا ہوا

---

(۱) "(قوله: وبقية البدن): أي و بخلاف ستر بقية البدن سوى الرأس والوجه، فإنه لا شيء عليه". (ردالمحتار، مطلب فيما يحرم بالإحرام و مالا يحرم: ۲/ ۴۸۸، سعيد)

"ولو ألقى على جسده قباءً أو عباءةً، و كان بحيث لو قام أو قعد، لم يستمسك عليه إلا بمزيد عناية، لم تلزمه الفدية". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث العاشر محظورات الإحرام: ۳/ ۲۳۲، حقانيه پشاور)

"علاوہ سر اور منہ کے سب بدن کو ڈھانپنا، کان، گردن پیروں کو چادر، رومال وغیرہ سے ڈھانپنا جائز ہے"۔ (معلم الحجاج: ۱۳۰، باب مباحات احرام، إدارة القرآن کراچی)

(۲) "ٹٹی: بانس یا سرکنڈوں وغیرہ کا بنا ہوا چھپر جو دروازوں یا کھڑکیوں پر لگاتے ہیں یا جن پر بیلیں چڑھاتے ہیں۔ ۲: آڑ، پردہ، اوٹ، حجاب"۔ (فیروز اللغات، ص: ۴۱۳، فیروز سنز، لاہور)

رہے، بے پردگی نہ ہو، مگر اس سے عورتوں کو سخت تکلیف ہوتی ہے، بلکہ ان کا دھیان مکمل طور پر عبادت کی طرف نہیں رہتا، بلکہ نقاب کی طرف رہتا ہے کہ نقاب ہٹنے نہ پائے تاکہ بے پردگی نہ ہو۔ کیا ایسی عبادت اور ایسا پردہ جائز ہے یا کھلے منہ جیسے عام طور پر چہرہ کھلا رکھ کر حج کیا جاتا ہے وہ جائز ہے اور اس قسم کے پردہ کے ساتھ حج کرنا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

عورت کے چہرے پر کپڑا نہیں ہونا چاہئے، پنکھا وغیرہ کوئی چیز اس طرح آڑ بنالی جائے کہ نقاب کا کپڑا چہرہ کو نہ لگے اور لوگوں کی نظر اس پر نہ پڑے، احرام کی حالت ایسی بے اطمینانی کی ہوتی ہے کہ مرد بھی سلا ہوا کپڑا نہیں پہن سکتا، ہر وقت فکر رہتی ہے کہ جسم نہ کھل جائے، اس صورت سے وہ مناسکِ حج ادا کرتا ہے، عورت کو بھی بے اطمینانی ہوتو کیا مضائقہ ہے؟ یہ بے اطمینانی اور پریشانی محبوب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

الجواب صحیح بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/ ۷/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "فلما روينا عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم أنه قال: "إحرام المرأة في وجهها". و عن عائشة رضی الله تعالىٰ عنها أنها قالت: كان الركبان يمرون بنا، و نحن محرمات مع رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فإذا حاذونا أسدلت إحدانا جلبابها من رأسها على وجهها، فإذا جاوزنا رفعنا. فدل الحديث على أنه ليس للمرأة أن تغطي وجهها، وأنها لو أسدلت على وجهها شيئاً، وجافته عنه، لا بأس بذلك الخ". (بدائع الصنائع، فصل: وأما بيان ما يحظره الإحرام وما لا يحظره: ۳/ ۲۱۰، دار الكتب العلميه بيروت)

"وقوله: إحرام المرأة في وجهها .... وأجاز الشافعية والحنفية ذلك بوجود حاجز عن الوجه، فقالوا: للمرأة أن تسدل على وجهها ثوباً متجافياً عنه بخشبة و نحوها، سواء فعلته لحاجة من حر، أو برد، أو خوف فتنة، و نحوها أو لغير حاجة، فإن وقعت الخشبة، فأصاب الثوب وجهها بغير اختيارها و رفعته في الحال، فلا فدية الخ". (الفقه الإسلامي وأدلته، البحث العاشر محظورات الإحرام الخ: ۳/ ۲۳۴، حقانيه پشاور)

(وكذا في مناسك الملا علي القاري المسمى المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، فصل في تغطية الرأس والوجه: ۳۰۹، إدارة القرآن كراچي)

حالتِ احرام میں کان میں روئی رکھنا اور پیروں پر کپڑا اڈالنا

سوال[۵۱۶۳]: احرام کی حالت میں پیروں پر کپڑا لپیٹنا جائز ہے یا نہیں جب کہ سردی کی وجہ سے یا پیروں کے درد کی وجہ سے ہو؟ سردی یا کسی اور وجہ سے کان میں روئی رکھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز ہے، پیروں کو چادر وغیرہ سے ڈھانکنا بھی (۱) اور کانوں کے اندر روئی رکھنا بھی (۲) مگر خوشبو کے استعمال کی اجازت نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا دم جنایت کو فقراء پر تقسیم کرنا ضروری ہے؟

سوال[۵۱۶۴]: گذشتہ سال ایک صاحب نے دمِ جنایت منی میں دمِ شکر (دم قران، دم تمتع) کی

---

(۱) "و لا بأس بتغطية أذنيه و قفاه، و كذا بقية البدن، إلا الكفين و القدمين، للمنع من لبس القفازين والجوربين". (ردالمحتار، باب الجنايات: ۵۴۹/۲، سعيد)

"(قوله: و بقية البدن): أى و بخلاف ستر بقية البدن سوى الرأس و الوجه، فإنه لا شيء عليه".
(ردالمحتار، مطلب فيما يحرم بالإحرام وما لا يحرم: ۴۸۸/۲، سعيد)

"و لو ألقى على جسده قباءً أو عباءةً، و كان بحيث لو قام أو قعد، لم يستمسك عليه إلا بمزيد عناية، لم تلزمه الفدية". (الفقه الإسلامى وأدلته، المبحث العاشر: محظورات الإحرام أو ممنوعاته و مباحاته: ۲۳۲/۳، حقانيه پشاور)

(۲) "ولا بأس للمحرم أن يغطى أذنيه أو من لحيته ما دون الذقن، الخ". (التاتارخانية، ما يحرم على المحرم وما لا يحرم، لبس المخيط: ۴۹۵/۲، إدارة القرآن كراچى)

(و كذا فى فتاوىٰ قاضى خان: ۲۸۹/۱، فصل فيمايجب بلبس المخيط الخ، رشيديه)

(۳) "أما الطيب فيحرم على المحرم استعماله فى ثوب أو بدن". (الفقه الإسلامى وأدلته، الأصل الثانى: ترفية البدن بالطيب وإزالة الشعر الخ: ۲۳۵/۳، حقانيه پشاور)

"والمحرم ممنوع من استعمال الطيب فى بدنه". (بدائع الصنائع، وأما بيان ما يحظره الإحرام و مالا يحظره: ۲۰۸/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

طرح صرف ذبح کرکے چھوڑ دیا، فقراء پر تقسیم نہیں کیا۔ کیا دمِ جنایت میں ذبح کے بعد تصدق علی الفقراء بھی ضروری ہے؟ اگر ضروری ہو تو اب اس کی تلافی اور تدارک کی کیا شکل ہے، تاکہ اس سال جانے والے کسی حاجی سے اس کی تلافی کردی جائے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جنایت فقراء پر صدقہ کرنے کا حکم ہے، لیکن اگر اس وقت فقراء وہاں موجود نہ ہونے کی وجہ سے ذبح کرکے وہیں چھوڑ دیا تب بھی کافی ہے، اب کسی تلافی کی ضرورت نہیں، کذا فی معلم الحجاج، ص: ۲۸٤ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۱۰/ ۹۵ھ۔



(۱) ''اگر فقیر موجود ہو تو صدقہ کا گوشت اس کو دے دینا خود نہ کھانا اگر فقیر موجود نہ ہو تو ذبح کرکے چھوڑ دینا کافی ہے''۔ (معلم الحجاج، باب شرائط جواز دم: ۳۱۰، إدارة القرآن کراچی)

''(والثامن عدم الاستهلاک، فلو استهلکه بنفسه بعد الذبح بأن باعه ونحو ذلک) بأن وهبه لغني أو أتلفه أو صيعه (ولم يجز، وعليه قيمته): أى ضمان قيمته للفقراء فيتصدق بها عليهم بأن كان مما يجب التصدق به، بخلاف ما إذا كان مما لايجب عليه التصدق به، فإنه لايضمن شيئاً كما بيّنه بقوله: (إلا فى هدى القران والمتعة): أى التمتع (والتطوع فإنه لايجب): أى على مستهلكه (فيها شئ): أى من الضمان لابدله ولاقيمة (ولو هلک): أى المذموح (بعد الذبح بغير اختياره بأن سرق سقط): أى الضمان (ولا شئ عليه): أى فى النوعين السابقين''. (المسلک المتقسط فى المفسک المتوسط، فصل فى أحكام الدماء وشرائط جوازها، ص: ۴۳۲، ۴۳۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى ردالمحتار، كتاب الحج، باب الجنايات: ۲/ ۵۶۴، سعيد)

''(وإذا عطب) أى تعب (الهدى) الذى ساقه (فى الطريق): أى قبل وصوله إلى محله من الحرم أو زمانة المعين له (فإن كان): أى الهدى (تطوعاً نحره وصبغ قلاوتها بدمها وضرب بها صفحة سنامها) وقيل جانب عنقها ليعلم أنها هدى (وليأكل منه الفقراء دون الأغنياء وليس عليه غيره): أى إقامة غيره بدله (ولم يأكل منه هو ولاغيره من الأغنياء)''. (المسلک المتقسط فى المنسک المتوسط، فصل فى أحكام الدماء وشرائط جوازها، ص: ۵۲۱، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا فى الدرالمختار، كتاب الحج، باب الهدى: ۲/ ۶۱۷، سعيد)

باب زیارة المدینة المنورة

(زیارتِ مدینہ کا بیان)

سفرِ مدینہ کی نیت

سوال[۵۱۶۵]: مدینہ طیبہ کی حاضری کے وقت مسجد نبوی کی زیارت کے قصد سے سفر کرے یا روضۂ اُطہر کی زیارت کا قصد مقدم ہونا چاہیئے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

روضۂ اُطہر کی زیارت کا قصد مقدم رکھے، طحطاوی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ۔

مسجدِ نبوی میں چالیس نمازیں

سوال[۵۱۶۶]: آیا مسجد نبوی میں ۴۰/ وقت کی نمازیں تواتر کے ساتھ ضروری ہیں یا نہیں؟ اگر کسی سبب سے تواتر ختم ہوگیا تو پھر سے پوری کرنا ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

چالیس نمازیں ادا کرنے پر جو وعدہ ہے، وہ مسلسل پر ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفاء اللہ عنہ۔

---

(۱) "والأولیٰ فی الزیارة تجرید النیة لزیارة قبره صلی الله تعالیٰ علیه وسلم". (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، باب فضل فی زیارة النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۷۴۵، قدیمی)

"والأولیٰ فیما یقع عند العبد الضعیف تجرید النیة لزیارة قبره علیه السلام". (ردالمحتار، مطلب فی تفضیل قبره المکرم صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: ۲/۶۲۷، سعید)

(وکذا فی إرشادالساری مناسک الملا علی القاري، باب زیارة سید المرسلین صلی الله تعالیٰ علیه وسلم، ص: ۳۳۴، مصطفی محمد بیروت)

(۲) "عن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "من صلی فی مسجدی أربعین صلوةً لاتفوته صلوة، کتب =

حرمین میں پہلے کہاں جائے؟

سوال[۵۱۶۷]: حج اور زیارت کے لئے ایک شخص گیا، اب اس کو پہلے مدینہ طیبہ کی حاضری بہتر ہے یا پہلے حج کرے؟

الجواب حامداًو مصلیاً:

اگر یہ پہلا حج ہے تو پہلے مکہ معظمہ جانا افضل ہے، ورنہ پہلے مدینہ طیبہ کی حاضری افضل ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= له براء ة من النار وبراء ة من العذاب وبراء ة من النفاق". (جمع الفوائد من جامع الأصول و مجمع الزوائد، باب ما جاء في مسجد رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، وزيارته، و معالم المدينة: ۱/۵۳۳، مكتبه المدينة منورة)

"وفي حديث يبيّن فضل الصلاة في هذاالمسجد: "من صلى في مسجدى أربعين صلاةً لا تفوته صلاة، كتبت له براء ة من النار، و نجاة يوم القيامة". (الفقه الإسلامى وأدلته، باب: ثانياً فضيلة المسجد النبوى: ۳/۳۳۴، مكتبه حقانيه پشاور)

(۱) "و يبدأ بالحج لو فرضاً، ويخير لو نفلاً". (رد المحتار، مطلب في تفضيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۲۷، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوى على مراقي الفلاح، فصل في زيارة النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۷۴۵، قديمى)

"وفيه أيضا إشعار ببداء ة الحج ثم إتيان المدينة الزيارة، كمالا يخفى، وهو اختيار إمامنا أبى حنيفة رحمه الله تعالىٰ، ففى فتاوىٰ أبى الليث السمرقندى: روى الحسن بن زياد عن أبى حنيفة أنه قال: الأحسن للحاج أن يبدأ بمكة، فإذا قضى نسكه، مر بالمدينة، وإن بدأبها جاز .... واختلف السلف في أن الأفضل البداء ة بالمدينة قبل مكة أو بمكة قبل المدينة، وأن ممن اختار البداء ة بالمدينة علقمةُ والأسود وعمرو بن ميمون من التابعين، ولعل سببه عندهم -كما قال السبكى- إيثار الزيارة .... ولقد من الله على هذا العبد الغرق فى الآثام بالعمل على قول الإمام مرتين وعلى قول علقمة والأسود وعمرو بن ميمون في هذه المرة، فحضرت مدينة النبى الكريم صلى الله تعالىٰ عليه=

حرمِ مدینہ کی حدود

سوال[۵۱۶۸]: حرمِ مدینہ منورہ کیا حدود کیا ہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

حنفیہ کے نزدیک مدینہ منورہ کا حرم نہیں، وہاں کا شکار وغیرہ درست ہے:"و ليس للمدينة المنورة حرم عندنا، فيجوز الاصطياد فيها، و قطع حشيشها، و رعيه. اهـ". شرنبلاليه(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

جواب صحیح :سعید احمد، خادم دارالافتاء، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ربیع الثانی/ ۵۵ھ۔

صحیح :عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/۴/ ۵۵ھ۔

عورتوں کے لئے روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت

سوال[۵۱۶۹]: عورتوں کے لئے قبروں کی زیارت منع ہے تو کیا روضۂ اطہر پر بھی جانا عورتوں کو منع ہے؟

= وسلم قبل الحج". (إعلاء السنن، كتاب الحج، أبواب الزيارة النبوية: ۱۰/ ۴۹۷، ۴۹۸، إدارة القرآن والعلوم الإسلاميه، كراچى)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، باب: خاتمة فى زيارة قبر النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۱/ ۲۶۵، رشيديه)

(۱) لم أقف عليه

"لا حرم للمدينة عندنا". (الدر المختار). "(قوله: لا حرم للمدينة عندنا): أى خلافاً للأئمة الثلاثة، قال فى الكافى: لأنا عرفنا حل الاصطياد بالنص القاطع، فلا يحرم إلا بدليل قطعى، لم يوجد .... لا جزاء على قاتل صيده، و لا على قاطع شجره، الخ". (ردالمحتار، مطلب فى كراهية الاستنجاء بماء زمزم: ۲/ ۶۲۶، سعيد)

"تحريم صيد المدينة و شجرها على الحلال والمحرم كمكة عند الجمهور، خلافاً لأبى حنيفة، للحديث السابق، الخ". (الفقه الإسلامى و أدلته، ثالثاً خصائل الحرم المدنى: ۳/ ۳۳۵، المكتبة الحقانيه پشاور)

الجواب حامداً و مصلياً:

منع نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

زیارتِ روضۂ پاک علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا ادب

سوال[۵۱۷۰]: بہارِ شریعت، حصۂ ششم: ۱۶۷، میں ہے کہ ”امام محمد بن الحاج مکی مدخل میں اور امام محمد قسطلانی مواہبِ لدنیہ میں اور ائمۂ دین فرماتے ہیں:

”لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشهادته لأمته، و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جليٌّ، لاخفاء فيه . انتهى“(۲)۔

کیا مدخل اور مواہب لدنیہ میں یہ لکھا ہے اور یہ کتابیں معتبر ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو اس عبارت کا صحیح مطلب کیا ہے؟ مفصل جواب مرحمت ہو ضرورت ہے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

بہارِ شریعت یہاں موجود نہیں ہے، معلوم نہیں کہ اس میں اس عبارت سے کیا استدلال کیا ہے۔ یہ

---

(۱) ”هل تستحب زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء؟ الصحيح: نعم بلا كراهة، بشروطها“. (ردالمحتار، مطلب في تفصيل قبره المكرم صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: ۲/۶۲۷، سعيد)

”هل يستحب زيارة قبره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم للنساء أو يكره؟ فالصحيح أنه يستحب بلا كراهة، إذا كانت بشروطها“. (إرشاد الساري إلى مناسك الملا على القاري، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۳۳۴، مصطفى محمد مصر)

(وكذا في مناسك الملا على القاري، المسمى المسلك المتقسط في المنسك المتوسط، باب زيارة سيد المرسلين صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ص: ۵۰۲، إدارة القرآن كراچى)

(۲) ”لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته و معرفته بأحوالهم و نياتهم وعزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جليٌّ لاخفاء فيه. انتهى“. (بهار شريعت حصه ششم: ۱۷۴، مكتبه تاجران كتب لاهور)

عبارت مدخل میں موجود ہے(۱)، اسی طرح مواہب لدنیہ: ۳/ ۵۰۸، میں موجود ہے(۲)۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ جوشخص حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک پر زیارت کے لئے حاضر ہواس کو چاہیئے کہ انتہائی ادب واحترام کے ساتھ کھڑا ہو، ظاہری احترام کے ساتھ قلب کی بھی نگہ داشت رکھے کہ کوئی خیال جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شانِ گرامی کے خلاف نہ آنے پائے، غرض جس طرح آپ کی حیات میں آداب ظاہری وباطنی کی رعایت ضروری سمجھی جاتی ہے اسی طرح مزار مبارک پر حاضری کے وقت بھی ضروری سمجھے کیونکہ آپ کی حیاتِ برزخی قوی دلائل سے موجود وثابت ہے، حدیث شریف میں آیا ہے کہ ''جوشخص مجھ پر پاس کھڑا ہوکر درود بھیجتا ہے میں اس کوسنتا ہوں۔ اور جو دور سے بھیجا جاتا ہے، وہ مجھ کوسنایا جاتا ہے''(۳)۔

آپ کی حیات میں منافقین جب حاضر ہوتے تھے تو بسا اوقات آپ کو وحی کے ذریعہ نفاق پر اطلاع ہوجاتی تھی(۴)، اسی طرح اگر مزار مبارک پر خلافِ شانِ اقدس کوئی خیال کیا جائے تو کیا عجب ہے کہ اللہ

---

(۱) "و يحتاج إلى الأدب الكل في زيارته عليه السلام، وقد قال علماء نا رحمهم الله تعالىٰ: الزيارة يشعر نفسه بأنه واقف بين يديه عليه الصلوة والسلام كما في حياته؛ إذ لا فرق بين موته و حياته، الخ". (المدخل لابن الحاج، فصل: وأما في زيارة سيد الأولين والآخرين صلوات الله عليه وسلامه: ۱/ ۲۵۲، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

(۲) "وينبغي أن يقف عند محاذاة أربعة أذرع، و يلازم الأدب والخشوع والتواضع، غاض البصر في مقام الهيبة كما كان يفعل بين يديه في حياته، و يستحضر علمه بوقوفه بين يديه وسماعه لسلامه كما هو الحال في حال حياته؛ إذ لا فرق بين موته و حياته صلى الله تعالىٰ عليه وسلم في مشاهدته لأمته و معرفته بأحوالهم و نياتهم و عزائمهم و خواطرهم، و ذلك عندهم جلي لاخفاء فيه. الخ". (شرح العلامة الزرقاني على المواهب اللدنية، الفصل الثاني في زيارة قبره الشريف و مسجده المنيف: ۱۲/ ۱۹۵، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۳) "وعن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "من صلى عليّ عند قبري سمعته، و من صلى عليّ نائياً أبلغته". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الصلوة على النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وفضلها، الفصل الثالث، ص: ۸۷، قديمي)

(۴) "﴿ولو نشاء لأرينا كهم فلعرفتهم بسيماهم﴾ يقول عزوجل: ولو نشاء يا محمد، لأريناك =

تبارک وتعالیٰ اس پر بھی مطلع فرمادیں۔ بعض روایات میں وارد ہے کہ امت کے اعمال آپ پر پیش کئے جاتے ہیں (۱)، اگر وہاں حاضر ہونے والوں کے عزائم وخواطر بھی پیش کردیئے جائیں تو کیا استبعاد ہے۔ مدخل کی عبارت اس سے پہلے یہ ہے:

"و يحتاج إلى الأدب الكلي في زيارته عليه السلام، و قد قال علماء نا رحمهم الله تعالىٰ : أن الزائر يشعر نفسه بأنه واقف بين يديه عليه الصلوة والسلام كما في حياته؛ إذ لا فرق

= أشخاصهم فعرفتهم عياناً، ولكن لم يفعل تعالىٰ ذالك في جميع المنافقين ستراً منه على خلقه، وحملاً للأمور على ظاهر السلامة، ورداً للسرائر إلى عالمها .... عن أبي مسعود وعقبة بن عمرو رضي الله تعالىٰ عنهم : قال: خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خطبةً، فحمد الله تعالىٰ و أثنى عليه، ثم قال: "إن منكم منافقين، فمن سميت، فليقم". ثم قال: "قم يا فلان، قم يا فلان. قم يا فلان". حتى سمى ستةً و ثلاثين رجلاً، ثم قال: "إن فيكم أومنكم منافقين، فاتقو الله، الخ". (تفسير ابن كثير، (سورة محمد، پ: ۲۶): ۴/۱۸۰)

(وكذا في التفسير المنير وهبة الزهيلي : ۲۶/ ۱۲۵، ۱۲۶، دار الفكر، بيروت)

(وكذا في الخصائص الكبرى، باب إخباره صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بالمنافقين: ۲/۱۷۴، حقانيه پشاور)

(۱) "وعنه رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: "تعرض أعمال الناس في كل جمعة مرتين: يوم الإثنين، و يوم الخميس، فيغفر لكل عبد مؤمن إلا عبد بينه و بين أخيه شحناء".

قال الملا على القاري رحمه الله تعالىٰ: "رواه الطبراني عن أسامة بن زيد بلفظ: "تعرض الأعمال على الله يوم الإثنين والخميس .... و تعرض على الأنبياء وعلى الآباء والأمهات يوم الجمعة، فيفرحون بحسناتهم، وتزداد وجوههم بياضاً وإشراقا، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع الخ، الفصل الأول، كتاب الآداب: ۸/۷۶۳، ۷۶۴، رشيديه)

(وكذا في المدخل لابن الحاج، فصل: وأما في زيارة سيدالمرسلين الخ: ۱/۲۵۳، مصطفى البابي الحلبي مصر بيروت)

بين موته و حياته الخ"۔

تنبیہ: صاحبِ مدخل مذہباً مالکی ہیں اور صاحبِ مواہب لدنیہ شافعی المذہب ہیں اور مجموعی حیثیت سے دونوں کتابیں مالکیہ وشافعیہ کے یہاں معتبر ہیں، لیکن مذہب اور فتوے کی کتابیں نہیں ہیں، بلکہ سیرت اور آداب کی حیثیت رکھتی ہیں، پس جب مذہب اور فتویٰ سے ٹکرائیں گی تو ان دونوں مذہب والے کو چھوڑ دیں گے اور فتویٰ اور مذہب کی کتابوں پر عمل کریں گے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲/۱۲/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۲/۱۲/ ۵۷ھ۔



﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾

(آل عمران: ۹۷)

باب المتفرقات

حاجیوں کو خلافِ قانون سامان لانا

سوال[۵۱۷۱]: بہت سے لوگ حج سے واپسی پر ستے ہونے کے وجہ سے سونا وغیرہ خرید کر لاتے ہیں جب کہ سعودی حکومت کے قانون کے مطابق بہت سی چیزیں ایک خاص مقدار سے زائد ملک سے باہر لیجانے کی ممانعت ہے۔ کیا اس قانون کی رعایت نہ کرنے سے گنہ گار ہوگا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جب سعودی حکومت میں کوئی شخص داخل ہو تو اس کو سعودی قانون کی پابندی لازم ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حاجیوں کا داخلی میں کچھ دینا رشوت ہے

سوال[۵۱۷۲]: خدامِ کعبہ بلا کچھ لئے خانہ کعبہ کے اندر نہیں جانے دیتے تو ایسی صورت میں ان کو کچھ دینا کیسا ہے، یہ رشوت تو نہیں ہے؟

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿أطيعوا الله و أطيعوا الرسول وأولی الأمر منكم﴾ .... و إنما أشار نهم بذلك إلی أن طاعة الأمير واجبة". (فتح الباری، كتاب الأحكام، باب السمع والطاعة للإمام ما لم تكن معصيةً: ۱۳/۱۲۳، دارالمعرفة، بيروت)

(و كذا فی أحكام القرآن للجصاص، باب فی طاعة أولی الأمر: ۲/۲۹۸، قديمی)

"(قوله: أمر السلطان إنما ينفذ): أی يتبع، و لا تجوز مخالفته .... التعليل بوجوب طاعة ولی الأمر، و فی ط عن الحموی: أن صاحب البحر ذكر ناقلاً عن أئمتنا أن طاعة الإمام فی غير معصية واجبة، فلو أمر بصوم يوم، وجب". (ردالمحتار، مطلب: طاعة الإمام واجبة: ۵/۴۲۲، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ رشوت ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ہندوستانی کا پاکستانی پاسپورٹ سے حج کرنا

سوال[۵۱۷۴]: کوئی شخص ہندوستانی ہے وہ پاکستان سے پاکستانی پاسپورٹ بنوا کر حج کو جائے تو حج درست ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس کا حج درست ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۱/۹۰ھ۔

---

(۱) "ومثله فيما يظهر دفع الرشوة على دخوله، لقوله في شرح اللباب: و يحرم أخذ الأجرة ممن يدخل البيت، أو يقصد زيارة مقام إبراهيم عليه السلام بلا خلاف بين علماء الإسلام وأئمة الأنام، كما صرح به في البحر وغيره، اهـ. وقد صرحوا بأن ما حرم أخذه، حرم دفعه إلا لضرورة، ولا ضرورة هنا؛ لأن دخول البيت ليس من مناسك الحج". (ردالمحتار، باب الهدى، مطلب في دخول البيت: ۲/۶۲۴، سعيد)

"فيستبيح أخذ الأجرة على دخول البيت الحرام، أو زيارة مقام إبراهيم عليه السلام، فإنه لا خلاف بين علماء الإسلام و أئمة الأنام في تحريم ذلک، كما صرح به في البحر الزاخر وغيره".

"(قوله: لأنه لا خلاف، الخ) قال في هداية السالک إلى المذاهب الأربعة في المناسک: وإنه من أشنع البدع وأقبح الفواحش، و هذه اللفظة وإن صحت فيستدل بها على إقامة الحرمة؛ لأن أخذ الأجرة ليس من المعروف .... (قوله: في تحريم ذالک، الخ)". (إرشاد الساري إلى مناسک الملا على القاري، فصل: يستحب دخول البيت، ص: ۵۴۶، دارالفكر بيروت)

(۲) حج تو صحیح ہو جائے گا لیکن قوانین حکومت کی خلاف ورزی کی بناء پر گناہ ہوگا۔ قبول حج کے نظائر میں سے یہ ہے:

"و قد يتصف بالحرمة كالحج بمال حرام". (الدرالمختار). "فقد يقال: إن الحج نفسه هو زيارة مكان مخصوص .... ليس حراماً بل الحرام هو إنفاق المال الحرام، و لا تلازم بينهما، كما أن الصلاة في الأرض المغصوبة تقع فرضاً، وإنما الحرام شغل المكان المغصوب لا من حيث كون =

سوال کرکے حج کو جانا

سوال[۴۷۱۵] : ایک شخص پرحج فرض نہیں ہےمگر وہ لوگوں سےسوال کرکے حج کو جانے کاارادہ کرتا ہےاورحج کرتا ہےتواس کا حج اداہوگا یانہیں؟اس طرح سوال کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

جس کے پاس ایک دن کھانے کی مقدارموجودہواس کوسوال کرنادرست نہیں:"لایحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوۃ". طحطاوی، ص: ۳۹۳(۱)۔

اورایسےشخص کودینابھی درست نہیں:"ویأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم". طحطاوی(۲)۔

= الفعل صلاةً ؛ لأن الفرض لا یمکن اتصافه بالحرمة، و هنا کذالک، فإن الحج فی نفسه مأمور به، وإنما یحرم من حیث الإنفاق، و کأنه أطلق علیه الحرمة؛ لأن للمال دخلاً فیه، فإن الحج عبادة مرکبة من عمل البدن والمال کما قدمناه، و لذا قال فی البحر: ویجتهد فی تحصیل نفقة حلال، فإنه لا یقبل بالنفقة الحرام، کما ورد فی الحدیث، مع أنه یسقط الفرض عنه معها، و لا تَنافِیَ بین سقوطه و عدم قبوله، فلا یثاب لعدم القبول، و لا یعاقب عقاب تارک الحج، الخ". (ردالمحتار، مطلب فیمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب المناسک، الباب الأول: ۱/۲۲۰، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الحج: ۲/۵۴۱، رشیدیه)

(۱) (حاشیة الطحطاوی علی مراقی الفلاح، قبیل باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۲، قدیمی)

"ولا یحل أن یسأل شیئاً من القوت مَن له قوت یومه بالفعل أو بالقوۃ کالصحیح المکتسب، ویأثم معطیه إن علم بحاله لإعانته علی المحرم". (الدر المختار، مطلب فی الحوائج الأصلیة، باب المصرف: ۲/۳۵۴، ۳۵۵، سعید)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب المصرف: ۱/۲۲۶، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) (حاشیة الطحطاوی، کتاب الزکوة، قبیل باب صدقة الفطر، ص: ۷۲۲، قدیمی)

اس طرح حج کرنے سے حج ادا ہو جائے گا مگر سوال کرنے کا گناہ بھی ہوگا، کذا فی رد المحتار: ۲/۱۰۴(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۳۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۶/۳۰ھ۔

تبلیغی جماعت کے ساتھ حج کرنا

سوال[۵۱۷۵]: زید کا خیال ہے کہ جب حجِ بیت اللہ کو روانگی ہو تو کسی تبلیغی جماعت میں شامل ہوں۔ عمر نے جب یہ سنا کہ زید کا خیال یہ ہے کہ "جماعت میں شامل ہو جاؤں" تو انہوں نے یہ فرمایا کہ جماعت میں شامل ہونے سے بیت اللہ شریف میں جو نمازیں پڑھو گے اس سے محروم ہو جاؤ گے، اس وجہ سے کہ جماعت تو محلّہ درمحلّہ مسجدوں میں گشت کرے گی اور وہیں نماز پڑھے گی تو ظاہر بات ہے کہ اس ثواب سے محروم رہو گے۔

تو زید نے یہ جواب دیا کہ دوسروں کو دین کی بات پہنچانا ہی بڑی چیز ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بڑی تاکید فرمائی ہے، بات یہاں آ کر ٹھہری کہ فتوی منگا لیا جائے جیسے مفتی صاحبان کی رائے ہو اس پر عمل کیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

تبلیغی جماعت میں جا کر اصول کے موافق کام کرنے سے نیت کی درستی کا اہتمام ہوتا ہے، قلب میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، نماز باجماعت کی پابندی ہوتی ہے، تہجد کی توفیق ہوتی ہے، ذکر سے زبان، قلب کو انس پیدا ہوتا ہے، حج کے زمانے کی جماعت میں حج کے موافق سنت ادا کرنے کی تعلیم ہوتی ہے، حرم محترم اور اہلِ حرم کے حقوق معلوم ہوتے ہیں، لایعنی باتوں سے حفاظت رہتی ہے۔

اگر یہ سب چیزیں میسر آئیں تو پھر حج کی قیمت بہت زیادہ ہو جاتی ہے اور جب حج کو صحیح طریقہ پر ادا

---

(۱) کوشش کے باوجود اس قسم کی عبارت ردالمحتار میں نہیں ملی، بلکہ بدائع میں ہے:

"ثم إذا حج بالسوال من الناس، يجوز ذلك عن حجة الإسلام، حتى لو أيسر لا يلزمه حجة أخرى؛ لأن الاستطاعة بملك الزاد والراحلة، ومنافع البدن شرط الوجوب؛ لأن الحج يقام بالمال والبدن جميعاً". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط فرضيته: ۳/۴۵، دار الكتب العلميه بيروت)

کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا جاوے تو جماعتوں کے ساتھ جانا بھی حج ہی کے لئے جانا شمار ہوگا، اس لئے مناسب یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کی معیت میں حج ادا کیا جائے (۱) اور وہاں بھی جماعت کے ساتھ شریک ہوکر کام کیا جائے، تبلیغ کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بڑی تعداد میں حرمین شریفین سے باہر سفر فرمائے ہیں، وہ حضرات بھی جانتے تھے کہ نمازِ حرم کا مقام کس قدر بلند ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸، ۹۱ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۱/۸، ۹۱ھ۔

حج میں تجارت

سوال [۵۱۷۲]: ایک شخص نفع کی غرض سے کچھ تجارتی سامان لے کر حج کو جاتا ہے، اسی طرح وہاں سے بھی لاتا ہے۔ ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کوئی خلل تو نہ ہوگا، جب کہ ان چیزوں کو لے جانے اور لانے کی ممانعت بھی نہ ہو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ثواب میں تو کمی نہیں ہوگی، لیکن یہ سفر مبارک اگر تجارت سے بالکل ہی خالی رہے تو زیادہ اچھا ہے:

"وتجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتجر، لا ينقص ثوابه. اهـ". بحر: ۲/۳۳۳ (۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولله على الناس حج البيت من استطاع إليه سبيلاً﴾ (آل عمران: ۹۷)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: "خطبنا رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: "يا أيها الناس! قد فرض عليكم الحج فحجوا". (مشكوة المصابيح، كتاب المناسك، الفصل الأول، ص: ۲۲۰، قديمي)

"شروط الوجوب و هي التي إذا وجدت بتمامها، وجب الحج، وإلا فلا". (ردالمحتار، مطلب فيمن حج بمال حرام: ۲/۴۵۸، سعيد)

(۲) (البحر الرائق، كتاب الحج: ۲/۵۴۱، رشيديه) .... =

ایضاً

سوال[۵۱۷۷]: حج کے لئے جو رقم کا تبادلہ گورنمنٹ کرتی ہے وہ محدود ہے، اس لئے حاجی مدراسی لنگی، عطر، صندل، لکھنوی کُرتے وغیرہ لے جاسکتے ہیں یا نہیں؟ ان پر حکومت کی کوئی پابندی نہیں ہے، تاکہ ان سے تجارت کر کے اطمینان سے خرچ کرسکیں، یا وہاں سے وہ سامان حج پر حکومتِ سعودیہ کی کوئی پابندی نہیں ہے، مثلاً: لونگ، جائفل، دارچینی اور دوسری جڑی بوٹیاں، یہاں پر سونے چاندی کا سوال نہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جس سامان کے یہاں سے لے جانے اور وہاں سے لانے پر کوئی پابندی نہیں، اس کا یہاں سے لے جانا اور وہاں سے لانا حاجی وغیر حاجی سب کے لئے جائز ہے(۱)، ایسا کرنے سے حج کے ثواب میں کمی نہیں آتی(۲)۔

= "وتجريد السفر عن التجارة أحسن، و لو اتجر، لا ينقص ثوابه كالغازي إذا اتجر، و هذا محمول على ما إذا لم تحمله التجارة على السفر". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحج: ۱/۴۷۹، دار المعرفة بيروت)

(و كذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، الخ: ۱/۲۲۰، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ فجعل ذلك رخصةً في التجارة في الحج، و قد ذكرنا ما روي فيه في سورة البقرة". (أحكام القرآن للجصاص، سورة الحج، باب التجارة في الحج: ۳/۳۴۵، قديمي)

"و كـكراهيتهم في التجارة موسم الحج ظناً منهم أنها تخل بإخلاص العمل لله، فنزل: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلاً من ربكم﴾ (حجة الله البالغة). "﴿فضلاً﴾ رزقاً ﴿فضلاً من ربكم﴾: أي تبتغوا رزقاً بالتجارة في الحج، و قد نزلت هذه الآية رداً على كراهيتهم ذلك". (حاشية حجة الله البالغة، باب كره الجاهلون التجارة في موسم الحج: ۲/۱۴۸، قديمي)

(۲) "و تجريد السفر عن التجارة أحسن، ولو اتّجر لا ينقص ثوابه كالغازي إذا اتجر، و هذا محمول على ما إذا لم تحمله التجارة على السفر". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحج: =

لیکن اتنا ضرور ہے کہ حاجی کا دھیان پھر تجارت میں اٹکا رہتا ہے (۱)، اس لئے افضل یہ ہے کہ تجارت کی نیت نہ ہو اور روپیہ کی کمی کو دور کر کے فرائض کو سہولت سے ادا کرنا اور خیرات کرنا مقصود ہو تو اس نیت میں اجر وثواب بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/ ۷/ ۸۹ھ۔

حاجی کے گلے میں ہار

سوال [۵۱۷۸]: حاجی کے گلے میں لوگ گری اور مکھانے (۲) اور کپڑے کے پھولوں اور گلاب کے پھولوں کا ہار بنا کر ڈالتے ہیں اور گلاب اور گیندے وغیرہ کے ہار پھول حاجی کے اوپر پھینکتے ہیں۔ یہ سب از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ سب طریقے خلافِ سنت ہیں اور غلط قابلِ ترک ہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

= ۱/ ۴۷۹، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب المناسك، الباب الأول في تفسير الحج، الخ: ۱/ ۲۲۰، رشيديه)

(۱) "(والبيع والشراء والحديث إذا كان يشغله) قيد للثلاثة، والمعنى: يشغله عن الحضور، و يدفعه عن الذكر والدعاء، أو يمنعه عن الموالاة". (إرشاد السارى إلى مناسك الملا على القارى، باب السعي بين الصفا والمروة، فصل فى مكروهاته، الركوب من غير عذر، ص: ۱۲۱، ۱۲۲، مصطفى محمد صاحب المكة بمصر)

(۲) "گری: ڈور کی رسی لپٹنے کی چرخی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۹۴)

"مکھانے: کنول کا بیج جو بھون کر کھایا جاتا ہے، تال مکھانا، ایک قسم کی مٹھائی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۷۸)

(۳) زبدۃ المناسک میں ہے:

"آج کل یہ رواج ہو گیا ہے کہ جو شخص حج پر جاتا ہے تو دوست واحباب خوشبودار پھولوں کے ہار بنا کر اس کے گلے میں ڈالتے ہیں۔ ایک تو یہ رسم کافروں اور فیشن پرست لوگوں نے ایجاد کی ہے، ان میں ہی =

حجاج کے لئے نعرۂ تکبیر اور پھولوں کے ہار

سوال[۱۵۱۷۹]: پندرہ بیس سال سے یہ رواج ہوگیا ہے کہ حجاج کو رخصت کرتے وقت اور واپسی میں ان کے استقبال کے وقت لوگ پھولوں کے ہار ان کے گلے میں ڈالتے ہیں اور جوش وخروش کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہیں۔ زید اس فعل کو بدعت، مکروہ اور ریاکاری ونمائش پر محمول کرتے ہوئے ناجائز سمجھتا ہے اور بکر اسے فعل مباح اور نعرۂ تکبیر کو مستحسن اور بلندیٔ شعائر اسلام سے سمجھتا ہے۔ دونوں میں کس کا قول صحیح ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ابتداءً نعرۂ تکبیر بلندیٔ شعائرِ اسلام کے لئے تجویز ہوا تھا، چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسلام قبول کرنا، ابوجہل کا مقتول ہونا، قلعۂ انطاکیہ کا فتح ہونا وغیرہ وغیرہ ایسے ہی مواقع پر نعرۂ تکبیر کا ثبوت ملتا ہے(۱)،

= مروج ہے۔ دیندار وعلماء فضلاء اس کو پسند نہیں کرتے نہ ان کا عمل ہے بلکہ ان کے طرزِ عمل کے خلاف ہے۔

دوسرا یہ کہ اگر سفر میں جانے والا حج یا عمرہ کے احرام میں ہوگا تو ان کے خوشبودار پھولوں کے ہار وغیرہ گلے میں ڈالنا یا سونگھنا ممنوع ہے، اگرچہ فقط اس سے کفارہ وغیرہ لازم نہیں ہوتا، بلکہ مکروہ ہے، کیونکہ پھولوں کی خوشبو کولگانے کا حکم نہیں ہے............ اھ"۔ (زبدۃ المناسک، ص: ۳۴۹، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ رحیمیہ، کتاب الحج، متفرقات الحج، حجاج کرام کی دعوت، ہدیہ کالین دین............اھ: ۱۴۳/۸، دار الاشاعت، کراچی)

(۱) "ذكره أسامة بن زيد عن أبيه، عن جده أسلم قال: قال لنا عمر بن الخطاب رضي الله تعالىٰ عنه أتحبون أن أعالكم كيف كان بدء إسلامي؟ .... حتي بلغت إلي قوله: ﴿إن كنتم مؤمنين﴾ قال: فقلت: "أشهد أن لا إله إلا الله وأشهد أن محمداً رسول الله". قال: فخرج القوم يتبادرون بالتكبير، استبشاراً بما سمعوه مني". (أسد الغابة، عمر بن الخطاب، (رقم الترجمة: ۳۸۲۴): ۶۴۴/۳، دار الفكر بيروت)

"قال: ثم احتززت رأسه فجئت به رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، فقلت: هذا رأس عدو الله أبي جهل، فقال: "والله الذي لا إله إلا الله هو". فحلف له، ويقال: مر ابن مسعود على أبي جهل =

مگر اب تو محض نمائش ہی ہے، خاص کر ہندی لوگوں کے لئے بلکہ اکثر مواقع میں لہو ولعب کی صورت ہو جاتی ہے اس لئے اس سے اجتناب ہی بہتر ہے(۱)۔

پھولوں کا ہار ڈالنا سلف صالحین سے کہیں ثابت نہیں، مشرکین اپنے بتوں پر پھول چڑھاتے ہیں اور مبتدعین ان کی حرص میں قبور اور مزارات پر چڑھاتے ہیں، اب ایک قدم اَور آگے بڑھا کر زندہ لیڈروں اور عازمینِ حج یا حجاج پر چڑھانے لگے، اس سے زیادہ اَور کوئی اس کی اصل معلوم نہیں ہوتی۔ اگر سونگھنے کے لئے کسی کو پھول یا کُرئی اَور خوشبو دی جائے تو وہ بہتر ہے جس کا رد کرنا بھی خلافِ سنت ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

= فقال: الحمدلله الذى أخزاك وأعز الإسلام، فقال أبوجهل: أتشتمني يارويع هذيل؟ فقال: نعم والله! وأقتلك، فحذفه أبوجهل بسيفه، وقال: دونك هذا إذاً، فأخذه عبدالله فضربه حتى قتله، وجاء به إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم وقال: يارسول! قتلت أباجهل، فقال: "الله الذى لا إله إلا هو". فحلف له، فأخذه النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بيده ثم انطلق معه حتى أراه إياه، فقام عنده، وقال: "الحمدلله الذى أعز الإسلام وأهله". ثلاث مرات". (عمدة القارى، كتاب المغازى، باب قتل أبى جهل: ١٧/١١٤، دارالكتب العلميه بيروت)

"عن أيوب، عن محمد، عن أنس رضى الله تعالىٰ عنه قال: صبّح النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم خيبر، و قد خرجوا بالمساحى على أعناقهم، فلما رأوه قالوا: محمد والخميس، محمد والخميس! فلجئوا إلى الحصن، فرفع النبى صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يديه، و قال: "الله أكبر". (فتح البارى، كتاب الجهاد، باب التكبير عند الحرب: ٦/١٣٤، دار المعرفة بيروت)

"فلما دخل القرية قال: "الله أكبر، خربت خيبر، إنا إذا نزلنا بساحة قوم فساء صباح المنذرين". قالها ثلاث مرار". (الصحيح لمسلم، كتاب الجهاد، باب غزوة خيبر: ٢/١١١، قديمى)

(١) "قال ابن المنير: فيه: أن المندوبات قد تقلب مكروهات إذا رفعت عن رتبتها". (فتح البارى، باب الانفتال والانصراف عن اليمين والشمال: ٢/٣٣٨، دار المعرفة بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر فى سجود التلاوة: ١/١٣٦، رشيديه)

(وكذا فى ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ٢/١٢٠، سعيد)

(٢) راجع: (فتاوى رحيميه: ١٠/١٨٣، دار الإشاعت كراچى)

(وكذا فى زبدة المناسك: ٣٤٩، سعيد)

حج کو جانے والے کو نعروں کے ساتھ رخصت کرنا

سوال[۵۱۸۰]: جب کوئی حج کو جاتا ہے تو عوام اس کے نام کے اور بھی دیگر کے نام مثلاً مسٹر جناح کے نعرے زندہ باد بولنا، حاجی زندہ باد وغیرہ اسٹیشن وغیرہ پر بلند آواز سے روانگی کراتے وقت تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ ایک نمائش ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ، ۳/۱۱/۶۱ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ ذیقعدہ/ ۶۱ھ۔

حاجی کو رخصت کرنے کے لئے عورتوں کا اسٹیشن جانا

سوال[۵۱۸۱]: حج کرنے والے کے پیچھے عورتیں جوان وبوڑھی اسٹیشن پر بھیجنے جاتی ہیں۔ یہ طریقہ کیا صحیح ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

عورتوں کو اس مقصد کے لئے گھر سے نکلنے اور اسٹیشن پر جانے کی ضرورت نہیں، ان کو باز آنا چاہئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

---

(۱) "﴿الذین هم یراؤن﴾ الناس، فیعملون حیث یروا الناس و یرونهم طلباً للثناء علیهم". (روح المعانی، سورة الماعون: ۲۴۲/۳۰، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"وعن جندب رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سمّع": أی من عمل عملاً للسمعة بأن نواه بعمله، و شهره لیسمع الناس به، و یمتدِحُوه "سمّع الله به": أی شهره الله بین أهل العرصات، وفضحه علی رؤوس الأشهاد". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة: ۱۷۷/۹، رشیدیه)

(۲) "و من منکراتهم أیضاً خروج النساء عند ذهابهم و عند مجیئهم، فإن الواجب علی المرأة قعودها فی بیتها و عدم خروجها من منزلها. وعلی الزوج منعها عن الخروج، و لو أذن لها و خرجت، کانا =

حج کا ولیمہ

سوال[۱۸۲ ۵]: لوگ حج سے واپس آنے پر اپنے خاندان والوں کی دعوت کرتے ہیں، یہ دعوت اور کھانا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

حج اسلام کا عظیم الشان رکن ہے اور بہت بڑی نعمت ہے اس کی ادائیگی پر اگر کوئی شخص شکریہ کے طور پر غرباء ومساکین اوراعزہ واحباب کوکھانا کھلائے یا کچھ ہدیہ دے تو شرعاً درست ہے(۱)، لیکن بعض جگہ اس میں

= عاصيين، والإذن قد يكون بالسكوت فهو كالقول؛ لأن النهي عن المنكر فرض. وإن خرجت بغير إذن زوجها يلعنها كل مَلَكٍ في السماء وكل شيء يمر عليه إلا الإنس والجن، و قد جاء في الحديث أنه عليه السلام قال: "ما تركت بعدى فتنةً أضر من النساء".

فخروج النساء في هذا الزمان من بيوتهن من أكثر الفتن، لا سيماً الخروج المحرم كخروجهن خلف الجنازة، و لزيارة القبور، و عند خروج الحجاج و مجيئهم. والخير قعودهن في بيوتهن و عدم خروجهن عن منزلهم، ألا ترى أنه تعالىٰ أمر خير نساء الدنيا، و هن أزواج النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بعدم الخروج من بيوتهن فقال: ﴿وقرن في بيوتكن﴾ وهذا النظم الكريم وإن نزل فيهم إلا أن حكمه يعم الجميع، لما تقرر أن خطابات القرآن تعم الموجودين وقت نزوله، ومَن سيوجد إلى القيامة". (مجالس الأبرار، ص: ۱۴۵، مجلس نمبر: ۲۰)

﴿وقرن في بيوتكن﴾: أي ألزمن فلا تخرجن لغير حاجة .... عن عبد الله رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "إن المرأة عورة، فإذا خرجت استشرفها الشيطان". وأقرب ما تكون بروحة ربها و هي في قعر بيتها .... و روى البزار بإسناده المتقدم، و أبوداؤد أيضاً عن النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "صلاة المرأة في مخدعها أفضل من صلاتها في بيتها، و صلاتها في بيتها أفضل من صلاتها في حجرتها". (تفسير ابن كثير، (سورة الأحزاب، آيت: ۳۳): ۳/۲۳۶، ۲۳۷، دار الفيحاء دمشق)

(وكذا في روح المعاني، سورة الأحزاب: ۲۲/۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "وعن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه عن النبي صلى الله عليه وسلم: قال: "فأطعموا طعامكم الأتقياء وأولوا معروفكم المؤمنين". رواه البيهقي في شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، باب الضيافة، =

ریا اور فخر کی شان ہوتی ہے اور گویا کہ اپنے حج کا اعلان ہوتا ہے کہ حج کر کے آئے ہیں۔ اور بعض جگہ پر کھانا لازم اور ضروری تصور کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ اگر اپنے پاس پیسہ نہ ہوتو قرض لے کر کھلایا جاتا ہے اور بعض دفعہ اس کے لئے سودی قرض لیا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں شریعت کی طرف سے اس کی اجازت نہیں، اس سے پرہیز کیا جائے، اس طرح کھلانے سے اور ایسا کھانا کھانے سے بھی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، ۱۹/۲/۹۰ھ۔

حاجی کا خطاب

سوال[۵۱۸۳]: حجاج کرام جب حج کر کے واپس لوٹتے ہیں تو انہیں حاجی کا خطاب دیا جاتا ہے اور کچھ لوگ خود ہی حاجی لکھنے لگتے ہیں۔ عوام کو حاجی کے خطاب سے پکارنا درست ہے یا نہیں؟ یہاں لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی حج کئے اور رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے تو ہمیشہ ہی حج کیا، لیکن کہیں بھی حاجی کا خطاب نظر نہیں آتا، شرع سے اس کی تفصیل لکھیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو "حاجی" کے لفظ سے خطاب نہیں کیا جاتا اور اس کی ضرورت بھی نہیں تھی، اس لئے کہ ان کے مناقب وفضائل بے شمار تھے اور حج تو وہاں کے مشرک بھی کرتے تھے۔ ہمارے یہاں جس غریب کے پاس کوئی فضائل ومناقب نہیں اس کو حاجی کہہ کر کچھ تعظیم

= الفصل الثانی: ۳۲۹، قدیمی)

(۱) "قال ابن المنیر: فیه أن المندوبات قد تقلب مکروهات إذ اُرفعت عن رتبتها، الخ". (فتح الباری، باب الانفتال والانصراف عن الیمین والشمال: ۳۳۸/۲، دارالمعرفة، بیروت)

"وأما إذا سجد بغیر سبب، فلیس بقربة ولا مکروه، وما یفعل عقیب الصلوت مکروه؛ لأن الجهال یعتقدونها سنةً أو واجبةً، وکل مباح یؤدی إلیه فمکروه، هکذا فی الزاهدی". (الفتاویٰ العالمکیریة، الباب الثانی عشر فی سجود التلاوة: ۱۳۶/۱، رشیدیه)

(وکذا فی ردالمحتار، باب سجود التلاوة: ۱۲۰/۲، سعید)

وتکریم کرلی جائے تو اس میں مضائقہ نہیں، لیکن حاجی کو اس کا منتظر رہنا، یا خواہشمند رہنا، یا خود اس کی تشہیر کرنا کہ لوگ مجھے حاجی کہیں، یہ زیبا نہیں، وہ اپنے حج کی نمائش ہرگز نہ کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۴۰۶ھ۔

مزارات کی زیارت کرتے ہوئے سفرِ حج

سوال[۵۱۸۴]: سیاست اخبار مورخہ ۲/ دسمبر/ ۶۰ء میں سفر حج کا جو طریقہ درج ہے، کیا شرع شریف میں اس طریقہ سے حج بیت اللہ شریف جائز ہے؟

فرحت اللہ، مسلم یتیم خانہ پریڈ، کان پور۔

الجواب حامداًومصلیاً:

کان پور سے اجمیر شریف تک کا ٹکٹ خرید کر اس کے ذریعہ دہلی، اجمیر، آگرہ، جے پور، فتح پور سیکری، بمبئی، بصرہ، بغداد، کربلائے معلی، نجف اشرف، کاظمین شریف، کوفہ، بیت المقدس، جدہ، مکہ معظمہ، طائف شریف، مدینہ منورہ کی زیارت بہت سستی اور آسان ہے، بظاہر تو بہت بڑے کارِ خیر کا دروازہ کھل کر شائقین حج وزیارت پر احسانِ عظیم کیا گیا ہے، بہت مسلمان روپیہ کی کمی کی وجہ سے محروم تھے اب ان کو بھی آسانی ہوگی۔ غالباً اس اعلان پر بے شمار ٹکٹ خریدے جائیں گے اور بے شمار روپیہ بھی جمع ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں سے کتنے خوش نصیب ایسے ہوں گے جن کا ٹکٹ برآمد ہوگا اور کتنے ایسے ہوں گے جن کے ارمانوں پر پانی پھر جائے گا اور حسرتیں خاک میں مل جائیں گی۔

---

(۱) "﴿الذین هم یراؤن﴾ الناس، فیعملون حیث یرا الناس و یرونهم طلباً للثناء علیهم". (روح المعانی، سورة الماعون: ۲۴۲/۳۰، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"وعن جندب رضی الله تعالیٰ عنه قال: قال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "من سمّع": أی من عمل عملاً للسمعة بأن نواه بعمله، و شهره لیسمع الناس به، و یمتدِحُوه "سمع الله به": أی شهره الله بین أهل العرصات، وفضحه علی رؤوس الأشهاد". (مرقاة المفاتیح شرح مشکوة المصابیح، کتاب الرقاق، باب الریاء والسمعة: ۱۷۷/۹، رشیدیه)

نیز دیکھئے: (معلم الحجاج، ص: ۴۰۷، إدارة القرآن کراچی)

یہ درحقیقت جُوا اور قمار ہے، جیسے قسم قسم کے معمے حل کرنے کے لئے دفتر کھلے ہوئے ہیں اور لاٹری کے ذریعہ کاروبار کئے جارہے ہیں اسی کا ایک شعبہ یہ بھی کھولا گیا ہے، اسی میں کربلائے معلیٰ اور نجف اشرف کی زیارت کا وعدہ کرکے اہلِ تشیع کو دعوت دی گئی ہے، اہلِ سنت والجماعت کو بھی ان کے خصوصی مذہبی شعار میں شرکت کا موقع مل سکے گا تاکہ یہ بیچارے تعزیہ داری اور ماتم ہی پر قناعت نہ کریں بلکہ قدم آگے بھی بڑھائیں۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمہ اللہ تعالیٰ کے سالانہ عرس کی شرکت کو تو اس میں اصل ہی قرار دیا گیا ہے کہ جو بیچارے بزرگان دین کے مزارات کی زیارتِ مسنونہ پر کفایت کرتے اور مشروع طریق پر ایصال ثواب کرلیتے تھے وہ طواف اور سجدۂ مزار شریف سے بھی نہ بچ سکیں گے اور وہاں کی ہر قسم کی خرافات، شرکیات میں برابر کے شریک ہوجائیں گے، سیر وتفریح کے دیگر مقامات بھی دکھائے جائیں گے۔ غرض محض حج وزیارت کی نیت سے یہ سفر اصالۃً نہ ہوسکے گا (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفی عنہ۔

کیا ہر حج میں نولاکھ، ننانوے ہزار، نوسو، ننانوے آدمی شریک ہوتے ہیں؟

سوال [۵۱۸۵]: عوام میں یہ بھی مشہور ہے کہ کعبۃ اللہ کا جب حج ہوتا ہے تو فرماتے ہیں کہ نولاکھ، ننانوے ہزار، نوسو، ننانوے (۹،۹۹،۹۹۹) آدمی اس میں شامل ہوتے ہیں، اگر کمی ہوتی ہے تو فرشتے پوری

---

(۱) قال العلامہ الحصکفی رحمہ اللہ تعالیٰ "ھو (أی الحج) بفتح الحاء وکسرھا، لغۃً: القصد إلی معظم، لا مطلق القصد کما ظنہ بعضھم. وشرعاً: زیارۃ مکان مخصوص: أی الکعبۃ والعرَفۃ فی زمن مخصوص". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدین رحمہ اللہ تعالیٰ: "فھو قصد مقترن بھذہ الأفعال لا مجرد القصد .... ولما کان الحج لغۃً ھو مطلق القصد إلی معظم، خصَصوہ بکونہ قصداً إلی معظم معین بأفعال معینۃ، ولو جعل اسماً للأفعال المعینۃ إصالۃً لباین المعنی اللغوی المنقول عنہ". (ردالمحتار، کتاب الحج: ۲/۴۵۴، سعید)

"أن الحج بفتح الحاء ویکسر، لغۃً: القصد المطلق، أو بقید التکرار، أو قصد المعظم، وھو المختار". فی شرحہ: "أی یقصدونہ معظمین إیاہ". (إرشاد الساری إلی مناسک الملا علی القاری، باب =

کردیتے ہیں۔آیا یہ بات صحیح ہے یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

یہ عدد میں نے کسی حدیث میں نہیں دیکھا۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔



= شرائط الحج، ص: ۱۷، مکتبہ مصطفی محمد صاحب مصر)

(وکذا فی مناسک الملا علی القاری، باب شرائط الحج، ص: ۲۷، إدارۃ القرآن کراچی)

کتاب النکاح

شرعاً نکاح کی حقیقت

سوال [۵۱۸۶]: سوال بے حد طویل ہے، خلاصۂ سوال، جواب سے ظاہر ہے۔ سائل نے مطبوعہ نکاح نامہ رجسٹر کا ایک صفحہ نقل کرکے سوال کے ساتھ منسلک کر رکھا ہے (☆)۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً نکاح کی حقیقت بس اتنی ہے کہ ایک طرف سے ایجاب ہو جائے دوسری طرف سے قبول۔ اور یہ دو گواہوں کے سامنے ہو، جو دونوں مرد ہوں یا ایک مرد دو عورتوں کے سامنے ہوں۔ اس طرح شرعاً نکاح منعقد ہو جائے گا(۱)۔

جو صورت سوال میں مذکور ہے نکاح اس طرح بھی ہو جائے گا، مگر یہ تمام کیفیت نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت، ہاں خطبہ پڑھنا مسنون ہے (۲)۔ اگر لڑکی بالغہ نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا ولی نکاح کریگا (۳) اور

(☆) اصل استفتاء کی یہی عبارت ہے، اس کے علاوہ مزید کچھ نہیں۔

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجابٍ من أحدهما وقبولٍ من الآخر، وشرط حضور شاهدين حرين، أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، ۳/۹، ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في الهدايه، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شركة العلمية ملتان)

(۲) "و يندب إعلانه و تقديم خطبته". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

"فإن عقد الزواج من غير خطبة، جاز، فالخطبة مستحبة غير واجبة". (الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس، مندوبات عقد الزواج وما يستحب له: ۹/۱۸۲، رشيديه)

(وكذا في ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۲/۱۱۱، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۳) "و للولي إنكاح الصغير والصغيرة". (تنوير الأبصار مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: =

اگر بالغہ ہو تو اس کی اجازت سے نکاح کیا جائے (۱) اور اپنی طرف سے وکیل بھی بنا سکتی ہے (۲)، گواہوں کیلئے یہ ضروری نہیں کہ وہ لڑکی کے محرم ہوں، نہ وکیل کیلئے محرم ہونا ضروری ہے، غیر شخص کو بھی بنانے کا حق ہے، مثلاً چچا زاد بھائی۔ خطبہ کیلئے کھڑا ہونا بھی ضروری نہیں اور "النكاح من سنتي" (۳) وغیرہ احادیث اگر نہ پڑھی جائیں تب بھی خطبہ ادا ہو جائے گا۔

تین مرتبہ ایجاب وقبول کرانا زائد بات ہے، ایجاب ایک دفعہ بھی کافی ہے۔ طلوع، زوال، غروب کے وقت بھی نکاح صحیح ہے۔ رجسٹر میں درج کرنا نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت، طریقۂ مذکورہ پر (وکیل، گواہ وغیرہ کے نام لکھنا) یہ قانونی چیز ہے کہ بوقتِ ضرورت عدالت میں کام دے سکے اور نزاع کو ختم کرنا آسان ہو جائے، نفسِ

= ۳/ ۶۵، رشیدیه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء ....اهـ: ۳/۲۰۸، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/ ۵۰۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى وعليه وسلم: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر، ولا تنكح البكر حتى تستأذن، الخ". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح واستيذان المرأة، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قديمي)

"قال في المحيط: والسنة أن يستأمر البكر وليها قبل النكاح بأن يقول: إن فلاناً يخطبك أو يذكرك، فسكتت. وإن زوجها بغير استئمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها، اهـ. وهو محمل النهي في حديث مسلم: "لا تنكح الأيم حتى تستأمر، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۹، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/ ۴۹۵، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "يصح التوكيل بالنكاح وإن لم يحضره الشهود". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/ ۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانيه، كتاب النكاح، الوكالة بالنكاح: ۳/ ۲۹، إدارة القرآن كراچی)

(۳) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي، فليس مني". الحديث. (سنن ابن ماجه، أبواب النكاح، باب ماجاء في فضل النكاح: ۱/ ۱۳۳، قديمي)

نکاح بغیر اندراج رجسٹر کے بلا تکلف درست ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح کی تعریف، غرض اور اس کا طریقہ

سوال[۵۱۸۷] : ۱…… نکاح کس کو کہتے ہیں؟ اور اس کی کیا غرضیں ہیں؟ اور کیا غایت ہے؟

۲…… بنیاد نکاح کیا ہے؟ اور کیسے اور کس طرح ہوسکتا ہے یعنی نکاح ہوجانے کا کیا حکم ہے؟ اس کی کیا صورت ہے؟

۳…… نکاح میں گواہ کی شرط ہے یا نہیں اور گواہ کتنے شرط ہیں، کیا عورتوں کی گواہی سے بھی نکاح ہوسکتا ہے؟

۴…… نکاح میں عورت کے وکیل ہونے کی شرط ہے ایک یا دو یا اس سے بھی زائد؟

۵…… نکاح میں قاضی یعنی نکاح پڑھانے والے کی شرط ہے یا نہیں؟ قاضی ایک یا دو یا زائد بھی ہوسکتے ہیں، یا کبھی قاضی کی بھی ضرورت نہیں؟

۶…… گواہ کا مطلب اردو کلام میں کیا ہے؟ اور وکیل کا مطلب کیا ہے اور کیا کام ہے؟ اور یہ سب کام غیر مسلم مرد عورت بھی ادا کرسکتے ہیں یا مسلمان ہونا گواہ اور وکیل کا شرط ہے یا سرپرست بن سکتے ہیں؟

۷…… نکاح کرنے والا مسلم عورت کا سرپرستِ حقیقی اس کا عزیز رشتہ دار ہی ہوسکتا ہے، یا کوئی غیر بھی، یعنی گواہ یا وکیل یا غیر بھی؟

۸…… نکاح کے معاملہ کو رجسٹر پر لکھ لینا ضروری یا شرط ہے یا کہ نہیں؟ اور اگر ایسا نہ ہو تو کیا نکاح نہ ہوگا؟ اگر رجسٹر میں گواہ بھی تین اور قاضی بھی تین سرپرست وکیل بھی تین ہیں؟ اور عورت انکار کردے تو نکاح باقی رہے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱، ۲، ۳، ۴، ۵، ۶، ۷، ۸…… نکاح ایک عقد ہے جس کے ذریعہ مرد کو عورت سے حقِ جماع حاصل ہوتا ہے اور اس کے لوازمات مرتب ہوتے ہیں۔ عورت کے لئے مہر، نفقہ، سکنیٰ، نیز اولاد ہونے پر ثبوتِ

نسب وغیرہ(۱)۔عورت اگر بالغہ ہوتو وہ خود بھی بغیر سرپرست کے اور بغیر کسی وکیل کے براہ راست عقدِ نکاح کرسکتی ہے، مگر اس کے لئے اتنی شرط ہے کہ اپنے کفو میں مہرِ مثل پر نکاح کرے، اپنے سے گرے ہوئے مرد سے نکاح نہ کرے جس سے اس کے خاندان کو عار لاحق ہو(۲)۔اس کا سرپرست ولی بھی اس کا نکاح اس کی اجازت سے کرسکتا ہے اور یہی بہتر ہے۔ ولی نے اگر بغیر اس سے اجازت حاصل کئے اس کا نکاح کردیا اور وہ معلوم ہونے پر خاموش ہوگئی یعنی رضا مند رہی تب بھی نکاح معتبر ہوجائے گا(۳)۔

نکاح کے لئے کم ازکم دو مسلمان مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، بغیر گواہوں کے یا صرف عورتوں کی گواہی پر یا غیر مسلمان کی گواہی پر ایجاب وقبول کرنے سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوتا(۴)۔عورت اگر خود ایجاب وقبول نہ کرے، نہ اس کا ولی اس کا عقد کرے، بلکہ عورت کسی کو اپنی طرف

---

(۱) "هو عقد يفيد ملك المتعة: أي حل استمتاع الرجل. الخ". (الدرالمختار). "(قوله: أي حل استمتاع الرجل): أي المراد أنه عقد يفيد حكمه بحسب الوضع الشرعي. وفي البدائع: إن من أحكامه ملك المتعة، و هو اختصاص الزوج بمنافع بعضعها و سائر أعضائها استمتاعاً أو ملك الذات والنفس في حق التمتع، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۳۰۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۶، ۱۸۷، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(۲) "و ينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها .... ولكن للولي الاعتراض في غير الكفوء". (فتح القدير، كتاب النكاح ۳/ ۲۵۶، ۲۵۸، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، ۳۲۰، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازتها، جاز، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء، ۳/۲۶۸، مصطفیٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في رد المحتار، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(۴) "و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول .... اعلم أن الشهادة شرط في باب النكاح، لقوله عليه الاسلام: "لا نكاح إلا بشهود". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان) .... =

سے وکیل بنادے، اوروہ وکیل اس کی طرف سے ایجاب وقبول کرے تب بھی صحیح ہے اگر چہ وہ وکیل کوئی عورت ہی ہو۔وکیل بنانے کے لئے یا عورت سے نکاح کی اجازت کے لئے گواہوں کا ہونا شرط نہیں ہے۔مسلم عورت کا ولی غیر مسلم نہیں ہوسکتا۔غیر مسلم کو نکاح میں وکیل بھی نہ بنایا جائے (۱)۔

قاضی یا کوئی بھی ایجاب وقبول کرادے اس طرح درست ہے، بہتر یہ ہے کہ مجمع میں نکاح کیا جائے (۲)، اگر بغیر قاضی کے صرف دو گواہوں کے سامنے مرد اورعورت نکاح کرلیں تب بھی نکاح ہوجائے گا، اور نکاح کے ثبوت کے لئے گواہوں کا سننا بھی کافی ہے (۳)۔نکاح کی مجلس منعقد ہونا بھی ضروری نہیں، جب کسی کے متعلق مشہور ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس عورت کا نکاح فلاں شخص سے ہوا ہے اور وہ اس کی بیوی ہے اورعورت انکار کرے اس کے باوجود وہ اس کی بیوی ہے (۴)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۳/۹۰ھ۔

= (وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(۱) "ولا ولاية لكافر على مسلم، لقوله تعالىٰ: ﴿ولن يجعل الله للكافرين على المؤمنين سبيلاً﴾".

(الهداية، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۸، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب الأوليا والأكفاء: ۳/۲۸۵، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأوليا والأكفاء: ۳/۲۱۷، رشيديه)

(۲) "ويندب إعلانه: أي إظهاره، والضمير راجع إلى النكاح بمعنى العقد، لحديث الترمذي: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المسجد، واضربوا عليه بالدفوف" الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۹، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۳، رشيديه)

(۳) "فالحاصل أنه يشترط سماعهما معاً مع الفهم على الأصح. الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۶، رشيديه)

"والصحيح اشتراط السماع؛ لأنه المقصود من الحضور، وسيأتي تمامه. الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۴) "جحود جميع العقود ما عدا النكاح فسخٌ". (الدر المختار، مسائل شتى: ۵/۴۵۱، سعيد) ..... =

نکاح کا مسنون طریقہ

سوال[۵۱۸۸]: نکاح کا مسنون طریقہ کیا ہے یعنی کس طرح ایجاب وقبول کرائے اور کیا خطبہ پڑھے؟

محمد بشیر،۲۴/ پرگنہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

"الحمد لله نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور أنفسنا، من يهدى الله فلا مضل له، و من يضلل فلا هادى له، وأشهد أن محمداً عبده و رسوله. و يقرأ ثلث ايات: ﴿ياأيها الذين امنوا اتقوا الله حق تقاته، و لاتموتن إلا وأنتم مسلمون﴾۔

اوردوسری آیت:﴿يا أيها الناس اتقوا ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة، وخلق منها زوجها، و بث منهما رجالاً كثيراً و نساءً، واتقوا الله الذى تساء لون به والأرحام، إن الله كان عليكم رقيباً﴾۔

تیسری:﴿يا أيها الذين امنوا اتقوا الله، و قولوا قولاً سديداً، يصلح لكم أعمالكم و يغفر لكم ذنوبكم، و من يطع الله ورسوله، فقد فاز فوزاً عظيماً﴾۔

رواه أحمد والترمذى وأبو داؤد والنسائى وابن ماجه والدارمى. وفى جامع الترمذى: فسر الايات الثلاثة سفيان الثورى. وزاد ابن ماجة بعد قوله: "إن الحمد لله" "نحمده" وبعد قوله: "من شرور أنفسنا". "ومن سيات أعمالنا". والدارمى بعد قوله: "عظيماً" "ثم يتكلم بحاجته". و روى فى شرح السنة عن ابن مسعود رضى الله تعالى عنه فى خطبة الحاجة من النكاح وغيره". مشكوة، ص: ۲۷۲ (۱)۔

= "و جحدُ العقد لايرتفع العقد". (الفروق للكرابيسى: ۱/ ۱۳۱، كويت)

(۱) (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانى، ص: ۲۷۲، قديمى)

(ومسند الإمام أحمد، (رقم الحديث: ۳۷۲۱)، مسند عبدالله بن مسعود: ۱/ ۶۴۸، داراحياء التراث بيروت) =

خطبہ مذکورہ پڑھنے کے بعد عورت کا نام مع ولدیت لے کر مرد سے کہے کہ: "میں نے فلانہ بنت فلاں کا نکاح تمہارے ساتھ بعوض مہر مبلغ اتنے روپیہ کیا، کیاتم نے قبول کیا"؟ وہ مرد جواب میں کہے: "میں نے اس کو قبول کیا"۔ بس نکاح ہوگیا، اس کے بعد دعاء کرے: "بارك الله لك، و بارك الله عليك، وجمع بينكما في خير"(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم واحکم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

ایضاً

سوال[۵۱۸۹]: شرعی شادی کا کیا طریقہ ہے؟ مختصراً بیان کیا جائے تاکہ عمل میں لایا جائے۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جب شادی کرنے کا ارادہ ہو بلا کسی خاص برات اور بری (۲) وغیرہ کے اہتمام کئے چند آدمیوں میں

= (وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح: ۱/۲۹۶، إمداديه ملتان)

(وجامع الترمذي، ابواب النكاح، باب ماجاء في خطبة النكاح: ۱/۲۱۰، سعيد)

(وسنن النسائي، كتاب النكاح، مايستحب من الكلام عندالنكاح: ۲/۸۷، قديمي)

(وابن ماجة، ابواب النكاح، باب خطبة النكاح: ۱/۱۳۶، قديمي)

(والدارمي، كتاب النكاح، باب في خطبة النكاح: ۲/۱۹۱، قديمي)

(وكذا في عمل اليوم والليلة لأبي بكر السني، باب خطبة النكاح، ص: ۱۹۹، ۲۰۰، نور محمد كتب خانه)

(وكذا في رد المحتار، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۸، سعيد)

(۱) (عمل اليوم والليلة، باب مايقول الرجل إذا تزوج، باب خطبة النكاح، ص: ۲۰۰، نور محمد كتب خانه كراچي)

(وصحيح البخاري، باب: كيف يُدعى للمتزوج: ۲/۷۷۴، ۷۷۵، قديمي)

(۲) "بری: ساچق کا سامان، میوہ پارچہ جات وغیرہ، جو دلہا کی جانب سے دلہن کے ہاں بھیجے جاتے ہیں"۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۹۸، فیروز سنز، لاہور)

ایجاب وقبول کرادیا جائے (۱)، اگر وسعت ہوتو چھوہارے تقسیم کرادئے جائیں (۲)، دلہن کو دولہا کے گھر بھیج دیا جائے، جو کچھ چیز دلہن کو بطورِ صلہ رحمی دینا منظور ہو بلاکسی خاص شہرت اور نمود کے خواہ بعد میں بھیج دیا جائے خواہ جب ہی اس کے ساتھ کردیا جائے۔ اور مہر حسبِ استطاعت ہو، شریعت نے اس کی ادنیٰ مقدار دس درہم قرار دی ہے، اس سے کم جائز نہیں (۳) اور زیادہ کی شریعت نے مقدار مقرر نہیں کی ہے، البتہ وسعت سے زیادہ ہونا اچھا نہیں۔ زیادہ تفصیل دیکھنا ہوتو بہشتی زیور چھٹا حصہ دیکھیے (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۷/۴/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، یکم/ جمادی الاولی/ ۵۷ھ۔

---

(۱) "النکاح ینعقد بالإیجاب والقبول .... ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجلٍ وامرأتین". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹ - ۲۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵ رشیدیه)

(۲) "(أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم حضر فی املاک (أی نکاح) فأتِیَ بطباق علیها جوزٌ ولوزٌ وتمرٌ، فنثرت، فقبضنا أیدینا، فقال: "ما بالکم لا تأخذون"؟ فقالوا: لأنک نهیت عن النهبٰی، فقال: "فما نهیتکم عن نهبٰی العساکر، خذوا علی اسم الله". فجاذَبَنا و جاذبناه". (إعلاء السنن، باب استحباب الولیمة و کون وقته بعد الدخول: ۱۱/۱۱، إدارة القرآن کراچی)

مذکورہ بالا حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بوقتِ نکاح چھوارے تقسیم کرنا سنت ہے۔

(۳) "أقله عشرة دراهم، لحدیث البیهقی وغیره: "لا مهر أقل من عشرة دراهم". وروایة الأقل تحمل علی المعجل". (الدر المختار، باب المهر: ۳/۱۰۱، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی أقل المهر: ۳/۴۸۹، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذا فی الهدایة، باب المهر: ۲/۳۲۴، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(۴) (بهشتی زیور، باب: مہر زیادہ بڑھانے کا بیان، حصه ششم، ص: ۳۵/۴، دار الاشاعت کراچی)

نکاح کا شرعی طریقہ

سوال[۵۱۹۰]: نکاح کا شرعی طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

نکاح کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ خود عورت یا اس کے ولی سے اجازت لے کر دو گواہوں کے سامنے عقد کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۵/۳/۸۸ھ۔

نکاح کا طریقہ، ایجاب وقبول کون کرائے؟

سوال[۵۱۹۱]: شادی میں نکاح پڑھانے کے وقت امام صاحب نکاح قبول نہیں کراتے، بلکہ وکیل ہی قبول کراتے ہیں، یہ حق وکیل کا ہے یا امام صاحب کا؟ نکاح میں ایجاب وقبول کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کی طرف سے اس کا وکیل ولی، امام، قاضی کوئی بھی گواہوں کے سامنے کہے کہ "میں نے فلاں کی بیٹی اتنے مہر پر تمہارے نکاح میں دی"، لڑکا کہے کہ "میں نے اس کو قبول کیا"۔ لڑکی خود بھی گواہوں کی موجودگی میں اپنے متعلق یہ کہہ دے اور لڑکا قبول کرلے تب بھی درست ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۸/۵/۱۳۹۴ھ۔

---

(۱) "و ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر .... و شرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر، ليتحقق رضاهما، وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۷۶/۲، ۱۸۱، ۱۸۲، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) "(وينعقد) متلبساً (بإيجاب) من أحدهما (وقبول) من الآخر (وضعا للمضى) ...... (كزوجت) نفسي أو بنتي أو موكلتي منك (و) يقول الآخر: (تزوجت)". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح، ۵/۲، ۷، دار المعرفة بيروت) .... =

نکاح کا حکم: وجوب وسنیت مطلق ہے یا بدلتا رہتا ہے؟

سوال[۵۱۹۲]: مسئلہ احکامِ نکاح سے متعلق جاننا چاہتا ہوں کہ نکاح کا حکم مطلق ہے یا اس کا حکم حال کے مطابق بدلتا رہتا ہے؟ ازراہ کرم اس مسئلہ کے جملہ پہلوؤں پر تفصیل سے روشنی ڈالتے ہوئے اس کی وضاحت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا حکم سب کے حق میں یکساں نہیں ہے۔ جس پر شہوت غالب ہو کہ بغیر نکاح کے زنا میں مبتلا ہو جانے کا مظنہ ہو اور وہ مہر ونفقہ پر قادر ہو، اس کے ذمہ نکاح کرنا فرض ہے، نکاح نہیں کرے گا تو گناہگار ہوگا، اتنی بات بلا اختلاف ہے، چنانچہ ملک العلماء نے لکھا ہے:

"لا خلاف أن النكاح فرضٌ حالة التوقان، حتى أن من تاقت نفسه إلى النساء بحيث لا يمكنه الصبر عنهن، وهو قادرٌ على المهر والنفقة ولم يتزوج، يأثم، اهـ". بدائع: ۲/۲۲۸(۱)۔

جس پر ایسا غلبۂ شہوت نہ ہو، اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں: اصحاب ظواہر کے نزدیک نماز روزہ کی طرح فرض عین ہے، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بیع وشراء کی طرح مباح ہے، احناف میں سے بعض نے مندوب ومستحب کہا ہے، بعض وجوب علی الکفایہ کے قائل ہیں، بعض وجوب علی العین کے۔ ان سب اقوال کے دلائل بدائع میں مذکور ہیں۔

راجح یہ ہے کہ اعتدال شہوت کے وقت یعنی جب کہ ابتلائے معصیت کا مظنہ بھی نہ ہو بلکہ صبر وضبط پر قدرت ہو، ادائے حق زوجیت پر قدرت ہو اور ادائے نفقہ ومہر پر بھی قدرت ہو، سنتِ مؤکدہ ہے۔ اس میں یہ شرط ہے کہ نکاح کی وجہ سے ترکِ فرائض وسنن کا خوف نہ ہو، نیز خوفِ جور نہ ہو، اس حالتِ اعتدال میں اگر نہیں کرے گا تو ترکِ سنت مؤکدہ کے وبال میں ماخوذ ہوگا، اگر حالت اس اعتدال سے گری ہوئی ہو تو اس کے حق میں سنت مؤکدہ نہیں، بلکہ اس حالت میں اگر ادائے مہر ونفقہ پر قدرت نہ ہو، یا جور میں مبتلا ہو جائے، یا اس کی وجہ

= (وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۲۲، دار الكتب العلميه بيروت)

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۳/۳۱۱، دار الكتب العلميه بيروت)

سے فرائض وسنت ترک کرنے کی نوبت آ جائے تو گنہگار رہوگا، ایسے شخص کونکاح سے بچنالازم ہوگا، بعض صورتوں میں نکاح کرنا مکروہ ہوگا اور بعض میں حرام ہوگا۔

علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے لکھا ہے:" و صفته فرض وواجب و سنة و حرام و مكروه و مباح. اه". بحر: ۷۹/۳(۱)۔

پھر ہر نوع کا محمل بیان کیا ہے اور مختصر دلائل کی طرف بھی اشارہ کیا ہے:

"أما الأول فبأن يخاف الوقوع في الزنا لو لم يتزوج، بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه إلا به؛ لأن ما لا يتوصل إلىٰ ترك الحرام إلا به، يكون فرضاً. وأما الثاني فبأن يخافه لا بالحيثية المذكورة؛ إذ ليس الخوف مطلقاً مستلزماً بلوغه إلى عدم التمكن، و به يحصل التوفيق بين قول مَن عبّر بالافتراض و بين من عبّر بالوجوب. وكلٌّ من هذين القسمين مشروط بشرطين: الأول: ملك المهر والنفقة، فليس من خافه إذا كان عاجزاً عنهما اثماً بتركه، كما في البدائع.

الثاني: عدم خوف الجور، لو تزوج قدم الثاني، فلا افتراض بل مكروه، كما أفاده في فتح القدير، ولعله لأن الجور معصية متعلقة بالعباد، والمنع من الزنا من حقوق الله تعالىٰ، وحق العبد مقدم عند التعارض، لاحتياجه، و غنى المولىٰ تعالىٰ۔

وأما الثالث فعند الاعتدال و سيأتي بيانه. وأما الرابع فبأن يخاف الجور بحيث لا يمكنه الاحتراز عنه؛ لأنه إنما شرع لمصلحة من تحصين النفس وتحصيل الثواب، وبالجور يأثم و يرتكب المحرمات، فتنعدم المصالح، لرجحان هذه المفاسد. وأما الخامس فبأن يخاف لا بالحيثية المذكورة، و هي: كراهية تحريم. ومن أطلق الكراهة عند خوف الجور، فمراده القسم الثاني من القسمين. وأما السادس فبأن يخاف العجز من الإيفاء بمواجبه –كذا في المجتبىٰ– يعني في المستقبل. وأما محاسنه، فكثيرة". بحر: ۷۹/۳(۲)۔

حالتِ اعتدال میں نکاح کو سنتِ مؤکدہ قرار دیا گیا ہے، شرائط پائے جانے کے باجود سنت موکدہ کا

---

(۱) (البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۴۰/۳، رشیدیه)

(۲) (البحرالرائق، المصدر السابق)

ترک کرنا گناہ ہے، اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"و هو سنة، وعند التوقان واجب، فالمراد به السنة المؤكدة على الأصح، و صرح في المحيط أيضاً بأنها مؤكدة، ومقتضاه الإثم لو لم يتزوج؛ لأن الصحيح أن ترك السنة المؤكدة مؤثم، كما علم في الصلوة، والمراد بها حالة القدرة على الوطيء والمهر والنفقة مع عدم الخوف من الزنا والجور و ترك الفرائض والسنن، فلولم يقدر على واحد من الثلاثة، أوخاف واحداً من الثلاثة، فليس معتدلاً، فلا يكون سنةً في حقه، كما أفاده في البدائع، اهـ". ۳/۸۰(۱)۔

فتح القدير (۲) مبسوط (۳) وغیرہ کتبِ احناف میں یہی تفصیل مذکور ہے، لہٰذا سب پر ایک حکم لگا دینا درست نہیں ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۲۰/۶/۸۹ھ۔

نکاح کے فرائض، واجبات، مستحبات

سوال[۵۱۹۳]: نکاح میں کتنے فرض، کتنی سنت، کتنے مستحب ہیں اور کیا کیا ہیں؟ اور کتنی باتوں اور کاموں سے نکاح درست ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ایجاب وقبول فرض ہے، بغیر اس کے نکاح ہی نہیں ہوتا (۴)، دو گواہوں کا موجود ہونا شرط ہے (۵)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۲، رشيديه)

(۲) (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۷، مكتبه مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۳) (المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح: ۴/۲۱۵، غفاريه كوئته)

(۴) "وأما ركنه، فالإيجاب والقبول". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(۵) "ولاينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان) ....

نکاح کا اعلان اور اس سے پہلے خطبہ اور اس کا مسجد میں ہونا اور جمعہ کا دن ہونا مندوب ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۴/۲/۱۳۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۵/۲/۱۳۸۹ھ۔

اعلانِ نکاح کے مصالح

سوال[۵۱۹۴]: آپ نے یہ فرمایا ہے کہ "نکاح سے پہلے یا نکاح کے بعد اعلان ہو"۔ اعلان ہونا سخت خطرناک امر ہے، خاکسار کی تو یہی عرض ہے کہ خفیہ نکاح کی اطلاع خاص قاضی اور دو گواہوں کو ہو، اور کسی بچہ تک کو بھی نہ معلوم ہو سکے، کیونکہ پوشیدہ نکاح سے لوگوں سے کسی قسم کا فتنہ فساد نہیں ہوتا ہے، اگر نکاح سے پہلے یا بعد میں اطلاع دی جاوے تو سخت نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ صرف خادم کی یہ عرض ہے، نکاح کی اطلاع اعلان تا زندگی معلوم نہ ہو۔ آپ یہ فرمادیں کہ تا زندگی کے لئے خفیہ نکاح جائز ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً نکاح صرف دو گواہوں کے سامنے منعقد ہو جاتا ہے(۲)، البتہ اس کا اعلان کرنا مستحب ہے(۳)،

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۴۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱-۲۳، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۵۲، ۴۵۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "وعن عائشة رضي الله تعالى عنها، قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". رواه الترمذي". .... =

اس میں بھی بہت سی مصلحتیں ہیں، مثلاً اگر دو گواہوں میں سے ایک گواہ کہیں چلا گیا یا مر گیا اور عورت نے نکاح سے انکار کردیا تو قضاءً ثبوت میں دشواری ہوگی، اولاد کے نسب میں بھی اشکال ہوگا، جن لوگوں کو نکاح کا علم نہیں وہ طرح طرح کی بدگمانیاں کریں گے، زوجین کے تعلقات کو حرمت اور زنا وغیرہ پر محمول کریں گے۔ اہلِ تجربہ سے یہ اشیاء مخفی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/محرم/ ۵۷ھ۔

نکاح کا اعلان

سوال[۵۱۹۵]: بوقتِ نکاح اعلان کرنا ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر بارات کے آدمی کثرت سے موجود ہوں پھر بھی ضروری ہے یا نہیں؟ اور کس چیز سے شریعت میں اعلان کرنا جائز ہے؟ ہمارے یہاں رواج ہے کہ شادی میں گانے بجانے کے ساز و باز جو برات مروج ہے، ان سے اعلان کرایا جاتا ہے۔ یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا اعلان مندوب ہے: "ویندب إعلانه، اهـ". درمختار: ۲/ ۴۰۴ (۱)۔ اعلان کے لئے

= قال الملا علی القاری رحمه الله تعالیٰ: "أعلنوا هذاالنكاح": أی بالبینة، فالأمر للوجوب، أو بالإظهار والاشتهار، فالأمر للاستحباب، الخ". (مرقاة المفاتیح شرح مشكوة المصابیح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثانی: ۶/ ۳۱۲، رشیدیه)

"ویندب إعلانه". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعید)

(وكذا فی البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۳، رشیدیه)

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعید)

"وروی الترمذی عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا علیه بالدفوف". كذا فی فتح القدیر".

(البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۳، رشیدیه) .... =

بوقتِ عقد محض دف بجادینا کافی ہے اور طریقۂ مروجہ پر ساز وغیرہ بجانا جیسا کہ سوال میں درج ہے جائز نہیں:

"وكره كل لهو: أي كل لعب وعبث، والثلاثة بمعنى واحد كما في شرح التأويلات، والإطلاق شامل لنفس الفعل واستماعه كالرقص والسخرية والتصفيق وضرب الأوتار من الطنبور والبربط والرباب والقانون والرباط والصنج والبوق، فإنها كلها مكروهة؛ لأنها زيّ الكفار. واستماع ضرب الدف والمزمار وغير ذلك حرام، اه". شامي: ٥/٢٧٩(١)۔ "وعن الحسن: لا بأس بالدف في العرس ليشتهر. وفي السراجية: هذا إذا لم يكن له جلاجل ولم يضرب على هيئة التطرب، اه". شامي: ٥/٢٤٧(٢)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، معین مفتی مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/۱/۶۲ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف۔

بذریعۂ دف نکاح کا اعلان

سوال[۵۱۹۶]: گانا بجانا اور سننا عامۃً جب حرام ہے تو دف باجا کس طرح حلال ہوا؟ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ "اعلانِ نکاح اس سے کیا جاوے" اس سے دف کے باجے کی اباحت معلوم ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کے اعلان کا حکم ہے جس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس پر دف بجایا جائے، اگر اعلان بلا دف کے ہوجائے تو اس کی ضرورت نہیں ہے، اور دف بھی وہ جس میں جلاجل نہ ہو، جلاجل کے ساتھ مکروہ ہے:

= (ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة، اهـ، الفصل الأول: ٢/٢٧٢، قديمي)

(١) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٦/٣٩٥، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في المتفرقات: ٤/٢٢٢، المكتبة الغفارية)

(٢) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة: ٦/٣٥٠، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الكراهية، فصل في البيع، المتفرقات: ٤/٢٢٢، المكتبة الغفارية كوئٹه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ٣/١٤٣، رشيديه)

"وروى الترمذي عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". كذا في فتح القدير، و الذخيرة"(۱)۔

اور محض ضربِ دف اور ضربِ غربال جس میں کوئی تطریب نہ ہو، صرف صوت مسموع ہو، اس میں کوئی لذت اور حظ نہیں ہے جیسا کہ سحری کی اطلاع کے لئے نقارہ بجادیا جائے، یا مدرسہ کے وقت کے لئے گھنٹہ بجادیا جائے۔

العرف الشذی میں ہے:"(قوله: الدف، الخ) ما يكون مجلداً من جانب واحد، وصرح الفقهاء بعدم جواز ذي جلاجل، أقول: تدل المسائل على التوسيع وجواز ما يقال له: الدهل، وجواز النقارة والطبل، فإنه لا ذوق ولا حظ في هذه الأشياء"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۹/۴/۲۱ھ۔

نکاح سے قبل لڑکی کو دیکھنا

سوال[۵۱۹۷]: اگر کوئی شخص اپنی منکوحہ کو بغیر دیکھے نکاح کرنے پر راضی نہ ہو تو کیا شرعاً اس کی اجازت ہے کہ لڑکی کو دیکھا جائے؟ جواب مع حوالجات سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صاف صاف مطالبہ کرنا کہ مجھے دکھاؤ، میں خود دیکھوں گا تو مناسب نہیں، ہاں! کہیں موقع مل جائے

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳، رشيديه)

(والحديث أخرجه الترمذي في سننه في باب ما جاء في إعلان النكاح: ۲۰۷/۱، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۴۷/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في رد المحتار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(۲) (العرف الشذي، باب إعلان النكاح: ۲۰۸/۱، سيعد)

"قال الفقهاء المراد بالدف مالا جلاجل له، كذا ذكره ابن الهمام". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط: ۳۱۲/۶، رشيديه)

چھپ چھپا کر دیکھنے میں مضائقہ نہیں، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے:

"عن جابر بن عبد الله رضي الله تعالیٰ عنه قال: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "إذا خطب أحدكم المرأة، فإن استطاع أن ينظر إلى ما يدعوه إلىٰ نكاحها، فليفعل". أبو داؤد شريف(۱)، بذل المجهود: ۲/ ۳۲۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

اشکال برجوابِ مذکورہ بالا

سوال[۵۱۹۸]: مندرجہ بالا سوال کے...... جواب سے مطمئن نہیں ہوا، مزید چند سوالات اسی سے متعلق جو ذہن کو بُری طرح کریدر ہے ہیں، پیش خدمت ہیں، براہ کرام واضح طور پر جواب ارسال فرمادیں۔

لفظ "مناسب نہیں" اور "شرعاً جائز ہونے" میں بڑا فرق ہے، میرا مقصود "شرعاً جائز نا جائز ہونے" میں ہے، یہ سب اسی لئے کہ پردہ کا عمل مانع ہوا ہے، لہٰذا اگر صحیح طور پر پردہ کیا جائے تو چھپ چھپا کر دیکھنے کا موقع بھی نہیں مل سکتا، اس طرح اگر دیکھنے کا موقع میسر آتا ہے تو پردہ پر عیب آتا ہے اور اگر پردہ سخت و صحیح ہے تو دیکھنا ممکن نہیں۔

دوسری چوری سے دیکھنا کریکٹر کے خلاف ہے، دیگر چھپ چھپا کر دیکھنے میں قطعی ممکن نہیں کہ صرف مطلوبہ کو ہی دیکھا جاوے اس کے عوض دیگر مستورات پر نگاہ پڑنا فطری وقدرتی بات ہے، لہٰذا دوسروں کی بیوی اور بہو، بیٹیوں کو نگاہیں ڈالنا نہایت معیوب معلوم ہوتا ہے اور دوسرے شرافت سے بھی پرے ہے یہاں تک کہ گناہ ہے۔

کیا اس مذہب میں شریفانہ طریقہ پر دیکھنے کا موقع ان فریقین کو حاصل نہیں ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ تمام عمر کا معاہدہ کرتے ہیں؟ اس دور میں صورت کا قبول ہونا ایک خاص جزو بن چکا ہے اور ایک طرف شرعی

---

(۱) (سنن أبي داؤد، باب الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها: ۱/ ۲۸۴، مكتبة دار الحديث، ملتان)

(۲) (بذل المجهود، باب الرجل ينظر إلى المرأة وهو يريد تزويجها: ۴/ ۱۹، ۲۰، إمداديه ملتان)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوٰة المصابيح، باب النظر إلى المخطوبة وبيان العورات، الفصل الثاني: ۶/ ۲۸۰، رشيديه)

طور پر دونوں فریقین ایک دوسرے کو پسند کرنے کے لئے قطعی خودمختار ہیں، لہٰذا اس صورت میں کیا جائز اور صحیح نہیں ہوگا کہ دیکھنے کا موقع میسر کیا جائے۔

''نمائش'' اور ''دیکھنے'' میں بڑا فرق ہے، میرا مقصود صرف دیکھنے سے ہے نمائش سے نہیں ہے۔ آپ نے جس حدیث کا حوالہ دیا ہے اس کا اردو ترجمہ بھی کردیجئے، چونکہ بعض جگہ اس کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زید جس سے عقدِ نکاح کرنا چاہتا ہے اور اس کی خواہش ہے کہ وہ ایک سے پہلے ایک نظر اس کو دیکھ لے تو اس کی شریعت نے گنجائش دی ہے۔ اگر زید کی کوئی محرم (خالہ، پھوپی، نانی، دادی، وغیرہ) اپنے مکان پر زید کی منسوبہ کو پردہ کے ساتھ بلالیں اور زید وہاں کسی کمرہ میں ہو جس کا منسوبہ کو علم نہ ہو اور وہاں سے دیکھ لے تو یہ درست ہے۔ اس صورت پر آپ کے پیش شدہ اشکالات وارد نہیں ہوں گے۔

اگر ہر شخص صاف صاف دیکھنے کا مطالبہ کرے اور یہ دروازہ کھول دیا جائے تو نہیں معلوم ایک ایک لڑکی کو شادی کرنے کے لئے کتنے کتنے لڑکوں کو دکھانے کی نوبت آئے گی، ایک ناپسند کرے گا، اس کی بھی شہرت ہوگی، اس سے احباب ناپسندیدگی کی وجہ دریافت کریں گے وہ اس کا حلیہ پوری تفصیل سے بتائے گا، گھوڑی اور گائے کی سی کیفیت ہوجائے گی کہ گاہک آتے ہیں دیکھتے ہیں ناپسند کرتے ہیں اور چلے جاتے ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ شادی عمر بھر کے ساتھ کی نیت سے کی جاتی ہے (چھوڑنے کی نیت سے نہیں کی جاتی)، لیکن ساتھ کا نباہ صرف صورت پر نہیں، بسا اوقات صورت اچھی ہونے کے باوجود خانہ داری کا سلیقہ نہیں ہوتا، تعلیم نہیں ہوتی، اخلاق کی تربیت نہیں ہوتی، گفتگو شستہ نہیں ہوتی، اَور بھی امور ہیں جن کو نباہ میں بڑا دخل ہے اور محض صورت دیکھ کر ان کے متعلق رائے صحیح قائم کرنا دشوار ہے، پھر منسوبہ کو بھی قلبی تعلق ہوگا یا نہیں۔

اس قسم کے امور کی وجہ سے ایک قوم نے مستقل انٹرویو شروع کردیا کہ تنہا کمرہ میں اپنی منسوبہ سے ملاقات کرکے ہاتھ ملاکر دیر تک گفتگو اور خوش طبعی کرکے طرفین اندازہ کرلیں۔ ایک قوم نے یہ روش اختیار کی کہ لڑکے اور لڑکی کو خاندان والے واحباب کسی جگہ ساتھ رہنے وزندگی کا کچھ حصہ مل کر گذارنے کے لئے تجربہ کے طور پر بھیج دیں کہ دونوں اپنے اپنے خاندان سے علیحدہ ہوکر کاروبار کریں اور سال دوسال کے بعد اگر اندازہ ہوجائے کہ نباہ ہوجائے گا تو پھر شادی کردی جائے، ورنہ تجربہ کے لئے لڑکے کے لئے دوسری لڑکی تجویز کی

جائے اورلڑکی کے واسطے دوسرا لڑکا تجویز کیا جائے۔اس سب کے باوجود پھر بھی موافقت نہیں ہوتی اور متارکت کی نوبت آتی ہے۔جو جذبات قلب میں آج موجود ہیں،کوئی ذمہ داری نہیں کہ کل بھی موجود رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ مقلب القلوب ہیں، پس جتنی بات کی شریعت نے گنجائش دی ہے اس پر اکتفاء کیا جائے، شادی کے بعد صبر وتحمل سے کام لیا جائے،ہاں اگر صورتِ حال قابلِ برداشت نہ رہے تو شریعت نے خلع اور طلاق کا باب بھی رکھا ہے تاکہ زندگی اجیرن نہ ہوجائے اور حقوق بھی تلف نہ ہوں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۰/۲/۲۸ھ۔

زوجین کی عمر میں تناسب،اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض اور اس کا حکم

سوال[۵۱۹۹]: آج کل بعض مسلمان بوجہ اپنی جہالت وکم فہمی کے لڑکے لڑکی کی شادیوں میں باہمی رنجشوں اور عداوتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو نقصان وزک پہونچانے کے لئے جھوٹی درخواستیں عدالتوں اور تھانوں میں گذار کر شادیاں رُکوادیتے ہیں اور احکامِ خدا و رسول کو بالکل پس پشت ڈالتے ہیں،اس طرح بندگان کو ناحق لٹوا کر اپنا مطلب نکالتے ہیں اور جائز کو ناجائز کرکے گنہگار ہوتے۔

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی مبارک ہمراہ حضرت ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے وقت حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ۵۰/سال کی اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کی عمر صرف چند سال کی تھی۔تو اس کمی بیشی عمر پر نافہم لوگ اعتراض کرتے ہیں۔تو کیا بعض مسلمانوں کی یہ کاروائی شرعاً درست وجائز ہے یانہیں؟اگر ناجائز ہے تو ایسے شخص یا اشخاص کے لئے شرعاً کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا۔

الجواب حامداًومصلیاً:

آپس میں لڑائی رکھنا اور ایک دوسرے کو نقصان پہونچانا،جھوٹی درخواستیں دے کر شرعاً ناجائز اور گناہ ہے،حدیث شریف میں ایسی چیزوں کی سخت ممانعت آئی ہے(۱)۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کام میں

(۱) "لاضرر ولا ضرار". لاضرر: أي لايضر الرجل أخاه فينقصه شيئاً من حقه ...... رواه الحاكم والدارقطني عن أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه: وزاد: "من ضر ضره الله، ومن شق شاق الله عليه". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۹۸۹۹): ۱۲/ ۶۴۸۳، مكتبه نزار مصطفىٰ الباز، رياض)

عیب نکالنا اور تحقیر کرنا کفر ہے، ایسی چیز سے ایمان جاتا رہتا ہے(۱)۔شریعت کی طرف سے نکاح میں عمر کی کوئی قید نہیں ہے، لیکن مصالح اور معاشرت کی وجہ سے طرفین کی عمر میں تناسب کی رعایت رکھی جائے تو بہتر ہے(۲)۔اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل میں شبہ نہیں کرنا چاہئے کیونکہ آپ کا ہر فعل مصالح سے پُر تھا،اس نکاح میں بھی بے شمار مصالح تھیں جیسا کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح میں بہت سی مصلحتیں تھیں جبکہ ان کی عمر چالیس سال تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر ۲۵/ سال تھی۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہانپور۔

صحیح: عبد اللطیف مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۶/ ربیع الثانی/۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی مدرسہ۔

کثرتِ ازدواج کی حکمت

سوال[۵۲۰۰]: کیا وجہ ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات اقدس کے لئے نو یا سات ازواجِ مطہرات کو جائز قرار دیا اور عام امت کے لئے بیک وقت چار کی قدغن لگادی؟ واضح باد کہ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان وذات مبارک میں-معاذ اللہ-کوئی تنقید وتنقیص نہیں ہے، بلکہ یہ کوئی کافر کا اعتراض ہوسکتا ہے،اس کی تشفی کے لئے وضاحت مطلوب ہے۔

محمد محمود کلیمی،گلبرگہ میسور اسٹیٹ۔

---

(۱) "ومن استخف بسنة أو حديث من أحاديثه عليه الصلاة والسلام، أو رد حديثاً متواتراً، أو قال: سمعناه كثيراً بطريق الاستخفاف، كفر". (مجمع الأنهر، باب أحكام المرتدين، ثم إن الفاظ الكفر أنواع، الثانى فى الأنبياء عليهم الصلاة والسلام: ۱/ ۲۹۲، دار إحياء التراث العربى بيروت)

"من لم يقر ببعض الأنبياء عليهم السلام، أو عاب نبياً بشئ، أو لم يرض بسنة من سنن المرسلين عليهم السلام، فقد كفر". (التاتارخانية، كتاب أحكام المرتدين، فصل فيما يعود إلى الأنبياء عليهم السلام: ۵/ ۴۷۷، إدارة القرآن كراچى)

(وكذا فى الفتاوى العالمكيرية، الباب التاسع فى أحكام المرتدين، ما يتعلق بالأنبياء: ۲/ ۲۶۳، رشيديه)

(۲) "وكونها دونه سناً". (الدر المختار). "(قوله: دونه سناً) لئلا يسرع عقمها، فلا تلد". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۸، سعيد)

الجواب حامداً ومصلیاً:

کثرتِ ازدواج کا مسئلہ جذباتِ نفسانی کا غلبہ اور تسکین نہیں ہے جیسا کہ حالتِ ذیل میں غور کرنے سے بغیر کسی کے سمجھائے، ایک سلیم الفطرت آدمی خود بخود سمجھ سکتا ہے:

پہلی شادی آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۵/ سال کی عمر میں کی جب کہ قوتِ نامیہ کی ترقی ختم ہوجاتی ہے اور ایسی عورت سے جس کی ایک سے زائد شادیاں پہلے ہوچکی تھیں اور وہ بیوہ تھیں اور عمر چالیس سال تھی، پچاس سال سے عمر متجاوز ہونے تک ایک ایسی عورت پر کفایت کی، اس کے انتقال کے بعد پھر ایک نکاح کیا۔ مدینہ طیبہ ہجرت کے بعد نو دس سال کی مدت میں تریسٹھ سال کی عمر تک زیادہ نکاح کئے۔ان شادیوں میں کنواری صرف ایک تھیں، بقیہ سب بیوہ تھیں، یہ بات بھی نہیں کہ کنواری لڑکیوں کی آپ کے لئے کچھ کمی تھی، اگر جذباتِ نفسانی کے غلبہ کی وجہ سے یہ شادیاں کی جاتیں تو جوانی میں کی جاتیں، کنواریوں سے کی جاتیں۔

بات اصلی یہ ہے کہ دینِ اسلام عورتوں اور مردوں سب کے لئے آیا ہے، بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں، مثلاً: حیض ونفاس، ان مسائل کو عورتوں تک پہونچانے کے لئے عورتیں ہی مناسب ہیں، مَردوں سے متعلق مسائل تو خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست بیان فرمادیتے تھے اور عورتوں سے متعلق مسائل کی تلقین وتعلیم ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے ذریعہ ہوتی تھی، اس طرح پر تعلیم وتلقین کی تکمیل کی گئی (۱)۔

---

(۱) "والحكمة في كثرة أزواجه أن الأحكام التي ليست ظاهرة يطّلعن عليها، فينقلنها، وقد جاء عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها من ذلك الكثير الطيب، ومن ثم فضّلها بعضهم على الباقيات". (فتح الباري، كتاب الغسل، بابٌ: إذا جامع ثم زار، ومن دار على نسائه في غسل واحد: ۱/ ۴۹۹، قديمي)

"ذكر في حكمة تكثير نسائه وحبه فيهن أشياء: الأول: زيادة في التكليف حتى لايلهو بما حبب إليهن عن التبليغ. الثاني: ليكون مع من يشاهدها، فيزول عنه مايرميه به المشركون من كونه ساحراً. الثالث: الحث لأمته على تكثير النسل. الرابع: لتشرف به قبائل العرب بمصاهرته فيهم. الخامس: لكثرة العشيرة من جهة نسائه عوناً على أعدائه. السادس: نقل الشريعة التي لايطلع عليها الرجال. السابع: محاسنه الباطنة، فقد تزوج أم حبيبة وأبوها في ذلك الوقت عدوه، وصفية بعد قتل أبيها تزوجها. فلو لم تطّلع من باطنه على أنه أكمل الخلق، لنفرن منه". (تلخيص الحبير، فصل في=

اگر دوسرے مردوں پر قیاس کر کے شادی کا اعتبار کیا جائے تو سمجھنا چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی، ایک مرد کے لئے چار کی اجازت ہے، اس اعتبار سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اگر شادی کرتے تو آپ کے لئے ایک سوساٹھ کی گنجائش تھی۔ نیز چالیس مردوں کی جو قوت عطا ہوئی تھی وہ اس دنیا کے چالیس مرد نہیں بلکہ جنت کے چالیس مردوں کی قوت تھی اور جنت کے ایک مرد کی قوت دنیا کے ایک سومردوں کے برابر ہے(۱)۔

اس لحاظ سے تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کس قدر کمال ظاہر ہوتا ہے کہ اتنی قوت کے باوجود آپ اپنے نفس پر کس قدر قابو یافتہ تھے کہ اتنی کثیر قوت اور گنجائش کے باوجود کس قدر قلیل پر کفایت فرمائی۔ یہ تحقیقی جواب منصف مزاج کے لئے ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= التخفیف فی النکاح: ۳/۱۴۲۶، مکتبة نزار مصطفی الباز، مکة المکرمة)

"وکان للنبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أن ینکح ماشاء، وذلک: لأن ضرب هذا الحد إنما هو لدفع مفسدة غالبیة دائرة علی مظنة، لا لدفع مفسدة عینیة حقیقیة. والنبی صلی اللہ علیه وسلم قد عرف المئنة فلا حاجة له فی المظنة، وهو مأمون فی طاعة اللہ وامتثال أمره دون سائر الناس". (حجة اللہ البالغة، باب الحکمة فی تحدید عدد الزوجات: ۲/۳۵۳، قدیمی)

(۱) "قال: کنا نتحدث أنه أعطی قوة ثلثین". (صحیح البخاری، باب: إذا جامع ثم عاد، ومن دار علی نسائه فی غسل واحد: ۱/۴۱ قدیمی)

"وفی صفة الجنة لأبی نعیم من طریق مجاهد مثله: "وزاد من رجال أهل الجنة"، ومن حدیث عبد اللہ بن عمرو رفعه: "أعطیتُ قوةَ أربعین فی البطش والجماع". وعند أحمد والنسائی، وصححه الحاکم من حدیث زید بن أرقم رفعه: "إن الرجل من أهل الجنة لیعطیٰ قوة مأة فی الأکل، والشرب، والجماع، والشهوة". فعلیٰ هذا یکون حساب قوة نبینا أربعة آلاف". (فتح الباری، کتاب الغسل، باب: إذا جامع ثم عاد، ومن دار علی نسائه فی غسل واحد: ۱/۴۹۸، قدیمی)

(وکذا فی إرشاد الساری: ۱/۵۰۵، ۵۰۶)

(وکذا مرقاة المفاتیح: ۲/۱۵۵، ۱۵۶، باب مخالطة الجنب، الفصل الأول، رشیدیه)

نکاح کے لئے پیر جمعرات جمعہ کی فضیلت

سوال[۵۲۰۱]: جیسے مہینوں میں مہینہ شوال کا نکاح کے لئے مسنون یا مستحب بیان کیا جاتا ہے اس طرح دنوں میں کوئی دن بھی مسنون یا مستحب بھی مشروع ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جمعہ، جمعرات، پیر کو فضیلت ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱/۵/۹۶ھ۔

نکاح ہر ماہ، ہر تاریخ میں درست ہے

سوال[۵۲۰۲]: قمری تاریخوں میں کس ماہ، کس دن اور کس تاریخ میں نکاح ناجائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

کسی ماہ کی کوئی تاریخ اور کوئی شب یا کوئی دن ایسا نہیں جس میں نکاح ناجائز ہو، ہر رات، ہر دن، ہر

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد" الحديث. (قوله: "واجعلوه في المساجد". هو إما لأنه أدعى إلى الإعلان أو لحصول بركة المكان. وينبغي أن يراعى أيضاً فضيلة الزمان، ليكون نوراً على نور، وسروراً على سرور. قال ابن الهمام: يستحب مباشرة عقد النكاح في المسجد، لكونه عبادةً، وكونه في يوم الجمعة، اهـ. وهو إما تفاؤلًا للاجتماع أو توقع زيادة الثواب، أو لأنه يحصل به كمال الإعلان". (مرقاة المفاتيح: ۳۱۲/۶، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، (رقم الحديث: ۳۱۵۲)، رشيديه)

"ويندب .... كونه في مسجد يوم الجمعة". "(قوله: يوم الجمعة)؛ لأنه أشرف أيام الأسبوع". (حاشية الطحطاوي على الدر المختار: ۵/۲، كتاب النكاح، دار المعرفة، بيروت)

"(ويوم الجمعة ولو منفرداً) .... إن صومه بانفراده مستحب عند العامة كالإثنين والخميس .... وكذا في المحيط معللاً بأن لهذه الأيام فضيلةً". (رد المحتار: ۳۷۵/۲، كتاب الصوم، سعيد)

تاریخ میں نکاح جائز ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۵/۹۲ھ۔

اندیشۂ تقسیمِ وراثت سے نکاح نہ کرنا

سوال[۵۲۰۳]: دولڑکیوں کا باپ پہلے مرگیا تھا اور سوائے لڑکیوں کے اَور کوئی لڑکا نہیں تھا، اس کی عورت ابھی زندہ تھی تو وراثت کا شریعت کے اعتبار سے پنجاب میں رواج نہیں ہے تو خاوند نے زمین اور گھر چھوڑا، اس کی مالکہ اس کی عورت تھی۔ اس کے مرنے کے بعد اب صرف دولڑکیاں رہ گئیں، وہ عاقلہ اور بالغہ ہیں، ان کی منگنی والدہ نے اپنے بھائیوں کے لڑکوں کے ساتھ کردی تھی۔

اب والدہ کے مرنے کے بعد والدہ کے بھائیوں نے ہی لڑکیوں کو کہہ دیا کہ تم شادی نہ کراؤ اور خاوند کی طرف سے جو لڑکیوں کے چچا وغیرہ ہیں ان کے کہنے پر بھی شادی نہ کراؤ، اگر شادی کرالوگی تو شریعت کے اعتبار سے تو وہاں تقسیم نہیں ہے اور قانون کے اعتبار سے اب لڑکیوں کو حصہ نہیں ملتا۔ اب جب تک وہ لڑکیاں شادی نہ کراویں گے تب تک تو وہ مالک ہیں، اگر شادی ہوگئی تو دوسرے چچا وغیرہ کو جائیداد مل جائے گی۔

تو وہ چچا کہتے ہیں کہ ہم لڑکیوں کو قانون کی طرف سے اگر کسی طرح شادی کرانے پر مجبور کریں تو شریعت کے اعتبار سے گناہ گار ہوں گے یا نہیں؟ ہماری نیت نیک ہے تاکہ ہر گناہ سے بچ جاویں، کیونکہ آج کل فتنہ کا زمانہ ہے اور وہ بائیس وپچیس برس کی ہیں۔ پھر انھوں نے زمین مزارعت پر دوسروں کو دے رکھی ہے جو کہ کوئی رشتہ دار بھی نہیں ہیں اور وہ ان کے سامنے آتی جاتی ہیں، ہم کو شرم اور غیرت آتی ہے اور صرف ماموں کے کہنے پر شادی سے انکار کرتی ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر واقعی یہی ہے تو ماموں کی نیت صحیح نہیں، لڑکیوں کو ماموں کے کہنے پر عمل نہ کرنا چاہیے، بلکہ ان کو

---

(۱) نکاح کے بارے میں قرآن، حدیث اور فقہ کی عبارات مطلق ہیں، کسی معین دن اور تاریخ کی تخصیص نہیں اور مطلق کے بارے میں قاعدہ یہ ہے کہ "المطلق یجری علی إطلاقه. (شرح المجلة: ۱/۴۵، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی قواعد الفقه للمفتی محمد عمیم الإحسان، ص: ۱۲۴، الصدف پبلشرز)

چاہیے کہ وہ سنت کے موافق نکاح کرلیں (۱)، پھر اگر قانونی حیثیت سے لڑکیوں کا حصہ انہیں نہ ملتا ہو، چچا کو ملتا ہوتو چچا کولازم ہے کہ ان کا حصہ ان کے حوالہ کردیں اس کوخود رکھنا حرام ہے (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح:سعید احمد غفرلہ، صحیح:عبداللطیف غفرلہ۔



(۱) "لقد قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج" .... عن عائشة رضى الله تعالىٰ عنها قالت: قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "النكاح من سنتي، فمن لم يعمل بسنتي، فليس مني، اهـ". (سنن ابن ماجة، باب ماجاء فى فضل النكاح: ۱۳۴، مير محمد كتب خانه، كراچى)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲۶۷، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿و لا تأكلوا أموالكم بينكم بالباطل﴾ والمراد من الأكل ما يعم الأخذ والاستيلاء، وعبر به؛ لأنه أهم الحوائج، و به يحصل إتلاف المال غالباً .... والمراد من الباطل الحرام كالسرقة والغصب و كل ما لم يأذن بأخذه الشرعُ". (روح المعانى، (سورة البقرة): ۲/۶۹، ۷۰، دار إحياء التراث العربى بيروت)

وقال الله تعالىٰ: ﴿إن الله يأمركم أن تؤدوا الأمانات إلى أهلها﴾. (سورة النساء: ۵۸)

"قال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "ألا! لا تظلموا، ألا! لا يحل مال امرىء إلا بطيب نفس منه". رواه البيهقى فى شعب الإيمان". (مشكوة المصابيح، كتاب البيوع، باب الغصب والعارية: ۱/۲۵۵، قديمى)

باب النکاح الصحیح

(نکاحِ صحیح کا بیان)

ثبوتِ نکاح کس طرح ہوتا ہے؟

سوال [۵۲۰۴]: زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ غیر شادی شدہ بعمر ۱۷/ سال جوان عمر ہے، ایک مرتبہ خالد نے عمر کو زید کی لڑکی ہندہ مذکورہ سے باتیں کرتے ہوئے دیکھا تو خالد کے جی میں شبہ ہوا کہ یہ ایک اجنبیہ لڑکی سے کیوں تخلیہ میں باتیں کر رہا ہے؟ خالد نے ہندہ کے والد اور اہل محلّہ کے معتبرین سے ذکر کیا تو عمر سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ عمر نے محلّہ کے مولوی صاحب اور دیگر متعدد آدمیوں سے حلفیہ طور پر بیان کیا کہ ''خدا تعالیٰ کی قسم! ہندہ تو میرے لئے ایسی ہے جیسے میری اپنی لڑکی، خدا کرے میرا روسیاہ ہو جو میں جھوٹ بولتا ہوں میں تو اس کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا ہوں''۔ نیز عمر کی زوجہ نے محلّہ کے اکثر گھروں میں جاکر بیان کیا کہ میں بقسم کہتی ہوں کہ میرا خاوند ہندہ کو اپنی لڑکی کی طرح سمجھتا رہتا ہے اور یہ واقعہ بالکل غلط ہے۔

اس واقعہ کے بعد زید اور عمر کی مصالحت کردی گئی، بعدازاں جب عرصہ چار ماہ کا گزر چکا تو ایک روز عمر نے محلّہ کے مولوی صاحب سے بیان کیا کہ زید کی لڑکی مسماۃ ہندہ سے میرا دو سال کا میرا خفیہ طور پر نکاح پڑھا ہوا ہے، نکاح کا کاغذ لکھا ہوا ہے، دو گواہ بھی ہیں، نکاح خواں میں خود ہی ہوں۔ تین مرتبہ اس عرصہ میں ہندہ کو حمل ہو چکا جس کو دوائی پلا کر خود ہی ضائع کراتا رہا ہوں۔ اب ہندہ کو میرا ہی حمل ٹھہرا ہوا ہے، آپ عمر سے کہہ دیں کہ مجھ سے فیصلہ کرلیوے اور یہ لڑکی مجھے دیدیوے، اس کے عوض مجھ سے میری ہمشیرہ اور میری حقیقی لڑکی کا نکاح اپنے لئے اور اپنے لڑکے کے لئے لے لیوے۔

مولوی صاحب مذکور نے یہ تمام قصہ زید سے بیان کیا، زید نے جواب دیا کہ آپ اس نکاح کے کاغذ اچھی طرح تحقیق کرلیجئے، یہ شخص بہت مکار اور جھوٹا ہے، ہمیشہ جھوٹی قسمیں اٹھایا کرتا ہے اور نہایت چالاک شخص ہے، اگر واقعی اس کے پاس نکاح کا صحیح طور پر کاغذ موجود ہے اور بات اس طرح پر ہے کہ پھر باہمی مشورہ کرکے بات کریں گے۔ مولوی صاحب نے عمر کو بلوا کر فرمایا کہ آپ وہ نکاح کا کاغذ لے آویں تاکہ میں اس کو دیکھ کر غور

کروں، اسکے دیکھنے کے بعد آپ کے گواہ بھی بلوالوں گا۔ عمر نے کہا کاغذ تو کسی دوسرے گاؤں میں ہے، یہاں پر نہیں ہے، اگر فرماؤ تو گواہ حاضر کر دیتا ہوں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ گواہ تو آج کل ڈیڑھ ڈیڑھ روپیہ میں مل جاتے ہیں تم پہلے وہ کاغذ دکھاؤ۔ اس نے کاغذ دکھانے سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ کاغذ میں نہیں دکھاتا۔ عمر کے ایک دوست نے بیان کیا کہ کاغذ تو اس نے کوئی لکھوایا ہی نہیں ہے، کون بکواس بکتا ہے۔

اس کے بعد مولوی صاحب نے فرمایا کہ جب تم ہمیں کاغذ نہیں دکھاتے ہو تو اب ہمارے پاس تحقیق کا ذریعہ صرف لڑکی مسماۃ ہندہ ہی ہے، دوسرا کوئی ذریعہ نہیں ہے، چنانچہ ہندہ سے دو مولوی صاحب نے جو سند یافتہ عالم ہیں ہندہ کے حقیقی ماموں کی موجودگی میں دریافت کیا کہ عمر کہتا پھرتا ہے کہ میرا نکاح ہندہ سے عرصہ دو سال سے خفیہ طور پر دو گواہوں کے روبرو پڑھا گیا ہے۔ کیا یہ بات صحیح ہے؟ نیز تو از روئے ایمان ہمیں بتلا بلا کسی کے اجبار و خوف کے: آیا عمر سے تیرا خفیہ طور پر نکاح ہوا ہے یا نہیں؟ ہندہ نے بلا کسی خوف کے دلیری سے بیان کیا کہ میں ایمان سے کہتی ہوں کہ عمر بالکل جھوٹ بولتا ہے، میرا اس سے کوئی خفیہ نکاح وغیرہ نہیں ہے۔ مولوی صاحبان نے فرمایا کہ تو سر پر کلام مجید رکھ کر یہ کہو کہ اگر میں جھوٹ بولوں تو خدا کرے کلام مجید سے ماری جاؤں، اس نے اسی طرح بیان کیا اور کہا کہ میرا عمر سے کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے وہ جھوٹ بولتا ہے، تین چار مرتبہ یہی کلمات دہراتی رہی۔

اس کے بعد عمر سے کہا گیا کہ تم جھوٹے ہو، عمر نے کہا کہ میں آپ کو دو اس قسم کے نشانات بتلاتا ہوں جن کو یا تو وہ جانتی ہے یا میں جانتا ہوں، وہ نشان اس اکیلی کے آگے ظاہر کر کے میرے نکاح کے متعلق دریافت کیا جائے، اگر پھر بھی انکار کرے تو میں جھوٹا اور کاذب ہوں۔ چنانچہ بالکل تنہائی کی جگہ مولوی صاحبان نے دریافت کیا تو ہندہ نے بدستور سابق نکاح سے بالکل انکار کر دیا اور کہا کہ اگر میرا نکاح عمر سے پڑھا گیا ہوتا تو میں کلام مجید سر پر رکھ کر کیوں انکار کرتی، عمر سے میرا قطعاً کوئی نکاح وغیرہ نہیں ہے۔ یونہی مجھ پر بہتان لگایا گیا ہے۔

اس کے بعد محلّہ کے مولوی صاحبان نے زید سے کہا کہ عمر نکاح کے متعلق غلط کہتا ہے۔ چنانچہ اسی شب کو ہندہ کا نکاح خالد سے کر دیا گیا۔ قبل از نکاح ہندہ سے پھر گواہوں کے روبرو نکاح خواں نے دریافت کیا کہ کیا خالد سے تیرا نکاح کر دیا جائے؟ ہندہ نے بآواز بلند کہا کہ میری طرف سے اجازت ہے۔ چنانچہ ہندہ

مذکورہ کا نکاح خالد سے کردیا گیا اور ہندہ وخالد کا نکاح درج رجسٹر کرادیا گیا اور دونوں کے نشانِ انگشت نکاح کے رجسٹر پر لگادیئے گئے، نکاح خواں اور گواہان کے دستخط بھی کرادیئے گئے، نکاح کی مجلس میں تقریباً چالیس آدمی موجود تھے۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندہ کا نکاح خالد سے شرعی طور منعقد ہوگیا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہندہ کا نکاح خالد سے صحیح نہیں ہوا ہے۔ نیز عمراب کہتا پھرتا ہے کہ ہندہ سے میرا نکاح ہے۔ خالد کے نکاح میں شرعی طور پر کوئی نقص آیا ہے یا نہیں؟ مہربانی فرماکر مفصل جواب ارشاد فرماویں تاکہ اطمینان ہوجاوے، جواب جلد دیویں۔ فقط۔

نور محمد طالب علم از ابوہر۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا ثبوت اولاً گواہوں سے ہوتا ہے(۱)، اگر عادل، ثقہ، معتبر کم از کم دو گواہ بھی موجود نہ ہوں تو پھر زوجین کی تصدیق کافی ہوتی ہے(۲)، اگر ایک انکار کردے تو نکاح کا ثبوت نہیں ہوتا، لہٰذا اگر دو عادل ثقہ گواہ موجود ہوں تو انکا اعتبار ہوگا، یعنی اگر عمر کے پاس دوسرے گواہ موجود نہ ہوں تو اس کا قول معتبر نہیں اور خالد سے جو

---

(۱) "ومنها العدد فلا ينعقد النكاح بشاهد واحد، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لا نكاح إلا بشهود"، وقوله: "لا نكاح إلا بشاهدين". الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۳/۱۰۴، دار الكتب العلمية بيروت)

"ويشترط العدد فلاينعقد النكاح بشاهد واحد، هكذا في البدائع". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(۲) "(قوله: و لابالإقرار) لا ينافيه ما صرحوا به أن النكاح يثبت بالتصادق؛ لأن المراد هنا أن الإقرار لايكون من صيغ العقد، والمراد من قولهم: إنه يثبت بالتصادق، أن القاضي يثبته به: أي بالتصادق، ويحكم به، أبو السعود عن الحانوتي". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/۱۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۹، رشيديه)

نکاح ہوا ہے وہ صحیح اور معتبر ہے، اور اگر عمر کے پاس دو عادل گواہ موجود ہیں تو اس کا قول معتبر ہے اور خالد کا نکاح صحیح نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

نکاح کے لئے ایجاب وقبول کو سننا ضروری ہے

سوال [۵۲۰۵]: نکاح کے گواہوں میں ایک گواہ وکیل (قاضی) کے ساتھ ایجاب سنے اور دوسرا گواہ لڑکی سے اجازت لے اور قبول کے وقت دونوں گواہ ایک ساتھ وکیل کے ایجابی جملہ کیساتھ قبول بھی سنیں تو نکاح صحیح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طرح بھی نکاح صحیح ہو جائے گا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۸/۳/۲۳ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

مذاق میں نکاح کا ایجاب وقبول

سوال [۵۲۰۶]: کوئی شخص کسی عورت سے کہدے کہ "میں نے تجھ سے نکاح کیا" اور عورت بھی

---

(۱) "(فإن أحضرها): أى فإن أحضر المدعى البينة على وفق دعواه، قضى بها: أى قضى القاضى بالبينة، لانتفاء التهمة عنها: أى عن الدعوى، لترجح جانب الصدق على الكذب بالبينة. الخ". (فتح القدير، كتاب الدعوى، ۱۶۸/۸، مصطفى البابى الحلبى بمصر)

(وكذا فى الهداية، كتاب الدعوى: ۲۰۱/۳، شركت علميه ملتان)

(۲) "وإذا أذنت المرأة للرجل أن يزوجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدين، جاز". (الهداية، كتاب النكاح، فصل فى الوكالة بالنكاح وغيرها: ۳۲۲/۲، شركت علميه ملتان)

"ثم إذا تولّى طرفيه قال المصنف: فقوله: زوجت فلانة من نفسى، يتضمن الشطرين، فلا يحتاج إلى القبول بعده، وكذا ولى الصغيرين القاضى وغيره. والوكيل من الجانبين يقول: زوجت فلانة من فلان". (فتح القدير، كتاب النكاح، فصل فى الوكالة بالنكاح وغيرها: ۳۰۷/۳، مصطفى البابى الحلبى مصر)

مذاق میں کہہ دے کہ ''میں نے قبول کیا''۔اور ایسے ہی خرید وفروخت میں بھی اگر کوئی شخص کسی کو کوئی چیز مذاق کے طور پر فروخت کردے اور دوسرا بھی مذاق سے قبول کرلے،تو کیا یہ بیع منعقد ہوجائے گی یا نہیں؟ نیز یہ بھی تحریر کردیں کہ کونسی چیزیں مذاق سے واقع ہوجاتی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کا ایجاب وقبول اگر مذاق میں گواہوں کے سامنے کیا جائے تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا(۱)۔اگر بیع کا ایجاب وقبول مذاق میں کیا ہے،حقیقۃً بیع کرنا مقصود نہیں تھا اور بائع ومشتری دونوں کو اس کا اعتراف ہے تو اس سے بیع منعقد نہیں ہوگی(۲)۔آپ کو جس جس چیز کے متعلق دریافت کرنا مقصود ہوتو اس کو متعین کرکے دریافت کرلیں۔تفصیل مطلوب ہوتو ''نور الأنوار'' دیکھ لیں(۳)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "ثلاث جدهن جد وهزلهن جد: النكاح، والطلاق، والرجعة. "(النكاح) فمن زوج ابنته هازلاً، انعقد النكاح وإن لم يقصده". (فيض القدير، ۲۷۸۰/۶، (رقم الحديث: ۳۴۵۱)، نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

(۲) "ولم ينعقد (أى البيع) مع الهزل، لعدم الرضاء بحكمه معه". (الدر المختار). "والهازل يتكلم بصيغة العقد مثلاً باختياره ورضاه، لكن لايختار ثبوته الحكم ولا يرضاه". (ردالمحتار، كتاب البيوع، مطلب فى حكم البيع مع الهزل: ۵۰۷/۴، سعيد)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲۰۹/۳، كتاب البيوع، الباب العشرون، مطلب: بيع التلجئة، رشيديه)

(۳) "والهزل: وهو أن يراد بالشئ ما لم يوضع له، ولا ماصلح له اللفظ استعارةً، وهو ضد الجدّ .... وأنه ينافى اختيار الحكم والرضاء به ولاينافى الرضاء بالمباشرة .... فصار الهزل بمعنى خيار الشرط أبداً فى البيع، لعدم الرضاء بحكم البيع، لابعدم الرضاء بنفس البيع، ولكن بينهما فرق من حيث أن الهزل يفسد البيع وخيار الشرط لايفسده. وشرطه: أى شرط الهزل أن يكون صريحاً مشروطاً باللسان بأن يذكرا العاقدان قبل العقد أنهما يهزء لأن فى العقد ولا يثبت ذلك بدلالة الحال فقط، إلا أنه لم يشترط ذكره فى العقد بخلاف خيار الشرط .... فإن تواضعا على الهزل بأصل البيع .... ثم جاء=

1

....

= ا واتفقا على البناء .... يفسد البيع ولايوجب الملك وإن اتصل به القبض .... كالبيع بشرط الخيار أبدا .... وإن اتّفقا على الإعراض .... فالبيع صحيح والهزل باطل، وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ عند البيع .... أو اختلفا في البناء والإعراض، فالعقد صحيح عند أبي حنيفة رحمه الله خلافاً لهما، فجعل أبوحنيفة رحمه الله صحة الإيجاب أولى .... وهما اعتبرا المواضعة المتقدمة .... وإن كان ذلك في القدر .... فإن اتفقا على الإعراض كان الثمن ألفين .... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا فالهزل باطل والتسمية صحيحة عنده، وعندهما العمل بالمواضعة واجبٌ والألف الذى هزلابه باطلٌ .... وإن اتفقا على البناء على المواضعة، فالثمن ألفان عنده وإن كان ذلك في الجنس .... فالبيع جائز على كل حالٍ من الأحوال الأربعة .... وإن كان في الذى لامال فيه كالطلاق والعتاق واليمين، فذلك صحيح والهزل باطل بالحديث، وهو قوله عليه السلام: "ثلث جدهن جدوهزلهن جد: النكاح والطلاق واليمين" وفي بعض الروايات: "النكاح والعتاق واليمين" .... وإن كان المال فيه تبعاً كالنكاح .... فإن هزلا بأصله فالعقد لازم والهزل باطل .... وإن هزلا في القدر .... فإن اتفقا على الإعراض فالمهر ألفان بالاتفاق .... وإن اتفقا على البناء فالمهر ألف بالاتفاق .... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا، فالنكاح جائز بألف في رواية محمد عن أبي حنيفة، وقيل: بألفين في رواية أبي يوسف عنه .... وإن كان في الجنس .... فإن اتفقا على الإعراض فالمهرما سميا وإن اتفقا على البناء، واتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، أو اختلفا، يجب مهر المثل في الصور الثلث .... وإن كان المال فيه مقصوداً كالخلع والعتاق على مال والصلح عن دم العمد، فإن المال مقصود في كل واحد من هذه الأمور .... فإن هزلا بأصله .... واتفقا على البناء على المواضعة بعد العقد، فالطلاق واقع والمال لازم عندهما .... لأن الهزل لايؤثر في الخلع عندهما، ولايختلف الحال بالبناء أو بالإعراض أو بالاختلاف .... وعنده لايقع الطلاق بل يتوقف على اختيار المال، سواء هزلا بأصله أو بقدره أو لجنسه .... وإن أعرضا: أى الزوجان عن المواضعة .... وقع الطلاق، ووجب المال إجماعاً .... وإن اختلفا فالقول لمدعى الإعراض، وإن سكتا فهو لازم إجماعاً .... وإن كان ذلك في القدر .... فإن اتفقا على البناء .... فعندهما=

ایجاب کے وقت ذہن موقع پر حاضر نہ ہوا اور قبول کے وقت حاضر ہوتو کیا نکاح درست ہوگا؟

سوال[۵۲۰۷]: ایک طالب علم دین کا نکاح بطریق مسنونہ ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں ہوا، نکاح ہو جانے کے دو تین روز بعد اس طالب علم نے یہ کہا کہ جب میرا نکاح خطبۂ مسنونہ کے ساتھ شروع ہوا تو فوراً میرے پورے جسم پر کپکپی طاری ہوگئی جس کی وجہ سے میرا ذہن موقع پر حاضر نہ رہا اور جب وکیل نے لڑکی اور اس کا اور اس کے باپ کا نام لیا تو مجھے کچھ پتہ نہیں۔ ہاں! جب وکیل نے کہا کہ قبول کیا تو میں نے حضورِ ذہن کے ساتھ کہا کہ میں نے قبول کیا۔ تو کیا اس صورت میں (جبکہ لڑکی اور اس کے باپ کا نام پہلے معہود فی الذہن ہے) نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

خطبۂ نکاح کے وقت اگر حواس درست نہ رہیں اور پہلے سے تمام باتیں طے ہیں اور قبول کرتے وقت بھی حواس درست ہوگئے اور سمجھ کر قبول کی نوبت آئی ہے، خود قبول کیا ہو یا وکیل نے کیا ہو تو نکاح درست ہوگیا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۶/۱۴۰۹ھ۔

= الطلاق واقع والمال لازم كله، لما مرأن الهزل لايؤثر في الخلع عندهما وإن كان مؤثراً في المال .... وعنده يجب أن يتعلق الطلاق باختيارها .... وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ وقع الطلاق، ووجب المال اتفاقاً .... وإن كان في الجنس يجب المسمى عندهما بكل حال .... وعنده: إن اتفقا على الإعراض، وجب المسمى، لبطلان الهزل بالإعراض. وإن اتفقا على البناء، توقف الطلاق على قبولها المسمى؛ لأنه هو الشرط في العقد. وإن اتفقا على أنه لم يحضرهما شئ، وجب المسمى ووقع الطلاق، لرجحان جانب الجد. وإن اختلفا، فالقول لمدعي الإعراض، لكونه هو الأصل. وهذا كله في الإنشاءات، وإن كان ذلك: أي الهزل في الإقرار بما يحتمل الفسخ كالبيع .... وبما لايحتمله كالنكاح والطلاق .... فالهزل يبطله .... والهزل في الردة كفرٌ، اهـ". (نور الأنوار، ص: ۳۰۲-۳۰۸، فصل في بيان الأهلية، بحث تعريف الهزل و الجد، سعيد)

(۱) اگر اس وقت اس کی حالت اس طرح تھی کہ نکاح کو سمجھ رہا تھا تو نکاح صحیح ہوا اور اگر نکاح کو سمجھ نہیں رہا تھا تو یہ نکاح منعقد نہیں ہوا ہے:

"وأما الذي يجن ويفيق فحكمه كمميز، نهاية .... ومن عقد عقداً يدور بين نفع وضرر =

نکاح کے لئے ایجاب وقبول کی ایک صورت

استفتاء [۵۲۰۸] : ۱...... زید کہتا ہے کہ سوال نمبر ۱،۲ میں روبروگواہان دے کر یعنی دختر بکر کو ونیز اس کی کفالت کو تین مرتبہ قبول کیا ہے اور دختر بکر نے بھی ہر دوسوال کے اندر زید کی زوجیت روبروگواہان قبول کی ہے، ورو برو بکر کے زید کہتا ہے کہ میں نے دختر بکر کے نفس کو جیسا کہ نکاح کے اندر قبول کرتے ہیں تین مرتبہ ہر دو سوال میں روبروگواہان قبول کیا ہے اور دختر بکر نے بھی روبروگواہان سوال نمبر ۱و۲ میں زید کی زوجیت میں جانا قبول کیا ہے اور زوجیت میں رہنا قبول کیا ہے۔

۲...... ہر دوسوال کی شکل میں نکاح منعقد ہوا تھا، زید ودختر بکر وگواہان کو معلوم تھا کہ نکاح ہے۔

۳...... ہر دوسوالات کے اندر گواہان موافق شریعت تھے۔

۴...... زید کا اور دختر بکر کا ایجاب وقبول جیسا کہ نکاح کے اندر ہوتا ہے ہر دو جانب سے ویسا ہی ہوا ہے، ہر دو نے نکاح کو قبول کیا ہے۔

۵...... ایک ہی مجلس میں ایک کا ایجاب اور دوسرے کا قبول ہوا ہے روبروگواہان۔

۶...... بکروزید ایک ہی برادری سے ہیں، نیز دختر بکر بالغہ عاقلہ ہے۔

= كما سيجئ في المأذون منهم من هؤلاء المحجورين وهويعقله .... أجاز وليه أو ردّ. وإن لم يعقله، فباطل". (الدرالمختار)

"أقول: والذى يحل عقدة الإشكال ماقدّمناه عن ابن الكمال، فإنه إن أريد بالمغلوب من غلب على عقله: أى الذى لايعقل أصلاً، فيراد بالذى يجن ويفيق ناقص العقل وهو المعتوه .... والمعتوه في تصرفاته كمميز .... وإن أريد به من لايفيق من جنونه الكامل أو الناقص، فيحترز به عمن يفيق أحياناً: أى يزول عنه مابه بالكلية، وهذا كالعاقل البالغ فى تلک الحالة". (ردالمحتار، كتاب الحجر: ۶/۱۴۳-۱۴۶، سعيد)

"و أما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، وذلک بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل فى ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا فى النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۶، امداديه ملتان)

ے..... دختر بکر کے نکاح کے اندر ایک مرد عاقل وعورت عاقل چودہ سالہ لڑکی بالغہ مسلمان شہادت میں ہیں علاوہ بکر کے۔ کیا ان سوالات سے بروئے شرع نکاح ہوگیا ہے؟

شیخ غلام محمد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مسلمان مرد اور دو عورت کے سامنے اگر نکاح کا ایجاب وقبول کیا جائے تو شرعاً نکاح صحیح ہوجاتا ہے اور ان کی گواہی معتبر ہوتی ہے۔ چودہ سالہ لڑکی اگر بالغہ ہو تو اس کی گواہی بھی شرعاً نکاح میں معتبر ہے(۱)۔ لڑکی جب بالغہ ہے تو اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف نہیں رہتا اور ولی کو بغیر اس کی مرضی کے جبراً نکاح کردینے کا حق نہیں، بلکہ وہ اپنے نکاح میں خود مختار ہے اپنی مرضی سے اپنی برادری میں مہر مثل پر بغیر ولی کی اجازت کے اپنا نکاح کرسکتی ہے(۲)۔ پس اگر بکر نے اپنی مرضی کے موافق کم از کم دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں

(۱) "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، عدولاً کانوا أو غیر عدول". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۲، شرکة علمیه، ملتان)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۵۵، رشیدیه)

(۲) "وینعقد نکاح الحرة العاقلة البالغة برضائها وإن لم یعقد علیها ولی، بکراً کانت أو ثیبةً عند أبی حنیفة. الخ". (الهدایة، باب فی الأولیاء والأکفاء: ۲/۳۱۳، مکتبه شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۱۹۲، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، باب الأولیاء والأکفاء: ۱/۳۳۲، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

"أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحکام من طلاق وتوارث وغیرها، لا اللزوم؛ إذ هو أخص منها؛ لأنه ما لا یمکن نقضه، وهذا یمکن رجعه إذا کان من غیر کفؤ. وأما حدیث: "أیما امرأة نکحت نفسها بغیر إذن ولیها، فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل". وحسّنه الترمذی. وحدیث: "لانکاح إلا بولی". رواه أبوداؤد وغیره، فمعارضٌ بقوله صلی الله علیه وسلم: "الأیم أحق بنفسها من ولیها". رواه مسلم وأبوداؤد والترمذی والنسائی ومالک فی الموطأ. والأیم من لا زوج لها، بکراً أولا، فإنه لیس للولی إلا مباشرة العقد إذا رضیت، وقد جعلها أحق منه به. ویترجح هذا بقوة السند والاتفاق=

کے سامنے زید سے یہ الفاظ کہے ہیں کہ ''میں نے اپنی فلاں دختر کا نکاح تیرے ساتھ کردیا، یا اپنی لڑکی تیرے نکاح میں دیدی'' اور زید نے اس کے جواب میں کہا کہ ''میں نے اس نکاح کو قبول کیا، تمہاری لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کیا'' تو یہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا۔

یا زید نے اور دختر بکر نے کم ازکم دومرد، یا ایک مرد اور دوعورتوں کے سامنے اس طرح ایجاب وقبول کیا کہ مثلاً دختر بکر نے کہا کہ ''میں نے اپنے آپ کو تمہارے نکاح میں دے دیا، یا تمہاری زوجیت میں دے دیا''۔ اس کے جواب میں زید نے کہا کہ ''میں نے اس کو قبول کرلیا''۔ یا زید نے کہا کہ ''میں نے تم سے نکاح کرلیا'' اس کے جواب میں دختر بکر نے کہا کہ ''میں نے اس نکاح کو، یا تمہاری زوجہ بننے کو قبول کیا'' تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہوگیا(۱)، اب یہ بلا وجہ شرعی نہیں ٹوٹ سکتا، بکر کو اس کے فسخ کرانے کا حق نہیں۔ اس سے پہلے سوال میں بکر کا مقولہ تو نقل کیا تھا، لیکن اس کے جواب میں زید کی طرف سے نکاح کے قبول کرنے کا کوئی ذکر نہ تھا، اس لئے اس کا حکم اس وقت لکھدیا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۶/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۱۹/ جمادی الاولی/ ۵۶ھ۔

تین دفعہ ایجاب وقبول

سوال[۵۲۰۹]: ایجاب وقبول تین دفعہ کرانا اور گواہوں کا نام تین مرتبہ لینا ضروری ہے یا نہیں؟

= علی صحته بخلاف الحدیثین الأولین، فإنهما ضعیفان أو حسنان أو یجمع بالتخصیص أو بأن النفی للکمال، "الخ". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولی، ۳/۵۵، ۵۶، سعید)

(۱) "و ینعقد: أی النکاح بإیجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... کزوجت نفسی أو بنتی أو مؤکلتی منک، و یقول الآخر: تزوجت". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۱/۳۱۷، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

الجواب حامداً ومصلیاً:

تین دفعہ ایجاب وقبول کی ضرورت نہیں، ایک دفعہ ہی کافی ہے(۱)۔ گواہوں کا نام لینا ضروری نہیں۔ البتہ گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

لڑکی کا اپنا ایجاب وقبول خود کرنا

سوال[۱۰۵۲۱۰]: ۱...... ایک بالغہ عاقلہ نے برضا ورغبت حسب منشاء باپ کے گھر سے ہم کفو پھوپھی زاد بھائی کے ساتھ آکر ایک مولوی صاحب اور اس کی بیوی اور صاحب کا ایک بالغ لڑکا اور ناکح والدین اور ایک بالغ بھائی اور منکوحہ کی دادی کے سامنے مہر متعینہ پر ایجاب وقبول کرلیا۔ اب دریافت امر یہ ہے کہ ایسے ہی ایجاب وقبول سے دونوں کا نکاح شرعاً منعقد ہوجائے گا؟

۲...... بلا اجازتِ ولی ایجاب وقبول ہوجانے میں ولی چاہتا تھا کہ حدیث: "أیما امرأة یتزوج بغیر إذن ولی، فنکاحها باطل باطل باطل"(۳)۔ پر عمل کرکے نکاح فسخ وباطل کرسکتا ہے؟

---

(۱) "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، ۳/۱۴۴، رشیدیه)

(۲) "وشرط حضور شاهدین حرین مکلفین سامعین قولهما معاً". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۲۲/۳، ۲۳، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۶، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۵۵، رشیدیه)

(۳) حدیث میں مذکور بعینہ ان الفاظ کے ساتھ نہیں ملی، البتہ کتبِ حدیث میں مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

"عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها أن رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم قال: "أیما امرأة نکحت بغیر إذن ولیها، فنکاحها باطل فنکاحها باطل فنکاحها باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل =

۳......اگر موافقِ مذہبِ حنفیہ دونوں کا نکاح منعقد ہوگیا تو: "وعند محمد ینعقد النكاح موقوفاً (أي على إجازة الولي)"(۱). جبکہ نکاح ہوجانا اجازتِ ولی پر موقوف رہتا ہے تو ولی اجازت نہ دے کر اس بالغہ عاقلہ لڑکی کا نکاح دوسرے کسی کے ساتھ کردینا شرعاً جائز ہے؟ حالانکہ صاحبِ ہدایہ نے: "ويروى رجوع محمد إلى قولهما". لکھا ہے، "إلى قول أبي حنيفة وأبي يوسف رحمهما الله تعالىٰ"(۲).

۴......اگر امام ابویوسف کے مذہب کے موافق کوئی گنجائش نہیں ہے تو امام شافعی وامام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کے مذہب کے موافق نکاح فسخ وباطل کرنے کی کوئی صورت بن سکتی ہے؟

۵......خود منکوحہ اور ولیٔ منکوحہ مذہبِ حنفیہ کے مقلد ہیں اور منکوحہ بروقتِ نکاح مذہبِ حنفیہ کے مقلد رہے، اب ولی اپنی ضد کو برقرار رکھنے کی غرض سے صرف اس مسئلہ کے بارے میں امام شافعیؒ کا مقلد بن کر یعنی تبدیلیٔ مذہب کرکے اس عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح کسی دوسرے کے ساتھ کردینا جائز ہے؟

۶......تبدیلیٔ مذہب کسی خاص غرض سے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... یہ نکاح شرعاً منعقد ہوجائے گا، لیکن جس لڑکی کے سر پر باپ موجود ہو اس کو ایسا اقدام کرنا مناسب نہیں: "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضى ولي". درمختار (۳)۔

= من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء لانكاح إلابولي: ۱/۲۰۸، سعيد)

(وسنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب في الولي: ۱/۲۹۱، إمداديه ملتان)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح واستيذان المرأة، الفصل الثاني، ص: ۲۷۰، قديمي)

(۱) (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۴، شركت علميه ملتان)

(۲) (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۳/۳۱۴، شركت علميه ملتان)

(۳) (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/۵۵، سعيد)

"يستحب للمرأة تفويض أمرها إلى وليها كي لا تنسب إلى الوقاحة". (ردالمحتار: ۳/۵۵، سعيد)=

۲...... جبکہ یہ نکاح کفو میں مہرِ مثل پر ہوا ہے تو ولی کو اس کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں (۱)، غیر کفو میں ہو تا تو حکم کچھ اور ہوتا۔

۳...... "أراد بالنفاذ الصحة وترتب الأحكام من طلاق وتوارث وغيرها، لا اللزوم؛ إذ هو أخص منها؛ لأنه ما لا يمكن نقضه، وهذا يمكن رجعه إذا كان من غير كفؤ. وأما حديث: "أيما امرأة نكحت نفسها بغير إذن وليها، فنكاحها باطل فنكاحها باطل فنكاحها باطل". وحسّنه الترمذي. وحديث: "لانكاح إلابولي" رواه أبوداؤد وغيره، فمعارضٌ بقوله صلى الله عليه وسلم: "الأيم أحق بنفسها من وليها". رواه مسلم وأبوداؤد والترمذي والنسائي ومالك في الموطأ. والأيم من لا زوج لها بكراً أولا، فإنه ليس للولي إلا مباشرة العقد إذا رضيت، وقد جعلها أحق منه به. ويترجح هذا بقوة السند والاتفاق على صحته بخلاف الحديثين الأولين، فإنهما ضعيفان أو حسنان أو يجمع بالتخصيص أو بأن النفي للكمال، الخ". شامي: ۲۹٦ (۲)۔

۳...... ولی کو اختیار نہیں کہ اس نکاح کی اجازت نہ دیکر دوسری جگہ اس کا نکاح کر دے، یہ نکاح اجازت پر موقوف نہیں رہا (۳)۔

۴...... ان کا مسلکِ مختار مجھ کو معلوم نہیں۔ حنفی کو اس مسئلہ میں کسی دوسرے مسلک پر عمل کرنے کی

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۲/۲٦، دارالمعرفة بيروت)

(۱) "فإذا تزوجت المرأة رجلاً خيراً منها، فليس للولي أن يفرق بينهما". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الخامس في الأكفاء: ۱/۲۹۰، رشيديه)

(وكذا في مبسوط السرخسي، كتاب النكاح، باب الأكفاء: ۳/۲۸، الجزء الخامس، غفارية)

(۲) (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي، ۳/۵۵، ۵٦، سعيد)

(۳) (راجع، ص: ۴۹۹، رقم الحاشية: ۱)

اجازت نہیں (۱)۔

۵......اس کا جواب: ۳،۴، میں آ گیا۔

۶......جس مجتہد کے مذہب کو حق تصور کر کے اختیار کیا ہے، اس کے مذہب کو بلا مجبوری چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرنا درست نہیں: "و في الفتح: قالوا: المنتقل من مذهب إلى مذهب باجتهاد وبرهان أثم يستوجب التعزير، فبلا اجتهاد وبرهان أولى انتهى". حموی، ص: ٢٥٦(٢)۔

"ليس للعامي أن يتحول من مذهب إلى مذهب، ويستوى فيه الحنفي و الشافعي. وقيل لمن انتقل إلى مذهب الشافعي ليزوج له: أخاف أن يموت مسلوب الإيمان لإهانته بالدين لجيفة قذرة". قنية، ص: ١٥٥۔ "الرجوع عن التقليدبعد العمل باطل اتفاقاً، وهو المختار في المذهب". درمختار: ١/٥١(٣)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

ولی کی اجازت سے نابالغ کا ایجاب وقبول

سوال[۵۲۱۱]: جبکہ لڑکا لڑکی نابالغ ہیں تو ولی ایجاب وقبول کر سکتا ہے یا نہیں؟ یا یہ خود ایجاب وقبول کر سکتے ہیں یا نہیں، جبکہ ان کو معلوم ہو کہ نکاح کے فوائد کیا ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بھی درست ہے کہ ولی نابالغ لڑکے لڑکی کیلئے ایجاب وقبول کر لے، اور یہ بھی درست ہے کہ ولی کی اجازت سے نابالغ ایجاب وقبول کر لے، كذا في الشامي: ٢/٣١٤(٤)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/۲/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ۔

---

(١) (أنظر الحاشية : ٢، ٣)

(٢) (الحموي شرح الأشباه والنظائر، الفن الثاني، كتاب الحدود: ٢/ ٧١، إدارة القرآن كراچي)

(٣) (مقدمة الدرالمختار، مطلب في حكم التقليد والرجوع عنه: ١/ ٧٥، سعيد)

(٤) "نعم لو كان لها أب أوجد، وزوجت نفسها، كذلك توقف؛ لأن له مجيزاً وقت العقد؛ لأن الأب والجد يملكان العقد بذلك و الصغير كالصغيرة". (ردالمحتار: ٣/ ٨٠، كتاب النكاح، باب الولي، =

ختنہ سے پہلے نکاح

سوال[۵۲۱۲]: مسمی گامی پسر جمہ کا نکاح مسمات بیان دختر سے ہوا، بوقتِ نکاح لڑکے کی عمر چار سال تھی اور وہ بغیر ختنہ کے تھا اور مسمات کی عمر ایک سال تھی، دونوں میں ایجاب وقبول کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے، صرف طرفین سے والدین کی رضامندی سے نکاح ہوا تھا، جب طرفین بالغ ہوئے تو بعد از بلوغ ازدواجی زندگی خوشی سے گزارنی شروع کردی، اس وقت لڑکے کی عمر ۲٦/سال ہے اور لڑکی کی عمر ۲۲/سال ہے۔ اب بعض کہتے ہیں کہ نکاح چونکہ بدونِ ختنہ کے ہوا ہے لہذا یہ سنت کے خلاف ہے اس لئے ان دونوں کا نکاح درست نہیں ہے۔ دونوں میاں بیوی خوش نہیں ہیں، لڑکی شوہر کے گھر رہنا نہیں چاہتی ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ مسئلہ مذکورہ کو تفصیل سے جواب مطلع فرمائیں اور باہم بڑھتے ہوئے نزاع کو ختم فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

چار سال کی عمر میں والد نے جو نکاح کردیا وہ بلا شبہ صحیح ہوگیا(۱)، ختنہ نہ ہونے کی وجہ سے اس کو غلط کہنا

= مطلب: لا یصح تولیة الصغیر الخ، سعید)

"الصبی إذا تزوج، یتوقف علی إجازة الولی فی حالة الصغر". (فتح القدیر: ۳/ ۳۰۹، کتاب النکاح، فصل فی الوکالة با لنکاح، مصطفی البابی الحلبی مصر)

"للولی الصغیر و الصغیرة أن ینکحهما وإن لم یرضیا بذلک، سواء کانت بکراً أو ثیباً".

(الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/ ۲۸۵ کتاب النکاح، الباب الرابع، رشیدیه)

(و کذا فی البحرالرائق: ۳/۲۰۸، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار: ۳/٦۵، کتاب النکاح، باب الولی، سعید)

(۱) "وینعقد: أی النکاح: أی یثبت و یحصل انعقاده بالإیجاب والقبول". (ردالمحتار، کتاب النکاح: ۳/۹، سعید)

"وأما رکن النکاح فهو الإیجاب والقبول". (بدائع الصنائع، فصل فی رکن النکاح: ۳/۳۱۷، دارالکتب العلمیه بیروت)

"و لا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین أو رجل وامرأتین، عدولاً کانوا أو غیر عدول". (الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰٦، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

اور شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی کرانا صحیح نہیں، ان کو آپس میں ملنے سے ہرگز نہ روکیں (۱)۔ ختنہ سنت ہے (۲) اور اس کی تاکید ہے، مگر اس کی وجہ سے نکاح ناجائز نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۴/۹/۸۸ھ۔

کیا نکاح کے وقت والد کا نام لینا ضروری ہے؟

سوال [۵۲۱۳]: کیا نکاح میں بوقتِ ایجاب وقبول دولہا دولہن کے والد کا نام لینا ضروری ہے؟ بشقِ اول اگر نام نہیں لیا سہواً یا عمداً تو کیا نکاح پھر سے دوبارہ پڑھنا پڑے گا؟ بشقِ ثانی ولدالزنا یا لقطہ کا نکاح کس طرح پڑھا جائیگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بغیر والد کا نام لیے قاضی اور گواہ سب پہچان لیں کوئی اشتباہ نہ رہے تو بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، مثلاً: دونوں مجلس میں سامنے موجود ہوں اور گواہوں کے سامنے وہ خود ہی ایجاب وقبول کر لیں، یا ان کا ولی کہہ دے کہ اس کا نکاح اس سے کر دیا، یا خاندان کے سامنے نکاح ہو وہ خود جانتے ہیں، والد کا نام لینے سے مقصود تعارف ہوتا ہے، وہ جس طرح بھی ہو جائے صحیح ہے (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، دیوبند، ۳/۴/۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "والثاني: أنه نهى الأولياء عن المنع عن نكاحهن أنفسهن من أزواجهن إذا تراضى الزوجان. الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ولاية الندب: ۳/۳۷۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "والأصل أن (الختان سنة) كما جاء في الخبر (وهو من شعائر الإسلام)". الخ. (الدرالمختار، مسائل شتى: ۶/۷۵۱، سعيد)

"واختلفوا في الختان، قيل: إنه سنة، وهو الصحيح، كذا في الغرائب". (الفتاوى العالمكيرية، باب الكراهية، الباب التاسع عشر في الختان، الخ: ۵/۳۵۷، رشيديه)

(۳) "والحاصل أن الغائبة لا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها، وإن كانت معروفة عند الشهود، على قول ابن الفضل. وعلى قول غيره يكفي ذكر اسمها إن كانت معروفة عندهم، وإلافلا، وبه جزم =

رجسٹر میں ولدیت بدلنے سے نکاح پر اثر

سوال[۵۲۱۴]: ایک شادی کے رجسٹر میں دولہا کی ولدیت میں لڑکے کے ماموں کا نام لکھا گیا، اس صورت میں یہ شادی درست ہوگی یا نہیں؟ چونکہ لڑکا بچپن میں اپنے ماموں کی تربیت میں تھا۔

الجواب حامداً ومصلياً:

جبکہ لڑکی دولہا کے یہاں جاتی ہے اور گواہ اس کو دیکھ رہے ہیں تو انعقادِ نکاح کیلئے اتنی بات کافی ہے، رجسٹر میں بالکل ہی اندراج نہ ہوتب بھی نکاح صحیح ہے(۱)۔ والد کے نام کی جگہ ماموں کا نام لکھ دیا گیا ہو، کیونکہ وہ ماموں کی تربیت میں تھا" یہ بھی نکاح میں خرابی نہیں آئی، والد کے نام کی ضرورت رفعِ جہالت کیلئے ہوتی ہے جو حاضر میں موجود نہیں، کذا فی رد المحتار، ص: ۲۷۲ (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۴ھ۔

= صاحب الهداية في التجنيس، وقال: لأن المقصود من التسمية التعريف، وقد حصل، الخ".

(ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۲۲، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۷، رشيديه)

(وكذا في فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول، الفصل الأول: ۱/ ۳۲۴، رشيديه)

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح. ۲/ ۳۰۵، شركة علمية، ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/ ۴۴۸، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) "(قوله: ولا المنكوحة مجهولة) قلت: و ظاهره أنها لوجرت المقدمات على معينة وتميز عند الشهود أيضاً، يصح العقد، وهي واقعة الفتوى؛ لأن المقصود نفي الجهالة، وذلك حاصل بتعينها عند العاقدين والشهود وإن لم يصرح باسمها .... فإن عرفها الشهود وعلموا أنه أرادها، كفى ذكر اسمها، وإلالابد من ذكر الأب والجد". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/ ۱۵، سعيد)

(وكذا في منحة الخالق على هامش البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۰، رشيديه)

نکاح پڑھاتے وقت غلطی سے نام بدلا گیا

سوال[۵۲۱۵]: کچھ ماہ پہلے میری شادی ہوئی تھی، میری بیوی کا اصلی نام کوثر حسین ہے، لیکن نکاح میں اقرار کے وقت قیصر جہاں کے نام سے اقرار کرایا گیا، قاضی صاحب نے قیصر جہاں ہی نام لیکر مجھ سے تین مرتبہ اقرار کرایا، اور رسید میں بھی قیصر جہاں نام ہے۔ ذہنی الجھن میں مبتلا ہوں کہ یہ نکاح ہوا ہے یا اس میں کچھ خامی ہے؟ شرعی اعتبار سے مجھے کیا کرنا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اصلی نام قیصر جہاں تھا، لیکن صحیح تلفظ نہ ہونے کی وجہ سے کوثر حسین کہنے لگے، یا اصلی نام کوثر حسین تھا، اسی کو قیصر جہاں کہنے لگے، یا دونوں ہی نام ہیں کوئی کوثر حسین کہتا ہے کوئی قیصر جہاں، تو ان سب صورتوں میں نکاح صحیح ہوگیا۔ اگر نام ایک ہی ہے اور وہی لیا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا جاتا ہے اور جس نام سے قبول کرایا گیا ہے وہ نام نہیں ہے اور غلطی سے نام بدل گیا تو دو گواہوں کے سامنے دوبارہ ایجاب وقبول کرلیا جائے (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

---

(۱) یہ حکم اس وقت ہے جبکہ گواہوں نے زوجہ کو نہ پہچانا ہو لیکن اگر زوجہ کو گواہوں نے پہچان لیا ہو اور پھر نام لینے میں غلطی ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہ پڑے گا:

"غلط و كيلها في اسم أبيها بغير حضورها، لم يصح للجهالة، و غلط في اسم بنته، إلا إذا كانت حاضرةً وأشار إليها، فيصح". (الدرالمختار). (قوله: إلاإذا كانت حاضرةً) راجع إلى المسئلتين: أي فإنها لو كانت مشاراً إليها و غلط في اسم أبيها أو اسمها، لا يضر؛ لأن تعريف الإشارة الحسية أقوى من التسمية، لما في التسمية من الاشتراك العارض، فتلغو التسمية عندها كمالوقال: اقتديت بزيد هذا فإذا هو عمرو، فإنه يصح". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۲۶/۳، سعيد)

(وكذا في الدرالمنتقى على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح، ۱/ ۳۲۲، داراحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق مع منحة الخالق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۰، رشيدية)

"أو لم تكن ووقع في قلبه صدقها، فلا بأس بأن تزوجها، الخ". (الدرالمختار، كتاب المطلق،=

قبولِ اسلام کے بعد نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۱۶]: ایک مسماۃ عیسائی اپنے کو یہ کہتی ہے کہ میرا شوہر تو مر گیا اب میں مسلمان سے شادی کر کے رہنا چاہتی ہوں۔ ایسی صورت میں اس عورت کو کیا کرنا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام قبول کر لے، عدت گذر چکی ہو تو کسی مسلمان سے شادی کرے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۹۲/۱/۴ھ۔

نومسلم کا نکاح

سوال[۵۲۱۷]: زید کا لڑکا عمر عیسائی ہے، بکر کی لڑکی فریدہ مسلمان ہے، بالغہ ہے، عمر اگر مذہب اسلام قبول کر لے تو کیا فریدہ کا نکاح عمر سے ہو سکتا ہے یا نہیں؟

= باب الطلاق: ۵۲۹/۳، سعید)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن، ولأمة مؤمنة خير من مشركة ولو أعجبتكم﴾ (سورة البقرة: ۲۲۱)

"لايجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث في بيان المحرمات، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۲۸۲/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۴۶۵/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

قال الله تعالىٰ: ﴿فإذا بلغن أجلهن، فلاجناح عليكم فيما فعلن في أنفسهن بالمعروف﴾ (البقرة: ۲۳۴) "وعن المسور ابن مخرمة أن سبيعة الأسلمية نفست بعد وفاة زوجها بليال، فجاءت النبي صلى الله عليه وسلم فاستأذنته أن تنكح، فأذن لها فنكحت" (مشكوٰة المصابيح، كتاب النكاح، باب العدة، الفصل الأول، ص: ۲۸۸، قديمي)

الجواب حامداً ومصلیاً:

بالکل ہوسکتا ہے(۱) مگر اس کا بھی اطمینان کرلیا جائے کہ یہ قبولِ اسلام کہیں نکاح ہی کی خاطر تو نہیں، کبھی نکاح کے بعد کہیں لڑکی کا دین بھی تباہ ہو جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۶/۸۸ھ۔

عدت کے بعد نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۱۸]: ایک غیر مسلم لڑکی تھی جو شادی شدہ تھی، ایک مسلم کا اس سے تعلق ہوگیا اور لڑکی نے کچھ دنوں بعد اسلام قبول کرلیا، ایک سال سے وہ لڑکی اس مسلمان کے ساتھ رہ رہی ہے ابھی تک انہوں نے نکاح نہیں کیا، لڑکی چاہتی ہے کہ نکاح ہوجائے۔ کیا دونوں کا نکاح درست ہوگا، اور اس لڑکی کے لئے عدت بھی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اسلام قبول کرنے کے بعد سال بھر گزر چکا ہے تو اب اس کی شادی اس شخص سے درست ہے(۲)۔ فقط واللہ اعلم۔

---

(۱) "ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/۴۶۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۱/۲۸۲، رشيديه)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث المحرمات من النساء، زواج المسلمة بالكافر: ۹/۶۶۵۲، رشيديه)

(۲) "ولو أسلم أحدهما ثمة .... لم تبن حتى تحيض .... أو تمضي ثلاثة أشهر .... وليست بعدة .... وهل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ فإن كانت المرأة حربيةً، فلا؛ لأنه لا عدة على الحربية. وإن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض هنا، فكذلك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده، خلافاً لهما، كما سيأتي، بدائع وهداية. وجزم الطحاوي بوجوبها. قال في البحر: وينبغي حمله على اختيار قولهما. الخ". (الدر المختار مع =

نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۱۹]: ایک عورت غیر مسلمہ کی شادی اپنے مذہب کے اعتبار سے سات سال کی عمر میں ہو چکی تھی، لیکن بلوغ تک نہ شوہر کے گھر گئی، نہ اس سے کچھ تعلق پیدا کیا، اس کے بعد وہ ایک مسلمان کے گھر رہنے لگی اور مسلمان ہو کر اسی دن اس سے شادی کر دی، اس کے بھائی اس کی شادی دوسری جگہ کر دینا چاہتے تھے، شادی کے بعد اس کا ایک لڑکا چار سال بعد ہوا۔ تو کیا قبولیتِ اسلام کے بعد کیا ہوا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

شوہر والی عورت (مدخولہ ہو یا غیر مدخولہ) جب دارالحرب میں اسلام قبول کرے تو تین حیض گذرنے پر اس کا نکاح فسخ ہوتا ہے، پھر اگر غیر مدخولہ ہو تو اس پر عدت واجب نہیں ہوتی بلکہ نکاح فسخ ہونے کے بعد اس کا نکاح درست ہو جاتا ہے وصورتِ مسئولہ میں اسلام قبول کرتے ہی اس کا نکاح دوسری جگہ کر دیا گیا، یہ درست نہیں ہوا، تین حیض کا انتظار لازم تھا(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

نومسلمہ کا نکاح

سوال[۵۲۲۰]: ہندوستان میں ایک عورت مسلمان ہوگئی اور اس کا خاوند کفر پر ہے، اس میں دریافت طلب امر یہ ہے کہ ہندوستان اگر دارالحرب ہے تو فرقت کے لئے تین حیض ضروری ہے، کیونکہ اسلام عدمِ ولایت کی وجہ سے پیش نہیں کیا جا سکتا، مگر یہاں بعض دفعہ میں پیش کیا جا سکتا ہے بعض دفعہ نہیں جیسا کہ ظاہر ہے اور اگر دارالامن ہے تو مذکورہ صورت کا کیا حل ہے، آیا مہاجرۃ النساء کی صورت ہے؟ غرضیکہ جیسی تحقیق ہو تحریر ہو، مولانا تھانوی رحمہ اللہ علیہ نے فرقت تین حیض سے لکھی ہے۔ کیا وہ بھی صورت ہے جو

= ردالمحتار، باب نکاح الکافر: ۳/ ۱۹۱، ۱۹۲، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب نکاح الکافر: ۳/ ۳۷۰، رشیدیہ)

(وکذا فی النهر الفائق، باب نکاح الکافر: ۲۸۸/۲، امدادیہ ملتان)

(وکذا فی فتاوی دار العلوم دیوبند، باب: وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۱۹۲/۷، إمدادیہ ملتان)

(۱) (راجع، ص: ۵۰۷، رقم الحاشیة: ۲)

ہندوستان میں باقی ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہندوستان کے متعلق پہلے سے اختلاف چلا آتا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب، حضرت شاہ اسماعیل صاحب رحمہما اللہ تعالیٰ نے اس کو دارالحرب فرمایا ہے، مولانا عبدالحئی صاحب اور نواب صدیق صاحب اور مولانا عبدالباری صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا انکار کیا ہے۔ طرفین اہل تحقیق اس میں اور اپنے دعوے پر دلیل بھی پیش کرتے ہیں جیسا کہ مجموعہ فتاویٰ (۱) اور فتاویٰ عزیزی میں موجود ہے (۲) اور یہ اختلاف درحقیقت دارالحرب کے آثار اور علامات میں اکابرِ ائمہ کے اختلاف پر مبنی ہے، مبسوط (۳)، عالمگیری (۴)، شامی (۵) وغیرہ میں ان اکابر کے اقوال دارالحرب کی تعریف کے متعلق ذکر کرتے ہیں۔

---

(۱) (مجموعة الفتاوی: ۱/۲۳۷، کتاب الصلاة، سعید)

(۲) (فتاوی عزیزی (فارسی): ۱/۳۰، سعید)

(۳) "والحاصل أن عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ إنما تصير دارهم دار الحرب بثلاثة شرائط: أحدها أن تكون متاخمة أرض الترك ليس بينها و بين أرض الحرب دار المسلمين. والثاني أن لا يبقى فيها مسلم آمن بإيمانه و لا ذمي آمنٌ بأمانه. والثالث أن يظهروا أحكام الشرك فيها. وعن أبي يوسف ومحمد رحمهما الله تعالىٰ: إذا أظهروا أحكام الشرك فيها، فقد صارت دارهم دارحرب؛ لأن البقعة إنما تنسب إلينا وإليهم باعتبار القوة والغلبة، فكل موضع ظهر فيه حكم الشرك فالقوة في ذلك الموضع للمشركين فكانت دار حرب. وكل موضع كان الظاهر فيه حكم الإسلام فالقوة فيه للمسلمين، ولكن أبو حنيفة رحمه الله تعالىٰ يعتبر تمام القهر والقوة؛ لأن هذه البلدة كانت في دارالإسلام محرزةً للمسلمين، فلا يبطل ذلك الإحراز إلا بتمام القهر من المشركين، وذلك باستجماع الشرائط الثلاث". (مبسوط السرخسي، باب المرتدين: ۱۰/۱۰۳، مکتبه حبيبيه کوئٹه)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، مطلب فيما تصيربه دار الحرب دار إسلام و عكسه: ۲/۲۳۲، رشيديه)

(۵) (رد المحتار على الدرالمختار، باب المستأمن، مطلب فيما تصير به دار الإسلام دار حرب وبالعكس: ۴/۱۷۴، سعيد)

اسی اختلاف کی بناپرحضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کاتحریرفرمانااحوط ہے،جس کاحاصل یہ ہے کہ تین حیض کے گذرنے کے بعدایسی عورت کانکاح منقطع ہوگااورپھرتین حیض اورعورت کوانتظارکرناچاہیے،غرض چھ حیض کے بعداس کونکاحِ ثانی کی اجازت ہوگی،یہ صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ کاقول ہے۔امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس پرعدت واجب نہیں،لہٰذاصرف تین حیض گزرجانے پرنکاحِ ثانی درست ہوگا،امام صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کاقول اوسع ہے۔

ہندوستان میں بلکہ ایک ہی شہرمیں رہتے ہوئے محض قبولِ اسلام کی بناء پرمہاجرۃ النساء کاحکم کیسے لگایا جاسکتا ہے.

"ولو أسلم أحدهما ثمة: أي في دار الحرب لم تبن حتى تحيض ثلاثاً أو تمضي ثلاثة أشهر قبل إسلام الآخر إقامةً لشرط الفرقة قيام السبب، و ليست بعدة لدخول غير المدخول بها". قال الشامي: "(قوله: وليست بعدة): أي ليست هذه المدة عدةً؛ لأن غير المدخول بها داخلة تحت هذا الحكم، ولو كانت عدةً، لاختص ذلك بالمدخول بها. و هل تجب العدة بعد مضي هذه المدة؟ فإن كانت المرأ ة حربيةً، فلا؛ لأنه لا عدة على الحربية، وإن كانت هي المسلمة فخرجت إلينا فتمت الحيض هنا، فكذالك عند أبي حنيفة رحمه الله تعالىٰ، خلافاً لهما؛ لأن المهاجرة لا عدة عليها عنده، خلافاً لهما، كما سيأتي، الخ". ردالمحتار: ۲/۳۹۱، مطبوعه نعمانيه(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودگنگوہی عفااللہ عنہ،معین مفتی مدرسہ مظاہرعلوم سہارنپور،۸/۷/۶۲ھ۔

الجواب صحیح:سعیداحمدغفرلہ، صحیح:عبداللطیف،۸/رجب/۶۲ھ۔

---

(۱) (رد المحتار مع الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع الطلاق: ۳/۱۹۱، ۱۹۲، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك: ۳/۲۲۱، ۲۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۲/۲۸۸، إمداديه ملتان)

بچوں کے نکاح کا طریقہ

سوال[۵۲۲۱]: ۶/ سال سے کم عمر کے بچوں کے نکاح کا طریقہ کیا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دونوں کی طرف سے ان کے لئے ان کے والد ایجاب وقبول کرلیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۶ھ۔

جولڑکی سنی ہوجائے اس سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۲۲]: میں شیعہ لڑکی سے محبت کرتا ہوں، اس لڑکی کی عمر ۳۰/ یا ۳۲/ سال ہے اور میری عمر ۲۸/ سال ہے، اس کی والدہ بمبئی میں گذر گئی تھیں، اس کی دادی نے اس کو پالا ہے، اس کی دادی آٹھ سال سے پاگل ہے اور والد گونگے اور بہرے ہیں، وہ لڑکی اپنے والدین کی اکیلی ہے اور وہ لڑکی بیمار بھی ہے اور وہ لڑکی بہت غریب ہے اور میرے گھر والے اس رشتے کے خلاف ہیں۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس لڑکی سے شادی کرلوں اور وہ لڑکی بھی میرے سے شادی کیلئے تیار ہے اور میرے پاس شادی کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور وہ لڑکی اپنا شیعہ مذہب چھوڑ کر سنی ہوجائے گی اور اس لڑکی نے کہا ہے کہ اگر وہ شادی نہیں کرے گا تو وہ خودکشی کرے گی۔ اس لئے آپ سے فتویٰ چاہتا ہوں، مہربانی کرکے جواب سے جلد از جلد نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر آپ اس کے حقوق ادا کرسکتے ہیں تو اس سے شادی کرلیں، حقوق میں کھانا کپڑا رہنے کیلئے مکان بھی داخل ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) "وللولي إنكاح الصغير والصغيرة". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۶۵/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲۰۸/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۵۰۳/۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "عن عبد الله بن مسعود رضي الله تعالىٰ عنه قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "يا معشر الشباب! من استطاع منكم الباءة، فليتزوج، فإنه أغض للبصر وأحصن للفرج". (مشكوة المصابيح، =

کیا نومسلمہ کو چھ مرتبہ حیض کے بعد نکاح کی اجازت ہے؟

سوال[۵۲۲۳]: ایک عورت جو غیر مسلمہ اور شادی شدہ ہے اور اس عورت کے غیر مسلم شوہر سے اولاد بھی ہے لیکن ایک مسلمان اس عورت کے ساتھ اور عورت بھی اس کے ساتھ رہنا چاہتی ہے۔ عورت کا کہنا کہ میں نہ ہندو ہوں نہ مسلم، مگر ٹیکا لگاتی ہے یعنی اس میں شرک کی آمیزش ہے۔ اور اس مسلمان نالائق نے بھی جمعہ تک کی نماز چھوڑ دی، اس نے اس غیر مسلمہ کے خاوند کو طلاق پر آمادہ بھی نہ کیا، نہ وہ مسلمان ہوئی، نہ یہ پورا مرتد ہوا۔ غرض دونوں کو شرعاً کس طریقہ سے الگ کرنا یا ملانا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر دونوں ملے ہوئے ہیں تو ان کو فوراً الگ الگ کرا دیا جائے (۱) اور عورت اسلام قبول کرلے، ٹیکہ وغیرہ مشرکانہ چیزیں چھوڑ دے (۲)۔ جب اسے چھ مرتبہ ماہواری آجائے تو اس مسلمان سے اس کا نکاح کر دیا جائے (۳)، اس وقت تک عورت کسی دوسری عافیت کی جگہ رہے۔ کلمہ اور نماز وغیرہ آہستہ آہستہ سیکھتی رہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۷/۱۳۹۹ھ۔

= كتاب النكاح، الفصل الأول: ۲/۲٦٧، قديمي)

"(و)يكون (سنةً) مؤكدةً في الأصح، فيأثم بتركه .... (حال الاعتدال): أي القدرة على وطء ومهر ونفقة" (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۷، سعيد)

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "من رأى منكم منكراً، فليغير بيده". الحديث. (مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۲/٤۳٦، قديمي)

(۲) قال الله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: ألا تكون المرأة مشركة إذا كان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة". (بدائع الصنائع، فصل في نكاح المشركة: ۳/٤٥٨، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في فقه السنة، كتاب النكاح، المحرمات من النساء، زواج المشركة: ۲/۹۳، دارالكتاب العربي)

(۳) تین ماہواریوں کے بعد اس کا سابق نکاح ختم ہوگا: "ولو أسلم أحدهما ثمه، لم تبن حتى تحيض ثلاثاً قبل =

بغیر عورت کی اجازت کے نکاح جب کہ وہ رضامند نہ ہو اور سہیلی کا انگوٹھا لگانا

سوال[۵۲۲۴]: ایک لڑکی کا نکاح ہونے لگا، نکاح کے وقت لڑکی سے اجازت نہیں لی گئی، بلکہ اس کی والدہ نے اجازت دے دی اور رجسٹر میں بھی اس کی سہیلی نے انگوٹھا لگادیا، البتہ لڑکی رضامند تھی اور لڑکی بالغ بھی تھی۔ اس حالت میں نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر لڑکی نے بعد عقد اس کو منظور کرلیا ہو قولاً ہو یا فعلاً تو یہ نکاح صحیح ہوگا (۱)، سہیلی کا انگوٹھا لگانا بیکار رہے جبکہ اس کا ایجاب وقبول نہیں کرایا گیا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

= إسلام الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر، مطلب: الصبي والمجنون ليسا بأهل لإيقاع الطلاق: ۳/۱۹۱، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب نكاح الكافر: ۳/۳۷۰، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح، باب نكاح أهل الشرك: ۳/۴۲۱، ۴۲۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

اور باقی تین ماہواریاں اختتام نکاح کی عدت ہیں، قال الله تعالى: ﴿والمطلقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

(۱) "ومنها رضا المرأة إذا كانت بالغةً، بكراً كانت أو ثيباً، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۹، رشيديه)

"وتثبت الإجازة لنكاح الفضولي بالقول والفعل، كذا في البحر الرائق". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في الوكالة بالنكاح وغيرها: ۱/۲۹۹، رشيديه)

"ومن شرائط الإيجاب والقبول .... وشرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر ليتحقق رضاهما". (الدر المختار). "(قوله: ليتحقق رضاهما): أي ليصدر منهما ما من شأنه أن يدل على الرضا؛ إذ حقيقة الرضا غير مشروطة في النكاح". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۱۴-۲۱، سعيد)

"وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها، الخ". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء: ۲/۳۱۳، مكتبه شركة علميه ملتان)

حیض نہ آنے اور ثدیین ابھرے ہوئے نہ ہونے کی حالت میں نکاح

سوال[۵۲۲۵]: زید کا نکاح ہندہ سے ہوا تھا، خلوتِ صحیحہ کا بھی ثبوت ہے، مگر چار سال کے بعد ڈاکٹروں نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ہندہ مرد کے قابل نہیں حیض آتا ہے نہ ثدیین ابھرے ہوئے ہیں۔ دریافت طلب یہ ہے کہ زید کا نکاح ہندہ سے ہوا یا نہیں؟ بصورتِ نکاح مہر کا لزوم ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

ثدیین کے نہ ابھرنے اور حیض نہ آنے کے باوجود اگر اس کے محلِ جماع ہے تو زید اس کے پاس جا کر ہمبستری کر سکتا ہے اور نکاح بھی صحیح ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۹۳/۱/۷ھ۔

جواب صحیح ہے: چونکہ خلوت ہو چکی ہے اس لئے مہر بھی پورا لازم ہوگا (۲)۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

---

(۱) "هو عند الفقهاء عقد يفيد ملك المتعة: أى حل استمتاع الرجل من امرأة لم يمنع من نكاحها مانع شرعى، فخرج الذكر والخنثى المشكل، الخ". (الدر المختار). "وهو اختصاص الزوج بمنافع بضعها وسائر أعضاها استمتاعاً .... فخرج الذكر والخنث المشكل: أى أن إيراد العقد عليهما لايفيد ملك استمتاع الرجل بهما لعدم محليتهما له، الخ". (ردالمحتار: ۳/۳، ۴، سعيد)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۷، سعيد)

(وكذا فى البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۳۸، مصطفى البابى الحلبى مصر)

"النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار: ۳/۹، سعيد)

(۲) "والمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحيحة و موت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل حتى لايسقط منه شىء بعد ذلك إلا بالإبرأء". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السابع فى المهر، الفصل الثانى: ۱/۳۰۳، رشيديه)

(وكذا فى الدر المختار، كتاب النكاح، باب المهر: ۳/۱۰۲، سعيد)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى بيان مايتأكد به المهر: ۳/۵۲۰، دار الكتب العلميه بيروت)

نابینا بہرے کا نکاح

سوال[۵۲۲۶]: زید کہتا ہے میرا بھائی نابینا بھی ہے اور بہرا بھی، اس کا نکاح کس طریقہ سے پڑھایا جائے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس طرح اَور ضروریات اس کو سمجھائی جاتی ہیں اور اس سے دریافت کی جاتی ہیں اسی طرح نکاح بھی کردیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳/ ۹/ ۸۵ھ۔

گونگے کا نکاح

سوال[۵۲۲۷]: کسی نابالغ لڑکی کا نکاح اس کے والدین نے گونگے مرد کے ساتھ کردیا اور گونگے نے (قبولیت کے لئے) اشارۃً ہی سر ہلادیا۔ تو سوال یہ ہے کہ گونگے کا اشارۃً نکاح کو قبول کرنا کافی ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

گونگا اگر اشارہ سے قبول کرے تو نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۱/ ۱۳۹۶ھ۔

---

(۱) "وينبغي أن لايختلف في انعقاده بالأصمين إذا كان كل من الزوج والزوجة أخرس؛ لأن نكاحهما -كما قالوا- ينعقد بالإشارة حيث كانت معلومةً". (ردالمحتار، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به، كتاب النكاح: ۳/ ۲۳، سعيد)

"و كما ينعقد النكاح بالعبارة ينعقد بالإشارة من الأخرس، إذا كانت إشارته معلومةً الخ".

(بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۲۲، دار الكتب العلمية بيروت)

"ففي كافي الحاكم الشهيد مانصه: فإن كان الأخرس لا يكتب، و كان له إشارة تعرف في طلاقه ونكاحه و شرائه وبيعه، فهو جائز، الخ". (رد المحتار، كتاب الطلاق، مطلب في الحشيشة والأفيون والبنج: ۳/ ۲۴۱، سعيد)

(۲) "(إيماء الأخرس وكتابته كالبيان) باللسان". (الدرالمختار، مسائل شتى: ۶/ ۷۳۴، سعيد) ......=

جو مرد اور عورت کبھی نماز نہیں پڑھتے ان کا نکاح

سوال[۵۲۲۸]: لڑکا اور لڑکی دونوں کلمہ تو جانتے ہیں مگر کبھی نماز نہیں پڑھتے تو کیا ان دونوں کا نکاح درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح تو صحیح ہوگا(۱) مگر ترکِ فرض کا گناہ کچھ ہلکا گناہ نہیں، اس کا اہتمام بہت ضروری ہے، نماز ترک کرنا معمولی گناہ نہیں ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

کیا دو عورتوں سے طلاق کے بعد دو دفعہ نکاح کرنا چار کے حکم میں ہے؟

سوال[۵۲۲۹]: ۱...... ایک مسلمان جو کہ حنفی مسلک سے تعلق رکھتا ہے، قرآن وسنت کا پابند ہے،

= "ثم قال في النهر: وينبغي ألا يختلف في انعقاده بالأ صمين إذا كان كل من الزوج و الزوجة أخرس؛ لأن نكاحه -كما قالوا- ينعقد بالإشارة حيث كانت معلومةً". (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳/ ۲۳، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق: ۱/ ۱۸۲، امداية ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۲۲، دار الكتب العلمية، بيروت)

(۱) "وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، و ذلك بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲٦۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱٦۷، امداديه ملتان)

(۲) "من ترك صلاةً، لقي الله و هو عليه غضبان". (فيض القدير، (رقم الحديث: ۸۵۸۵، رياض)

"من ترك الصلاة متعمداً، فقد كفر جهاراً". (فيض القدير: ۱۱/۵۷۳۷، ۵۷۳۸، (رقم الحديث: ۸۵۸۷)، مكتبه نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

"ويكفر جاحدها لثبوتها بدليل قطعي، وتاركها عمداً مجانةً: أي تكاسلاً فاسق، الخ". (الدر المختار، كتاب الصلاة: ۱/ ۳۵۲، سعيد)

میرا قریبی بھائی ہے، اس نے پہلے ایک نکاح کیا ہے ''الف'' کے ساتھ، پھر اس کو طلاق دے کر دوسری شادی کرلی ''ب'' کے ساتھ، ایک سال کے بعد اس کے ساتھ بھی ان بن ہوگئی اور ''ب'' کو بھی طلاق شرعی لکھ کر عدالت سے دیدی، نہ کہ تین عدتوں میں جس طرح شریعت کہتی ہے۔ کچھ عرصہ ۸/ ماہ ہوئے تو یہ عورت ''ب'' نادم ہوکر آئی اور اس نے شادی کرنی چاہی، وہ دونوں عدالت میں گئے اور وہاں ایک بیان حلفی پبلک نوٹری سے تصدیق کرا کے شادی دوبارہ رچالی اور کوئی خطبۂ نکاح انجام نہ پایا۔

اسی دوران اس عورت کو حمل ٹھہرا اور ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ پھر اس عورت ''ب'' کو فحش کلامی کی بنا پر اس مرد نے دوبارہ عدالت سے طلاق نامہ دے کر اپنی زوجیت سے الگ کر دیا ہے اور تقریباً آٹھ سال سے الگ ہے، عورت ''ب'' نے دوسری شادی کرکے دوسرے مرد سے دو بچے حاصل کئے۔

عرض یوں ہے کہ جو لڑکا عورت ''ب'' کے پہلے مرد سے سمجھے یعنی میرے بھائی سے ہوا ہے، کیا وہ شرعاً مرد کا ہے یا عورت کا؟ حتیٰ کہ وہ لڑکا اس وقت نو سال کا ہے اور امی جان کے پاس رہتا ہے، کیا یہ شرعی طور پر باپ کا وارث کہلائے گا؟ مجھے شک ہے کیوں کہ شادی شرعی طور پر انجام نہیں پائی تھی تو یہ بچہ کس کا ہے؟ صحیح قرآنی وشرعی فیصلہ دے کر مشکور وممنون فرمائیں۔

۲......اب یہ جو مرد ہے یعنی میرا بھائی اس نے دوسری دفعہ پہلے والی عورت ''الف'' سے دوبارہ شادی کی ہے اور اس کے تین بچے ہیں، اس طرح سے اس نے چار دفعہ نکاح کیا ہے جبکہ بیویاں صرف دو ہیں۔ تو کیا ایسے مرد پر شرعی حد یعنی چار نکاح کا ہونا عمل میں آیا ہے، یا یہ کہ وہ اگر چاہے شریعت کی رو سے تیسری بیوی کرنے کا مجاز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱......شخص مذکور نے ''ب'' کو جو طلاقِ شرعی لکھ کر دی ہے، وہ بعینہ یا اس کی نقل ارسال کریں اس کو دیکھ کر معلوم ہو سکے گا کہ پھر اس نے جو دوبارہ نکاح کیا ہے اس کی اجازت شرعاً تھی یا نہیں؟ نیز بتائیں کہ دوبارہ نکاح گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول سے ہوا یا پہلی طلاق سے رجعت کی ہے اور پہلے نکاح ہی کو باقی رکھا گیا ہے؟

نوٹ: جب بچہ نو سال کا ہوگیا ہے تو آج اس کی تحقیق کی کیا ضرورت پیش آئی؟ پہلے سے اتنی مدت

میں مسئلہ دریافت کیوں نہیں کیا؟ کیا محض وراثت کی بناء پر دریافت کرنا ہے؟ اور وہ شخص خود کیا انتقال کر گیا ہے یا زندہ ہے؟

۲.....عورتیں تو دو ہی اس کے نکاح میں آئی ہیں اگر چہ ان سے بار بار نکاح کی نوبت آئی، ایسی صورت میں یہ نہیں کہا جائے گا کہ وہ چار نکاح کر چکا ہے اس کی چار بیویاں موجود ہیں، اب اگر کسی اَور سے نکاح کرے گا تو وہ پانچویں بیوی ہوگی جو کہ ناجائز ہوگی، بلکہ وہ تیسری ہوگی اور جائز ہوگی (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود، دارالعلوم دیوبند، ۱۴۰۶/۲/۲۵ھ۔

جس عورت کے کئی نکاح ہوئے، اس سے نکاح کی کیا صورت ہے؟

سوال[۵۲۳۰]: ہمارے پڑوس میں ایک عورت تھی، جب ہمارا پڑوسی اس عورت کا نکاح کر کے لایا تھا جب ہی سے سنا تھا کہ اس عورت کا پچھلا خاوند زندہ ہے، جب ہمارا پڑوسی اس کا خاوند مر گیا تو اکثر یہ عورت ہمارے گھر بیٹھا کرتی تھی، کیونکہ ہمارے گھر کے پاس اس کا گھر ہے، درمیان میں صرف ایک دیوار ہے۔ اس عورت کی ایک نابالغ لڑکی تھی جس روز اس نابالغ لڑکی کا نکاح ہونے لگا تو میں نے انکار کر دیا کیونکہ سن رکھا تھا کہ اس لڑکی نابالغ کی ماں کا پچھلا خاوند زندہ ہے۔

انکار کر کے جب گھر میں آیا تو میں نے گھر میں کہا کہ میں نے تو اس لڑکی کے نکاح کرنے سے انکار کر دیا ہے، کہنے لگی کہ کیوں انکار کر دیا؟ میں نے کہا کہ اس کی ماں کا پچھلا خاوند زندہ ہے سنا کرتے ہیں، کہنے لگی

---

(۱) "و للحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر .... وإذا تزوج الحر خمساً على التعاقب، جاز نكاح الأربع الأُوَل، و لا يجوز نكاح الخامسة". (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم الرابع المحرمات بالجمع: ۲۷۷/۱، رشيديه)

"أما الجمع في النكاح فنقول: لا يجوز للحر أن يتزوج أكثر من أربع زوجات من الحرائر، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في الجمع بين الأجنبيات: ۴۴۳/۳، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۱۱/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

مذکور بالا عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بیک وقت اگر کسی کے نکاح میں چار بیویاں موجود ہوں تو پانچویں عورت سے نکاح نہیں کر سکتا، اور اگر دو عورتوں سے دو دو دفعہ نکاح کرتا ہے تو وہ چار کے حکم میں نہیں ہونگی، بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے مزید دو عورتوں سے نکاح کر سکتا ہے۔

وہ تو کئی کئی عورتوں کے سامنے ہمارے گھر بیٹھ کر کہا کرتی تھی کہ جس سے میرا پہلا بیاہ ہوا وہ تو مرگیا، دوسرے مرد سے نکاح کیا، میرا اس سے اتفاق نہیں رہا، پھر وہ ہمارے گھر چھوڑ گیا اور پھر لینے نہیں آیا، پھر تیسرا نکاح کیا، اس نے بھی چھوڑ دیا کیونکہ وہ ملازم تھا جب وہ چھٹی آیا تو میں گھر پر نہیں ملی کیونکہ میری عادت پاس پڑوس میں بیٹھنے کی ہے، جب گھر پر نہ ملی تو اس نے کہا کہ میرے کام کی نہیں رہی کیونکہ میرے گھر پر نہیں ملی۔ پھر میں نے غسل کیا اور کپڑے بھی بدلے، پھر بھی کہا کہ میرے کام کی نہیں رہی، پھر اس نے بھی چھوڑ دیا۔ میں اپنے گھر چلی آئی۔

پھر یہ ہمارا پڑوسی نکاح کرکے چار سو روپے میں لے آیا۔ طلاق کا کبھی بھی ذکر نہیں کیا کہ مجھ کو طلاق بھی دیدی تھی، یہ بھی کبھی نہیں کہا کہ میرا دوسرا تیسرا نکاح عدت کے بعد یا عدت کے اندر ہوا ہے، جب ہمارا پڑوسی مرگیا تو پھر ایک دوسرے مرد سے نکاح کرلیا پھر وہ بھی مرگیا، پھر موضع بھاگلہ کا ایک مرد نکاح کرکے لے گیا، سنا ہے وہ عورت اب بھی زندہ ہے۔

جس عورت کی بابت یہ باتیں مشہور ہوں کہ اس کے کئی نکاح ہوئے ہیں، نہ عدت کا پتہ ہے نہ طلاق کا اور یہ بھی مشہور ہے کہ اس کا پچھلا خاوند زندہ ہے تو شرعاً ایسی عورت کا نکاح یا ایسی عورت کی نابالغ لڑکی کا نکاح بغیر تحقیق کے کرنا چاہئے یا نہیں؟ یا انکار کردینا چاہئے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر تحقیق سے معلوم ہوجائے کہ اس عورت کا شوہر زندہ ہے اور دونوں میں شرعی علیحدگی ہوکر عدت نہیں گزری تو اس عورت کا نکاح دوسری جگہ جائز نہیں (۱) اور نکاح پڑھانے والا بھی گنہ گار ہوگا (۲)۔ اگر تحقیق ہوجاوے کہ دونوں میں شرعی علیحدگی ہوچکی ہے تو پھر نکاح جائز ہے۔ اگر دونوں باتوں میں سے کسی کی تحقیق نہ

(۱) "لایجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس فی المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/۲۸۰، رشیدیه)
(وکذا فی بدائع الصنائع: ۳/۴۵۱، کتاب النکاح، فصل فی شرط الاتکون منکوحة الغیر، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) قال العلامة الآلوسی فی تفسیر قوله تعالیٰ: ﴿ولا تعاونوا علی الإثم والعدوان﴾: "فیعم النهی کل ماهو من مقولة الظلم والمعاصی، ویندرج فیه النهی عن التعاون علی الاعتداء والانتقام". (روح المعانی: ۶/۵۷، مبحث فی ﴿وتعاونوا علی البر والتقوی﴾ داراحیاء التراث العربی بیروت)

ہوتو پھر اگر وہ عورت شرعاً عادلہ ہے اور اس کی شہادت مقبول ہے تو اس سے نکاح کرنا جائز ہے اور نکاح پڑھانا بھی درست ہے۔ اگر عادلہ نہیں بلکہ فاسقہ ہے اور اس کی شہادت مقبول نہیں تو پھر تحری کی جاوے یعنی اگر غور وفکر کے بعد غالب گمان ہو جاوے کہ عورت سچی ہے جب تو نکاح درست ہے، اگر غور وفکر کے بعد معلوم ہو کہ عورت جھوٹی ہے کیونکہ اَور باتوں میں بھی جھوٹ بولتی ہے اور حرام وحلال اور دوسرے احکامِ شرعیہ کی کوئی پرواہ نہیں کرتی بلکہ اغراضِ نفسانی کے درپے رہتی ہے، اس سے غالب گمان اگر ہو کہ اس امر میں بھی جھوٹ بولتی ہے پھر اس سے نکاح نہیں کرنا چاہئے، اسی طرح نکاح پڑھنے سے اجتناب چاہئے:

"ولو أن امرأةً قالت لرجل: إن زوجي طلقني ثلاثاً وانقضت عدتي، فإن كانت عدلةً، وسعه أن يتزوجها، وإن كانت فاسقةً، تحري و عمل بما وقع تحريه، كذا في الذخيرة". عالمگیری: ۳۱۳/۵(۱)۔

اور اس کی نابالغ لڑکی کے نکاح میں یہ تفصیل ہے کہ بغیر شرعی ولی کے نکاح موقوف رہے گا یعنی اگر کسی نے اس کا نکاح کردیا تو وہ ولیٔ شرعی کی اجازت پر موقوف رہے گا، اگر ولیٔ شرعی نے اجازت دیدی تب تو نافذ ہوگا ورنہ نافذ نہ ہوگا۔ اس لڑکی کے باپ نے اگر اس کی ماں کو طلاق دے دی تو اس سے اس کی ولایت سلب نہیں ہوئی، البتہ اگر اس کا انتقال ہوگیا ہو تو پھر جو کوئی اس کا ولیٔ اقرب ہو اس کی اجازت نکاح کے لئے درکار ہوگی۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

محمود گنگوہی، ۵۳/۳/۶۔

صحیح: عبد اللطیف، ۱۰/ ربیع الاول/ ۵۳ھ۔

ایک سے چار تک نکاح کی اجازت

سوال [۵۲۳۱]: ہمارے بھارت سرکار نے یہ قانون نافذ کردیا ہے کہ کوئی شخص ایک ہی وقت میں ایک سے زیادہ بیوی نہیں رکھ سکتا ہے۔ کیا ہم بھارتی مسلمانوں کو اس پر عمل کرنا لازم ہے جبکہ اسلامی شریعت کے مطابق ایک شخص بیک وقت چار بیوی رکھ سکتا ہے؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

الجواب حامداً و مصلياً:

شریعت نے حسبِ استطاعت ایک مرد کو چار عورتوں تک اجازت دی ہے (۱)۔اس اجازت کو کوئی بھی ضبط نہیں کرسکتا (۲)، البتہ جو شخص مساوات کا برتاؤ نہ کر سکے، اس کو ایک سے زیادہ کی اجازت خود شریعت نے نہیں دی، بلکہ اس کو تاکید کی ہے کہ ایک ہی پر کفایت وقناعت کرے (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۳۹۴/۱۲/۲۶ھ

بے داڑھی قاضی کا پڑھایا ہوا نکاح

سوال[۵۲۳۲]: ۱..... زید کا نکاح مشتری کے ساتھ منعقد کیا گیا، قاضی ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس داڑھی نہیں ہے اور وہ نکاح پڑھا چکا ہے نکاح ہوا یا نہیں؟

غلط رسوم کے ساتھ کیا گیا نکاح کا حکم

سوال[۵۲۳۳]: ۲..... زید کو نکاح میں جوڑا پہنایا گیا، ہاتھوں میں مہندی لگائی گئی۔اسکا نکاح درست ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

۱..... قاضی بغیر داڑھی کا ہو تو اس کا پڑھایا ہوا نکاح درست ہوجائے گا (۴)۔

۲..... نکاح کے وقت لڑکے کے ہاتھوں پر مہندی لگانا اور دیگر غلط رسوم کرنا ناجائز ہے (۵)، مگر نکاح

---

(۱) قال الله تعالى: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنىٰ وثلث ورباع﴾ الاية (النساء: ۳)

(۲) وقال الله تعالى: ﴿لم تحرم ما أحل الله لك﴾ الآية (التحريم: ۱)

(۳) وقال الله تعالى: ﴿فإن خفتم ألا تعدلوا، فواحدةً﴾ الآية (النساء: ۳)

(۴) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيدية)

(۵) "ولاينبغي للصغير أن يخضب يده بالحناء؛ لأنه تزين، وإنه يباح للنساء دون الرجا". (خلاصة الفتاوى، =

اس حالت میں منعقد ہو جائے گا(۱) اور غلط کاموں پر گناہ بھی ہوگا، نکاح کو سنت طریقہ پر کرنا لازم ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

تحقیق کے بعد منکوحہ کا نکاح پڑھانا جرم نہیں

سوال[۵۲۳۴]: ایک شخص ایک مسجد میں امام ہے، دو آدمی امام کے پاس آئے اور وہ کہنے لگے کہ امام صاحب! ہمارے یہاں چل کر ایک لڑکی کا نکاح پڑھا دیجئے، جس پر امام نے یہ تحقیق کی کہ بیوہ عورت کا نکاح ہے یا کنواری لڑکی کا؟ انہوں نے کہا کنواری لڑکی کا نکاح ہے اور قسم کھا کر دونوں شخص کہنے لگے: امام صاحب! گھبراؤ نہیں، یہ نکاح اس لڑکی کا پہلا نکاح ہے۔ اس کے برخلاف صورت یہ تھی کہ اس لڑکی کا نکاح نابالغی کی عمر میں پہلے کسی دوسرے سے ہو چکا تھا، جس کا علم امام صاحب کو نہیں تھا، اس بیان پر امام صاحب نکاح پڑھانے کیلئے چل دیئے۔

جب مکان پر پہونچے تو وہاں ۱۰، ۱۵/ آدمی موجود تھے، امام صاحب نے ان سے بھی دریافت کیا کہ لڑکی مطلقہ ہے یا غیر مطلقہ؟ تو سب نے یہی جواب دیا کہ کنواری لڑکی ہے اور اس لڑکی کا یہ پہلا نکاح ہے، امام صاحب نے نکاح پڑھا دیا۔

= کتاب الکراهیة، الفصل السابع فی اللبس: ۳۷۳/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

"لا یدیه ولا رجلیه؛ لأنه مکروه للتشبه للنساء". (الدرالمختار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۲/۶، سعید)

(۱) (راجع، ص: ۵۲۱، رقم الحاشیة: ۴)

(۲) تمام کاموں میں طریقۂ مسنونہ اختیار کرنا ضروری ہے اور امورِ مبتدعہ سے اجتناب ضروری ہے: قال اللہ تعالیٰ: ﴿لقد کان لکم فی رسول اللہ أسوة حسنة﴾ (الأحزاب: ۲۱)

"وعن العرباض بن ساریة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال صلی بنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم ذات یوم ثم أقبل علینا بوجهه فوعظنا موعظةً بلیغةً .... اهـ". "فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین، تمسکوا بها وعضوا علیها بالنواجذ، وإیاکم و محدثات الأمور، فإن کل محدثة بدعة و کل بدعة ضلالة". (مشکوة المصابیح، باب الاعتصام بالکتاب و السنة، الفصل الثانی، ص: ۳۰، قدیمی)

تین دن کے بعد امام صاحب کو معلوم ہوا کہ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ ہو چکا تھا اور وہاں سے طلاق بھی نہیں ہوئی۔اب بتلائے کہ امام صاحب کا جرم مانا جائے گا یا نہیں جبکہ امام صاحب بالکل بے خبر تھے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

امام صاحب نے تحقیق کی،متعدد آمیوں سے دریافت کیا کہ جب اطمینان ہوگیا تب نکاح پڑھایا،اس لئے امام صاحب مجرم نہیں (۱)،البتہ وہ نکاح صحیح نہیں ہوا جبکہ اس لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے اور وہاں سے طلاق نہیں ہوئی (۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۲۳/۱/۱۳۹۵ھ۔

تین طلاق کے بعد کسی دوسرے سے نکاح

سوال[۵۲۳۵] : میاں بیوی میں کسی بات پر تکرار ہوگیا،عورت بچوں کولیکر میکے چلی آئی،گاؤں

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا﴾

"تنبیه علی أنه إذا كان الخبر شيئاً عظيماً وماله قدر، فحقه أن يتوقف فيه، وإن علم أوغلب صحته على الظن حتى يعاد النظر فيه ويتبين فضل تبين". (روح المعانی: ۱۴۵/۲۶، دارإحياء التراث العربی بیروت)

"وفي الآية دليل على فساد قول من قال: إن المسلمين كلهم عدول حتى تثبت الجُرحة؛ لأن الله تعالىٰ أمر بالتثبت قبل القبول ولا معنى للتثبت بعد إنفاذ الحكم فإن حكم الحاكم قبل التثبت، فقد أصاب المحكوم عليه بجهالة". (الجامع لأحكام القرآن للقرطبی: ۲۰۱/۱۶، دارإحياء التراث العربی بيروت)

(۲) "لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثالث، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۲۸۰/۱، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۴۵۱/۳، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذافي الفقه الإسلامي وأدلته، الفصل الثالث: المحرمات من النساء، باب المرأة المتزوجة: ۶۶۴۶/۹، رشيديه)

والوں کے کہنے پر پھر بچوں کو لے کر شوہر کے گھر گئی، وہاں بچوں کو چھوڑ کر چلی آئی، لڑکی کی ماں پھر لڑکی کو ہمراہ لیکر شوہر کے پاس چلی، راستے میں شوہر اور چند گاؤں کے آدمی مل گئے، بات چیت ہوئی مگر شوہر رکھنے کیلئے اور گھر لے جانے کے لئے تیار نہ ہوا اور بیوی کو مارا، بیوی نے شوہر کو مارا۔ آخر میں شوہر نے کہا کہ "میں نے تجھے تین طلاق سچے دل سے اللہ کو گواہ بنا کر دی" اور عورت نے بھی کہا کہ "میں نے بھی خدا کو گواہ بنا کر طلاق قبول کی" اور میکے چلی آئی، اس کے بعد لڑکے کے باپ بھائی لڑکے سے نکاح کرنے پر مصر ہیں عورت تیار نہیں۔ شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

طلاقِ مغلظہ ہو کر وہ اپنے شوہر پر حرام ہوگئی (۱)۔ اب اس کو کوئی شخص مجبور نہیں کر سکتا کہ فلاں شخص سے نکاح کر، اس کا دل چاہے تو عدت گزار کر اپنے خاندان میں اپنی مرضی کے موافق نکاح کر سکتی ہے (۲)۔ حلالہ

---

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها أن رجلاً طلق امرأته ثلاثاً، فتزوجت فطلق، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز طلاق الثلاث: ۲/۷۹۱، قديمي)

"وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره نكاحاً صحيحاً، ويدخل بها، ثم يطلقها أو يموت عنها، كذا في الهداية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب السادس في الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۱/۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۲، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "و لا تجبر بكر بالغة على النكاح: أي لا ينعقد عقد الولي عليها بغير رضاها عندنا". (البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۴، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۴، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/۳۳۳، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کے بعد طلاق دینے والے سے بھی نکاح درست ہو سکے گا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۶/ ۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ۔

الجواب صحیح: سید احمد علی سعید، نائب مفتی دارالعلوم دیوبند۔

ایضاً

سوال [۵۲۳۶]: زید نے اپنی زوجہ کو طلاق دیدی اور گھر سے نکال دیا، لڑکی اپنے باپ کے گھر چلی آئی، پھر لڑکے کا ماموں آیا اور خوشامد کر کے لڑکی کو لے گیا، لڑکے نے پھر اس کو نکال دیا اور اس کے ماموں کے یہاں چلی آئی۔ لڑکی کچھ دنوں کے بعد پھر شوہر کے مکان پر پہونچ گئی تو لڑکے نے کہا کہ "جب میں تجھ کو تین طلاق دے چکا ہوں تو بار بار میرے مکان پر آنے کی کیا ضرورت ہے"؟ جو بچہ تھا وہ زید نے رکھ لیا۔ اب لڑکی تنہا اپنے باپ کے گھر پر ہے، اب لڑکی کا والد اس کو دوسری جگہ نکاح کر کے بھیج سکتا ہے یا نہیں؟ اس بات کو ایک سال کا عرصہ گذر گیا ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب شوہر کو طلاق کا اقرار ہے وہ رکھنے پر تیار نہیں، وقتِ طلاق سے تین حیض گذرنے پر دوسری جگہ لڑکی کا نکاح درست ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) (راجع، ص: ۵۲۴، رقم الحاشیة: ۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن﴾ الآية (البقرة: ۲۳۱)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿والمطلّقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (البقرة: ۲۲۸)

"عدة الحرة التي تحيض للطلاق أو الفسخ ثلاثة قروء، قوله تعالى: ﴿والمطلّقٰت يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/ ۴۶۴، دار إحياء التراث العربي بيروت)

بیوہ کے لئے نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۳۷]: زید کی عورت بیوہ ہوگئی وہ یہ چاہتی ہے کہ میں اپنی عمر اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزاردوں یعنی نکاحِ ثانی نہ کروں، یہ ڈر ہے کہ کہیں قیامت میں ماخوذ نہ ہوں چونکہ وہ جانتی ہے کہ نکاحِ ثانی کرنا سنت ہے۔فرمایئے اس صورت میں جب کہ وہ صوم وصلوۃ پر قائم ہے بوجہ نکاحِ ثانی نہ کرنے کے مستحقِ عذاب ہوگی یا نہیں؟

محمد یامین، ۳۰/ جمادی الثانیہ/ ۵۶ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر اس کو معصیت میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہیں بلکہ اطمینان سے زندگی بسر کرسکتی ہے تو اس کے ذمہ نکاحِ ثانی ضروری نہیں اور نکاحِ ثانی نہ کرنے سے مستحقِ عذاب نہ ہوگی، تاہم اگر سنت سمجھ کر کرلے گی تو ثواب کی مستحق ہوگی (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ۷/ ۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۷/ رجب المرجب/ ۵۶ھ۔

نکاح میں طلاق دینے کی شرط لگانا

سوال[۵۲۳۸]: مسافر سے اس شرط پر نکاح کرنا کہ جب تم اپنے وطن جاوگے تو طلاق دے کر جانا ہوگا۔تو یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح صحیح ہوجائے گا اور محض وطن جانے کی بناء پر طلاق واقع نہیں ہوگی (۲)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد غفرلہ، ۱۷/ ۵/ ۸۷ھ۔

---

(۱) "ویکون واجباً عند التوقان وسنةً عند الاعتدال". (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/ ۶، ۷، سعید)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح: ۲/ ۴۴۶، دارالکتب العلمیہ بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/ ۱۴۳، رشیدیہ)

(۲) "ولکن لایبطل النکاح بالشرط الفاسد، وإنما یبطل الشرط دونه الخ". (الدرالمختار، فصل فی =

نکاح میں شرطیں لگانا

سوال[۵۲۳۹]: **الف**: عمر نے اپنی لڑکی کا نکاح کرنے سے قبل از رخصتی اپنے داماد زید کے سامنے یہ شرطیں رکھیں:

۱......اگر زید نے اس لڑکی کی حیات میں دوسری شادی کی تو اس کی منکوحہ ثانیہ پر طلاقِ مغلظہ۔

۲......مہر بغیر عمر کی مرضی کی معاف نہ ہوگا۔

۳......اگر لڑکی پر ظلم وتعدی کیا گیا تو عمر لڑکی کو ازخود طلاق دے سکتا ہے (وغیرہ)۔

ب: دریافت طلب مسئلہ یہ ہے کہ پہلی شرط کا وقوع کیا زید کے دستخط کرنے سے ہو جائے گا؟ نیز کسی ایسی شرط کا یا شرط لگانے والے کا شرعاً کیا حکم ہے؟ گناہ گار ہوگا یا نہیں؟ کبیرہ کا مرتکب ہوگا یا صغیرہ کا؟

ج: اگر زید کی وجہ سے مثلاً طلاق وغیرہ کا خطرہ ہے تو کیا یہ شرط اور شرط لگانے والا ان دونوں پر کسی گناہ کا اندیشہ ہے؟

د: زید کا شرائطِ بالا یا صرف شرطِ اول پر دستخط کرنا کیسا ہے؟ دستخط کرنے کے بعد پہلی شرط سے نجات کی کیا صورت ہے؟ مطلب یہ ہے کہ زید اپنی بیوی کی موجودگی میں دوسرا نکاح کیسے کرے گا؟

ھ: پہلی شرط کو جائز سمجھنے والا کیسا ہے؟ شرط نمبر:۲ پر زید کے دستخط کے بعد اس کا وقوع بھی ہوگا یا نہیں؟ یعنی کیا معافی مہر کا اختیار عمر کو رہے گا یا اس کی لڑکی کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

طلاقِ مغلظہ دینا دلوانا گناہ کبیرہ ہے، اس کی شرط کرنا اور شرط کو منظور کرنا بھی گناہ کبیرہ ہوگا۔ زید کا شرط مذکور پر دستخط کر دینا اس کی رضامندی کے لئے کافی ہے۔ اور اب اگر زید اپنی زوجہ اول کے زندہ ہوتے ہوئے نکاحِ ثانی کرے گا تو اس کی زوجہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ پڑ جائے گی: "(قوله: ثلاثاً في طهر أو بكلمة بدعي)

= المحرمات، مطلب فيما لو زوج المولى أمته: ۳/۵۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۳/۲۵۰، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

"لأنه لو تزوجها على أن يطلقها بعد شهر، فإنه جائز؛ لأن اشتراط القاطع يدل على انعقاده مؤبداً، وبطل الشرط". (مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۱/۳۳۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

والمراد بها هنا المحرمة؛ لأنهم صرحوا بعصيانه". كذا في البحر: ٣/ ٢٣٩(١)-

زید کا اپنی زوجہ اول کے زندہ ہوتے ہوئے نکاح کرنے کی یہ صورت ہوگی کہ زید نہ خود نکاح کرے اور نہ کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنائے بلکہ کسی فہیم آدمی کے سامنے یہ کہہ دے کہ میں نے یہ شرط لگادی ہے کہ میں اگر زوجۂ اُولیٰ کی حیات میں نکاح کروں تو زوجۂ ثانیہ پر طلاق مغلظہ ہو اور مجھ کو نکاحِ ثانی کی ضرورت ہے۔ اور اس کی شرعاً یہ صورت ہوسکتی ہے کہ کوئی آدمی بلا میری اجازت نکاح کردے اور مجھ کو خبر کردے میں اس کو سن کر عملاً جائز رکھوں تو نکاح صحیح ہوجائے گا اور زوجۂ ثانیہ پر کوئی طلاق واقع نہ ہوگی، پھر وہ فہیم آدمی کسی مناسب جگہ اس طرح نکاح کردے تو درست ہوگا:

"وفي البحر نقلاً عن البزازية: والتزوج أولىٰ من فسخ اليمين في زماننا، و ينبغي أن يجيء إلى عالم و يقول له ما حلف و احتياجه إلى نكاح الفضولي، فيزوجه العالم امرأةً، ويجيز بالفعل فلا يحنث، اهـ". كذا في الشامي: ٢/٦٨٣(٢)-

۲......مہر لڑکی کا حق ہے، اس کی معافی کا تعلق لڑکی ہی سے ہے، بالغہ ہونے پر خود لڑکی اور اس کی اجازت سے اس کا باپ بھی معاف کرسکتا ہے، بغیر لڑکی کی اجازت کے اور رضامندی کے باپ کو معاف کرنے کا حق نہیں اور نابالغہ کی اجازت غیر معتبر ہے:

"(و صح حطها) و قيّد بحطّها؛ لأن حطّ أبيها غير صحيح لو صغيرةً، و لو كبيرةً توقف على إجازتها و لا يدين رضاها، اهـ". كذا في الشامي: ٢/٤٦٤(٣)-

---

(١) (البحر الرائق، كتاب الطلاق: ٣/١٧/٤، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الطلاق، باب طلاق السنة: ٢/٣٥٥، شركة علميه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب طلاق السنة: ٣/٤٦٨، ٤٦٩، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(٢) (ردالمحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمن المضافة إلى الملك: ٣/٣٤٨، سعيد)

(٣) (ردالمحتار، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ٣/١١٣، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ١/٣٤٩، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الزيادة في المهر، والحط عنه: ١/٣١٣، رشيديه)

۳......عمر کا زید سے مذکورہ شرط لگانا درست ہے اور عمر کو زید کے ظلم وتعدی کے وقت اپنے لڑکی کو زید کی طرف سے طلاق دینے کا اختیار ہوگا: "وإذا وجدت الحاجة المذكورة، أبيح". كذا في الشامي: ۲/۵۷۲(۱)۔

مگر طلاقِ مغلظہ نہ ہو، بلکہ طلاقِ بائن غیر مغلظہ کا اختیار ہوگا: "رجل قال لآخر: إنّ أمر امرأتي بيدك إلى سَنة، صار الأمر بيده إلى سنة، حتى لو أراد أن يرجع لا يملك، وإذا تمت خرج الأمر من يده، كذا في التجنيس". كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية: ۲/۷۰(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔

دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاقِ مغلظہ کی شرط پر نکاح

سوال[۵۲۴۰]: مسمیٰ غلام محمد ولد غلام رسول زرگر نے بھاگ بھری دختر محمد یار سے شادی کرنا چاہی تو اس کے والدین نے مندرجہ ذیل شرائط لکھ کر اس سے دستخط کروائے:

اگر میں اس کے ساتھ نااتفاقی کا برتاؤ کروں گا تو اس کے عوض مسماۃ مذکورہ کو ماہواری خرچہ مبلغ (......) بلا عذر دوں گا اور مسماۃ مذکورہ کی حینِ حیات میں دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاقِ ثلاثہ مغلظہ ہوگی۔ یہ شرائط مذکورہ میں نے اپنی خوشی کے ساتھ منظور کر لئے ہیں، ان میں میرا کوئی عذر نہ ہوگا۔ دستخط غلام محمد بقلم خود۔

اب طرفین میں ناچاکی ہو چکی ہے۔ دریافت طلب امور یہ ہیں:

۱......غلام محمد دوسری عورت سے شادی کرسکتا ہے یا نہیں؟

۲......اگر نہیں کرسکتا تو پہلی عورت مسماۃ بھاگ بھری کو طلاق دینے کے بعد کسی دوسری عورت سے نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

۳......صرف ایک نکاح کرنے پر ثانی منکوحہ مطلقہ متصور ہوگی یا جو نکاح بھی مسماۃ مذکورہ کی زندگی میں کرتا رہے گا وہ مطلقہ ہوتی رہے گی؟

---

(۱) (رد المحتار، كتاب الطلاق: ۳/۲۲۸، سعيد)

(۲) (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثاني في الأمر باليد: ۱/۳۹۳، رشيديه)

الجواب حامداًومصلياً:

۱...... یہ لفظ کہ ’’دوسری شادی کرنے پر دوسری منکوحہ کو طلاق ثلاثہ مغلظہ ہوگی‘‘ اگر محض وعدہ ہے یعنی طلاق دیدوں گا تب تو دوسری شادی سے طلاق واقع نہیں ہوگی جب تک طلاق نہیں دے گا (۱)۔ اگر یہ تعلیق ہے تو دوسری شادی سے منکوحہ ثانیہ پر طلاق مغلظہ ہوجائیگی (۲)۔

۲...... چونکہ تحریر میں ’’حینِ حیاتِ زوجۂ اُولیٰ‘‘ کی قید ہے، لہٰذا بعد طلاق بھی شادی کرنے سے طلاق واقع ہوجائے گی، اگر حینِ حیات کی قید نہ لگاتا تو یہ بات نہ ہوتی، هكذا يفهم ممافي البحر:

"و لا تطلق في: إن نكحتها عليك فهي طالق، فنكح عليها في عدة البائن، يعني لا تطلق امرأته الجديدة فيما إذا قال للتي تحته: إن تزوجت عليك امرأةً فأمرها بيدك، أو قال: ما دامت امرأتي، ثم طلقها بائناً أو خالعها و تزوج أخرىٰ في عدتها، ثم تزوج بالأولىٰ، لايصير الأمر بيدها؛ لأن المراد حال المنازعة في القسم، و لم يوجد وقت الإدخال. وإن قال: إن تزوجت امرأةً، فأمرها بيدك، فأبانها، ثم تزوج أخرىٰ، صار الأمر بيدها، اهـ". بحر المطبوعة العلمية بمصر: ٤/٣٩٠(٣)۔

---

(۱) "بخلاف قوله: (سأطلق) كنم؛ لأنه استقبال، فلم يكن تحقيقاً بالتشكيك". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السابع في الطلاق بألفاظ الفارسية: ۱/۳۸۴، رشيديه)

"أو أنا أطلق نفسي لم يقع؛ لأنه وعدٌ، جوهرة". (الدرالمختار مع رد المحتار، باب تفويض الطلاق: ۳/۳۱۹، سعيد)

"قال: طلقي نفسک، فقالت: أنا أطلق، لم يقع". (البحرالرائق، كتاب الطلاق، باب تفويض الطلاق: ۳/۵۴۵، رشديه)

(۲) "و تنحل اليمين بعد وجود الشرط مطلقاً، الخ". (الدر المختار، باب التعليق: ۳/۳۵۵، سعيد)

"وإذا أضافه إلى الشرط، وقع عقيب الشرط اتفاقاً، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل الثالث في تعليق الطلاق بكلمة "إن وإذا" وغيرهما: ۱/۴۲۰، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التعليق: ۳/۱۱۵، دار الكتب العلميه بيروت)

(۳) (البحرالرائق، باب التعليق: ۴/۵۹، رشيديه) .... =

۳......ظاہر تو یہ ہے کہ صرف ایک شادی کرنے پر طلاقِ مغلظہ ہوگی اور قسم پوری ہو جائے گی کیونکہ اس میں ایسا عموم کا لفظ موجود نہیں ہے جس سے ہر ہر شادی کرنے پر طلاقِ مغلظہ ہو(۱)۔ تاہم احتیاط یہ ہے کہ کوئی فضولی شخص اس کا نکاح (بغیر اس کے امر کے) کردے اور یہ اس کو فعلاً نافذ کردے، اس طرح کہ مثلاً مہر زوجہ کے حوالے کردے، قولاً نافذ نہ کرے بلکہ خاموش رہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یوپی۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ سہارنپور، ۱۵/ جمادی الثانیہ/ ۶۶ھ، صحیح: عبداللطیف، مدرسہ مظاہر علوم۔

نکاح کے بعد شرط کے خلاف کرنا

سوال[۵۲۴۱]: شریعت کا حکم اس مسئلہ میں کیا ہے کہ ایک شخص نے اپنی نابالغہ لڑکی کا نکاح اس شرط پر کہ میرے پاس ایک لڑکا ہے اس لڑکے کا نکاح تم کو کرنا پڑھے گا، جیسا کہ آجکل ہندوستان میں رواج ہے

= (وكذا في النهر الفائق، باب التعليق: ۲/۴۰۰، امداديه ملتان)

(۱) "وفيها كلها تنحل: أي تبطل اليمين ببطلان التعليق إذا وجد الشرط مطلقاً، إلا في "كلما" فإنه ينحل بعد الثلاث لاقتضائها عموم الأفعال". (الدر المختار، باب التعليق، مطلب ما يكون في حكم الشرط: ۳/۳۵۲، سعيد)

"إذا وجدت الشرط، انتهت اليمين (لأنها غير مقتضية للعموم والتكرار لغةً، فبوجود الفعل مرةً يتم الشرط، وإذا تم وقع الحنث، فلا يتصور الحنث مرةً أخرى إلا بيمين أخرى .... إلا في "كلما" الخ". (مجمع الأنهر، باب التعليق: ۱/۴۱۸، ۴۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب التعليق: ۳/۱۱۵، ۱۱۶، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) "والتزوج فعلاً أولى من فسخ اليمين في زماننا، وينبغي أن يجيء إلى عالم، ويقول له ما حلف واحتياجه إلى نكاح الفضولي، فيزوجه العالم امرأةً ويجيز بالفعل، فلا يحنث". (رد المحتار، باب التعليق، مطلب في فسخ اليمين المضافة إلى الملك: ۳/۳۴۸، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، باب التعليق، الفصل الثاني في تعليق الطلاق بكلمة "كل وكلما": ۱/۴۱۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب التعليق: ۱/۴۱۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

کہ بدلہ کرتے ہیں جس کے پاس ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہوتی ہے اور دوسرے شخص کے پاس بھی اسی طرح سے ہوتی ہیں تو اس میں وہ لڑکی اس کو دے دیتا ہے اور وہ اس کو غرض اس شرط پر اس شخص نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا کہ اگر میری لڑکی کا نکاح کر دو تو میں اپنی لڑکی کا نکاح تمہارے لڑکے کے ساتھ کرتا ہوں، لڑکے والے نے یا اس کے وکیل نے منظور کر لیا کہ لکھ دو کہ بعد میں تمہارے لڑکے کا بھی کر دیں گے۔

چند دنوں کے بعد اس لڑکے والے نے جواب دے دیا کہ میرے پاس لڑکی نہیں ہے، نہ میں نے تم سے کوئی شرط کی۔ آیا اس صورت میں اس لڑکی کا نکاح جو کہ لڑکی کے والدین نے اس شرط پر کیا تھا وہ شرط اس نے پوری نہیں کی اب وہ نکاح صحیح درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ درست ہے تو لڑکی بالغ ہوتے پر اس کو فسخ کرا سکتی ہے یا نہیں؟ اور وہ شرط پوری نہ کرنے پر لڑکی کے والدین بھی ناراض ہیں اور لڑکی کا نکاح فسخ کرانا چاہتے ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرط پوری نہ کرنا ایک قسم کا دھوکہ بازی معلوم ہوتا ہے، اگر یہ دھوکہ نہ دیا جاتا تو لڑکی والے کی مرضی نہیں تھی کہ نکاح کرتا اور وہ لڑکی والا کچھ بے عقل سا آدمی تھا۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

نکاح صحیح ہو گیا، اب نہ لڑکی فسخ کرا سکتی ہے نہ لڑکی کا والد (۱)، البتہ لڑکے والے نے جو وعدہ خلافی کی ہے اس سے وہ گناہ گار ہوا، اس کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا (۲)۔ لڑکی والے کے بے عقل ہونے کا کیا مطلب

---

(۱) "و للولی إنکاح الصغیر والصغیرة ...... و لزم النکاح". (الدر المختار، باب الولی: ۶۵/۳، ۶۶، سعید)

"فإن زوجهما الأب و الجد یعنی الصغیر والصغیرة، فلا خیار لهما بعد بلوغهما". (الهدایة، باب فی الأولیاء والأکفاء: ۳۱۷/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر، باب الأولیاء والأکفاء: ۳۳۵/۱، دار إحیاء التراث العربی)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿یا أیها الذین آمنوا أوفوا بالعقود﴾. (سورة المائدة: ۱)

وقال الله تعالیٰ: ﴿أوفوا بالعهد إن العهد کان مسئولاً﴾ (سورة بنی اسرائیل: ۳۴)

"الخلف فی الوعد حرام، کذا فی أضحیة الذخیرة". (شرح الأشباه والنظائر، کتاب الحظر والإباحة، (رقم القاعدة: ۱۳): ۲۳۶/۳، إدارة القرآن کراچی)

ہے؟ کیا وہ دیوانہ ہے؟ اور اس کے کس کس فعل میں بے عقلی ظاہر ہوتی ہے؟ اگر لڑکے والا عوض میں نکاح کر دیتا تو کیا پھر بھی لڑکی والے کو بے عقل کہا جاتا۔ اگر لڑکے کے یہاں لڑکی نہیں جانا چاہتی اور لڑکا بالغ ہے تو کسی طرح اس سے طلاق حاصل کرے، اس کے بعد دوسری جگہ نکاح درست ہوگا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۲/ ۷/ ۶۴ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ مفتی، مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/ رجب/ ۶۴ھ۔

شرط کے خلاف کرنے سے نکاح پر اثر

سوال [۵۲۴۲]: ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کسی لڑکے کے ساتھ اس شرط پر کرتا ہے کہ اس لڑکے کو اس کے گھر پر ہی رہنا ہوگا، لڑکے نے یہ شرط منظور کر لی اور نکاح ہوگیا۔ اب یہ باپ پانچ ماہ کے بعد اس لڑکے سے کہتا ہے کہ تو تو میرے گھر نہیں رہتا اور لڑکا اس کے گھر پر رہتا ہے، مگر اس کے کہیں بھی جانے کو یہ کہتا ہے کہ تُو تو وعدہ خلافی کرتا ہے اور اس بات کو عذر بنا کر اس نے اپنی لڑکی کو طلاق مان کر دوسری جگہ نکاح کی تاریخ مقرر کر دی ہے۔ آپ شریعتِ مطہرہ کی روشنی میں یہ تحریر کیجئے کہ یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ پہلے شوہر کا رشتۂ زوجیت ٹوٹ گیا یا قائم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اتنی بات سے طلاق نہیں ہوئی، پہلا نکاح ہی باقی ہے، دوسرے نکاح کی ہرگز اجازت نہیں، اگر دوسرا نکاح کر دے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی جس کا وبال سخت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۳/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔

---

(۱) بغیر طلاق حاصل کئے کسی دوسری جگہ نکاح کرنا جائز نہیں: "لا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره، وکذلک المعتدة، کذا فی السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمکیریة، القسم السادس فی المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(وکذا فی رد المحتار، مطلب فی النکاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی شرط ألا تکون منکوحة الغیر: ۳/ ۴۵۱، دار الکتب العلمیة بیروت)

(۲) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً) .... =

جوعورت اپنے آپ کو بیوہ بتلائے اس سے نکاح

سوال[۵۲۴۳]: بنگلہ دیش سے کچھ عورتیں آتی ہیں، جن کے ساتھ آتی ہیں وہ آدمی اِدھراُدھر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اب عورتیں اِدھراُدھر مانگتی کھاتی پھرتی ہیں اوراپنے کو بیوہ بتلاتی ہیں۔ ان کے بیوہ بتلانے کے مطابق ادھر کے آدمی ان سے نکاح کر سکتے ہیں یانہیں؟ صحیح تحقیق نہیں کہ وہ بیوہ ہیں یا نکاح شدہ ہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر دل گواہی دے کہ وہ عورتیں بیوہ ہیں اوران کی عدت ختم ہوچکی ہے تو ان سے نکاح کرنا درست ہے(۱)۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/ ۷/ ۹۵ھ۔

یہ اس وقت ہے جب کہ تحقیق ممکن نہ ہو، اوراگر ان کے وطن سے تحقیق ممکن ہو، تو پھر تحقیق کے بعد ہی نکاح کرنا چاہیے، خصوصاً اس زمانہ میں جب کہ اس کا عام ابتلاء ہورہا ہے اوربعض لوگوں نے اس کو کاروبار بنارکھا ہے۔

= (وكذا في ردالمحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۱۳۲/۳، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۴۵۱/۳، دارالكتب العلميه بيروت)

(۱) قال العلامة الحصكفي رحمه الله تعالىٰ: "وكذا لو قالت امرأته لرجل: طلقني زوجي وانقضت عدتي، فلابأس أن ينكحها". (الدرالمختار).

وقال ابن عابدين رحمه الله تعالىٰ: "(قوله: لابأس أن ينكحها) قالت: ارتد زوجي بعد النكاح، وسعه أن يعتمد على خبرها و يتزوجها، وإن أخبرت بالحرمة بأمر عارض بعد النكاح من رضاع طارئ أو نحو ذالك، فإن كانت ثقةً أو لم تكن ووقع في قلبه صدقها لابأس بأن يتزوجها". (ردالمحتار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعي إليها زوجها: ۵۲۹/۳، سعيد)

(وكذافي الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(وكذافي الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۰/۶، ۴۲۱، سعيد)

کیا عورت کا یہ کہنا کہ ''میں شوہر کے بغیر ہوں'' معتبر ہے؟

سوال[۵۲۴۴]: ایک عورت مسلمہ اجنبیہ غیر علاقہ کی شادی شدہ اور جس کی گود میں تین سال کی ایک لڑکی ہے، وہ عورت اہلِ اسلام کے روبرو یہ بیان دیتی ہے کہ میں بیوہ ہوں، لاوارث ہوں۔ اب دریافت طلب بات یہ ہے کہ محض اس اجنبیہ عورت کے بیان پر شرعاً اس کا عقد کر دیا جائے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ظاہر حال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی بلکہ اس کے صدق کا ظن غالب ہے تو اس کا نکاح کر دینا درست ہے، مگر اس سے دوبارہ تفصیلاً دریافت کر لیا جائے کہ تیرا شوہر مر گیا ہے، یا اس نے طلاق دے دی ہے۔ اگر اس کے کذب کا ظن غالب ہو تو اس کے نکاح سے احتراز کیا جائے:

"ولو أن امرأةً قالت لرجل: إن زوجي طلقني ثلاثاً وانقضت عدتي، فإن كانت عدلةً، وسعه أن يتزوجها. وإن كانت فاسقةً، تحرى وعمل بما وقع تحريه عليه، كذا في الذخيرة، اهـ". فتاوى عالمگيری: ۵/۳۱۳(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۰/۵/۵۹ھ۔

صحیح: عبداللطیف، ۱۱/ جمادی الاولی/ ۵۹ھ۔

دس سالہ لڑکی کا نکاح تیس سالہ آدمی کے ساتھ

سوال[۵۲۴۵]: اگر قاضی صاحب دس سالہ لڑکی کا نکاح تیس سالہ آدمی کے ساتھ پڑھا دیں تو کیا نکاح صحیح ہے؟ اور قاضی صاحب کا یہ عمل صحیح ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۵/۳۱۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۶۸/۳، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۵۹/۷، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۴/۴۶۷، إمداديه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ولی کی اجازت سے پڑھایا ہے تو صحیح ہے (۱)۔ ولی کو خود سوچنا چاہیئے کہ یہ مناسب ہے یا نہیں (۲)، اگر لڑکی بالغ ہو تو خود اس کی رائے بھی معتبر ہے جبکہ نکاح کفو میں ہو، اس سے نیچے اتر کر نہ ہو (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

ناجائز حمل ساقط کرانے سے نکاح باقی ہے یا نہیں؟

سوال [۵۲۴۶]: زید پردیس میں مقیم ہونے کی حالت میں اسکی بیوی نے ۲،۳/ ماہ کا ناجائز حمل ساقط کرادیا تو اس بات کو ثابت کرنے کیلئے کتنے شرعی گواہ کی ضرورت ہے؟ ثابت ہو جانے پر زید کی بیوی نکاح میں ہے یا فسخ ہوگیا؟ فسخ ہونے کی صورت میں دوبارہ رکھنا چاہئے تو کس صورت میں جائز ہوگا؟

---

(۱) "القاضي إنما يملك إنكاح من يحتاج إلى الوليّ إذا كان ذلك في عهده ومنشوره، وإن لم يكن ذلك في عهده لم يكن ولياً". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۸۴، كتاب النكاح، الباب الرابع، رشيديه)

"رجل قال لغيره: زوج ابنتي هذه رجلاً يرجع إلى علم و دين بمشورة فلان، فزوجها رجلاً هذه الصفة من غير مشورة .... جاز". (الفتاویٰ العالمكيرية: ۱/۲۹۷، كتاب النكاح، الباب السادس من الوكالة بالنكاح وغيرها، رشيديه)

(۲) "عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال: خطب أبوبكر و عمر رضي الله تعالىٰ عنه فاطمة رضي الله تعالىٰ عنها فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "إنها صغيرة، فخطبها عليّ، فزوجها منه". (سنن النسائي: ۲/۶۹، كتاب النكاح، باب تزوج المرأة مثلها في السن، قديمي)

(۳) "(نفذ نكاح حرة مكلفة بلا ولي)؛ لأنها تصرفت في خالص حقها، وهي من أهله، لكونها عاقلةً بالغةً .... وروى الحسن عن الإمام أنه إن كان الزوج كفئًا نفذ نكاحها، وإلا فلم ينعقد". (البحر الرائق: ۳/۱۹۲-۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۲/۳۱۳، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه شركة علمية)

(وكذا في ردالمحتار: ۳/۵۵، ۵۶، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

الجواب حامداً ومصلياً:

ناجائز حمل باقی رہے یا ساقط ہوجائے اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا، پہلا ہی نکاح باقی ہے اس لئے گواہوں کی ضرورت نہیں، اس کی فکر نہ کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۰/۵/۹۶ھ۔

نکاح ثانی کے لئے بیوی کا مشورہ

سوال[۵۲۴۷]: ایک بیوی ہے، تو اس پر نکاح کرنے میں اس بیوی کی اجازت کی ضرورت ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

شرعاً تو ضروری نہیں مگر نباہ اس سے کرنا ہے، اگر اس کا مشورہ نہیں ہوگا تو دشواری ہوگی (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بیوی کو طلاق دیکر کسی مصلحت سے اس کی بہن سے نکاح

سوال[۵۲۴۸]: میری بیوی قریب ۱۲، ۱۴/ سال سے ٹی بی کی مریض ہے، اس سے کوئی کام نہیں ہوتا اور اسکے دو لڑکے بھی ہیں اور بچوں کی کوئی محبت نہیں ہے۔ اس لئے میری بیوی یہ چاہتی ہے کہ مجھے آزاد کر کے میری چھوٹی بہن بیوہ سے عقدِ نکاح کرلیں، اس سے کام کی پریشانیاں دور ہوجائیں گی۔ یہ نکاح جائز

---

(۱) ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع، فإن خفتم ألا تعدلوا فواحدةً﴾ (النساء: ۳)

"وللحر أن يتزوج أربعاً من الحرائر والأماء وليس له أن يتزوج أكثر من ذالك، لقوله تعالىٰ: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع﴾". (الهداية، فصل في المحرمات: ۲/۳۱۱، مكتبة شركة علمية، ملتان)

(وكذا في فتح القدير، فصل في المحرمات: ۳/۲۳۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند: باب، وہ عورتیں جن سے نکاح درست ہے: ۷/۲۲۵، مكتبة امدادیہ، ملتان)

ہوسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بیوی کی خودخواہش ہے اوراس کی تیمارداری نیز بچوں کو پرورش کوضرورت ہے کہ مریضہ بیوی کو طلاق دیکر بعدعدت اس کی بیوہ بہن سے نکاح کرلیں تو شرعاً اجازت ہے(۱)، پہلی بیوی سے پھر پردہ لازم ہوجائے گا(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۶/۱/۹۲ھ۔

دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی کوطلاق دینا ضروری نہیں

سوال[۵۲۴۹]: ایک شخص نے شادی کی اورکسی وجہ سے بیوی کوچھوڑ دیا اورطلاق بھی نہیں دیا، پھر دوسری شادی کرلی تو بلاطلاق کے مرد کودوسری شادی کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداًومصلیاً:

مرد کودوسری شادی کرنے کے لئے پہلی بیوی کوطلاق دینا ضروری نہیں، بلکہ بیک وقت چارتک کی اجازت ہے،لقوله تعالى: ﴿فانكحوا ما طاب لكم من النساء مثنى وثلث وربع﴾ الآية(۳)۔ البتہ پہلی بیوی کے حقوق ادانہ کرنا اوراس کوویسے ہی بلاطلاق ڈالے رکھنا گناہ اورظلم ہے(۴)،اس کا معاملہ صاف کیا

---

(۱) قال العلامه المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "وإذاطلق إمرأته طلاقاً بائناً أورجعياً، لم يجزله أن يتزوج بأختها حتى تنقضي عدتها". (الهداية، كتاب النكاح، فصل في بيان المحرمات: ۲/۳۰۹، ۳۱۰، شركة علمية ملتان)

(وكذافي فتح القدير، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۰، رشيديه)

(۲) چونکہ بعدازعدت وہ اجنبیہ بن گئی،لہٰذا جس طرح عام اجنبی عورتوں سے پردہ ضروری ہے اسی طرح سابقہ بیوی سے بھی پردہ ضروری ہے،قال الله تعالىٰ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من أبصارهم ويحفظوا فروجهم، ذالك أزكى لهم، إن الله خبير بما يصنعون. وقل للمؤمنات يغضضن من أبصارهن و يحفظن فروجهن، ولايبدين زينتهن إلا ماظهر منها﴾. الخ. (سورة النور: ۳۱)

(۳) (سورة النساء: ۳)

(۴) ﴿ ولو حرصتم، فلا تميلوا كل الميل فتذروها كالمعلقة﴾ الآية (النساء: ۱۲۹)

جائے، یا اس کو شریفانہ طریقہ پر آباد کیا جائے، یا طلاق دیکر آزاد کیا جائے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۵/۹۵ھ۔

بلا اجازتِ زوجۂ اُولیٰ نکاحِ ثانی

سوال [۵۲۵۰]: اگر کوئی شخص اپنی بیوی کی رضامندی یا اجازت کے بغیر دوسرا نکاح کرلے تو کیا دوسرا نکاح نہیں ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

دوسرے نکاح کی وجہ سے پہلا نکاح منسوخ نہیں ہوگا اگرچہ بیوی سے بغیر اجازت لئے کیا ہو (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۱۳۹۴ھ۔

ایک بیوی کے حقوق ادا نہ کرنے کی صورت میں نکاحِ ثانی کی اجازت

سوال [۵۲۵۱]: ایک شخص شادی شدہ نے بغیر علمِ والدین واعزاء واہلیہ دوسری شادی جوان لڑکی سے کرلی، نہ اس لڑکی کو علم ہوا کہ یہ شادی شدہ ہے، نکاح کے کافی دنوں بعد لڑکی کو معلوم ہوا کہ پہلی بیوی بھی ہے اور اس کے بچے بھی ہیں، مکان میں لانے پر دونوں میں گزارہ اور نباہ مشکل ہوگیا، یہ مسئلہ تمام اعزاء کے لئے پریشانی کا باعث بن گیا۔ اب یہ لڑکی اپنے والدین کے پاس سترہ ماہ سے مقیم ہے، شوہر نہ آتا جاتا ہے، نہ نان

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿الطلاق مرتان فإمساک بمعروف أو تسریح بإحسان .... ومن یتعد حدود الله، فأولئک هم الظالمون﴾. (البقرة: ۲۲۹)

(۲) کیونکہ مرد کو چار نکاح کرنے کی اجازت ہے، قال الله تعالیٰ: ﴿فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلٰث ورابع﴾. (النساء: ۳)

قال في البزازیة: "له امرأة أو جاریة فأراد أن یتزوج أخری، فقالت: أقتل نفسي، له أن یأخذ ولا یمتنع؛ لأنه مشروع، قال الله تعالیٰ: ﴿لم تحرم ما أحل الله لک تبتغي مرضاة أزواجک، والله غفور رحیم﴾". (الفتاویٰ البزازیة، کتاب النکاح، نوع آخر: مباشرة النکاح في المساجد مستحب: ۴/۱۵۵، سعید)

نفقہ دیتا ہے، نہ کسی خط کا جواب دیتا ہے، نہ طلاق دیتا ہے، ان تمام حالات سے لڑکی پریشان ہے۔کیا ان حالات میں لڑکی دوسری جگہ شادی کرسکتی ہے؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ابھی دوسرے نکاح کی اجازت نہیں (۱)، لڑکی کو چاہیے کہ شوہر کے ساتھ رہے اور اس کے حقوق ادا کرے، اگر شوہر نہ رکھے اور حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے تو اس سے طلاق حاصل کرلے یا خلع کرے یعنی بیوی مہر معاف کردے اور شوہر طلاق دےدے۔

اگر یہ صورت بھی نہ ہوسکے تو حاکم مسلم بااختیار کی عدالت سے شرعی فیصلہ کروائے۔اگر ایسا حاکم نہ ہو تو چند معزز دیندار مسلمانوں کی پنچایت سے جس میں کم سے کم ایک معاملہ شناس عالم بھی شریک ہو، الحیلۃ الناجزۃ میں تحریر کردہ طریقہ کے موافق تحریر کروائے (۲) تو پھر بعد عدت (تین حیض) کے دوسرے نکاح کی اجازت ہوگی (۳)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

---

(۱) ابھی چونکہ وہ اس شوہر کے نکاح میں ہے اور فی الحال شوہر سے مطالبۂ طلاق وفسخ کا کوئی سبب بھی موجود نہیں، کیونکہ نفقہ کا نہ دینا جو مذکور ہے وہ عورت کی اپنی تعدی اور تجاوز کی وجہ سے ہے:

"لا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، كذا في السراج الوهاج". (الفتاویٰ العالمكيرية، القسم السادس: المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(و كذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط ألا تكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(و كذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/ ۱۳۲، سعيد)

(۲) "اور صورت تفریق کی یہ ہے کہ عورت اپنا مقدمہ قاضی اسلام یا مسلمان حاکم اور ان کے نہ ہونے کی صورت میں جماعتِ مسلمین کے سامنے پیش کرے اور جس کے پاس پیش ہو، وہ معاملہ کے شرعی شہادت وغیرہ کے ذریعہ سے پوری تحقیق کرے، اگر عورت کا دعویٰ صحیح ثابت ہوجائے تو اس کے خاوند سے کہا جاوے کہ اپنی عورت کے حقوق ادا کرو یا طلاق دو، ورنہ ہم خود تفریق کردیں گے۔اس کے بعد بھی اگر وہ ظالم کسی صورت پر عمل نہ کرے تو قاضی یا شرعاً جو اس کے قائم مقام ہو طلاق واقع کردے"۔

(حيلهٔ ناجزه، باب حکم زوجه متعنت، ص: ۷۳، دار الإشاعت، کراچی)

(۳) قال الله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸) .... =

کیا کنیسہ میں نکاح ہوجائے گا؟

سوال[۵۲۵۲]: هل يصح النكاح في الكنيسه؟ و هل يجوز في المواضع المرتفعة الخاصة له مشهور بين الناس المبنى على يد السياسية؟

الجواب حامداً ومصلياً:

النكاح ينعقد بالإيجاب و القبول في أيّ مكانٍ حصل له(۱)، ولا يختص بمكان دون مكان، ولكن يندب كونه في المسجد وينبغي الخطبة قبله؛ لأنه قربة"(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جوے میں بیوی کو ہار گیا تو نکاح باقی رہا یا نہیں؟

سوال[۵۲۵۳]: زید ایک جواری شخص ہے اس نے اپنی بیوی کو جوے میں ہار کر جواریوں کے سپرد کردی، انہوں نے ایک دن اور ایک رات کسی نامعلوم جگہ میں غائب رکھی۔لڑکی کے والدین نے زید پر سختی کی تو اس نے تلاش کیا، تلاش کرنے پر کہیں جنگل میں ملی، والدین اپنے گھر لے آئے، لڑکی اس وقت اپنے باپ ہی

= وقال الله تعالى: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾ (سورة البقرة: ۲۳۲)

"و تحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاؤها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۳۹۶/۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۱) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذافي البحرالرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

(وكذافي الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علميه ملتان)

(۲) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة وكونه في مسجد". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳، رشيديه)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۴۴۷/۲، دارالكتب العلميه بيروت)

کے گھر پر ہے۔ زید کہتا ہے کہ میں رکھوں گا۔ والدین کہتے ہیں کہ جب تو جوے میں اپنی بیوی کو ہار گیا تو تیرا کوئی تعلق نہیں رہا ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس لڑکی کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے یا نہیں؟ یا زید ہی کے نکاح میں رہے گی؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوا حرام ہے(۱)، جوے میں اگر بیوی ہار گیا تو اس سے نکاح ختم نہیں ہوا، لیکن حیا اور شرافت بالکل ختم ہوگئی، آئندہ بھی اس سے کیا توقع ہے؟ بعوضِ مہر یا کسی اَور طرح کا لالچ دے کر اس سے طلاق حاصل کر لینا لڑکی کے حق میں مفید ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مہر میں معجّل ومؤجل کی تصریح نہ ہونے سے نکاح پر کوئی اثر نہ ہوگا

سوال[۵۲۵۴]: ایک شخص زید ایک مسماۃ خیرن کے ساتھ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۶۴ء تک زندگی گذارتا رہا، اس عرصہ میں مسماۃ مذکورہ سے نولڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے سات لڑکے اور تین لڑکیاں اور خود مسماۃ مذکور بقید حیات ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں زید کے والد نے ان واقعات کے علم کے بعد اعلان کر دیا تھا کہ اگر زید مسماۃ خیرن سے نکاح کرے گا تو وہ اپنے کو عاق سمجھے ورنہ زید کو خاندان سے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ ۱۹۵۶ء میں زید کے پیروں کی ہڈیاں ٹوٹ جانے سے دونوں ٹانگیں (کھولے سے نیچے تک) قطعی بیکار ہوگئیں۔ لہذا زید نے بقیہ زندگی اپاہج کی طرح پلنگ پر پڑے پڑے گذاری، خود سے اٹھنا بیٹھنا وبیت الخلاء و پیشاب وغیرہ نہ ہو سکا،

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿یاأیها الذین آمنوا إنما الخمر والمیسر والأنصاب والأزلام رجسٌ من عمل الشیطان، فاجتنبوه لعلکم تفلحون﴾ (المائدة: ۹۰)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾. (البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاقا الزوجان وخافا ألا یقیما حدود اللہ، فلا بأس بأن تفتدی نفسها بمال یخلعها به، فإذا فعل ذلک وقعت تطلیقة بائنة ولزمها المال، کذا فی الهدایة". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الثامن فی الخلع، الفصل الأول: ۱/۴۸۸، رشیدیه)

(وکذا فی الهدایة، کتاب الطلاق، باب الخلع: ۲/۴۰۴، شرکة علمیة ملتان)

چونکہ عمر بھی ستر سال سے اوپر تھی۔

اس کمزوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۱۹۵۸ء میں خیرن نے اپنے کو منکوحہ کہلانے اور ثابت کرنے کیلئے زید کو مجبور کیا اور اس کا اقرار و اظہار اس طور پر کہ اپنا مہر تیس ہزار تعین کر کے ایک لاکھ روپے کی جائیداد بعوض مبلغ سولہ ہزار منجملہ تیس ہزار کے اپنے نام منتقل کرائی اور دستاویزات رجسٹری کرائی، اور دستاویزات میں یہ تحریر کرلیا کہ مسماۃ خیرن کا مہر تیس ہزار روپے ہے اور اسی کے منجملہ سولہ ہزار میں جائیداد اس کے مہر میں دی گئی اور چودہ ہزار مہر باقی رہا (مسماۃ خیرن کا آبائی پیشہ عصمت فروشی تھا اور ہے) اور اس پر مہر کا تعین تیس ہزار روپیہ کیا گیا۔

زید کا انتقال ۱۹۶۴ء میں ہو گیا، اس کے انتقال کے بعد اولاد جو کہ منکوحہ بیویوں سے ہوئی ہے اس نے اپنے حقوق کی دادرسی چاہی۔ اس پر خیرن نے ایک نکاح نامہ تحریر کردہ مورخہ ۱۹/ اپریل ۱۹۲۸ء پیش کیا، اس تحریر میں سے تعدادِ رقم مٹادی گئی، اور آگے نصف جس کے تحریر ہے اسکے بعد جو رقم تحریر ہے اس پر روشنی ڈال کر معدوم کر دیا گیا ہے۔ اس تحریر پر نکاح نامہ مہرِ معجّل و مؤجل قطعی تحریر نہیں، اور اس نکاح نامہ پر مسماۃ خیرن کا نہ انگوٹھا ہے نہ دستخط، صرف نکاح خواں کے اور گواہوں کے اور وکیل کے دستخط ہیں اور جس جگہ مسماۃ کا نام تحریر ہے اس پر بھی روشنائی پڑی ہے بایں طور کہ صحیح نام پڑھنا دشوار ہے۔ حق وراثت جس کا دعویٰ مسماۃ مذکور کرتی ہے۔

(الف) خیرن اپنے کو منکوحہ زید بتلاتی ہے۔ (ب) قمر الدین عرف چھنو بڑا لڑکا خیرن کا۔ جس کی پیدائش ۱۹۲۵ء میں ہوئی۔ بقید حیات پاکستان میں ہے، اس کو مسماۃ نہ اپنی اولاد تسلیم کرتی ہے نہ وارث، جبکہ ایک فوٹو تمام بچوں کا ۱۹۴۰ء کا موجود ہے جس میں یہ لڑکا بھی موجود ہے۔ (ج) غلام قادر اس کی پیدائش ۲۷ء میں ہوئی، یعنی نکاح نامہ کی تحریر سے ایک سال چار ماہ قبل، اس کو وارث مان کر حق وراثت طلب کرتی ہے۔ (ح) سراج الدین لڑکا بقیدِ حیات پیدائش بعد ۳۳ء، معین الدین بقیدِ حیات پ بعد ۳۵ء، کنیز فاطمہ لڑکی بقید حیات پ ۲۸ء، الٰہی بخش فوت پ بعد ۲۸ء، عزیز فاطمہ بقیدِ حیات، نذیر فاطمہ بقیدِ حیات پ بعد ۲۸ء، عدن لڑکا بقید حیات پ بعد ۲۸ء، غلام قادر لڑکا بقید حیات پیدائش بعد ۱۹۲۸ء۔ یہ سب ۱۹۲۸ء کے بعد پیدا ہوئے ہیں، پ بعد ۲۸ء سب کو وارث بتاتی ہے۔

۱......نکاح نامہ جس میں معجّل و مؤجل تحریر نہ ہو، جو نکاح بلا صراحت معجّل و موجل پڑھایا گیا ہو کیا شرعی

طور سے واضح نہیں کرتا کہ اقرارِ مہر مابین زید وخیرن نہیں ہوا؟ اسی لئے تحریر میں وضاحت نہیں کی گئی۔ یہ نکاح شرعی ہوا یا نہیں؟ ایسے کاغذات کی تحریر شرعاً معتبر ہے یا نہیں؟

۲......وہ اولاد جس کا مکمل ثبوت خود خیرن پیش کردہ نکاح نامہ سے ہے کہ اس تحریر سے ڈھائی سال قبل پیدا ہوا ہے، کیا شرعاً وارث ہوسکتا ہے؟

۳......بلا تفصیلِ مہر معجّل ومؤجل کے کیا اقرارمہر شرعاً جائز ہے؟ اور تکمیلِ نکاح ہوسکتی ہے؟

۴......ان حالات میں شرعی فیصلہ جبکہ نکاح نامہ معجّل ومؤجل بذاتِ خود مشکوک ومشتبہ ہے اور واقعات شاہد ہیں کہ یہ سب کچھ نیک نیتی پر مبنی نہیں ہے اور انتقالاتِ جائیداد مالیتی ایک لاکھ کا بعوض سولہ ہزار روپیہ مہر کی رقم میں منتقل کیا جانا بتلا رہا ہے کہ جبر وتشدد اور مجبور کرنے پر یہ کرایا گیا ہے، اور نکاح کا قاضی نہ وکیل، نہ گواہ، نہ اہلِ خاندان کا کوئی فرد نہ، اہل محلّہ کا کوئی ہمسایہ اس نکاح کی اور نکاح نامہ کی تصدیق کرتا ہے اور نہ ہی اس کا ان میں سے کسی کو کسی طرح کا کوئی علم ہے۔ ایسی حالت میں اس تحریری نکاح نامہ کی حیثیت کیا ہے؟

۵......ان حالات کے پیشِ نظر جو بالکل صاف ظاہر کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ جبر وتشدد سے کرایا گیا ہے اور صرف اس مشکوک تحریر پر نکاح قابلِ تسلیم ہے یا نہیں؟

۶......زید کے والد کا اعلان کہ ''اگر خیرن سے نکاح کیا تو عاق سمجھا جائیگا اور جائیداد کی وراثت براہ راست اولادِ زید جو کہ منکوحہ بیویوں سے موجود ہے ملے گی اور وہی جائیداد کے شرعی وارث ہوں گے''۔ اس اعلانِ عام کے بعد اب شرعی حکم اس متروکہ جائیداد کیلئے کیا ہے جو زید کے والد نے چھوڑی ہے؟

شیخ فخر الدین لال کرتی میرٹھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر نکاح کا ایجاب وقبول شریعت کے مطابق ہو جائے اور اس میں مہر معجّل یا مؤجل کی کوئی صراحت نہ ہو تو اس سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑتا، نکاح صحیح ہوجاتا ہے(۱)۔

---

(۱) "النکاح ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۹/۳، سعید)

(وکذا فی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، شرکة علمیه ملتان) .... =

۲......جو اولاد ایجاب وقبول سے پہلے پیدا ہو وہ ثابت النسب نہیں (۱)، وہ صرف ماں سے وراثت پاسکتی ہے، باپ سے وراثت نہیں پائے گی، کیونکہ شرعاً وہ باپ نہیں، نہ وہ اولاد اس کی شرعی اولاد ہے (۲)۔

۳......اگر ایجاب وقبول کر کے گواہوں کے سامنے نکاح کرلیا گیا تو وہ صحیح ہوگیا۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا، بلکہ عورت ومرد نے یہ کہا کہ ہم دونوں شوہر بیوی ہیں حالانکہ پہلے نکاح نہیں کیا گیا تو محض اس کہنے اور اقرار کرنے سے مختار قول کی بناء پر نکاح منعقد نہیں ہوا:

"رجل وامرأة أقرّا بالنكاح بين يدي الشهود، وقالا بالفارسية: "مازن و شوئيم"، لا ينعقد النكاح بينهما، هو المختار، كذا في الخلاصة". عالمگیری: ۲/ ۲۸۰ (۳)۔

۴، ۶......اگر گواہوں کے سامنے شرعی طور پر ایجاب وقبول کیا گیا ہے تو وہ عنداللہ معتبر ہے (۴)۔

= (وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳ /۱۴۴، رشيدية)

(۱) "عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده رضي الله تعالىٰ عنه قال: قام رجل فقال: يا رسول الله! إن فلاناً ابني عاهرت بأمه في الجاهلية، فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم: "لا دعوة في الإسلام، ذهب أمر الجاهلية، الولد للفراش وللعاهر الحجر". (مشكوة المصابيح، باب اللعان، الفصل الثالث: ۲/۲۸۷، قديمي)

(۲) "والنبي صلى الله عليه وسلم ألحق ولد الملاعنة بأمه، فصار كشخص لا قرابة له من جهة الأب، فوجب أن يرثه قرابة أمه ويرثهم". (ردالمحتار، كتاب الفرائض، فصل في العصاب: ۶/۷۷۷، سعيد)

"أما إن قال: إنه مني عن الزنا، فلا يثبت نسبه ولا يرث منه". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۱/ ۵۴۰، رشيديه)

(۳) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به النكاح: ۱/ ۲۷۲، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح، الفصل الأول في جواز النكاح: ۲/۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية، كتاب النكاح، الالفاظ التي ينعقد به النكاح: ۲ /۵۸۸، إدارة القرآن)

(۴) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/ ۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۵، رشيديه)

اگر چہ اس وقت نہ گواہ زندہ ہوں، نہ وکیل، نہ قاضی، بلکہ کوئی تحریر بھی موجود نہ ہو، اگر بغیر نکاح کے تعلق رہا اور اولاد ہوئی تو سخت معصیت ہوئی، اور ایسی اولاد مستحقِ میراث بھی نہیں۔ خالی نکاح نامہ وہ بھی اس مشکوک حالت میں؟ ثبوتِ نکاح کیلئے قضاءً کافی نہیں بلکہ اس کیلئے گواہوں کی ضرورت ہے۔

زید کے ناگفتہ بہ حالت کے ساتھ ہی غور طلب ہے کہ اتنی مدت تک منکوحہ بیویوں اور ان کی اولاد نے زید پر کوئی سوال نہیں اٹھایا کہ وہ بغیر نکاح کے ایک عورت خیرن کو رکھے ہوئے ہے اور اس سے ناجائز اولاد پیدا ہو رہی ہے۔ خاص کر زمانہ علالت و مجبوری میں کہ وہ زمانہ بھی کافی ہے، اسکی وجہ کیا ہے، اس کو کیسے برداشت کیا گیا؟

زید کے والد کا یہ اعلان کہ "اگر زید خیرن سے نکاح کریگا اور بیوی بنائے گا تو پھر یہ ہوگا اور وہ ہوگا اور بعد نکاح خیرن سے پیدا شدہ اولاد محروم رہے گی، اس کو کوئی حصہ نہیں ملے گا"۔ یہ بھی زیادتی اور خلافِ شرع اعلان ہے، کہیں ایسا تو نہیں کہ زید کی منکوحہ بیویوں کو اولاد ترکۂ پدری پورا وصول کرنے اور خیرن کی اولاد کو نیز خیرن کو محروم کرنے کیلئے اپنے والد کو زانی قرار دینا چاہتے ہوں اور اس بات کے مدعی ہوں کہ ان کے والد نے آخیر عمر زنا کا ارتکاب کیا اور بغیر توبہ کئے اس دنیا سے رخصت ہوئے۔

اور جو جائیداد ان کو ملنے والی تھی وہ حرام کاری کے معاوضہ میں ناحق ایک فاحشہ عورت کو دے دی اور اپنی اصل اولاد کو محروم کر دیا۔ اگر خدانخواستہ ایسا ہی ہے تو انتہائی اذیت اور تکلیف کی چیز ہے جس کو کوئی شریف انسان برداشت نہیں کرسکتا، چہ جائیکہ اس کا ارتکاب کرے۔

جو شخص شرعاً مستحقِ میراث ہو اور مورث اس کو عاق یعنی محروم الارث کرنا چاہے تو محروم نہیں کرسکتا محروم کرنا مُورث کے اختیار میں نہیں، وہ کتنا ہی محروم کرے اور اعلان کر دے یا لکھ بھی دے تب بھی شرعاً میراث ملتی ہے (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۵ھ۔

جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸۶/۲/۲۸ھ۔

(۱) "عن أنس رضی اللہ تعالیٰ عنه: قال قال رسول اللہ صلی علیه وسلم: "من قطع میراث وارثه، قطع =

مہر وسعت سے زیادہ ہوتب بھی نکاح درست ہے

سوال[۵۲۵۵]: زید کی تنخواہ ایک سوتیس روپے ہے، شادی سے قبل مہر پندرہ سوروپے طے ہوا تھا، لیکن عین موقع پر خسر نے چار ہزار روپیہ پر اصرار کیا اور زید نے چار ہزار دو اشرفی دین مہر قبول کرلیا۔ اب زید کو شک ہے کہ یہ تو وسعت سے زیادہ ہوگئے، کیا شرع کے مطابق یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

نکاح تو صحیح ہوگیا اب یا تو مہر کے ادا کرنے کی تدبیر کرے یا معاف کرائے: "وتجب العشرة إن سماها أو دونها، ويجب الأكثر منها إن سمى الأكثر: أي بالغاً ما بلغ، فالتقدير بالعشرة لمنع النقصان". درمختار وشامی: ۲/ ۳۳۰ (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/ ۱/ ۸۸ھ۔

زنائے شوہر سے بیوی کا نکاح فاسد نہیں

سوال[۵۲۵۶]: زید کی منکوحہ بیوی شریفہ ہے اور منکوحہ ہوتے ہوئے پھر اگر زید زنا کرے ہندہ کے ساتھ تو کیا زید کا نکاح شریفہ کے ساتھ قائم رہے گا یا نکاح خارج ہوجائے گا؟ اور منکوحہ بیوی شریفہ سے جو اولاد ہوگی وہ حرامی ہوگی یا حلالی؟ اور صرف زید گنہ گار ہوگا؟

= الله ميراثه من الجنة يوم القيامة". (مشكوة المصابيح، باب الوصايا، الفصل الثالث: ۱/ ۲۶۶، قديمى)

"الإرث لايسقط بالإسقاط". (تنقيح الفتاوىٰ الحامديه، كتاب الإقرار: ۲/ ۵۴، المطبعة الميمنية مصر)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، باب المهر: ۳/ ۱۰۲، سعيد)

"فالمهر يتأكد بأحد معان ثلاثة: الدخول، والخلوة الصحيحة، وموت أحد الزوجين، سواء كان مسمى أو مهر المثل، حتى لا يسقط شئى منه بعد ذلك إلا بالابراء من صاحب الحق". (بدائع الصنائع، فصل فى بيان ما يتأكد به المهر: ۳/ ۵۲۰، دار الكتب العلمية، بيروت)

(وكذا فى مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/ ۳۴۶، دار إحياء التراث العربى بيروت)

(وكذا فى البحر الرائق، باب المهر: ۳/ ۲۵۱، رشيديه)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس سے نکاح منقطع نہیں ہوگا (۱)، گناہ ہوتا ہے، اولاد حرامی نہیں ہوگی بلکہ ثابت النسب ہوگی (۲)۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حالتِ نفاس میں نکاح

سوال [۵۲۵۷]: ۱......زید نے ایک عورت سے نکاح کیا جب کہ وہ حالت نفاس میں تھی اور اس کی گود میں بچہ ۲۶ یوم کا تھا۔ اس حالت میں نکاح درست ہوا یا نہیں؟

۲......نفاس کی کم سے کم مدت کیا ہے؟ نفاس سے فراغت کے بعد کب نکاح درست ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......اگر بچہ پیدا ہونے سے پہلے اس عورت کا شوہر مر گیا یا اس نے طلاق دے دی تو بچہ پیدا ہونے پر اس کی عدت ختم ہوگئی (۳)۔ حالت نفاس میں نکاح درست ہے مگر صحبت درست نہیں، اس کے لئے

---

(۱) ''زنائے شوہر سے بیوی کا نکاح منقطع نہیں ہوگا کیونکہ نکاح جن طریقوں سے ختم ہوتا ہے، ان میں زنا نہیں:

''و شرعاً رفع قيد النكاح في الحال بالبائن، أو المآل بالرجعي بلفظ مخصوص، هو ما اشتمل على الطلاق، فخرج الفسوخ خيار عتق و بلوغ وردة، فإنه فسخ لا طلاق .... الثالث أنه كان ينبغي تعريفه بأنه رفع عقد النكاح بلفظ مخصوص و لو مآلا''. (الدر المختار، كتاب الطلاق: ۲۲۶/۳، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الأول في تفسيره: ۳۴۸/۱، رشيديه)

(و كذا في فتح القدير، كتاب الطلاق: ۴۶۳/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(۲) ''قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب: الأولىٰ النكاح الصحيح و ما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، الخ''. (الفتاوى العالمكيرية، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب: ۵۳۶/۱، رشيديه)

''لأن النسب كما يثبت بالنكاح الصحيح يثبت بالنكاح الفاسد، و بالوطي عن شبهة و بملك اليمين، الخ''. (الهداية، باب ثبوت النسب: ۴۳۴/۲، مكتبه شركت علميه ملتان)

(۳) ''وعدة الحامل أن تضع حملها، كذا في الكافي.......... وسواء كانت عن طلاق أو وفاة، الخ''. =

نفاس ختم ہونے کا انتظار کرنا ہوگا، اگر بغیر شادی کے اس کو حمل تھا تب بھی نکاح درست ہوگیا (۱)۔

۲...... نفاس کی کم سے کم مدت کچھ نہیں، جب بھی ختم ہو جائے۔ بعض کو بالکل ہی نفاس نہیں آتا، ختم ہونے پر کچھ مزید انتظار ضروری نہیں۔ انتہائی مدت چالیس روز ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/ ۷/ ۸۸ھ۔

زنا کا حمل پیدا ہونے کے بعد حالتِ حمل میں نکاح

سوال [۵۲۵۸]: ایک کنواری لڑکی کے زنا کے ذریعے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر اس کا نکاح مسنونہ ایام نفاس ختم ہونے سے قبل کیا جاتا ہے اور وہ لڑکی قاضی جو کہ محلہ کی مسجد کے امام بھی ہے ان ہی کے گھر میں وہ لڑکی رہتی ہے اور زنا اور ولادت کا واقعہ قاضی صاحب کی اہلیہ اور دوسرے آدمیوں کا چشم دید ہے۔ اب ایسی صورت

= (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/ ۵۲۸، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب العدة: ۴/ ۲۲۶، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/ ۴۶۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ويحرم بالحيض والنفاس الجماع والإستمتاع بما تحت السرة إلى تحت الركبة، لقوله تعالىٰ: ﴿ولا تقربوهن حتى يطهرن﴾ الخ". (حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، باب الحيض والنفاس والاستحاضة: ۱۴۵، قديمي)

حالت حیض اور نفاس کے جو ممنوعات ہیں ان میں نفسِ نکاح کی ممانعت نہیں ہے، بلکہ وطی ما تحت الازار کی ممانعت ہے، لہٰذا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حالت حیض اور نفاس میں نکاح کرنا ممنوع نہیں، بلکہ درست ہے۔

(كذا في البحر الرائق، باب الحيض: ۱/ ۳۴۲، رشيديه)

(وكذا في التبيين، باب الحيض: ۱/ ۱۶۳، دار الكتب العلميه بيروت)

(۲) "وأقل النفاس لاحد له .... وأكثره أربعون يوماً، الخ". (الهداية، فصل في النفاس: ۱/ ۷۰، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الحيض: ۱/ ۱۸۸، ۱۸۹، ۲۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الحيض: ۱/ ۵۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میں اس لڑکی کا نکاح پڑھانا کیسا ہے؟ آیا قاضی کو مکمل علم ہوتے ہوئے پھر نکاح پڑھانا اس پر کوئی گناہ عائد ہوگا یا نہیں؟ اور وہ لڑکا جس کے ساتھ نکاح ہورہا ہے اسکو اس واقعہ کا بالکل علم نہیں ہے۔ اب ایسی صورت میں لڑکا بیوی کے پاس شب زفاف کیلئے جائے گا جو بحالت نفاس حرام ہے۔ تو اس حرام کاری کا ذمہ دار قاضی ہوگا یا نہیں؟ چونکہ وہی اس کا سبب ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

حالت نفاس میں نکاح جائز ہے، البتہ صحبت ناجائز ہے جیسے کہ حالت حیض میں ناجائز ہے (۱)، جب لڑکا اس کے پاس آئے گا تو بتادے کہ اس حالت میں صحبت درست نہیں، لیکن اگر لڑکے کو یہ بتایا گیا کہ یہ لڑکی باکرہ ہے نہ اس کے اولا د ہوئی ہے اور نہ نکاح ہوا ہے تو یہ بتانا غلط ہے اور جھوٹ ہے۔ ایسا بتانے والے گنہگار ہوئے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/ ۸/ ۱۳۹۹ھ۔

عورت کی زنا سے نکاح ختم نہیں ہوتا

سوال [۵۲۵۹]: زید کی بیوی نے بکر کے ساتھ زنا کیا جس کا ثبوت موجود ہے اور دونوں نے اپنے اس فعلِ بد کا اقرار بھی کیا ہے۔ تو زید کی بیوی نکاح سے خارج ہوگی یا نہیں؟ زید اس کو دوبارہ رکھنے پر تیار ہے،

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿و یسئلو نک عن المحیض قل هو أذی فاعتزلو ا النسا ء فی المحیض و لا تقربوا هن حتی یطهرن﴾ (البقرة: ۲۲۲)

"ولا یأتیها زوجها، لقوله تعالی: ﴿ولا تقربوا هن حتی یطهر ن﴾ اهـ". (الهدایة، کتاب الطهارة، باب الحیض والاستحاضة: ۱/ ۶۴، شرکة علمیه ملتان)

"و حکمه کا لحیض فی کل شی إلا فی سبعة ذکرتها فی الخزا ئن". (الدر المختار، باب الحیض، مطلب فی حکم المستحاضة ومن بذکره نجاسة، ۱/ ۲۹۹، سعید)

(۲) "عن أبی هریرة عن النبی صلی الله علیه وسلم قال: "آیة المنافق ثلاث: إذا حدث کذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان". (صحیح البخاری، کتاب الإیمان، باب علامة المنافق: ۱/ ۱۰، قدیمی)

(والصحیح لمسلم، کتاب الإیمان، باب خصال المنافق، ۱/ ۵۶، قدیمی)

(وکذا فی تنبیه الغافلین، باب الزجر عن الکذب، ص ۸۲، المکتبة الحقانیة پشاور)

شرعی حکم کیا ہے؟ مع حوالہ معتبرہ وضاحت فرماویں۔فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

اس حرکت سے نکاح ختم نہیں ہوا، زید اگر رکھنا چاہتا ہے تو بیوی سے توبہ واستغفار کرالے اور آیندہ کو اس سے ایسی حرکت نہ کرنے کا عہد لے لے، درمختار میں ہے:"و لا يجب على الزوج تطليق الفاجرة". ٢٧٤/٥"(١)۔ اور شامی میں ہے:"والفجور يعم الزنا وغيره". اس کے لئے استدلال میں حدیث بھی نقل کی ہے:"وقد قال صلى الله تعالى عليه وسلم لمن زوجته لا ترد يد لامس، و قد قال: إني أحبها: "استمتع بها". ردالمحتار: ٢٧٤/٥(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۸/۶/۸۷ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

ڈاکٹر کے ساتھ خلوت کرنے سے نکاح نہیں ٹوٹتا

سوال[۵۲۲۰]: اگر کوئی عورت اپنے معالج سے جو کافر بھی ہو خلا ملا پیدا کرے، اس سے تخلیہ کرے، اس کے ساتھ بالکل بے حجاب ہو جائے، اس کے ساتھ خط وکتابت کرے، اس کو تحفۃً دستیاں کشیدہ نکال کر دے جس میں اپنا اور اس کا نام ایک جگہ کشیدہ میں نکالے۔ تو کیا ان افعال سے نکاح ٹوٹ گیا؟ اور جب نکاح ٹوٹ گیا تو حسبِ تحریر شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی بحاشیۂ آیت ایک، رکوع ایک، پارہ پانچ جملہ مہر

---

(١) (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٤٢٧/٦، سعيد)

(٢) (رد المحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٤٢٧/٦، سعيد)

"له امرأة فاسقة لا تنزجر بالزجر، لا يجب تطليقها، كذا في القنية". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الكراهية، الباب الثلاثون في المتفرقات: ٣٧٢/٥، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ٢١١/٤، دار المعرفة بيروت)

"عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما قال: جاء رجل إلى النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فقال: إن امرأتي لا تمنع يد لامس، قال: "غربها إن شئت" قال: إني أخاف أن تتبعها نفسي، قال: "استمتع بها". (سنن النسائي: كتاب الطلاق، باب ما جاء في الخلع: ١٠٧/٢، قديمي)

ساقط نہیں ہوتا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

ان افعال کے ناجائز اور گناہ ہونے میں شبہ نہیں، مگران سے نکاح نہیں ٹوٹتا، کذافی مجموعة الفتاوی (۱)، لہٰذا مہر بھی ساقط نہیں ہوتا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، ۱۶/۵/۹۲ھ۔

لڑکی نے بھاگ کر لڑکے کے ساتھ نکاح کرلیا

سوال [۵۲۶۱]: ایک گاؤں کا لڑکا دوسرے گاؤں کے ایک بوڑھے اور بڑھیا کے پاس رہنے لگا، کچھ دنوں کے بعد اس بوڑھے کا انتقال ہوگیا، وہ لڑکا اب تک اس بڑھیا کے پاس ہے۔ اس بڑھیا کی لڑکی کی ایک لڑکی بالغ ہے، اس لڑکی کے والدین نے لڑکے سے کہا: تم فکر نہ کرو تمہاری شادی ہم اپنی لڑکی سے کردیں گے، لیکن دو چار ماہ انتظار کرنا ہوگا۔ وہ لڑکا کہنے لگا کہ جب شادی کرنی ہے تو اسی ماہ میں کردیجئے۔ اس کے بعد ان لوگوں میں جھگڑا ہوگیا اور جھگڑا کے بعد اس لڑکی کے والدین نے شادی کرنے سے انکار کردیا۔ اور لڑکی کو جب انکار کا علم ہوا تو اس نے اپنے والدین سے کہا کہ جب تم لوگوں نے شادی کی بات کرلی تو انکار نہیں کرنا چاہئے تھا، مگر اس کے والدین شادی پر رضامند نہیں ہوئے۔ اور جب ان دونوں کی شادی نہیں ہوئی تو لڑکی

---

(۱) **سوال**: ''اگر زید کی زوجہ نے زنا کی تو نکاح باطل ہوگا یا نہیں؟

جواب: ''نہیں''۔ (مجموعة الفتاوی، کتاب النکاح: ۱۷/۲، سعید)

''و لا یجب علی الزوج تطلیق الفاجرة .... والفجور یعم الزنا وغیره''. (الدر المختار مع ردالمحتار، کتاب الحظر والإباحة، فصل فی البیع: ۴۲۷/۶، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب الکراهیة، الباب الثلاثون فی المتفرقات: ۳۷۲/۵، رشیدیه)

(۲) ''والمهر یتأکد بأحد معان ثلاثة: الدخول والخلوة الصحیحة .... حتی لا یسقط منه شیء بعد ذلک إلا بالإبراء''. (الفتاویٰ العالمکیریة، الفصل الثانی فیما یتأکد به المهر: ۳۰۳/۱، رشیدیه)

(وکذا فی بدائع الصنائع، فصل فی بیان ما یتأکد به المهر: ۵۲۰/۳، دار الکتب العلمیة بیروت)

(وکذافی ردالمحتار، باب المهر: ۱۰۲/۳، سعید)

بھاگ کرلڑکے کے پاس آئی اورشادی کرلی۔تو کیا یہ نکاح درست ہوا؟ گواہ سات لوگ بیٹھے تھے، جب ان کو معلوم ہوا کہ لڑکی بھاگ کرآئی تو سب لوگ بھاگ گئے،صرف دوآدمی نکاح کے وقت بچے:ان میں سے ایک کی داڑھی تھی اورایک کی نہیں تھی،یہی دوآدمی نکاح کے شاہد ہیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی کے والدین نے سخت غلطی کی کہ بات چیت طے کرلینے کے باوجود اپنے جھگڑے کی وجہ سے شادی کرنے سے انکارکردیا اورلڑکی کے توجہ دلانے سے بھی آمادہ نہیں ہوئے، اس غلطی کا خمیازہ اس طرح بھگتنا پڑا۔انا للہ۔الخ لڑکی اورلڑکے نے بھاگ کر بہت نالائقی کا ثبوت دیا کہ خاندان کی عزت کوداغ لگایا، خلافِ شرع کام کرکے گنہگار ہوئے۔تاہم جب دوگواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کرلیا تو نکاح منعقد ہوگیا(۱)اگرچہ ایک گواہ کے داڑھی نہیں، انعقادِنکاح ایسے لوگوں کے سامنے بھی ہوجاتا ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ، دیوبند،۲۳/۵/۹۲ھ۔

نکاح کے بعد ملازم کے ساتھ بیوی کا بھاگ جانا

سوال[۵۲۶۲]:۱......زیدکا نکاح اس کے ماموں کی لڑکی سے پچھلے سال ہواتھا،رخصتی نہیں ہوئی تھی، یہ طے ہواتھا کہ رخصتی اگلے سال ہوگی۔نکاح کےنویادس ماہ کے بعدلڑکی اپنے ایک ملازم چمار کے ساتھ بھاگ گئی،یاوہ بھگالے گیا،بعدتلاش کے چاردن بعدلڑکی بہرائچ میں اس نوکر کے ساتھ ملی۔لڑکی کے باپ اس کو

(۱)"النکاح ینعقد متلبساً بایجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... بشرط حضور شاهدین حرین أو حر أو حرتین مکلفین سامعین، الخ". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۹، ۲۲، سعید)

(وکذافی الهدایة، کتاب النکاح: ۲/۳۰۵، ۳۰۶، شرکة علمیة ملتان)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/۱۴۱، ۱۵۵، رشیدیه)

(۲)"ویصح بشهادة الفاسقین والأعمیین، کذا فی فتاوی قاضیخان". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الاول: ۱/۲۶۷، رشیدیه)

(وکذا فی الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/۲۳، سعید)

اپنے گھر لائے اور زید کو بلا کر روپیہ پیسہ سامان کا لالچ دیکر لڑکی کو زید کے ساتھ رخصت کردیا۔ زید کے والدین کو ان واقعات کا علم ہوگیا تھا تو جب زید اپنی بیوی کو لے کر اپنے گھر آیا تو والدین نے مکان سے نکالدیا، مجبوراً زید اپنی بیوی کو لیکر کہیں چلا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ والدین گنہگار ہوئے یا نہیں؟ اگر ہوئے تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

۲......زید کے حق میں وہ عورت حلال رہی یا حرام؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱......ضابطہ میں بالغ لڑکے اور اس کی بیوی کا نفقہ والد کے ذمہ نہیں (۱) جبکہ لڑکا محتاج نہ ہو، خود کماتا ہو، اس لحاظ سے ان کو نکال دینا جرم نہیں۔ نیز اس کو چاہیئے تھا کہ جب اس کا نکاح اس کے والد نے کیا تھا تو رخصتی بھی ان کے مشورے وسرپرستی میں کر کے لاتا، اس نے ایسا نہیں کیا تو اس کی تنبیہ کیلئے نکال دینا بھی جرم نہیں۔ تاہم آج کل ایسی طبائع کم ہیں جو ایسی تنبیہات سے اصلاح پذیر ہوں، بلکہ دیگر خطرات بھی ہوتے ہیں جن کا سدِ باب اہم ہوتا ہے، جیسے یہی لڑکی ملازم چمار کافر کے ساتھ چلی گئی تھی۔

۲......اس نالائق حرکت کے باوجود وہ عورت اس کی بیوی ہے اور حلال ہے (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۱۱ھ۔

---

(۱) "ولذا عبر به؛ لأن البالغ لا تجب نفقته على أبيه". (البحر الرائق، كتاب النكاح، باب النفقة: ۴/۳۴۱، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب الطلاق، باب النفقة: ۳/۳۲۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب الطلاق، باب النفقة، الفصل الأول: ۱/۴۹۷، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "ان رجلاً أتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال: يا رسول! إن امرأتي لا تدفع يد لامس، فقال عليه السلام: "طلقها" فقال: إني أحبها و هي جميلة، فقال عليه السلام: "استمتع بها". وفي المجتبى من آخر الحظر والإباحة: لايجب على الزوج تطليق الفاجرة، الخ". (البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/۱۸۸، رشيدية)

(وكذافي ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۶/۴۲۷، سعيد)

دوسرے کی بیوی کولیکر بھاگ جانا اور طلاقِ شوہر کے عدت کے بعد نکاح

سوال[۵۲۶۳]: ا...... زید کسی کی بیوی سے محبت کرکے اس کولیکر بھاگ گیا، اپنی بیوی کی طرح استعمال کیا، اس عورت کا شوہر اس بدسلوک کو دیکھ کر اسے تین طلاق دیا، ادھر وہ عورت اس نے زید کے گھر پر تین حیض گذارے، زید نے بعد قضائے عدت اس سے شادی کی۔ اب سوال یہ ہے کہ عدت گذارنا شرعاً درست ہے یانہیں؟ مفصل ومدلل جواب تحریر فرمائیں۔

۲...... بغیر توبہ کئے ہوئے دونوں کا نکاح صحیح ہے یانہیں؟ اور شرعاً ومعاشرۃً کیا سزا ہونی چاہئے، جبکہ ہندوستانی دار القضاء ہر جگہ موجود نہیں ہے؟

۳...... نکاح پڑھانے والوں کے ساتھ کیا معاملہ کرنا چاہئے؟ اگر نکاح پڑھانے والا امام ہوتو اس کے پیچھے نماز درست ہے یانہیں؟ اگر درست ہے تو خلاف اولیٰ ہے یانہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا...... کسی کی بیوی لیکر بھاگ جانا معصیتِ کبیرہ اور سخت حرام ہے(۱)، جب شوہر نے طلاق دیدی اور اس کے بعد تین ماہوار گذری گئی اگرچہ کہیں گذری ہوتو عدت پوری ہوگئی، پھر دوسرے شخص سے نکاح کی اجازت ہوگئی (۲)، یہاں تک کہ اگر عورت کو طلاق کا علم بھی نہ ہوتب بھی عدت پوری ہونے پر کہا جائے گا کہ عدت ختم ہو

---

(۱) "رجل خدع امرأة إنسان، وأخرجها، و زوّجها من غيره، أو صغيرة، يحبس إلى أن يحدث توبته أو يموت؛ لأنه سعى في الأرض بالفساد، كذافي قضاء الولوالجية". (الأشباه والنظائر، كتاب الحدود والتعزير، الفن الثاني، الفوائد: ۲ /۴۷، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في ردالمحتار على الدر المختار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب: العامي لامذهب له: ۴/ ۸۱، سعيد)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تعزموا عقدة النكاح حتى يبلغ الكتاب أجله﴾ (البقرة: ۲۳۵)

وقال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸).

"عدة الحرة المدخولة التي تحيض ثلاثةُ قروء: أي حيض، لقوله تعالى: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾". (مجمع الأنهر، باب العدة: ۱ /۴۶۴، دارإحياء التراث العربي بيروت)

گئی:"وانقضاء ه بدون علمها". بحر: ٤/١٢٤(١)۔

۲......اس کمینہ اور حرام حرکت سے توبہ بہرحال لازم ہے، دونوں توبہ کریں، نادم ہوں (۲)، نکاح کرا دیا جائے۔ معاشرہ کو آج کس سزا پر قدرت ہے؟

۳...... **بعد عدت نکاح** پڑھا دیا تو ٹھیک کیا، دونوں کو معصیت سے بچالیا۔ ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے (۳)۔ معاشرہ کو اگر قدرت تھی تو دونوں کو اس معصیت سے روکنا لازم تھا (۴)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۱/۲/۱۸ھ۔

جوعورت ایک سال تک ہندو کے ہاں رہے اس کا نکاح

سوال[۵۲۲۴]: ایک عورت جو کہ صوبہ بہار کی رہنے والی ہے، اس کو دھوکہ سے ایک ہندو کے ہاتھ بیچ دیا تھا، عورت کو بعد میں معلوم ہوا کہ یہ ہندو ہے جہاں مجھے فروخت کیا گیا۔ وہ اپنا ایمان بچانے کیلئے

---

(١) "ومبدأ العدة بعد الطلاق والموت يعني ابتداء عدة الطلاق من وقته وابتداء عدة الوفاة من وقتها، سواء علمت بالطلاق والموت أولم تعلم، حتى لولم تعلم ومضت مدة العدة فقد انقضت؛ لأن سبب وجوبها الطلاق أو الوفاة، فيعتبر ابتداؤها من وقت وجود السبب". (البحر الرائق، كتاب الطلاق، باب العدة: ۴/۲۴۳، رشيديه)

(٢) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ".
(شرح النووي على صحيح مسلم، باب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)
(وكذا في روح المعاني، تحت الآية: ﴿يأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) نکاح پڑھانا کوئی ایسا عیب نہیں جس کی وجہ سے اس کی امامت متاثر ہو، لہذا مذکورہ شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے۔

(۴) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم قال: "من رأى منكم منكراً فليغيره بيده، فإن لم يستطع فبلسانه، فإن لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الإيمان".
(مشكوة المصابيح، كتاب الأداب، باب الأمر بالمعروف، الفصل الأول: ۲/۴۳۶، قديمي)
(وفيض القدير، رقم الحديث: ۸۶۸۷، ۱۱/۵۸۰۰، مكتبة نزار مصطفى الباز مكة المكرمة)

مسلمانوں سے ملتی رہی اور حد درجہ کوشش کرتی رہی کہ کسی صورت سے ایمان بچا رہے، لیکن کسی مسلمان نے اس عورت کی مدد نہیں۔ اس جستجو میں وہ عورت اس ہندو کے یہاں ایک سال رہی، یہ عورت کا حلفیہ بیان ہے۔ اس کے بعد وہ عورت ایک مسلمان کے ساتھ ہوگئی اور حلفیہ یہ کہتی ہے کہ میرا کوئی نکاح نہیں ہوا۔ اس صورت میں اس عورت کا نکاح اس مسلمان سے جس کے ساتھ وہ ہے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر وہ عورت کہتی ہے کہ ہندوؤں کے یہاں بیچنے سے وہ کسی مسلمان کے نکاح میں یا عدت میں نہیں تھی اور غالب گمان یہ ہے کہ وہ اس بات میں سچی ہے تو اس سے نکاح کرنا درست ہے(۱)۔ ایک آزاد عورت کو فروخت کرنا درست نہیں، اس سے مملوکہ نہیں بن جاتی (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

فاحشہ عورت کی لڑکی سے نکاح

سوال[۵۲۶۵]: ایک مسلم فاحشہ عورت ہے، اس کی دو لڑکیاں ہیں، ان کے نام عمر النساء اور مہر النساء ہیں، ان لڑکیوں کا شرعی نقطۂ نظر سے اسلام میں کیا درجہ ہے؟ کیا ان سے نکاح کر سکتے ہیں، کیونکہ میرا ایک دوست ہے جو اس کی لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے؟ میرے خیال سے اسلام میں حرام خوری جائز نہیں ہے اور

---

(۱) "قلت: وحاصله: أنه متى أخبرت بأمر محتمل، فإن ثقة أو وقع في قلبه صدقها، لا بأس بتزوجها، وإن بأمر مستنكر، لا، مالم يستفسرها". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۴۲۱/۶، سعيد)

(أيضاً الدر المختار، كتاب الطلاق، باب العدة، مطلب في المنعي إليها زوجها: ۵۲۹/۳، سعيد)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب الكراهية، الفصل الثاني في العمل بخبر الواحد في المعاملات: ۳۱۳/۵، رشيديه)

(۲) "وكذا بيع الميتة والدم والحرّ باطل؛ لأنها ليست أموالاً، فلا تكون محلاً للبيع". (الهداية، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ۵۳/۳، امدادية، ملتان)

(وكذا في فتح القدير، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۴۰۲/۶، مصطفى البابي الحلبي بيروت)

(وكذا في كنز الدقائق، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد: ۲۳۸، كتب خانه رشيديه دهلي)

حرام چیز کو قبول نہیں کر سکتے، کیونکہ اس کی پرورش حرام سے ہوئی ہے، اس کی رگوں میں حرام خون دوڑ رہا ہے، اس لحاظ سے اس سے شرعی اعتبار سے نکاح نہیں کر سکتے۔ لیکن میرے دوست کا کہنا کہ اگر سماج نے لڑکی کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تو وہ بھی وہی راستہ ختیار کرے گی جو اس کی ماں نے کیا، اور پھر اس کی ماں کے گناہوں کی سزا اس کی اولاد کو کیوں ملے؟

نیز میرے دوست کا کہنا کہ: ''ایک غیر مسلم فاحشہ عورت ہے اس کے بھی لڑکی ہے اور اس لڑکی نے اسلام قبول کر لیا، اسلام قبول کرنے کے بعد اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ جب ایک غیر مسلم سے اسلام قبول کرنے کے بعد نکاح کر سکتے ہیں تو میرے خیال سے مسلم لڑکی سے بدرجۂ اُولیٰ نکاح کر سکتے ہیں''۔ یہ باتیں ہماری سمجھ سے باہر ہیں، آپ ہی اس تعلق سے فتویٰ دیں۔

۲...... اسلام میں شراب حرام ہے، فرض کرو: ایک شخص بہت نشہ کرتا ہے اور نشہ کی حالت میں وہ اپنی بیوی سے ہمبستری کرتا ہے، اس سے لڑکی تولد ہوتی ہے تو اس لڑکی کا اسلام میں کیا درجہ ہے جبکہ اسلام میں شراب حرام ہے، لیکن اس کے باوجود بھی سماج سے لوگ اس لڑکی کو قبول کرتے ہیں۔ تو کیا اس لڑکی سے نکاح کر سکتے ہیں، کر سکتے ہیں تو کیوں؟ اور اگر نہیں کر سکتے ہیں تو کیوں؟

ان تینوں مسائل کی منزل ایک ہی ہے لیکن راستہ الگ الگ ہے۔ اب آپ تشفی بخش اور شرعی اعتبار سے جواب دیں، آپ کے فیصلہ پر ہی میرا دوست شادی کیلئے ٹھوس اقدام کرے گا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... جو لڑکی مسلمان ہو، خواہ پیدائشی مسلمان ہو یا اسلام قبول کرے، اس کی ماں کا نکاح ہوا ہو یا نہ ہوا ہو، بہر صورت اس کا نکاح مسلمان سے درست ہے(۱)، باپ یا ماں نے اگر کفر کیا، یا حرام کام کیا تو اس کی وجہ سے لڑکی کے نکاح کو ناجائز و حرام نہیں کہا جائے گا (۲)۔

۲ ...... ماں باپ کی اس معصیت کی وجہ سے لڑکی کو نکاح سے محروم نہیں کیا جائے گا، لڑکی کا نکاح درست

---

(۱) ''ومنها إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمةً، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر''. (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۴۲۵/۳، دارالكتب العلمية بيروت)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿ولا تزر وازرة وزر أخرىٰ﴾ (فاطر: ۱۸)

ہوگا، شراب پینے کی سزا کا مستحق باپ ہے نہ کہ لڑکی (۱)۔ بسا اوقات اللہ تعالیٰ کافر کے گھر میں مسلمان پیدا فرمادیتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/ ۱۳۹۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۹/۱۰/ ۱۳۹۹ھ۔

فرارشدہ عورت کے لڑکے سے نکاح

سوال [۵۲۲۶]: عبدالجبار کا وحیدن سے نکاح ہوا تھا، کچھ دنوں کے بعد آپس میں نااتفاقی ہوگئی، لڑکی کو زیادہ تکلیف دینے پر لڑکی کے گھر والے آکر لے گئے۔ پھر لڑکی کی طرف سے طلاق نامہ کا سوال پیدا ہوا، کئی مرتبہ سوال وجواب اور بات چیت ہوئی لیکن لڑکا طلاق دینے کو تیار نہیں ہوا اور نہ لڑکی کو رکھنے پر آمادہ ہوتا تھا۔ اس کے بعد لڑکا اپنے کام کے سلسلہ میں کلکتہ چلا گیا، کچھ دنوں بعد لڑکی کا نکاح دوسرے شخص سے ہوا۔ اس نکاح کے متعلق موضع کے کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ خط کے ذریعہ طلاق نامہ آگیا تھا، کچھ لوگوں کا کہنا ہے نہیں آیا تھا، اس کی مکمل صفائی نہیں ہو پارہی ہے، کیونکہ لڑکی کے والد اور ایک شخص جو اس کام میں شریک تھے انتقال ہو چکا ہے۔ چند مہینوں کے بعد پہلے نکاح والا لڑکا عبدالجبار بھی انتقال کر گیا ہے، اس کے بعد وہی لڑکی عدت پوری کر کے اور اس شخص سے (جس سے دوبارہ نکاح ہونا بتایا جاتا ہے) نکاح ہوا، اس کے بعد کئی لڑکے پیدا ہوئے۔

---

(۱) "﴿ولا تزر وازرة﴾: أی لاتحمل نفس آثمة ﴿وزر أخری﴾ : أی اثم نفس أخری، بل تحمل کل نفس وزرها". (روح المعانی: ۲۲/۱۸۴، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿تخرج الحیَّ من المیت﴾ الآیة

قال العلامة القرطبی: "واختلف المفسرون فی معنی قوله تعالیٰ: ﴿وتخرج الحی من المیت﴾: فقال الحسن: معناه تخرج المؤمن من الکافر و الکافر من المؤمن، وروی نحوه عن سلمان الفارسی. وروی معمر عن الزهری أن النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم دخل علی نسائه، فإذا بامرأة حسنة الهیئة قال: "من هذه" قلن: إحدی خالاتک، قال: "ومن هی؟" قلن: هی خالدة بنت الأسود بن عبد یغوث، فقال النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "سبحان الذی یخرج الحی من المیت". وکانت امرأة صالحة، وکان أبوها کافراً". (الجامع لأحکام القرآن: ۴/۱، دارإحیاء التراث العربی، بیروت)

دوسرے نکاح والا شوہر بھی مرچکا ہے، لیکن عورت ابھی زندہ ہے۔ اس عورت سے جو لڑکے پیدا ہوئے ہیں ان میں کوئی خرابی پائی جائے گی یا نہیں؟ کیونکہ اس لڑکے اور میری لڑکی سے بات طے ہوچکی ہے، بعد طے ہونے کے یہ سب باتیں ان کے موضع سے سننے میں آرہی ہیں۔ تو کیا میں اپنی لڑکی کا نکاح اس لڑکے سے شرعاً کر سکتا ہوں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اب لڑکوں کے نسب میں بحث کرنا بے محل اور غلط ہے، وہ ثابت النسب ہیں (۱)، اپنی اور لڑکی کی مرضی سے اپنی لڑکی کا رشتہ آپ ان میں سے جس سے مناسب سمجھیں، کرسکتے ہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۴/۲۸ھ۔

---

(۱) شوہر اول عبدالجبار کے انتقال کے بعد عورت نے عدت پوری کرکے دوسری جگہ شادی کرلی تو وہ نکاح صحیح ہوا، جب نکاح صحیح ہوا تو بچے ثابت النسب ہونگے: "عن عائشة زوج صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم أنها قالت: .... "الولد للفراش، وللعاهر الحجر". (صحیح البخاری، کتاب الأحکام، باب القضاء علی الغائب: ۲/۱۰۶۵، قدیمی)

"يقام النكاح مقامه (أی الدخول) فی إثبات النسب ولهذا قال النبی صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر" وكذا لو تزوج المشرقی بمغربية، فجاء ت بولد يثبت وإن لم يوجد الدخول حقيقةً لوجود سببه، وهو النكاح قال النبی صلی الله عليه وسلم: "الولد للفراش وللعاهر الحجر". وكذالو تزوج المشرقی بمغربية". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی ثبوت النسب: ۳/۶۰۷، دارالکتب العلمية بيروت)

(وكذا فی حاشية الشلبی علی تبيين الحقائق، کتاب الطلاق، باب النسب: ۳/۲۷۵، دارالکتب العلمية بيروت)

(۲) ﴿وأحل لكم ما وراء ذالكم﴾ "أی ما عدا من ذُكرن من المحارم من لكم حلال" (تفسير ابن كثير: ۱/۴۷۴، (پاره: ۴) سهيل اكيڈمی لاهور)

(وكذافی التفسير المنير: ۵/۶، دارالفكر بيروت)

(وكذا فی التفسير المظهری: ۲/۲۶، حافظ كتب خانه كوئٹه)

مرتد کے زمانۂ ارتداد کی اولاد سے رشتۂ نکاح

سوال[۵۲۶۷]: شوکت علی صاحب مسلمان سے قادیانی ہوگئے، تقریباً آٹھ برس تک قادیانی رہے، علمائے دیوبند اور علمائے اہل حدیث سے مناظرہ ہوا، پھر وہ تائب ہوکر مسلمان ہو گئے، جس کا اعلان اخبارات میں کردیا گیا۔ سوال یہ ہے کہ اس عرصہ میں جو اولاد ہوئی، اس کیلئے حکمِ شرعی کیا ہے؟ وہ باپ کے تابع ہوکر مسلمان ہیں یا نہیں؟ ان سے رشتہ کیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص مرتد ہوجائے (نعوذ باللہ) اور پھر حق تعالی کی توفیق سے اسلام قبول کرے، اس کا اسلام قبول ہے(۱)، اس کی جو اولاد حالتِ ارتداد میں پیدا ہوئی، وہ اگر ناسمجھ ہے تو اس کے قبولِ اسلام سے وہ اولاد بھی مسلمان شمار ہوگی، اور جو اولاد حالتِ اسلام میں پیدا ہوئی، وہ بھی مسلمان ہے۔ جو ارتداد سے قبل کی ہے وہ بھی اب مسلمان ہے، الا یہ کہ بالغ اولاد (خدانخواستہ) خود ہی قادیانیت کو ختیار کرلے(۲)۔ ہر مسلم سے شادی بیاہ

---

(۱) "ثم إذا تاب توبةً صحيحةً، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شک و شبهة بحکم الوعد بالنص: أی قوله تعالی: ﴿وهو الذی يقبل التوبة عن عباده﴾ الخ". (الفقه الأکبر مع شرحه للملا علی القاری، باب، مطلب: يجب معرفة المکفرات لاجتنابها: ۲۰۱، قديمی)

﴿وهو الذی يقبل التوبة عن عباده، ويعفو عن السيئات﴾: أی يقبل التوبة فی المستقبل، ويعفو عن السيئات فی الماضی، الخ". (تفسير ابن کثير، (سورة الشوری: ۲۵)، ۴/۱۴۹، دارالفيحاء بيروت)

(۲) "والولد يتبع خير الأبوين ديناً إن اتحدت الدار ولو حکماً، بأن کان صغيراً فی دارنا والأب ثمه، بخلاف العکس". (الدرالمختار). "(قوله: والولد يتبع خير الأبوين ديناً) هذا يتصور من الطرفين فی الإسلام العارض، بأن کانا کافرين فأسلم أو أسلمت، ثم جاءت بولد قبل العرض علی الآخر والتفريق، أو بعده فی مدة يثبت النسب فی مثله، أو کان بينهما ولد صغير قبل إسلام أحدهما، فإنه بإسلام أحدهما يصير الولد مسلماً، الخ". (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر، مطلب: الولد يتبع خير الأبوين ديناً: ۳/۱۹۶، سعيد)

(وکذا فی البحر الرائق مع منحة الخالق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۳/۳۶۲، رشيديه)

(وکذا فی تبيين الحقائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۲/۲۱۳، دارالکتب العلمية بيروت)

درست ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۵/۱۱/۸۹ھ

نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ منکوحہ کا دماغی توازن صحیح نہیں

سوال[۵۲۶۸]: زید کی بیوی کا انتقال ہوگیا، گھریلو پریشانیاں بڑھ گئیں، جس کے باعث عقدِ ثانی کی ضرورت پیش آئی، جس کے بارے میں زید نے اعزہ سے تذکرہ کیا۔ ان حضرات نے چند دنوں میں کوشش کرکے کافی دوری پر ایک رشتہ مطلقہ عورت تلاش کیا۔ صاحبِ رشتہ حضرات سے زید بالکل ناواقف و ناآشنا تھا۔ اعزہ خاص نے اس رشتہ پر ایسی خوشی ظاہر کی کہ جس سے زید اس رشتہ کے جوڑے پر آمادہ ہوگیا، باوجودیکہ پھر بھی دور دراز ہونے کی وجہ سے زید نے اپنے ہمدرد اعزہ سے کہا کہ بھائی! سارے معاملات اور حالات کو بخوبی معلوم کرلیا جائے۔ جس پر ان حضرات نے جواب دیا کہ ایسا نہیں کہ ہم لوگوں کو سمجھ بوجھ کر غلط رشتہ سے پھنسا دیں، ہم لوگوں نے خوب سمجھ لیا ہے، تمہارے لئے یہ رشتہ بدرجہا بہتر ہے۔ بہرکیف! زید اُن حضرات کی اس خوش بیانی پر مطمئن ہوگیا۔

بعد ازاں یہ حضرات صاحبِ رشتہ کے یہاں پہونچے اور اس مطلقہ عورت کے والدین سے گفتگو کرکے وہیں سے بذریعۂ تار زید کو اطلاع دی کہ تم معہ سامان عقد فوراً چلے آؤ، حالانکہ زید کی خواہش تھی کہ اس عورت مطلقہ پر بذاتِ خود بھی نظر ڈال لے، جس کا اظہار ان اعزہ پر بھی کردیا، مگر ان حضرات نے زید کی اس خواہش کو پس پشت ڈالدیا اور زید کو کوئی ایسا موقع نہیں دیا گیا یا نہ ملا کہ وہ خود دیکھ لے۔

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا، ولعبد مؤمن خير من مشرك ولو أعجبكم﴾ (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: إسلام الرجل إذا كانت المرأة مسلمة، فلا يجوز إنكاح المؤمنة الكافر، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا﴾ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في عدم نكاح الكافر المسلمة: ۳/ ۲۶۵، دارالكتب العلمية بيروت)

"ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابي، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السابع المحرمات بالشرك: ۱/ ۲۸۲، رشيديه)

بہرحال! اس اچانک موصول شدہ تار کی خبر پر زید سامانِ عقد لے کر صاحبِ رشتہ کے مکان پر پہونچ گیا۔ اور اسی دن شب کو مجلسِ عقد منعقد ہوئی اور قاضی صاحب تشریف لائے اور اپنے نکاح نامہ رجسٹر کیا، خانہ پری کرنے لگے۔ عینِ وقت پر جب مہر کا مسئلہ آیا تو اس مطلقہ عورت کے والد نے دس ہزار روپے کی آواز دی، زید نے قاضی صاحب سے کہا کہ خلافِ حیثیت زائد ہے، اتنے میں زید کے اعزہ خاص نے درمیان سے جواب دیا کہ ٹھیک ہے، ہم کو کوئی اعتراض نہیں، زید نے ان ہمدردان اعزہ کی طرف سے کوششوں کے تحت خیال کرکے خاموشی اختیار کی۔ قاضی صاحب نے فوراً اجازت لے کر خطبۂ نکاح دیا، ایجاب وقبول کراتے وقت کہا کہ پانچ ہزار سکہ رائج الوقت مؤجل اور پانچ ہزار روپیہ سکہ رائج الوقت غیر مؤجل قبول کیا۔ تو زید اس وقت انتہائی تذبذب میں پھنس گیا کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ کہ قبل ازیں کوئی تفصیل مؤجل وغیر مؤجل کی سامنے نہ آئی، اور یہ قبول کررہے ہیں۔

بہرکیف! زید نے غیر معجّل ہی تصور کرکے دلی جبر وکراہت کے ساتھ کہا کہ قبول کیا۔ ۵/ ہزار معجّل کی رقم زید سے لی گئی، اور نہ اس بارے میں کوئی ذکر آیا اور نہ زید کو ادا کرنے کی طاقت تھی، لیکن قاضی صاحب نے رجسٹر نکاح میں اندراج ضرور کرلیا۔ بعد ازاں یہ مجلس نکاح برخاست کردی گئی اور اسی شب میں فوراً رخصتی کردی گئی۔ بوقتِ رخصت لڑکی کے والدین نے کسی قسم کا زیور وسامان نہیں دیا، صرف لڑکی کو زید ہی کے زیور اور کپڑے پہنا کر رخصت کردیا۔ جب زید رخصت کرا کر اپنے مکان پر واپس آیا اور جب بیوی سے قربت حاصل کی اور بات چیت شروع کی تو کوئی بات کا صحیح طور پر جواب نہ ملا، دیگر ادھر ادھر کی فضول باتیں یا فلمی گانے سنانا شروع کی، اور یہ کہا کہ میں تو شادی کرنا نہیں چاہتی تھی، میرے والدین نے زبردستی شادی کردی، جس سے زن وشوہر کے تعلقات انتہائی دشوار گذار نظر آرہے ہیں۔

یہ حالات سامنے آنے پر زید سناٹے میں آگیا اور خیال کیا کہ کم ازکم چار چھ یوم میں صحیح پتہ چلے گا۔ بہرحال! ایک ہفتہ گذرنے پر تمام حالات کا جائزہ لیا تو کسی وقت بھی دماغی توازن صحیح نہیں پایا، وہی فضولیات، بکواس اور رات کو تنہا اٹھ کر کہیں زبانی تلاوت اور کہیں فلمی گانے گانا، ایک ہفتہ گذرنے پر زید اپنے ان ہمدرد اعزہ کے پاس گیا اور تمام حالات نقل کئے جنہوں نے جواب دیا کہ میاں! کم ازکم ایک دو ماہ تو ان حالات کو دیکھو کیا کیفیت رہتی ہے۔

ان حضرات کے اس جواب سے زید نے پھر سکوت اختیار کیا اور ایک ماہ انتظار کیا، اب ایک ماہ گذرنے پر کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ایک ہوشیار مستند طبیب کو بھی دکھلایا۔ جنہوں نے بتایا کہ واقعی دماغی توازن درست نہیں ہے۔ اس پاگل پن کی وجہ سے غلاظت وگندگی کے باعث اس کے ہاتھ کے چھوئے ہوئے برتن میں پانی پینے تک کو جی نہیں چاہتا۔

ان حالات سے زید کو بے انتہا پریشانی ہے، زید کی طبیعت کسی صورت سے اس کی طرف مائل نہیں ہوئی، یہ تمام واقعات درمیانی ہمدرد واعزہ کو بھی تحریر کئے ہیں، مگر ان حضرات نے اب تک کوئی خبر نہیں لی۔

دریافت طلب بات یہ ہے کہ اندراج کئے ہوئے حالات و واقعات کے تحت یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟ اور زید اس معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرے؟ اس لئے آپ سے استدعا ہے کہ اس مسئلہ کے حل سے جلد سے جلد مستفیض فرمائیں۔

خلیل احمد جلد ساز پیہانوی ہردوئی، ۱۹/ستمبر/۱۹۷۰ء۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس بیان میں کوئی ایسی بات مذکور نہیں جس کی وجہ سے نکاح کو غیر صحیح کہا جائے۔ زید کو چاہیئے کہ خوش اخلاقی اور نرمی سے آہستہ آہستہ اصلاح کرتا رہے، اگر حالات ایسے ہوں کہ نباہ دشوار ہو اور حقوقِ زوجیت ادا نہ ہوسکیں تو اس کو طلاق دے کر آزاد کردینے میں مضائقہ نہیں (۱)۔ اگر وہ اتنی سمجھ رکھتی ہے کہ مہر کو اور مہر کی معافی کو سمجھتی ہے اور وہ مہر معاف کردے تو مہر معاف بھی ہوسکتا ہے (۲)، اگر مہر کی معافی کی تحریر ہو اور اس پر گواہوں کے دستخط ہوں تو قانونی تحفظ بھی ہوجائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۸/۹۰ھ۔

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإمساك بمعروف أو تسريح بإحسان﴾. (سورة البقرة: ۲۲۹)

(۲) "(قوله: وصح حطها) الحط: الإسقاط، كما في المغرب. و قيد بحطها (لأن حط أبيها غير صحيح لو صغيرةً، ولو كبيرةً توقف على إجازتها، ولابد من رضاها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في حط المهر والإبراء منه: ۳/۱۱۳، سعيد) ....=

غیر مسلم سے نکاح کے بعد وہ مسلمان ہوئی تو دوبارہ نکاح کیلئے استبرائے رحم

سوال[۵۲۶۹] : ا......زید نے لتا سے کورٹ میرج (عدالتی نکاح) کرلیا۔ ایک عرصہ تقریباً ساڑھے تین یا پونے چار سال گذرنے کے بعد ایک دن لتا نے زید اور داڑھی اور ٹوپی والے دو مسلمانوں کے روبرو کہہ کر کہ میں نے مذہب اسلام کو اپنے مذہب کے طور پر کیا آج سے میں مسلمان ہوں اور کلمہ "أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمداً عبده ورسوله" پڑھ کر قبول کرلیا، پھر اسی مجلس میں مسلمانوں کے روبرو زید نے لتا سے کہا کہ میں نے تمہیں اپنی بیوی بنالیا اور لتا نے کہا میں نے یہ بات منظور کرلی اور مہر کی ایک رقم متعین کردی گئی۔ اس وقت ان دونوں کے دو بچے موجود تھے اور ایک تیسرے کا حمل بھی تھا۔ تو اس صورت میں لتا کا ایمان عنداللہ مقبول سمجھا جائیگا یا نہیں؟

۲......یہ نکاح (یعنی جواب ہوا) عنداللہ درست ہوگیا یا نہیں؟

۳......صورت مذکورہ سے نکاح ہونے کے بعد زید کا لتا سے وضعِ حمل سے پہلے ہمبستری کرنا درست ہوگا یا نہیں؟

۴......وضعِ حمل کے بعد پھر سے نکاح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں؟ وجۂ اشکال یہ ہے کہ وہ جو ایک حکم استبراء کا ہے، تو مسلمہ کے لئے غیر منکوحہ ہونے کی صورت میں وہ ابتداء صورتِ مذکورہ میں نکاح سے قبل نہیں کیا گیا ہے۔ یہ خیال کر کے یہاں لتا کے شکم میں جو کچھ بھی ہے اسی زید کا ہے، کیونکہ عرصہ مذکورہ سے یہ دونوں میاں بیوی کی طرح رہتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔

۵......صورتِ مذکورہ سے لتا کے ایمان قبول کرنے اور لتا و زید کے نکاح میں اگر عنداللہ وعند الشریعۃ کوئی خامی رہ گئی ہے تو درست ہونے کی صحیح صورت بتائی جائے تاکہ اس کے مطابق عمل کرلیا جائے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

ا......اگر اس نے صدقِ دل سے یہ کہا ہے تو اس کا ایمان مقبول ہے، کذا في شرح الفقه الأكبر (۱)۔

= (و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳ / ۲۶۴، رشيديه)

(و كذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح، باب المهر: ۱ / ۳۴۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۱) "ثم إذا تاب توبةً صحيحةً، صارت مقبولةً غير مردودة قطعاً من غير شك وشبهة بحكم الوعد =

۲......اس طرح نکاح صحیح ہے، کذافی الهندیه (۱)۔

۳......درست ہے، کذافی الدر المختار (۲)۔

۴......دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی عورت حاملہ ہوزنا سے (اس کا شوہر نہ ہو) اور خود اسی سے نکاح کیا جائے جس سے وہ حمل ہے تو استبراء کی حاجت نہیں، بلکہ ہمبستری اور نکاح سب درست ہے۔ اور اگر کسی اَور سے نکاح ہو تو نکاح درست ہوگا مگر وطی وغیرہ سے قبل وضع حمل منع کیا جائے گا، کذا فی الدر المختار (۳)۔ غیر مسلمہ اگر شادی شدہ ہو تو اس پر استبراء نہیں۔

۵......کوئی خامی نہیں۔ گذشتہ غلطیوں سے سچی توبہ کر کے احکامِ اسلام کی خوب پابندی کریں (۴)۔ حق

= بالنص: أی قوله تعالیٰ: ﴿وهو الذی یقبل التوبة عن عباده﴾ الایة". (الفقه الأکبر، باب، مطلب: یجب معرفة المکفرات لاجتنابها، ص: ۱۲۰، قدیمی)

"﴿وهو الذی یقبل التوبة عن عباده، ویعفو عن السیئات﴾: أی یقبل التوبة فی المستقبل، ویعفو عن السیئات فی الماضی، الخ". (الشوریٰ: ۲۵، تفسیر ابن کثیر: ۱۴۶/۴، دارالفیحاء بیروت)

(۱) "حتی لوأسلما یقرّان علی ذلک عند علماء نا الثلاثة، الخ". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح: الباب العاشر فی نکاح الکافر: ۳۳۷/۱، رشیدیه)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافرة: ۳۶۰/۳، رشیدیه)

(وکذا فی تبیین الحقائق، کتاب النکاح، باب نکاح الکافر: ۲۰۹/۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

(۲) "وصح نکاح حبلیٰ من زنی لاحبلی من غیره وإن حرم وطؤها و دواعیه، حتی تضع". (الدرالمختار، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۴۸/۳، ۴۹، سعید)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۲۸۰/۱، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح، باب المحرمات: ۳۲۹/۱، دار إحیا التراث العربی بیروت)

(۳) (راجع الحاشیة المتقدمة آنفاً)

(۴) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً، الخ". (شرح النووی علی صحیح مسلم، کتاب التوبة: ۳۵۴/۲، قدیمی) .... =

تعالیٰ اخلاص اور استقامت بخشے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

کنیز کی تعریف اور اس سے نکاح

سوال[۵۲۷۰]: کنیز اسلام میں جس عورت کو کہتے ہیں اس سے بلا نکاح کے مباشرت جائز ہے یا نہیں؟ دلائلِ فقہیہ سے واضح فرمائیں۔ نیز ''اجودھابائی'' جو اکبر کی بیوی تھی جس سے سلیم پیدا ہوا، وہ ولدالزنا ہے یا نہیں؟ اس کو دلیل سے وضح فرمائیں۔ اجودھابائی غیر مسلم تھی اور آخر تک وہ اپنے دین پر قائم رہی، پھر ایسی صورت میں جبکہ اکبر نے اس سے نکاح نہیں کیا تو اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ شرعاً ولدالزنا ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

کنیز مملوکہ سے مالک کو بغیر نکاح کے صحبت درست ہے، بلکہ وہ خود اس سے نکاح کرنا چاہے تو نکاح کی اجازت نہیں۔ اگر اپنی مملوکہ نہیں، غیر کی مملوکہ تھی اور اس سے نکاح کرلیا، پھر وہ اس کی ملک میں آگئی تو اس سے نکاح ختم ہوگیا:

"وحرم نکاح المولی أمته". درمختار۔ "قال فی الفتح: لأن النکاح ما شرع إلا مثمراً ثمرات مشترکة فی الملك بین المتناکحین، منها ما تختص هی بملکه کالنفقة والسکنی والقسم والمنع من العزل إلا بإذن. ومنها مایختص هو بملکه کوجوب التمکین، والقرار فی المنزل والتحصن عن غیره. ومنها ما یکون الملك فی کل منها مشترکاً کالاستمتاع مجامعةً ومباشرةً، والولد فی حق الإضافة، والمملوکیة تُنافی المالکیة". ردالمحتار: ۲۸۸/۲(۱)۔

= (وكذا في روح المعاني تحت الآية: ﴿يا أيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾ ۲۸ / ۱۵۹، دار إحياء التراث العربي بيروت)

"قال الله تعالىٰ: ﴿ومن يعمل سوءاً أو يظلم نفسه، ثم يستغفر الله، يجد الله غفوراً رحيماً﴾ فالواجب على كل مسلم أن يتوب إلى الله حين يصبح وحين يمسى". (تنبيه الغافلين: ۲۰، باب آخر من التوبة، مكتبة حقانية پشاور)

(۱) (الدر المختار مع ردالمحتار، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۴۳/۳، ۴۴، سعيد) .... =

اکبراور اجودھابائی کی صحیح قابلِ وثوق تاریخ موجود نہیں، جوتاریخیں شائع ہےان میں رطب ویابس سب کچھ بھرا ہوا ہےاور تضاد بھی بہت ہے۔ شرعی مسائل کیلئے شرعی دلائل کی ضرورت ہوتی ہے، شرعی دلائل کے خلاف کسی کا فعل حجت نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:﴿ولا تنکحوا المشرکات﴾(الآیة)(۱) حضرت مجدد صاحبؒ نے دینِ اکبری پر مستقل ردفرمایا ہے۔ علاوہ ازیں اب سلیم کے یا کسی کے بارے میں بحث کرنا امورِ شرعیہ میں سے نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۷/ ۷/ ۹۳ھ۔

مشتبہ الخلقت (کہ خنثیٰ ہے یا صحیح) سے نکاح

سوال[۵۲۷۱]: ایک شخص کا نکاح کے بعد معلوم ہوا کہ عورت کا مقامِ خاص تنگ ہے، نیز صرف سوراخ کی طرح معلوم ہوتا ہےاور سینہ بھی تھوڑا سا ابھرا ہوا ہے باوجودیکہ عورت جوان تندرست ہے، تندرستی کے اعتبار سے سینہ نہیں ہےاور ماہواری کی طرح خون بھی آتا ہے بلاتخصیص وتعینِ ایام۔ اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ ایسی صفات والے کو مؤنث شمار کریں یا خنثیٰ شمار کریں؟ اگر خنثیٰ ہے تو نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اگر نکاح درست نہیں ہوا تو خلوتِ صحیحہ کی وجہ سے شوہر پر کچھ دینا لازم ہوگا یا نہیں؟ اور نکاح صحیح ہوا تو چھٹکارہ کے لئے پورا مہر دینا ہوگا؟ خنثیٰ کے تمام اقسام کی تعریف کے ساتھ ساتھ جواز وعدمِ جوازِ نکاح کا حکم مفصل ومدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

خنثیٰ تو وہ ہے جس میں مرد وعورت دونوں کی علامت پائی جائے اور یہاں مرد کی کوئی علامت آپ

= (وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب المحرمات: ۲/ ۴۷۵، ۴۷٦، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۱۸۰، رشيديه)

(۱) (البقرة: ۲۲۱)

"ومنها: ألاتكون المرأة مشركةً إذاكان الرجل مسلماً، فلا يجوز للمسلم أن ينكح المشركة، لقوله تعالى: ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ الخ". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في نكاح المشركة: ۳/ ۴۵۸، دارالكتب العلميه بيروت)

نے نہیں لکھی، عورت ہونے کی علامت ظاہر ہے، صرف یہ کہ اس میں کچھ نقصان ہے اس لئے نہ تو اس کو مرد کہا جائے گا نہ خنثی، بلکہ وہ عورت ہے، اس سے نکاح درست ہوگیا (۱)۔ اگر بذریعۂ علاج اصلاح ہوسکتی ہو تو علاج کرالیا جائے، آپریشن سے کشادگی ہوجائے گی، ممکن ہے کہ سینہ میں بھی فرق آجائے، ورنہ شوہر کو طلاق کا حق تو حاصل ہے ہی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

املاہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۱/۱۱/۱۴۰۶ھ۔

اغوا کے بعد نکاح اور متعدد مسائل

سوال [۵۲۷۲]: زید بکر کی لڑکی اغوا کرلیتا ہے، پھر کچھ عرصہ بعد یوں زید وبکر میں صلح ہوجاتی ہے کہ زید وبکر کی لڑکی کا نکاح آپس میں باندھا جاتا ہے، زید کا بھائی اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ باندھ دیتا ہے اس کے علاوہ سات سو روپیہ نقد بھی بکر کے حوالے کئے جاتے ہیں۔ کیا یہ نکاح درست ہے؟ پھر زید کے بھائی کی لڑکی جب جوان ہوتی ہے تو بکر چاہتا ہے کہ فسخِ نکاح کرلیا جائے؟ تو زید اور اس کا بھائی لڑکی سے دعویٰ کروا کر عدالت سے مذکورہ لڑکی کا نکاح فسخ کروا لیتے ہیں۔

اب وہی مولوی صاحب عدالت سے فسخ شدہ نکاح کو فسخ مان کر اس لڑکی کا نکاح ایک مرد سے پڑھا دیتے ہیں اور جب اعتراض کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح کرتے وقت وکالت لڑکی کے والد نے کی تھی جو مشرک ہے اور مشرک کی وکالت مردود ہے، اس لئے لڑکی کا سابقہ نکاح بھی باقی نہیں۔ جب کہا گیا کہ لڑکی کا والد مشرک کیسے مانا تو جواب دیا گیا کہ ایک روز اس نے مجھے کہا تھا کہ ''مولوی صاحب! آپ اور آپ کے

---

(۱) "ولا یتخیر أحدهما: أی الزوجین بعیب الآخر فاحشاً کجنون وجزام وبرص ورتق وقرن، اهـ".

(الدرالمختار). "(قوله: رتق) –بالتحریک– انسداد مدخل الذکر، کما أفاده فی المصباح. (قوله: وقرن) کفلس: لحم ینبت فی مدخل الذکر کالغدة، وقدیکون عظماً". (ردالمحتار، باب العنین وغیره: ۳/۵۰۱، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب العنین وغیره: ۴/۲۱۳، رشیدیه)

(وکذا فی النهر الفائق، باب العنین وغیره: ۲/۴۷۳، مکتبه امدادیه ملتان)

(وکذا فی ملتقی الأبحر علی هامش مجمع الأنهر، باب العنین وغیره: ۱/۴۶۳، ۴۶۴، دار إحیاء التراث العربی، بیروت)

سارے مقتدی وہابی ہیں، اس سے سمجھا گیا کہ وہ مشرک ہے اور مشرک کا نکاح کیسا؟ یعنی مشرک کی وکالت مردود ہے۔ نیز ویسے بھی مندرجہ بالا نکاح چھوٹی لڑکی والا درست نہیں اس لئے کہ روپیہ پیش کئے گئے ہیں اور زید کے بھائی نے اپنی بیٹی پر ظلم کیا ہے، اس صورت میں شرعی طور پر بھی لڑکی باپ کا نکاح فسخ کراسکتی۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

زید کا بکر کی لڑکی کو اغوا کرنا تو حرام ہوا، لیکن اس کے بعد نکاح کرلیا تو صحیح ہوگیا۔ زید کے بھائی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح جو بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ کردیا ہے وہ بھی صحیح ہے(۱)، لیکن جو سات سو روپیہ نقد دیئے ہیں ان کی واپسی لازم ہے، کیونکہ یہ خالص رشوت ہے:"أخذ أهل المرأة شيئاً عند التسليم، فللزوج أن يسترده؛ لأنه رشوة". ردالمحتار: ۲/۵۶۰ (۲)۔

بلا وجہ شرعی عدالت کے ذریعہ سے نکاح فسخ کرانا ظلم ہے، کسی شرعی وجہ سے اگر حاکم مسلم با اختیار نے نکاح فسخ کیا ہے تب تو یہ فسخ معتبر ہے اور بعد فسخ دوسری جگہ نکاح درست ہے، اور اگر حاکم غیر مسلم ہے تو یہ فسخ معتبر نہیں ہوا، بلکہ کالعدم ہوا ہے(۳)، اور دوسری جگہ نکاح کرنا درست نہیں، ہاں اگر شوہر طلاق دیدے تو دوسری

---

(۱) "وينعقد: أي النكاح متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الأخر وضعا للمضى، الخ".

(الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۶، امداديه ملتان)

(۲) (رد المحتار، باب المهر، مطلب: أنفق على معتدة الغير: ۳/۱۵۶، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، الفصل السادس عشر في جهاز البنت: ۱/۳۲۷، رشيديه)

(وكذا في البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، الثاني عشر في المهر: ۴/۱۳۶، رشيديه)

(۳) ''صرف پانچ عیوب کی بناپر قاضی کو تفریق کا اختیار ملتا ہے: ایک اس وقت جب کہ شوہر پاگل ہوگیا ہو، دوسرے جب کہ وہ نان ونفقہ ادا نہ کرتا ہو، تیسرے جب وہ نامرد ہو، چوتھے وہ بالکل لا پتہ ہو، پانچویں جب غائب غیر مفقود کی صورت ہو۔ ان صورتوں کے سوا قاضی کو کہیں بھی تفریق کا اختیار نہیں ہے اور محض عورت کی طرف سے ناپسندیدگی کسی بھی فقہ میں فسخ نکاح کی وجہ جواز نہیں بنتی''۔ (الحلية الناجزة، ص: ۲۴۳، عنوان ''قاضی کی تفریق بین الزوجین''، دارالإشاعت كراچی)

جگہ درست ہوگا۔ ان مولوی صاحب کالڑکے کے باپ کو محض اس وجہ سے کہ اس نے مولوی صاحب کو اوران کے مقتدیوں کو وہابی کہا ہے، مشرک کہنا درست نہیں، بلکہ جہالت ہے، لہذا محض اسی بناء پر سابقہ نکاح کو غیر معتبر کہنا درست نہیں۔ روپیہ کا لینا ناجائز ہے، لیکن اس سے نکاح ناجائز نہیں ہوتا۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۷/صفر/۶۰ھ۔

ضمیمۂ استفتاء ماقبل

سوال [۵۲۷۳]: نقلِ فتویٰ مولوی صاحب جو جوازِ نکاح کے لیا گیا یعنی وہ مولوی جس نے نکاح پر نکاح باندھا تو یہی فتویٰ لیا گیا ہے کہ مولوی صاحب کا نکاح درست ہے، اس کو دیکھ کر جواب دیا جائے:

ایک شخص نے ایک عورت کو اغواء کرلیا اور پھر اغواء کرنے والے کے بھائی نے عورت کے ساتھ فساد کرنے کے لئے سات سو روپیہ نقد دیا، عورت کے بھائی صغیر نے اپنی لڑکی صغیرہ کا نکاح کردیا، پس بموجبِ قانون سرکاری لڑکی کا نکاح جو پہلے ہوا تھا عدالت میں فسخ کرایا گیا، ایک مولوی صاحب نے اس لڑکی کا نکاح اُور شخص کے ساتھ پڑھادیا، اس نکاح خواں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:

''فتح القدیر'' میں ہے کہ بعض فقہاء کے نزدیک نکاحِ صغیرہ کا کرنا ناجائز ہے، منعقد نہیں ہوتا، ابن شبرمہ کا یہی مذہب ہے۔ بعض فقہاء کا مذہب یہ ہے کہ اَب وجدّ کو اختیار ہے کہ صغیرہ کا نکاح کردے اور بعد بلوغ اس کو فسخ کرنا درست نہیں، بغیر اب وجد کا نکاح جائز نہیں، شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہی مذہب ہے۔ ابوحنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہ مذہب کہ اب وجد کو بھی نکاح جائز ہے اور صغیرہ کو بعد بلوغ کے خیارِ فسخ حاصل نہیں اور غیرِ اب وجد کے بھی صغیرہ کا نکاح کرنا جائز ہے اور صغیرہ کو بعد بلوغ خیار فسخ حاصل ہے (۱)۔

---

(۱) (فتح القدیر، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/۲۷۴، ۲۷۶، مصطفی البابی الحلبی، مصر)

اور شامی میں ہے کہ اب وجد کو ولایتِ نظریہ ہے، اگر یقین ہو کہ خیر خواہی صغیرہ کے واسطے نکاح نہیں باندھا تو باجماعِ امت نکاح منعقد نہیں ہوا (۱)۔ کتاب مسمی "بحیلة الناجزة" میں بہت صورتیں مجتہد فیہ ہیں، برخلافِ حنفیہ فسخِ نکاح کا حکم دیدیا جس میں دستخط مولانا اشرف علی وغیرہ علماء کے ہیں۔

پس یقین ہے کہ نکاحِ صغیرہ برائے خیرخواہی نہیں ہوا تو فسخِ نکاح عدالت کے بعد مولوی نکاح خواں کو حکم دینا کہ ان کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے، یہ غلط ہے، بالکل یہ حکم خلافِ شرع ہے، حکم دینے والے نے خدا سے خوف نہیں کیا۔

نوٹ: اگر وہ شخص کہ جس کا فسخ کرایا گیا عقیدۂ فاسدہ رکھتا ہو تو فرض ہے جمیع مسلمانوں پر کہ اس کو عورت نہ دیں کہ قرآن پاک میں سورۂ ممتحنہ میں ہے: ﴿فلا ترجعوهن إلى الكفار، لاهن حل لهم ولاهم﴾ الآية (۲) پھر خدائے تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولا جناح عليكم أن تنكحوهن﴾ (۳)۔ غیر اللہ کو پکارنا اس عقیدہ سے کہ وہ میری پکار سنتا ہے ہر وقت، شرک ہے، سورۂ جن میں ہے: ﴿قل إنما أدعو ربي﴾ الخ (٤)۔

یعنی: "میں کسی کو نہیں پکاروں گا شرک نہیں کروں گا حق تعالیٰ اپنے غیب سے واقف کسی کو نہیں کرتا مگر نبیوں کے لئے فرشتے مقرر ہیں واسطے وحی پہنچانے کے اور دفع شیاطین کے"۔ اور جس نے یہ حکم نامہ نہیں مانا ہمیشہ دوزخ میں رہے گا: ﴿ومن يعص الله ورسوله، فإن له نار جهنم خالدين فيها أبداً﴾ (۵) اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ

---

(۱) (ردالمحتار، کتاب النکاح، باب الولي: ۳/۶۷، سعید)

(۲) (الممتحنة: ۱۰)

(۳) (الممتحنة: ۱۰)

(۴) (الجن: ۲۰)

(۵) (الجن: ۲۳)

1

وسلم فرماتے ہیں کہ میرا فرض ہے بتانا اگر میں نہ بتاؤں تو اللہ کے عذاب سے کوئی چھڑانے والا نہیں۔

الراقم: عظمت اللہ شاہ کشمیری۔

''یہ جو کہا گیا، اس میں کوئی اہل اسلام منصف مزاج شبہ نہیں کرے گا، جس کو خوفِ خدا نہیں اس کو بھی کچھ نہیں کہہ سکتے''۔ آفریں صد آفریں شاہ صاحب پر! کہ کیا مسئلہ منقح لکھا، اب بھی اگر شبہ کرے ایسے دلائلِ قرآن وحدیث وفقہ شریف پر، کیا لکھے وہ محض ضد ہوگی۔

مولوی محمد نذیر بقلم خود ومولوی محمد عبد الخالق بقلم خود۔

آپ کے فتویٰ کا فائدہ مزید یہ ہوگیا کہ جو لوگ پہلے خیالاتِ فاسدہ کے مرتکب تھے اور مندرجہ بالا قسم عقیدہ رکھتے تھے اب راہِ راست پر آرہے ہیں اور جو بھی فتویٰ دیکھتا ہے، کہتا ہے کون مغیباتِ کلی اور مساوی وغیرہ کا قائل ہے اور یہ باعثِ مسرت ہے، توقع ہے کہ ایسی زن جو نکاحِ ثانی کے جواز کے حق میں ہیں، آئیں گی اور معاملہ یہی تھا جو آپ کی خدمت میں لکھ کر عرض کیا گیا، اگر وہ اس کے خلاف کوئی بات کہہ کر فتویٰ حاصل کرلے تو اس کی نقل آنجناب ضرور لکھ کر رکھ لیں۔ اس قسم کا فتویٰ دیوبند اور ڈابھیل سے منگوایا گیا ہے، دونوں وصول ہوئے انہوں نے بھی نکاح کے بارے میں آپ سے اتفاق کیا ہے، باقی امور کے بارے میں وضاحت نہیں کی، ایک ان میں سے واپس برائے وضاحت کے گیا ہے۔

راقم الحروف سلطان محمود ہیڈ مدرسہ اسکول اوکھڑی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جہاں تک میں سمجھتا ہوں آپ کی تحریر میں یہ امور جواب طلب ہیں:

۱...... جو شخص مشرکانہ عقیدہ رکھنے والے کو کافر نہ سمجھے وہ خود کیسا ہے، مسلم ہے یا کافر؟

۲...... حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اولیائے کرام کے متعلق کلی علم غیب اور ہر وقت ہر جگہ سے فریادرسی کا اعتقاد رکھنے والے کی علماء نے تو تکفیر کی ہے، مگر تم اے اہل مظاہر علوم! اس کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ یعنی دیگر علمائے حق کی موافقت کرتے ہو، یا اس مسئلے میں اہلِ حق کے مخالف ہو، یا کچھ جداگانہ مسلک رکھتے ہو؟

۳..... جوامام ناجائز نکاح پڑھائے اور پھر اس سے توبہ نہ کرے اور اس سے بہتر دوسرا آدمی امامت کے لائق موجود نہ ہوتو پھر بھی امام مذکورہ کی امامت مکروہ ہے یانہیں؟

۴..... باپ دادا نے اگر صغیرہ کا نکاح کردیا ہوتو وہ فسخ ہوسکتا ہے یانہیں؟ اب ترتیب وار جواب سنئے۔

أقول وبالله التوفيق وبيده أزمة الحق والتحقيق:

۱..... وہ شخص اس مشرکانہ عقیدہ کو بہتر سمجھتا ہے اور اس کے معتقد کو مشرک نہیں سمجھتا، بلکہ مسلم سمجھتا ہے تو اس سے دریافت کیا جائے کہ مشرکانہ عقیدہ کے باوجود وہ مسلم کیسے رہ سکتا ہے؟

۲..... اہلِ حق کے فتویٰ کے خلاف اہلِ مظاہرعلوم کا مسلک نہیں۔

۳..... ایسی مجبوری کی حالت میں کراہت نہیں۔

۴..... صغیرہ کا نکاح اگر اب وجد کے غیر نے کیا ہوتو اس کو خیارِ بلوغ حاصل ہوتا ہے، یعنی آثارِ بلوغ ظاہر ہوتے ہی فوراً نکاح سے ناراضگی کا اظہار کردے اور پھر عدالتِ مسلمہ کے ذریعہ اس نکاح کو فسخ کرالے۔ اگر اب وجد نے کیا ہوتو اس میں خیارِ بلوغ حاصل نہیں ہوتا، البتہ جبکہ غیر کفو یعنی لڑکی کی قوم سے گھٹ کر نیچے کی قوم میں کردیا ہو، یا صالح کا نکاح فاسق سے کردیا ہو، یا مہر میں غبنِ فاحش ہوا اور اس نکاح سے قبل اب وجد کا سیئ الاختیار ہونا معروف ہوتو ایسی صورت میں خیارِ بلوغ حاصل ہوگا، اگر کفو میں کیا ہے تو پھر باوجود سیئ الاختیار ہونے کے بھی خیارِ بلوغ حاصل نہیں:

"وللولي إنكاح الصغير والصغيرة جبراً، ولزم النكاح ولوبغبن فاحش، أوغير كفو إن كان الولي أباً أوجداً لم يعرف منهما سوء الاختيار، وإن عرف لايصح النكاح اتفاقاً، الخ". درمختار۔

"والحاصل أن المانع هوكون الأب مشهوراً باختيار السوء قبل العقد، فإذا لم يكن مشهوراً بذلك، ثم زوّج بنته من فاسق، صح. وإن تحقق بذلك أنه سيئ الاختيار واشتهر به عند الناس، فلوزوج بنتاً أخرىٰ من فاسق، لم يصح الثاني؛ لأنه مشهور بسوء الاختيار قبله، بخلاف الأول، لعدم وجود المانع قبله.

ولوكان المانع مجرد تحقق سوء الاختيار بدون الاشتهار، لزم إحالة المسئلة، أعني قولهم: ولزم النكاح ولوبغبن فاحش أوبغير كفو إن كان الولي أباً أوجداً. ثم اعلم أن مامر عن

النوازل من أن النكاح باطل، معناه: أنه سيبطل، كما في الذخيرة .... وماذكرنا من ثبوت الخيار للبنت إذا بلغت: أي هوفي الصغيرة، الخ". شامي: ٢/ ٤٧٠ (١)۔

زید کے بھائی نے اپنی چھوٹی لڑکی کا نکاح جو بکر کے چھوٹے لڑکے کے ساتھ کیا ہے، اگر یہ کفو میں کیا ہے اور مہر میں غبنِ فاحش نہیں تو یہ نکاح بلاتردد درست ہے، اور اس میں خیار بلوغ حاصل نہیں اور عدالت کے ذریعہ اس کو فسخ کرانا بھی درست نہیں اگر چہ اس نکاح سے مصالحت اور دفعِ فساد بھی حاصل ہوگیا اور پھر دوسری جگہ اس لڑکی کا نکاح بھی درست نہیں جب تک کہ شوہر طلاق نہ دیدے۔

اگر غیر کفو میں کیا ہے تو اس کی دوصورتیں ہیں: اول یہ کہ زید کا بھائی سیئ الاختیار مشہور نہ ہوتو اس کا حکم بھی وہی ہے یعنی نکاح درست ہوگیا اور خیارِ بلوغ حاصل نہیں اور عدالت سے اس نکاح کا فسخ کرانا بھی درست نہیں، بغیر شوہر سے طلاق لئے اس کا نکاحِ ثانی بھی ناجائز ہے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ زید کا بھائی سیئ الاختیار ہونے میں مشہور ہے تو اس صورت میں البتہ خیار بلوغ حاصل ہے اور آثار بلوغ ظاہر ہوتے ہی ناراضی ظاہر کر کے عدالتِ مسلمہ کے ذریعہ سے نکاح فسخ کرا کے نکاحِ ثانی درست ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، یکم/ ربیع الاول/ ۶۰ھ۔

صحیح: عبداللطیف غفرلہ، صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

نکاحِ خفیہ

سوال [۵۲۷۴]: ایک مرد وعورت آپس میں دو گواہوں کے روبرو نکاح کرنا چاہیں اپنے رشتہ داروں کی پوشیدگی سے تو شرعاً یہ نکاح کیسا ہے؟

حافظ عبداللہ پیش امام محلہ خرادیان چھچر ولی۔

---

(١) (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ٣/ ٦٥، ٦٧، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة: ٣/ ٢٣٧، رشيدية)

(وفتح القدير، كتاب النكاح، فصل في الكفاءة: ٣/ ٣٠٣-٣٠٥، مصطفى البابي الحلبي، مصر)

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح میں افضل اور بہتر یہ ہے کہ اعلان کے ساتھ بڑے مجمع میں مسجد میں کیا جائے (۱) اور جائز دو گواہوں کی موجودگی میں بھی ہوجاتا ہے، جب کہ وہ دونوں گواہ مرد مسلمان بالغ عاقل ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، ۱۹/۱۱/۵۳ھ۔

صحیح: عبداللطیف، مظاہر علوم سہارنپور ۲۲/ ذی قعدہ/۵۳ھ۔

خفیہ نکاح

سوال [۵۲۷۵]: ایک شخص یعنی غلام نبی ولد غلام محمد ایک عورت کے ساتھ عورت کے ورثاء سے خفیہ نکاح کرتا ہے جس کا نام خدیجہ بی بی بنت سردار خان ہے، عورت بیوہ ہے رشتہ دار اس شخص یعنی غلام نبی سے دریافت کرتے ہیں کہ اس عورت سے علیحدہ ہوجا چونکہ شبہ ہے، تو وہ کہتا ہے کہ یہ عورت میری ماں بہن کی طرح

---

(۱) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: قال: رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم: " أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه في المساجد، واضربوا عليه بالدفوف". (جامع الترمذي، أبواب النكاح، باب ما جاء في إعلان النكاح: ۱/۲۰۷، سعيد)

(ومشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الثاني، ص: ۲۷۱، قديمي كتب خانه كراچي)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۸، سعيد)

(۲) "النكاح ينعقد بإيجاب أحدهما وقبول من الآخر، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۹، سعيد)

"وشرط حضور شاهدين حرين، أو حر وحرتين مكلفين سامعين قولهما معاً، الخ"

(ردالمحتار، مطلب الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳/۲۱، سعيد)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۰، دار إحيا التراث العربي بيروت)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

ہے۔حالانکہ دوتین سال ہو چکے ہیں خفیہ نکاح ہوئے۔عام مجلس میں اقرار کرکے بری ہونے کے چند دن بعد دونوں نکاح ظاہر کرتے ہیں ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟ کیا اس سے بائیکاٹ کر سکتے ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

"وشرط شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً على الأصح فاهمين أنه نكاح على المذهب، اهـ". در مختار (۱)۔

"أمر الأب رجلاً أن يزوج صغيرته فزوجها عند رجل أو امرأتين والحال أن الأب حاضر، صح؛ لأنه يجعل عاقداً حكماً، وإلا لا. و لو زوج بنته البالغة العاقلة بمحضر شاهد واحد، جاز إن كانت بنته حاضرةً؛ لأنها تجعل عاقدةً، و إلا لا، اهـ". درمختار (۲)۔

"و يندب إعلانه و خطبته و كونه في مسجد، اهـ". درمختار (۳)۔

عباراتِ مذکورہ سے معلوم ہوا کہ نکاح کے لئے کم از کم دو گواہوں کا ہونا شرط ہے اور اعلان کیساتھ نکاح کرنا مستحب ہے۔پس اگر مسمی غلام نبی نے دو گواہوں کی موجودگی میں خدیجہ سے نکاح کیا ہے تو وہ شرعاً صحیح اور منعقد ہو گیا، بشرطیکہ کوئی اَور بھی مانع حرمت مصاہرت وعدم کفاءت وغیرہ نہ ہوں،البتہ اعلان نہ کرنے سے مستحب کا تارک ہوا،لیکن ترکِ مستحب پر بائیکاٹ کرنا جائز نہیں (۴) (اورخاص کر جب کسی مصلحت سے مستحب کو ترک

---

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱/۳، ۲۲، سعيد)

(و كذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۶/۲، شركة علميه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۵۵/۳ رشيديه)

(۲) (الدر المختار، كتاب النكاح مطلب في عطف الخاص على العام: ۲۴/۳، ۲۵، سعيد)

(و كذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۷/۲، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في البحر الرائق كتاب النكاح: ۱۶۰/۳، ۱۶۱ رشيديه)

(۳) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۳/۳ رشيديه)

(و كذا في التبيين: كتاب النكاح: ۴۴۷/۲، مكتبه عباس أحمد الباز مكة المكرمة)

(۴) قال العلامة الشامي رحمه الله تعالىٰ: "تركه لا يوجب إساءة و لا عتاباً كترك سنة الزوائد". =

کیا ہو) اور اگر دو گواہ بھی وقت نکاح موجود نہیں تھے تو یہ نکاح فاسد ہوا اور اس کا حکم یہ ہے متارکت لازم ہے(۱) اور اس کے بعد عدت گذار کر اگر طرفین رضامند ہوں تو دوبارہ باقاعدہ نکاح کریں، اگر غلام نبی متارکت پر تیار نہ ہوا اور مسئلہ سمجھانے کے باوجود نہ مانے تو پھر اس کا بائیکاٹ کر دیا جائے (۲)۔

نکاح صحیح ہونے کی صورت میں لوگوں کے دریافت کرنے پر یہ کہنا کہ "یہ عورت میری ماں بہن کی طرح ہے" کنایاتِ ظہار سے ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس سے ظہار یا طلاق کی نیت کی ہے تو وہ نیت معتبر ہے اور حسبِ نیت ظہار یا طلاق کا حکم جاری کیا جائے گا، اگر کرامت کی نیت کی ہے، یا کچھ نیت نہیں کی ہے تو اس نکاح پر کچھ اثر نہیں پڑے گا:

"وإن نوى بأنتِ عليّ مثل أمي أو كأمي، و كذا لو حذف "علي" -خانية- براً أو ظهاراً أو طلاقاً، صحت نيته، و وقع ما نواه؛ لأنه كناية، وإن لم ينو شيئاً أو حذف الكاف، بأن قال: أنت أمي، تعين الأدنى: أى البر يعنى الكرامة، اهـ". در مختار (۳).

= (ردالمحتار، باب صفة الصلاة، مطلب آداب الصلاة: ۱/۴۷۷، سعيد)

علامہ شامیؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں ترکِ مستحب کا حکم بیان کیا ہے کہ ترکِ مستحب والا شخص ملامت اور سزا کے لائق نہیں، لہٰذا ترکِ مستحب والے شخص سے بائیکاٹ بھی درست نہیں۔

(۱) "ويجب مهر المثل في نكاح فاسد و هو الذى فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود .... بل يجب على القاضى التفريق بينهما". (الدرالمختار). "(قوله : بل يجب على القاضى) أى إن لم يتفرقا".

(ردالمحتار، مطلب فى النكاح الفاسد : ۳/۱۳۱، ۱۳۳، سعيد)

(و كذا فى الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثامن فى النكاح الفاسد وأحكامه : ۱/۳۳۰، رشيديه)

(۲) "قال الخطابى : رخص للمسلم أن يغضب على أخيه ثلاث ليال، لقلته، و لا يجوز فوقها، إلا إذا كان الهجران فى حق من حقوق الله تعالىٰ ،فيجوز فوق ذلك، الخ". (مرقاة المفاتيح، شرح مشكوة المصابيح، باب ما ينهى عنه من التهاجر والتقاطع واتباع العورات، الفصل الأول : ۸/۷۵۸، مكتبه رشيديه كوئٹه)

(۳) (الدر المختار، باب الظهار :۳/۴۷۰، سعيد)

(و كذا فى ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب الظهار : ۱/۴۴۹، دار احياء التراث العربى بيروت) =

اور اگر اس کہنے کے بعد باقاعدہ نکاح کیا ہے تو اس میں کوئی اشکال ہی نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۴/۳/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۱۵/ ربیع الاول/ ۵۷ھ۔

سِول میرج

سوال[۵۴۷۶]: ملک افریقہ میں ''ربون'' نامی حکومت، فرانس کے تابع ایک جزیرہ ہے، وہاں عقدِ نکاح حکومتِ فرانس کے قانون کے مطابق کرنا ہوتا ہے، اس کو سول میرج کہتے ہیں۔ وہاں حکومت شریعتِ اسلامیہ کے موافق عقدِ نکاح کا اعتبار نہیں کرتی یعنی عورت کو غیر منکوحہ قرار دیا جاتا ہے اور اولاد کو میراث کی تقسیم میں مشکل درپیش ہوتی ہے، نیز اولاد کے وہاں کی پیدائش کے حقوق کو نقصان پہونچتا ہے۔

اگر کسی شخص نے شریعتِ اسلامیہ کے مطابق عقدِ نکاح کرنے سے پہلے یا بعد میں حکومت کے قانون کے موافق بھی نکاح کرلیا تو اب اس کو حکومت منظور کرے گی، مگر اس صورت میں اس شخص پر حکومتی عقد کے احکام عائد ہوں گے، مثلاً:

۱- اب وہ شخص دوسرا نکاح نہیں کرسکتا۔

۲- تقسیمِ میراث شریعتِ اسلامیہ کے موافق نہیں، بلکہ وہاں کے قانون کے موافق کرنی ہوگی، مثلاً: زوجہ کو ثمن کے بجائے نصف دیا جائے گا۔

ہندوستان سے جو مسلمان وہاں پر تجارت وغیرہ کے لئے مقیم ہیں ان میں سے بعض اہلِ اغراض نکاحِ شرعی کے قبل یا بعد نکاحِ قانونی مذکور کرلیتے ہیں۔ اب ایسے شخص کے بارے میں یہ امر قابلِ دریافت ہے کہ کیا اس کو بوجہ عقدِ قانونی خارج عن الاسلام سمجھا جائے گا اور کیا اس کو دوبارہ کلمہ طیبہ پڑھ کر تجدیدِ نکاح کرنا ضروری ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نفسِ نکاح جائز اور مشروع طریق پر ہو اور اس میں کوئی کام اعتقاداً وعملاً وقولاً خلافِ شرع نہ کرنا پڑے، مثلاً ایسی عورت سے نکاح کیا جائے جو اس کے لئے شرعاً حلال ہے، ایسی عورت نہ ہو جس سے شرعاً نکاح

= (وکذا فی البحر الرائق، کتاب الطلاق، باب الظهار: ۱۶۵/۴، رشیدیه)

حرام ہوتا ہے، مثلاً: اس کی محرم نہ ہو، منکوحۂ غیر یا معتدۂ غیر نہ ہو، مشرکہ نہ ہو، وغیرہ وغیرہ جیسا کہ کتب فقہ باب المحرمات میں تفصیل مذکور ہے(۱) تو یہ قانونی نکاح کرانے سے آدمی خارج عن الاسلام نہیں ہوگا، اگرچہ اس نکاح پر جو نتائج مرتب ہوں گے وہ بھی خلافِ شرع ہوں گے، مگر وہ اَہون ہوں گے ان نتائج سے جو بغیر قانونی نکاح کے مرتب ہوتے ہیں: "من ابتلی ببلیتین فلیختر أھونھما"(۲)۔ ان خلافِ شرع نتائج سے بچنے کی کوئی تدبیر اختیار کرلی جائے، وہ یہ کہ: ورثہ کو اپنی زندگی میں حسبِ حصصِ شرعیہ دیدے اور ان کو مالک بنادے(۳) اور نکاحِ ثانی کو اعتقاداً جائز سمجھے وغیرہ وغیرہ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۴/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۶/ ذیقعدہ/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "أسباب التحريم أنواع: القرابة، والمصاهرة، والرضاع، والجمع، وعدم الدين السماوي، والتنافي، وإدخال الأمة على الحرة، فهي سبعةٌ ذكرها المصنف على هذا الترتيب، وبقي المطلقة ثلاثاً، والمحرمة لحق الغير من نكاح، أو عدة، الخ". (ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، باب المحرمات: ۳۲۲/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المحرمات: ۲۸/۳، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، باب المحرمات: ۲۰۸/۳، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "من ابتلي ببليتين وجب أن يختار أقلهما محظوراً، كما في غاية البيان". (مراقي الفلاح، كتاب الصلاة، باب سجود السهو، ص: ۴۷۱، قديمي)

"ثم الأصل في جنس هذه المسائل أن من ابتلي ببليتين وهما متساويتان، يأخذ بأيتهما شاء. وإن اختلفا، يختار أهونهما". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر للحموي، القاعدة الخامسة: الضرر يزال، : ۲۶۱/۱، إدارة القرآن كراچی)

"إذا تعارض مفسدتان، يختار أهونهما". (قواعد الفقه، (رقم القاعدة: ۵۰۴)، ص: ۱۴۰ ناشر الصدف پبلشرز)

(۳) "ثم قال في الظهيرية قبيل المحاضر والسجلات عند الكلام على كتابة صك الوقف: إن أراد الوقف على اولاده يقول: للذكر مثل حظ الأنثيين، وإن شاء يقول: الذكر والأنثى على السواء، ولكن الأول أقرب إلى الصواب ... فهذا نص صريح في التفرقة بين الهبة والوقف، فتكون الفريضة الشرعية =

طلاق کے بعد نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۷۷]: ہندہ کا بیان ہے کہ میرا شوہر جوئے باز آوارہ ہے، اس نے مجھے تین دفعہ کہا کہ ''میں تجھے آزاد کر چکا، میں تجھے آزاد کر چکا، میں تجھے آزاد کر چکا''۔ پھر وہ چلا گیا، عرصہ ایک سال کا ہوگیا، میرے پاس دو بچے بھی ہیں، میرے نان ونفقہ کی کوئی صورت نہیں، اب میں اپنا نکاحِ ثانی کر سکتی ہوں یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر شوہر اس طرح کہہ کر بے تعلق ہوگیا اور اپنا حقِ زوجیت ختم کر چکا تو پھر گواہی کی بھی

= فی الوقف هی المفاضلة، فإذا أطلقها الواقف انصرفت إليها؛ لأنها هی الكاملة المعهودة فی باب الوقف. وإن كان الكامل عكسها فی باب الصدقة فالتسوية بينهما غير صحيحة، على أنهم صرحوا بأن مراعاة غرض الواقفين واجبة. وصرح الأصوليّون بأن العرف يصلح مخصصاً، والعرف العام بين الخواص والعوام أن الفريضة الشرعية يراد بها المفاضلة: وهی إعطاء الذكر مثل حظ الأنثيين، ولذا يقع التصريح بذلك لزيادة التأكيد فی غالب كتب الأوقاف بأن يقول: يقسم بينهم على الفريضة الشرعية للذكر مثل حظ الأنثيين، ولا تكاد تسمع أحداً يقول على الفريضة الشرعية: للذكر مثل حظ الأنثى؛ لأنه غير المتعارف بينهم''. (ردالمحتار، مطلب مهم فی قول الواقف على الفريضة الشرعية: ۴/۴۴۴، سعيد)

مذکورہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں حسبِ فریضۂ شرعیہ مال کو تقسیم کرنا درست ہے۔

''قد ثبت بما ذكرنا أن مذهب الجمهور فی التسوية بين الذكر والأنثى فی حالة الحياة أقوى وأرجع من حيث الدليل، ولكن ربما يخطر بالبال أن هذا فيما قصد فيه الأب العطية والصلة، وأما إذا أراد الرجل أن يقسم أملاكه فيما بين أولاده فی حياته، لئلا يقع بينهم نزاع بعد موته، فإنه وإن كان هبةً فی الاصطلاح الفقهی، ولكنه فی الحقيقة والمقصود استعجال لما يكون بعد الموت، وحينئذ ينبغی أن يكون سبيله سبيل الميراث، فلو قسم رجل فی مثل هذه الصورة للذكر مثل حظ الأنثيين على قول الإمام أحمد، ومحمد بن الحسن رحمهما الله، فالظاهر أن ذلك يسع له، ولم أر ذلك صريحاً فی كلام الفقهاء، غير أنه لايبعد خارجاً عن قواعدهم''. (تكملة فتح الملهم، كتاب الهبات، باب كراهة تفضيل بعض الأولاد فی الهبة: ۲/۷۵، مكتبة دارالعلوم كراچی)

ضرورت نہیں (۱)، ایک سال میں تین حیض آ چکے ہوں گے، نکاحِ ثانی کی اجازت ہے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/۲/ ۸۸ھ۔

طلاق کے بعد پھر نکاح اور اس نکاح سے پیدا شدہ بچے کا حقِ وراثت

سوال [۵۲۷۸]: جس عورت سے میں نے نکاح کیا، وہ اپنے کردار و وفاداری میں ناکام رہی، میں نے اس کو دوبارہ ۳/ طلاق شرعی لکھ کر دیا اور نہ کہ تین عدتوں میں جس طرح شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا حکم ہے۔ جب پہلی دفعہ طلاق ہوئی تو اس وقت پہلے ایک طلاق بائن لکھی گئی، پھر ایک طلاق کاٹا گیا اور طلاق لکھا گیا۔ اب جو نکاحِ ثانی ہوا وہ صرف ایک سال قائم رہا اور اس دوران ایک لڑکا تولد ہوا اور جو دوسری طلاق ہوئی وہ سہ طلاق دیکر لکھی گئی اور لڑکا ماں کے پاس رہائش پذیر ہے۔ چونکہ اس وقت جوانی کے زور نے مجھے اندھا بنادیا اور عدالت میں جاکر نکاح خوانی کی یعنی بیان حلفی پر دستخط کئے گئے اور کوئی خطبہ نکاح نہ ہوا۔

جو لڑکا تولد ہوا وہ ماں کے پاس ہے اور اس کا نام اور ولدیت بھی اس کی ماں نے تبدیل کی ہے۔ تو میرے مرنے کے بعد لڑکے کو کوئی حق میری وراثت میں ہے کہ نہیں؟

---

(۱) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق، ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".
(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثانی فی إيقاع الطلاق، الفصل الأول: ۱/۳۵۵، رشيديه)
(وكذا فی التاتارخانيه، كتاب الطلاق، تكرار الطلاق وإيقاع العدد: ۳/۲۸۸، إدارة القرآن كراچی)
(وكذا فی الدرالمختار، كتاب الطلاق، باب طلاق غير المدخول بها: ۳/۲۹۳، سعيد)
(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿والمطلقات يتربصن بأنفسهن ثلاثة قروء﴾ (سورة البقرة: ۲۲۸)
"وهی حرة ممن تحيض، فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثالث عشر فی العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)
"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضائها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، كتاب الطلاق، فصل فی جواز شرائط الرجعة: ۴/۲۹۶، دارالكتب العلميه، بيروت)

الجواب حامداً و مصلیاً:

اگر آپ نے پہلی دفعہ ایک یا دو طلاق زبانی دی یا تحریر لکھ کر بھیجی اس کے بعد پھر آپ نے اس سے دوبارہ نکاح کرلیا یعنی کم از کم دو گواہوں کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول کیا تو یہ نکاح صحیح ہوگیا اگر چہ اس میں خطبہ نہ ہوا ہو(۱)، پھر اس سے جو بچہ پیدا ہوا وہ ثابت النسب ہے (۲)، وہ آپ کا لڑکا ہے، آپ کے بعد آپ کی وراثت کا حقدار ہے۔ ماں نے اگر اس کا نام بدل دیا تو اس سے کچھ نہیں ہوتا، البتہ ماں کو اس کی پرورش کا حق حاصل ہے جب تک وہ خود کھانے پینے استنجا کرنے کے قابل نہ ہو جائے (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

مطلقہ بیمار کو گھر رکھنا اور اس کی بہن سے نکاح کرنا

سوال[۵۲۷۹]: زید نے اپنی بیوی کو اس کی صحت کی خرابی کی بناء پر طلاق دے دی۔ بعد عدت گذرنے مطلقہ بیوی کی حقیقی بہن سے نکاح کرلیا، مطلقہ بیوی بہت بیمار ہے، اور والدین بوجہ غربت کے اس کے نفقہ سے مجبور ہیں۔ اس لئے زید کا اس مطلقہ بیوی کو بھی اپنے گھر ٹھہرائے رکھنا درست ہوگا یا نہیں؟

---

(۱) "وشرط حضور شاهدين حرين مكلفين سامعين قولهما معاً". (تنوير الأبصار مع الدر المختار: ۲۱/۳، ۲۲، كتاب النكاح، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ۲۶۷/۱، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً، رشيديه)

(وكذا في الهداية: ۳۰۶/۲، كتاب النكاح، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۲) "وإذا تزوج الرجل المرأة .... وإن جاءت به لستة أشهر فصاعداً، يثبت نسبه عنه، اعترف به الزوج أو سكت". (الهداية: ۴۳۲/۲، باب ثبوت النسب، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الفتاوىٰ العالكميرية: ۵۳۶/۱، الباب الخامس عشر في ثبوت النسب، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۸۲/۳، ۲۸۳، باب ثبوت النسب، دارالكتب العلميه بيروت)

(۳) "أحق الناس بحضانة الصغير حال قيام النكاح أو بعد الفرقة الأمّ، إلا أن تكون مرتدةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۵۴۱/۱، الباب السادس عشر في الحضانة، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق: ۲۹۱/۳، باب الحضانة، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ التاتارخانية: ۸۹/۴، حكم الولد عند افتراق الزوجين، إدارة القرآن كراچی)

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس کی ہمدردی اور اعانت کے لئے درست ہے، مگر پردہ پورا رہے اور سامنا نہ ہو، نیز تنہائی بھی نہ ہونے پائے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۴/ ۷/ ۸۷ھ۔

آنکھوں پہ پٹی باندھ کر نکاح کرنا

سوال[۵۲۸۰]: زید نے ہندہ سے دوگواہوں کے سامنے نکاح کیا، لیکن ہندہ نے اپنی آنکھوں پر حیاءً پٹی باندھ لی۔ تو کیا یہ پٹی نقاب کے حکم میں ہوگی جس کے بارے میں "ردالمحتار" وغیرہ میں لکھا ہے کہ احتیاط یہ ہے کہ چہرہ پر نقاب نہ ہو؟ یا نقاب کے حکم میں نہیں اور نکاح مع جملہ احتیاطوں کے منعقد ہو جائے گا؟

امیر علی صاحب، معرفت حامد میاں، مدرسہ شاہی مرادآباد۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل مقصود تعریف وتمیز ہے، اگر یہ حاصل ہو جائے تو نکاح درست ہوتا ہے اگر چہ عورت مجلسِ عقد میں حاضر نہ ہو، محض اس کا نام لیا ہوا اور اگر چہ گواہ نابینا ہوں اور اگر چہ عورت نقاب پوش ہو۔ پس صورتِ مسئولہ میں اگر گواہ جانتے اور پہچانتے ہیں تو پٹی باندھنا مضر نہیں، خواہ صورت وشکل سے پہچانتے ہوں، یا باپ دادا کے نام سے، یا محلّہ اور بستی کے پتہ سے، یا کسی اَور ذریعہ سے۔ اگر پٹی کی وجہ سے پہچان نہیں سکتے اور جہالت باقی ہے، کوئی اَور ذریعہ بھی شناخت کا نہیں تو احتیاط کے خلاف ہے اگر چہ حکم عدمِ صحت کا نہیں دیا جاسکتا، هكذا يستفاد من رد المحتار (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۹/ ذیقعدہ/ ۷۰ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبداللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

---

(۱) "تنبيه: أشار بقوله فيمامر: "ولا المنكوحة مجهولة" إلى ما ذكره في البحر هنا بقوله: و لا بد من تمييز المنكوحة عند الشاهدين لتنتفي الجهالة، فإن كانت حاضرةً متنقبة كفى الإشارة إليها، والاحتياط كشف وجهها، الخ". (ردالمحتار، مطلب: الخصاف كبير في العلم يجوز الاقتداء به: ۳/ ۲۱، سعيد) =

جن الفاظ سے قسم نہیں ہوتی، ان کے کہنے سے نکاح پر اثر

سوال[۵۲۸۱]: زید نے بکر سے لڑکی کے رشتے کے متعلق کہا، بکر نے کہا کہ "اگر میں اپنی لڑکی کا رشتہ تمہارے یہاں کروں تو اپنی ماں کو قبر سے نکال کر بھی تم کو دوں اور اپنی بیوی بھی تمہیں دوں"۔ یہی الفاظ بکر کے لڑکے نے بھی کہے۔ بعد میں بکر نے اپنی لڑکی کا رشتہ بھی کر دیا اور نکاح بھی کر دیا۔ تو یہ نکاح صحیح ہوا یا غلط؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ بیہودہ قسم شرعی قسم نہیں (۱)، اس سے یہ نکاح حرام نہیں ہوا، بلکہ جو نکاح شرعی قواعد کے موافق کیا گیا وہ صحیح ہو گیا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۵/ ۹/ ۸۶ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۶/ ۹/ ۸۶ھ۔

طلاق نامہ دیکھے بغیر نکاحِ ثانی

سوال[۵۲۸۲]: ۱۹۵۵ء میں مجھے طلاق ہو گئی تھی، طلاق نامہ میرے بھائیوں کے قبضے میں ہے، وہ لوگ اس کو دینا نہیں چاہتے اور میرے عقدِ ثانی سے بھی وہ متفق نہیں ہیں۔ میں بالغ ہوں اور اپنا نفع نقصان

= "فإن كان الشهود يعرفونها، فذكر مجرد اسمها، جاز، وإن لم يعرفونها فلا بد من ذكر اسمها واسم أبيها وجدها. أما لو كانت حاضرةً متنقبة، فقال: تزوجت هذه وقبلت، جاز؛ لأنها صارت معروفةً بالإشارة، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/ ۱۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/ ۲۶۸، رشيديه)

(۱) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "لا تحلفوا بالطواغي ولا بآبائكم". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الأيمان والنذور، الفصل الأول: ۲/ ۲۹۶، قديمى)

(۲) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۴، رشيديه)

سمجھتے ہوئے عقدِ ثانی کرنا چاہتی ہوں، لیکن قاضی ومولوی صاحبان طلاق یا کوئی چشم دید شہادت چاہتے ہیں اور یہ بھائیوں کی وجہ سے نہیں ہو پا رہا ہے۔ کیا اس کے علاوہ اَور کوئی ذریعہ ایسا بن سکتا ہے کہ میں اپنا عقدِ ثانی کرسکوں؟ اگر ہے تو مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بھائی اگر طلاق نامہ نہیں دیتے اور بغیر اس کو دکھائے آپ کا دوسرا نکاح نہیں ہورہا تو یہ بھائیوں کی طرف سے ظلم ہے(۱)۔ اگر کوئی شخص ایسا ہو کہ اس کو آپ کے کہنے پر اعتماد ہو اور بغیر طلاق نامہ دیکھے وہ نکاح پر راضی ہو تو اس سے نکاح درست ہوجائے گا۔ اگر آپ کے شوہر کا طلاق دے دینے کا اقرار ہو تو طلاق نامہ کسی کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں، بلا طلاق نامہ دیکھے نکاح درست ہوجائے گا جبکہ عدت بھی گزر چکی ہو(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/ ۹/ ۸۸ھ۔

باپ اور بھائی کے ڈر سے کئے ہوئے نکاح سے منکر ہوجانا

سوال[۵۲۸۳]: خلاصۂ سوال یہ ہے کہ مسمی عبدالحمید اور مسماۃ وحیدن اپنا نکاح اپنی مرضی سے ازخود کرنا چاہتے تھے۔ ایک روز مسماۃ وحیدن نے اپنے والد کے مکان پر روبرو ایک مسلمان بالغ مرد اور دو مسلمان

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تمسکوھن ضراراً لتعتدوا، و من یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۱)

(۲) قال اللہ تعالیٰ: ﴿والمطلقات یتربصن بأنفسھن ثلاثۃ قروء﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۲۸)

وقال اللہ تعالیٰ: ﴿و لا تعزموا عقدۃ النکاح حتی یبلغ الکتاب أجلہ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۲۳۵)

"وإذا طھرت من الحیض الأخیر: أی من الحیضۃ الأخیرۃ التی تنقضی العدۃ بھا و ھی الحیضۃ الثالثۃ إن کانت حرۃً". (مجمع الأنھر، باب الرجعۃ: ۱/ ۴۳۵، دارإحیاء التراث العربی بیروت)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدۃ؛ لأن انقضاء ھا بانقضاء الحیضۃ الثالثۃ، و قد انقضت بیقین". (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی شرائط جواز الرجعۃ: ۴/ ۳۹۲، دارالکتب العلمیۃ بیروت)

بالغ عورتوں کے عبدالحمید کی طرف مخاطب ہوکر کہا کہ ’’میں نے اپنا نکاح تیرے ساتھ کیا‘‘ عبدالحمید نے جواب میں کہا کہ ’’میں نے قبول کیا‘‘۔

یہ سوال وجواب ایک ہی جگہ ہوئے جس کو گواہوں نے سنا۔ وحیدن نے اپنے ہاتھوں سے شکر گھر میں سے لے کر تقسیم کردی کہ یہ میرے نکاح کی شیرینی ہے جس کو گواہوں نے کھایا اور عدالت سے بیان حلفی تصدیق کرالی۔ جب باپ اور بھائی کو علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے۔

اب مسماۃ وحیدن بوجہ خوف اپنے باپ اور بھائی کے اس واقعہ سے منکر ہے جبکہ عبدالحمید کے ساتھ خفیہ طور پر ازدواجی زندگی گذار چکی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اب مسماۃ وحیدن دوسرا نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟ اور یہ نکاح حسبِ طریقہ تحریر درست ہوگیا تھا یا نہیں؟ اور اب باپ اور بھائی کیلئے کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے جب نکاح کا ایجاب وقبول ہوا (۱) اور یہ نکاح کفو میں ہوا تو وہ شرعاً معتبر اور لازم ہوگیا (۲)، لڑکی کے والدین یا کوئی اَور اس کو غیر معتبر نہیں کہہ سکتے، اب لڑکی کا انکار بھی شرعاً معتبر نہیں، اس کے بعد مسماۃ وحیدن کا نکاح کسی اَور شخص سے نہیں ہوسکتا (۳)۔ اس کے باپ بھائی کو چاہئے کہ

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر .... بشرط حضور شاهدين حرين، أو حر و حرتين مكلفين سامعين قولهما معاً، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳ / ۹-۲۲، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۵-۳۰۵، ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، ۱۵۵، رشيديه)

(۲) "نفذ نكاح حرة مكلفة بلاولي ...... روى الحسن: إن كان الزوج كفئاً، نفذ نكاحها، وإلا فلم ينعقد أصلاً". (البحر الرائق: ۳ / ۱۹۴، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء، رشيديه)

(وكذا في الهداية، ۳ /۳۱۳، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، مكتبه شركة علميه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۵۵، كتاب النكاح، باب الولي، سعيد)

(۳) "لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ =

عبدالحمید کے ساتھ اس کو رخصت کردیں اور کوئی ہنگامہ برپا نہ کریں، ورنہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اتنی مدت تک مسماۃ حرام کاری کرتی رہی، یا پھر دوسری جگہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی۔ غرض باپ اور بھائی راضی ہوجائیں اور مسماۃ اصل واقعہ کی منکر نہ ہو۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔



= العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ١ / ٢٨٠، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط ألاتكون منكوحة الغير: ٣ / ٤٥١، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذافي رد المحتار، كتاب النكاح، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ٣ / ١٣٢، سعيد)

فصل فی خطبة النكاح

(خطبۂ نکاح کا بیان)

نکاح پڑھانے کے لئے قاضی کا ہونا ضروری ہے یا نہیں؟

سوال[۵۲۸۴]: ۱...... کیا نکاح صرف قاضی ہی پڑھا سکتا ہے، اَور کوئی علم دان شخص نہیں پڑھا سکتا؟

الجواب حامداً و مصلياً:

نکاح ہر شخص پڑھا سکتا ہے، قاضی کی تخصیص نہیں، بلکہ عورت اور مرد خود بھی گواہوں کے سامنے اپنا نکاح کر سکتے ہیں(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

نکاح میں خطبہ کی حیثیت

سوال[۵۲۸۵]: خطبۂ نکاح دو ہیں: اول، دوئم، جو شخص نکاح میں صرف خطبہ ثانی پڑھے نکاح درست ہے یا نہیں؟ مع حوالہ حدیث شریف تحریر فرمائیے۔

الجواب حامداً و مصلياً:

خطبہ ایک ہی کافی ہے اور خطبہ مستحب ہے، لہٰذا بغیر خطبہ کے بھی نکاح ہوسکتا ہے۔ نکاح نام ہے ایجاب

(۱) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

"وأما ركنه، فالإيجاب والقبول، كذا في الكافي". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۱/ ۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، شركة علميه ملتان)

وقبول کا اور بس، لہٰذا خطبہ فرض کے درجہ میں نہیں (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۳/ جمادی الاولیٰ/ ۶۶ھ۔

خطبۂ نکاح سنت ہے فرض نہیں

سوال [۵۲۸۶]: ۱...... خطبۂ نکاح فرض ہے یا سنت؟ یہ بیٹھ کر پڑھنے سے بھی درست ہوجاتا ہے یانہیں؟

خطبۂ نکاح میں نفقہ وغیرہ کا ذکر

سوال [۵۲۸۷]: ۲...... ایجاب وقبول کے درمیان نان ونفقہ کا تذکرہ کرنا ضروری ہے کہ نہیں؟ اور بغیر اس کے نکاح ہوگا یانہیں؟

ایجاب وقبول سے پہلے خطبۂ نکاح

سوال [۵۲۸۸]: ۴...... خطبۂ نکاح کس وقت پڑھا جائے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... خطبہ سنت ہے، واجب یا فرض نہیں ہے، بغیر خطبہ کے بھی نکاح درست ہوجاتا ہے (۲)۔ خطبہ

---

(۱) "ویندب إعلانه وتقدیم خطبة". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۸، سعید)

(وکذا فی فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، عنوان: "بغیر خطبہ نکاح ہوجاتا ہے یانہیں": ۷/ ۱۵۹، إمدادیه ملتان)

"فإن عقد الزواج من غیر خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غیر واجبة". (الفقه الإسلامی وأدلته، المبحث الخامس: مندوبات عقد الزواج أومایستحب له: ۹/۶۶۱۸، رشیدیه)

(وکذا فی میزان الشعرانی، کتاب النکاح: ۲/ ۱۱۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "ویندب إعلانه و تقدیم خطبة". (الدر المختار، کتاب النکاح: ۳/۸، سعید)

"فإن عقد الزواج من غیر خطبة جاز، فالخطبة مستحبة غیر واجبة". (الفقه الإسلامی وأدلته، المبحث الخامس، مندوبات عقد الزواج وما یستحب له: ۹/۶۶۱۸، رشیدیة)

(وکذا فی میزان الشعرانی، کتاب النکاح: ۲/ ۱۱۱، مصطفی البابی الحلبی مصر)

نکاح بیٹھ کر پڑھنے سے بھی نکاح بلاشبہ ہوجاتا ہے۔

۲...... ان چیزوں کا تذکرہ نکاح میں ضروری نہیں، بغیر ان کے ذکر کے بھی نکاح درست ہو جاتا ہے(۱)۔ یہ چیزیں تو بغیر ذکر کئے بھی لازم ہوجاتی ہیں(۲)۔

۴...... خطبۂ نکاح ایجاب وقبول سے پہلے ہے(۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، جواب صحیح ہے: سید مہدی حسن غفرلہ۔

دو نکاح کیلئے ایک خطبہ

سوال[۵۲۸۹]: ۱...... اگر ایک ہی مجلس میں دو شخص کا نکاح پڑھانا ہوتو اس کیلئے الگ الگ دو خطبے پڑھنا چاہیئے یا ایک ہی خطبہ کافی ہے؟

خطبہ نکاح بیٹھ کر پڑھنا

سوال[۵۲۹۰]: ۲...... خطبۂ نکاح بیٹھ کر پڑھنا چاہیئے؟ یا کھڑے ہوکر؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

۱...... ایک خطبہ بھی کافی ہے(۴)۔

---

(۱) "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، رشيديه)

(۲) "تجب على الرجل نفقة امرأته المسلمة والذمية والفقيرة و الغنية، دخل بها أولم يدخل". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب السابع عشر في النفقات، الفصل الأول: ۵۴۴/۱، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب النفقة: ۴۸۴/۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(۳) (راجع، ص: ۵۹۰، رقم الحاشية: ۲)

(۴) "ويندب إعلانه و تقديم خطبة، و كونه في مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد وشهود عدل". (الدرالمختار). =

۴.....اس خطبہ کا کھڑا ہوکر پڑھنا کسی کتاب میں نہیں دیکھا، بیٹھ کر پڑھنے کا معمول ہے(۱)۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ

خطبۂ نکاح بیٹھ کر ہے یا کھڑے ہوکر؟

سوال[۵۲۹۱]: شادی کے اندر خطبہ کی کیا ضرورت ہے؟ کیا بغیر خطبہ کے شادی نہیں ہوسکتی؟ اگر خطبہ ضروری ہے تو بیٹھ کر پڑھیں یا کھڑے ہوکر؟ جب کہ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں تو اس کو بھی کھڑے ہوکر پڑھنا چاہئے؟ فقط۔

الجواب حامداًومصلیاً:

نکاح کا خطبہ پڑھنا شرط یا رکن نہیں، بلکہ مندوب ہے: "ویندب إعلانه، وتقديم خطبة، وكونه في مسجد يوم جمعة". درمختار: ۲/۴۰۲(۲)۔ بعضے حضرات کھڑے ہوکر پڑھتے ہیں، بعضے

= "وأطلق الخطبة فأفادأنها لاتتعين بألفاظ مخصوصة، وإن خطب بماورد، فهو أحسن، الخ".

(ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في كتاب الفقه على المذاهب الأربعة، كتاب النكاح، حكم النكاح ۴/۱۰، دارالفكر بيروت)

(وكذا في فتاوى دارالعلوم ديوبند، كتاب النكاح، باب، مسائل متعلقات نكاح: ۷/۱۴۸، مكتبه إمداية ملتان)

(۱) خیر الفتاویٰ میں ہے: "ہمارے اکابر علمائے کرام کا طرز دونوں طرح رہا ہے، لیکن کھڑے ہوکر خطبہ پڑھنا بہتر ہے، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عام عادت کھڑے ہوکر خطبات پڑھنے کی تھی"۔ (کتاب النکاح، متفرقات نکاح: ۴/۵۹۱، ملتان پاکستان)

(۲) (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۸، سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۸۹، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الخامس مندوبات عقد الزواج: ۹/۶۲۱۸، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ دارالعلوم ديوبند، كتاب النكاح "بغیر خطبہ نکاح ہوجاتا ہے یانہیں؟": ۷/۱۵۹، دارالاشاعت)

بیٹھ کر، کھڑے ہو کر پڑھنے میں اعلان کی صورت بھی ہے جو کہ مندوب ہے۔ عقدِ بیع وغیرہ میں بھی پڑھتے ہیں اور عامۃً یہ چیزیں بیٹھ کر ہوتی ہیں، ان کے لئے مستقل قیام نہیں ہوتا، یہی حال خطبہ نکاح کا بھی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۹/۲/۸۹ھ۔

خطبۂ نکاح کھڑے ہو کر

سوال[۵۲۹۲]: ہمارے شہر میں ایک امام صاحب تشریف لائے ہیں، اور خطبۂ نکاح کھڑے ہو کر پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پڑھنا مسنون ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جتنے بھی خطبے دیئے ہیں وہ سب کھڑے ہو کر دیئے ہیں، جبکہ خطبۂ نکاح حدیث میں کہیں بھی بیٹھ کر دینا ثابت نہیں ہے۔ تو کیا کھڑے ہو کر خطبہ دینے کا جواز ملتا ہے؟ کیا خطبۂ نکاح خطبۂ جمعہ واستسقاء کے مشابہ ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جائز تو کھڑے ہو کر بھی پڑھنا ہے، بیٹھ کر پڑھنا بھی ہے۔ جو شخص کھڑے ہو کر خطبۂ نکاح کو پڑھنا مسنون کہے، دلیل اس کے ذمہ ہے، وہ حدیث وفقہ سے ثبوت پیش کرے۔ متعدد مواقع پر حدیث شریف میں منقول ہے کہ حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر خطبہ پڑھا ہے، مسلم شریف، الادب المفرد میں حدیثیں موجود ہیں(۱)۔ شراح نے اس جگہ لکھا ہے کہ یہ خطبۂ جمعہ نہیں تھا، اس کا کھڑے ہو کر پڑھنا بھی منقول ہے (۲)۔ خطبۂ نکاح کو خطبہ جمعہ پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۸/۸/۹۴ھ۔

---

(۱) "عن أبي سعيد الخدري رضي الله تعالىٰ عنه قال: جلس رسو ل الله صلى الله عليه وسلم على المنبر وجلسنا حو له فقال: "إن مما أخاف عليكم بعدي، الخ". (الصحيح لمسلم، كتاب الزكاة، باب تحذير من الاغترار بزينة الدنيا ومايبسط منها: ۱ /۳۳۶، قديمي)

(۲) "أن النبي صلى الله عليه وسلم جلس ذات يو م على المنبر، وجلسنا حوله". فإن الجلو س في حديث أبي سعيد رضي الله تعالىٰ عنه ليس خطبة الجمعة ولا لخطبة معروفة غيرها، وإنما هو لموعظة وتذكير، ولم يثبت عنه صلى الله عليه وسلم الجلوس للخطبة، وإنما خطب قائماً، ولذا ذهب بعضهم =

نکاح کس سے پڑھوایا جائے؟

سوال[۵۲۹۳]: ایک شخص ریش بُریدہ جوصوم وصلوۃ کا بھی پابند نہیں مگر موروثی نکاح خوانی کی وجہ سے خودکو نکاح خوانی کا مستحق سمجھتا ہے اس سے نکاح پڑھایا جائے، یا جوشخص عالمِ دین صوم وصلوٰۃ کا پابند ہے جامع مسجد کا امام ہے، اس سے پڑھوانا بہتر ہے؟ فقط۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرعاً پورا اختیار ہے جس کے ذریعہ دل چاہے نکاح پڑھوالیا جائے، کسی خاص نکاح خواں کی کوئی قید نہیں ہے، لہٰذا جوشخص دیندار اور مسائلِ نکاح سے واقف ہو اس سے پڑھوایا جائے (۱)۔ واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۸/۲/۸۸ھ۔

کیا نابینا بھی نکاح پڑھا سکتا ہے؟

سوال[۵۲۹۴]: اندھا آدمی اگر خطبہ پڑھا دے یاد کر کے تو نکاح درست ہوگا یا نہیں؟ جب کہ اس نے نہ وکیل کو دیکھا نہ دولہا کو اور نہ گواہان کو؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ایجاب وقبول کے گواہ آنکھ والے موجود ہیں تو نکاح درست ہوجائے گا اگرچہ خطبہ پڑھانے

= إلى اشتراط القيام لها، وإن كان الاشتراط على خلاف رأى الجمهور". (معارف السنن، باب فى الركعتين إذا جاء الرجل والإمام يخطب: ۴ / ۲۶ ۳، سعيد)

(وكذا فى فتح البارى، كتاب الجمعة، باب الخطبة قائماً: ۲ / ۵۰۹، ۵۱۰، قديمى)

(۱) "وكونه فى مسجد يوم جمعة بعاقد رشيد". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

"وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

(وكذا فى الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا فى فتح القدير، كتاب النكاح: ۱۸۹/۳، مصطفى البابى الحلبى مصر)

والا اندھاہو(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۵/ ۲/ ۸۹ھ۔

برہمن سے نکاح پڑھوانا

سوال[۵۲۹۵]: مولوی احمد رضا خان صاحب نے لکھا ہے کہ ''اگر برہمن (۲) نکاح پڑھادے تو جائز ہے کہ نکاح نام ہے ایجاب وقبول کا''۔کیا یہ درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جوشخص نکاح پڑھاتا ہے وہ شرعی قاضی نہیں،لہٰذا اس میں قاضی کی شرائط کا پایا جانا ضروری نہیں،وہ شخص محض ایجاب وقبول کی تعبیر کرتا ہے (۳)۔زوجین خود گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کرلیں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے (۴)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبدمحمودغفرلہ،دارالعلوم دیوبند،۱۹/۱۲/ ۸۵ھ۔

---

(۱) "وينعقد: أي النكاح: أي يثبت ويحصل انعقاده بالإيجاب والقبول". (ردالمحتار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعید)

"ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، مكتبه شركة علمية ملتان)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۳۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) ''برہمن: پنڈت، عالم، ہندوؤں کی سب سے اونچی ذات''۔(فیروز اللغات،ص:۱۹۷،فیروز سنز،لاہور)

(۳) "وإذا أذنت المرأة للرجل أن يزوّجها من نفسه، فعقد بحضرة شاهدين، جاز .... ولنا أن الوكيل في النكاح معبّر وسفير". (الهداية، كتاب النكاح، باب في الأولياء والأكفاء، فصل في الوكالة بالنكاح، ۲/ ۳۲۲، مكتبه شركة علميه)

"الوكيل في باب النكاح ليس بعاقد، بل هو سفير عن العاقد ومعبر عنه". (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/ ۳۲۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(۴) (راجع، رقم: ۱)

جواب صحیح ہے، غیر مسلم کے ایجاب وقبول نکاح کر دینے سے اگر چہ حقیقۃً نکاح منعقد ہو جاتا ہے، مگر ایسا کرنا سخت بے غیرتی اور سنتِ متوارثہ کے خلاف ہے(۱)۔ بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیو بند۔

الجواب صحیح :سید مہدی حسن غفرلہ، ۲۲/۱۲/ ۸۵ھ۔

شیعہ وغیرہ سے نکاح پڑھوانا

سوال[۵۲۹۶]: اگر اہل سنت والجماعت کا نکاح کوئی شیعہ یا غیر مسلم پڑھ دے یعنی خطبہ وایجاب وقبول کوئی شیعہ یا غیر مسلم کرائے تو یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ مثلاً زید کا نکاح اس طرح پر ہوتا ہے کہ زاہد شیعہ نکاح خواں ہے، عمر وبکر لڑکی کی طرف سے گواہ ہیں، زاہد عمر وبکر سے دریافت کرتا ہے کہ ان کا کیا بیان ہے، وہ (عمرو بکر) بیان کرتے ہیں کہ فلاں لڑکی اور فلاں کی بیٹی اتنے مہر پر زید کے نکاح میں دی۔ زاہد (نکاح خواں) زید سے دریافت کرتا ہے کہ آپ کو قبول ہے، یہ اقرار کرتا ہے، اس اقرار کے بعد زاہد خطبہ پڑھتا ہے۔ زید اور لڑکی بالغ ہیں، اہل سنت والجماعت ہیں، گواہ بھی اہل سنت والجماعت ہیں، لیکن زاہد شیعہ ہے۔ تو کیا یہ نکاح عقائدِ احناف کے مطابق درست ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصل ایجاب وقبول شوہر اور بیوی نے کیا، کوئی شیعہ یا غیر مسلم محض خطبہ پڑھے یا اس ایجاب وقبول کی تصدیق زوجین سے کرے تو اس سے نفسِ نکاح میں کوئی خرابی نہیں آئی (۲)، تاہم مستحب اور بہتر یہی ہے کہ کسی

---

(۱) "ویندب إعلانه وتقديم خطبة ..... بعاقد رشيد". (الدر المختار). "فلا ينبغي أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غير عدول". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب كثيراً ما يتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۳/۸، سعيد)

(۲) نکاح خواں کی حیثیت محض ترجمان اور معبر کی ہوتی ہے، لہٰذا غیر مسلم کی نکاح خوانی نفسِ نکاح کی صحت پر اثر انداز نہ ہوگی: "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول". (الهداية : ۲/۳۰۵، شركة علميه ملتان)

"النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدرالمختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

دیندار صالح آدمی سے خطبہ پڑھوایا جائے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند۔

مقرر امام نے نکاح دوسرے کے ذریعہ پڑھوایا

سوال [۵۲۹۷]: ہمارے یہاں جامع مسجد کے پیش امام صاحب نکاح وجنازہ کی نماز پڑھاتے ہیں، چنانچہ ایک آدمی دوپہر کے بعد آیا اور کہا کہ شام ۴/ بجے تشریف لائیں نکاح ہوگا۔ امام صاحب احتیاطاً ایک آدمی کو ساتھ لیکر چلے، کیونکہ رات کو واپس آنا تھا، اندھیری رات ہے، وہ لوگ بھی سواری لئے منتظر تھے، دونوں آدمی سواری میں بیٹھ کر وہاں مغرب میں پہونچے، پھر وہ لوگ اپنے گھر لے گئے، معلوم ہوا یہاں مسجد بھی ہے، امام بھی موجود ہیں، ہمارے امام کو شک ہوا کہ یہ نکاح کیسا ہے؟ ان لوگوں نے اطمینان دلایا کہ طلاق شدہ ہے اور کاغذ لائے تو دیکھا کہ فتویٰ دیوبند موجود تھا جس کا نمبر وغیرہ ہمیں یاد نہیں، ان لوگوں کے پاس مستند با مہر فتویٰ تھا، پھر بھی امام صاحب نے نکاح نہیں پڑھا اور دوسرا آدمی جو ساتھ گیا تھا نکاح پڑھوا دیا۔ ان لوگوں نے نکاح خوانی گھر پہنچادی جس کو امام نے نصفا نصف کر دیا۔ لوگوں نے اعتراض کیا کہ تم نے خود کیوں نہیں پڑھا؟ اور شک تھا تو نکاح خوانی کیوں لی؟ اس وجہ سے امام صاحب نے وہ پیسہ ایک بیوہ عورت کو دے دیا، پھر بھی کچھ آدمی خلاف ہیں، اس پر ہمارے امام پر کیا ہونا چاہئے؟ جواب مرحمت فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر امام صاحب نے تحقیق کر لی اور فتویٰ دیکھ لیا کہ یہ نکاح صحیح ہے، پھر اپنے ساتھی سے کہہ دیا کہ تم نکاح پڑھا دو، ساتھی نے پڑھ دیا، تب بھی امام صاحب پر اعتراض کرنا بیجا ہے اور غلط ہے (۲)، کسی مصلحت

---

(۱) "ويندب إعلانه وتقديم خطبة ...... بعاقد رشيد". (الدر المختار). "فلا ينبغي أن يعقد مع المرأة بلا أحد من عصبتها ولا مع عصبة فاسق ولا عند شهود غير عدول". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً مايتساهل في إطلاق المستحب على السنة: ۸/۳، سعيد)

(۲) وکیلِ نکاح اگر کسی اَور کو نکاح کا وکیل بنائے اور خود بھی حاضر ہو تو اس دوسرے شخص کا نکاح کرانا جائز ہے، لہٰذا نکاح کے خطبہ وغیرہ میں بھی توکیلِ وکیل جائز ہے:

"الوكيل بالتزويج ليس له أن يوكّل غيره، فإن فعل فزوج الثاني بحضرة الأول، جاز". =

سے آدمی خود نکاح نہ پڑھے دوسرے سے پڑھوادے تو یہ بھی درست ہے، کوئی اعتراض کی بات نہیں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۴ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۹/۳/۹۴ھ۔



= (الفتاویٰ العالمكيرية: كتاب النكاح، الباب السادس فى الوكالة بالنكاح وغيره: ۱/۲۹۸، رشيديه)

(وكذا في فتاویٰ قاضي خان، كتاب الوكالة، فصل فى التوكيل بالنكاح والطلاق: ۱/۴۲، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، كتاب النكاح، الفصل السادس عشر فى الوكالة بالنكاح: ۳/۲۴، إدارة القرآن)

فصل فی مجلس العقد وتسجیله

(نکاح کی تقریب اور رجسٹر میں اندراج کا بیان)

نکاح میں شرکت کے لئے غیر مسلموں کو مسجد میں لانا

سوال[۵۲۹۸]: مسجد میں نکاح ہونے پر غیر قوم کو بھی شرکت کی دعوت دینا، مسجد کے اندر ہی لاکر بٹھانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے (۱)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/۸۸ھ۔

مجلسِ نکاح کی زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں پنڈال لگا کر نقش ونگار کرنا

سوال[۵۲۹۹]: مسجد کے اندر اور باہر نکاح کے وقت ہندو مسلمان مل کر بیٹھتے ہیں، اس نکاح کی

---

(۱) غیر مسلم چونکہ اکثر آدابِ مسجد سے ناواقف ہونے کی بناء پر آدابِ مسجد کی رعایت نہیں کرتے جس سے بے حرمتی ہوتی ہے، اس وجہ سے مفتی صاحب نے ان کے داخل ہونے کو نامناسب لکھ دیا، اگرچہ فی نفسہ ان کے مسجد میں داخل ہونے کی گنجائش ہے:

"وقال أصحابنا: يجوز للذمي دخول سائر المساجد". (أحكام القرآن للجصاص، سورة التوبة، مطلب: هل يجوز دخول المشرك المسجد: ۳/۱۳۱، قديمي)

"قلت: في البحر عن الحاوي: ولا بأس أن يدخل الكافر وأهل الذمة المسجد الحرام وبيت المقدس وسائر المساجد لمصالح المسجد وغيرها من المهمات، ومفهومه أن في دخوله لغير مهمة بأساً، وبه يتجه ماهنا، فافهم". (ردالمحتار، كتاب الوقف، مطلب في جعل شئ من المسجد طريقاً: ۴/۳۷۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الوقف، فصل في أحكام المساجد: ۵/۴۲۰، رشيديه)

زیبائش کے لئے مسجد کے صحن میں پنڈال ڈالنا، کپڑوں سے نقش ونگار کرکے اس کوسجانا کیسا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نہیں چاہئے، البتہ سادہ طریقہ پر مسجد میں نکاح کرنا درست ہے(۱)۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/ ۸۸ھ۔

نکاح کو رجسٹر میں درج کرانا

سوال[۵۳۰۰]: مسجد میں نکاح نہ ہونے پر گھر میں نکاح کرنے والوں کو نکاح کا رجسٹر نہ دینا، مسجد میں نکاح کرنے والوں کو ہی نکاح کا رجسٹر دینا، یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

نکاح کو درجِ رجسٹرڈ کرنا شرعاً لازم نہیں (۲)، اگر ضرورت ہو تو مسجد میں سادہ طور پر نکاح کرادیا جائے (۳) اور پھر درج کرادیا جائے یا مکان پر نکاح کرکے رجسٹر میں لکھوادیا جائے۔فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۶/۱۲/ ۸۸ھ۔

---

(۱) "عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها: قالت: قال رسول الله صلی الله علیه وسلم: "أعلنوا هذا النكاح، واجعلوه فی المساجد، واضربوا علیه بالدفوف". رواه الترمذی". (مشکوٰة المصابیح، باب إعلان النکاح والخطبة والشرط، الفصل الثانی، ص: ۲۷۲، قدیمی)

چونکہ طریقۂ مذکورہ کو اختیار کرنا احترامِ مسجد کے خلاف ہے، لہٰذا اس سے اجتناب کرنا چاہیے:"وعن ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم: "ما أمرت بتشييد المساجد". قال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما: " لتزخرفنّها كما زخرفت اليهود والنصاریٰ". (مشكوة المصابيح، كتاب الصلوة، باب المساجد ومواضع الصلوة، الفصل الثانی: ۱/ ۶۹، قدیمی)

(۲) قال المفتی کفایت الله رحمه الله: "اگر ایجاب وقبول دونوں نابالغوں کے ولی نے کیا تو نکاح صحیح ہوگیا، دستخط ہوں یا نہ ہوں"۔(کفایت المفتی: ۵/ ۱۰۵، کتاب النکاح، پانچواں باب ایجاب وقبول ، دارالاشاعت)

(وکذا فی خیر الفتاویٰ: ۴/۲۵۷، ۲۵۸، کتاب النکاح، مکتبه الخیر ملتان)

(وکذا فی فتاویٰ حقانیه: ۴/۳۱۴، ۳۱۵، کتاب النکاح، نکاح نامہ پُر کرنے کی شرعی حیثیت، دارالعلوم حقانیه)

(۳) (راجع، رقم الحاشیة : ۱)

نکاح کا رجسٹر میں اندراج

سوال[۵۳۰۱]: نکاح کا اندراج رجسٹر سرکاری میں نہیں ہوا، کیا اندراج ضروری ہے؟

منظور احمد تحصیل رڑکی، سہارنپور۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

شرعاً ضروری نہیں، البتہ قانون کی روک تھام کے لئے ضروری ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ۔

کیا رجسٹر میں درج نہ ہونے سے نکاح نہیں ہوتا؟

سوال[۵۳۰۲]: مسمّٰی غلام حیدر کا نکاح جبکہ اس کی عمر ۱۳،۱۴/ سال کی تھی، مسماۃ مریم ولد ستار شیخ کے ساتھ جبکہ اس کی عمر ۱۰،۱۱/ سال کی تھی بہ اجازتِ والدین ہوگیا تھا۔ نکاح درجِ رجسٹر زوجین کے نابالغ ہونے کی وجہ سے نہیں ہوا تھا، اس نکاح پر ۴، ۵/ سال کا عرصہ گذر چکا ہے۔

اب جبکہ مسمّٰی غلام حیدر اپنے سسر سے لڑکی کی رخصت کے لئے کہتا ہے تو وہ انکار کرتا ہے اور جواب دیتا ہے کہ کوئی نکاح نہیں ہوا، اور اس نے اپنی لڑکی مریم کا نکاح دوسری جگہ کر دیا ہے جبکہ اس کی لڑکی کو طلاق نہیں ہوئی۔ ایسی حالت میں یہ نکاحِ ثانی درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور جس مولوی صاحب نے یہ نکاحِ ثانی پڑھایا ہے ان کے بارے میں شرعی طور پر کیا حکم صادر ہوتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ستار شیخ نے اپنی نابالغہ لڑکی مسماۃ مریم کا نکاح غلام حیدر کے ساتھ گواہوں کے سامنے کر دیا تو وہ شرعاً

---

(۱) نکاح عاقدین کے ایجاب وقبول کا نام ہے جبکہ یہ دو گواہوں کے سامنے کیا جائے، تاہم آج کل کے حالات کے پیشِ نظر قانونی گرفت سے بچنے کے لئے نکاح کا اندراج رجسٹر میں مستحسن ضرور ہے: "النكاح ينعقد بالإيجاب والقبول يعبر بهما عن الماضي .... ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق كتاب النكاح: ۱۴۴/۳، ۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۷۶/۲، ۱۸۱، إمدادية ملتان)

منعقد اور لازم ہوگیا، اب اس کے بالغ ہونے پر لڑکی شوہر کے مکان پر بھیجنا اور اس کے شوہر کا مطالبۂ رخصتی پورا کرنا لازم ہے، محض رجسٹر میں درج نہ ہونے کی وجہ سے یہ کہنا درست نہیں کہ نکاح نہیں ہوا تھا، ایسی حالت میں اگر لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کیا جائے گا تو وہ شرعی نکاح نہیں ہوگا بلکہ نکاح کے نام پر حرام کاری ہوگی، لڑکی بھی معصیت میں مبتلا ہوگی اور جس سے نکاح کیا جائے وہ بھی معصیت میں مبتلا ہوگا، باوجود علم کے جو شخص اب نکاح پڑھائے گا وہ بھی سخت گنہگار ہوگا(۱) اور جو لوگ ایسے نکاح میں شرکت کریں گے وہ بھی سخت گنہگار ہوں گے(۲) اور قہرِ خداوندی اس سے جوش میں آئے گا، اس لئے ایسا ہرگز نہ کیا جائے۔

اگر اس کا والد اس کا نکاح دوسری جگہ کرنا چاہے تو لڑکی کو لازم ہے کہ ہرگز اس نکاح کو قبول ومنظور نہ کرے، اس کی ہرگز اجازت نہ دے اور رخصت ہوکر ہرگز اس دوسرے شخص کے پاس نہ جائے؛ لقوله تعالیٰ: ﴿حرمت عليكم أمهاتكم (إلى قوله تعالىٰ) والمحصنات من النساء﴾. (الآية) (۳) "ولا يجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، وكذلك المعتدة". فتاویٰ عالمگیری: ۲/ ٦ (٤)۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، یکم/ جمادی الثانیہ/ ۹۰ھ۔

---

(۱) "والفتوى على الترديد إن استعمل مستحلاً كفر، وإلا لا، فإن ارتكب من غير استحلال، فسق".
(شرح الملا على القارى على الفقه الأكبر، فصل فى الكفر صريحاً وكنايةً، ص: ۱۸۸، قديمى)

(۲) قال الله تعالىٰ: ﴿فلا تقعد بعد الذكرى مع القوم الظالمين﴾ (الأنعام: ٦٨)

قال الجصاص الرازي الحنفي: "وذلک عموم فى النهى عن مجالسة سائر الظالمين من أهل الشرک وأهل الملة لوقوع الاسم عليهم جميعاً .... فغير جائز لأحد مجالستهم مع ترک النكير، سواء كانوا مظهرين فى تلک الحال للظلم والقبائح أو غير مظهرين له؛ لأن النهى عام عن مجالسة الظالمين". (أحكام القرآن للجصاص، باب النهى عن مجالسة الظالمين: ۲/۳، دار الكتاب العربى)

(۳) (النساء: ۲۳، ۲۴)

(۴) (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التى يتعلق بها حق الغير: ۱/ ۲۸۰، رشيديه)

(وكذا فى بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل فى شرط ألاتكون منكوحة الغير: ۳/ ۴۵۱، دارالكتب العلمية بيروت) ....

دو پلی ٹوپی اور عمامہ نکاح کے وقت

سوال[۵۳۰۳]: جب بارات جاتی ہے تو سر پر دو پلی ٹوپی (۱) اور عمامہ ضرور رکھا جاتا ہے، اگر کوئی ترک کردے تو اس کو تارکِ سنت کہہ کر ملامت کرتے ہیں۔ تو کیا قبولیت کے وقت عمامہ کا ثبوت ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

عمامہ اور دو پلی ٹوپی ایک پسندیدہ لباس ہے (۲) مگر اس کو مستقلاً سنتِ نکاح قرار دینا درست نہیں (۳)۔ جیسے دیگر اوقات یا نماز کی حالت میں یہ لباس پسندیدہ ہے ایسے ہی وقتِ نکاح بھی ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۵/ ۹۲ھ۔

مروجہ رسوم کی محفل میں نکاح پڑھانا

سوال[۵۳۰۴]: جس نکاح میں رسوماتِ بدعیہ ہوں جیسے گانا بج رہا ہو، دولہا کے پاس راکھی (۴) ہو، ہاتھ میں کنگن ہو، سر پہ سہرا اور چہرہ پر آنچل ڈالا ہو، ایسے دولہا کا نکاح پڑھانا خاص کر ایسے شخص کو جو عالمِ دین

= (وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، المحرمات من النساء، الفصل الثالث، باب المرأة المتزوجة: ۹/ ۶۶۴۲، رشيديه)

(۱) "دو پلی: ایک قسم کی ہندوستانی وضع کی ٹوپی"۔ (نور اللغات، ص: ۸۸، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور)

(۲) "قال النبي صلى الله عليه وسلم: "عليكم بالعمائم، فإنها سيماء الملائكة، وأرخوها خلف ظهوركم". (مشكوٰة المصابيح، كتاب اللباس، الفصل الثالث، ص: ۳۷۷، قديمي)

(۳) قال العلامة عبد الحي اللكنوي: "فكم من مباح يصير بالالتزام من غير لزوم والتخصيص من غير مخصص مكروهاً". (مجموعة رسائل اللكهنوي، سباحة الفكر: ۳/ ۴۰۹، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في السعاية، كتاب الصلاة، باب صفة الصلاة: ۲/ ۲۶۵ سهيل اكيڈمی، لاهور)

(وكذا في مرقاة المفاتيح، كتاب الصلاة، باب الدعاء في التشهد، (رقم الحديث: ۹۴۶)، ۳/ ۳۱، رشيديه)

(۴) "راکھی: ہاتھ رکھشا یعنی محافظت کرنے والا ڈورا، ہندو یہ رنگین ڈورا سلونو کے تہوار میں کلائی پر باندھتے ہیں۔ رکھڑی"۔ (فیروز اللغات، ص: ۶۹۹، فیروز سنز، لاہور)

ہو، لوگوں کو وعظ ونصائح کرتا ہو اور ایسے رسومات مروجہ سے بچنے کی حتی الامکان کوشش کرتا ہو۔ اور ایسی محفلِ عقد میں شریک ہونا مسلمانوں کو از روئے شرع جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسی محفل میں جانا اور نکاح پڑھانا شرعاً ممنوع اور معصیت ہے، خاص کر مقتدیٰ کو بہت احتیاط کی ضرورت ہے: ﴿فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین﴾ الآیة(۱)، تاہم جو نکاح پڑھا جائے گا ان قبائح کے باوجود وہ منعقد ہو جائے گا(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۲۹/ ۸۹ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۲/ ۲۹/ ۸۹ھ۔

---

(۱) (سورة الأنعام: ۶۸)

"رجل اتخذ ضيافةً للقرابة وليمة، واتخذ مجلساً لأهل الفساد، فدعا رجلاً صالحاً إلى الوليمة، قالوا: إن كان بحالٍ لو لم يذهب لا يتركون الفسق ويتركون عند حضوره، كان عليه أن يذهب؛ لأنه نهيٌ عن المنكر. وإن الرجلُ بحالٍ لو لم يُجب لا يمنعهم عن الفسق، لا بأس أن يجيب ويطعم وينكر معصيتهم وفسقهم؛ لأن إجابة الدعوة واجبة أو مندوبة، فلا يمتنع بمعصية اقترنت بها. أما استماع صوت الملاهي كالضرب بالقصب وغير ذالک حرامٌ ومعصية، لقوله عليه السلام: "استماع صوت الملاهي معصية والجلوس عليها فسوق". (فتاوى قاضي خان، كتاب الحظر والإباحة: ۳/ ۴۰۲، رشيديه)

"وإن علم أولاً باللعب لا يحضر أصلاً، سواء كان ممن يقتدي به أولا؛ لأن حق الدعوة إنما يلزمه بعد الحضور لا قبله". (الدر المختار، كتاب الحظر والإباحة: ۶/ ۳۴۸، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب الكراهية: ۴/ ۴۵۳، امدادية ملتان)

(وكذا في تفسير روح المعاني: ۲۱/ ۷۸، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۲) "إنما ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مكتبة شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۴۴، رشيديه)

غلط رسموں کے ساتھ نکاح

سوال[۵۳۰۵]: شادی بیاہ میں کنگن پہننا، منڈوا گاڑنا، مقنعہ ڈالنا، سہرا باندھنا، ہتھیلی یا زور بند باندھنا، غرضیکہ تمام کام خلافِ شریعت ہوں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ناجائز افعال کا گناہ مستقل ہے(۱) لیکن نکاح پھر بھی درست ہوجاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ۔

مجلسِ نکاح میں کلمہ پڑھوانا اور زوجین سے ایجاب وقبول کرانا

سوال[۵۳۰۶]: مشرقی یوپی کے بعض مقامات پر دولہا اور دولہن کو اکٹھا بٹھا کر نکاح پڑھواتے ہیں، دولہا سے تین مرتبہ ایجاب وقبول کرواتے ہیں اور دولہن سے بھی اسی طرح ایجاب وقبول کراتے ہیں، اگر دولہن سے ایجاب وقبول نہ کرائیں تو کہتے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لوگ کہتے ہیں جس طرح طلاق تین دفعہ ہے اسی طرح نکاح میں ایجاب وقبول بھی تین دفعہ ہے۔ اور نکاح سے پہلے کلمہ پڑھانا ضروری قرار دیتے ہیں۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس طریقے کی پابندی کرنا کوئی شرعی حکم نہیں، مجلسِ عقد میں دولہن موجود نہ ہو، اس کی طرف سے اس کا کوئی ولی یا وکیل قاضی وغیرہ ایجاب وقبول کرلے تب بھی درست ہے(۳)۔ ایک دفعہ بھی ایجاب وقبول

---

(۱) ''منڈوا: ایک ادنیٰ قسم کا غلی۔ تھیٹر، تماشا گاہ، پنڈال، شامیانہ''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۹۳، فیروز سنز، لاہور)

مقنعہ: وہ باریک کپڑا جو دولہن کے سہرے کے نیچے باندھتے ہیں۔ باریک چادر جو عورتیں پردے کے لئے چہرے پر ڈالتی ہیں''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۷۵، فیروز سنز، لاہور)

(۲) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)
(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مكتبه شركة علمية ملتان)
(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول في تفسيره شرعاً الخ: ۱/ ۲۶۷، رشيديه)

(۳) قال العلامة الحصكفي: "وينعقد بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر ...... كزوجت نفسي أو بنتي =

کافی ہے(۱)۔طلاق کی کئی قسمیں ہیں، ایک دفعہ دینے سے بھی طلاق ہوجاتی ہے اس کا اَور حکم ہے(۲)، تین دفعہ دینے سے بھی ہوجاتی ہے اس کا اَور حکم ہے(۳)، نکاح کی یہ قسمیں نہیں، پس طلاق پر اس کو قیاس کرنا غلط ہے۔کلمہ پڑھوانا بھی ضروری نہیں وہ تو خود پہلے سے ہی مسلمان ہیں۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۹۴/۲/۱۶ھ۔

بغیر کلمہ پڑھائے نکاح

سوال [۵۳۰۷]: مورخہ ۱۵/ جون ۱۹۸۶ء کو محمد محمود ولد علی کی شادی مقرر تھی جس میں میرے والد کو نکاح خوانی کے لئے جانا تھا لیکن بوجۂ بزرگی وہ نہ جا سکے، بندہ گھر پر موجود تھا، مجھے انہوں نے کہا کہ آپ جا کر نکاح کرائیں، بندہ ان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے چلا گیا۔وہاں ڈھول وغیرہ گانے بجانے کے لئے آئے ہوئے تھے جو کہ مجھے دیکھ کر جانے لگے۔

میں نے دیکھا کہ ڈھول بج رہا ہے اور ۴، ۵/ سال کے بچے ڈانس کررہے ہیں، بڑا دکھ ہوا کہ مسلمان

= أو مؤكلتي منك". (الدرالمختار). "(قوله: كزوجت نفسي) أشار إلى عدم الفرق بين أن يكون المؤجب أصيلاً أو ولياً أو وكيلاً". (رد المحتار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب السادس في الوكالة بالنكاح: ۱/۲۹۴، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۲۲، دارالكتب العلمية بيروت)

(۱) "وينعقد بالإيجاب والقبول ..... فإذا قال لها: أتزوّجك بكذا فقالت: قد قبلتُ، يتم النكاح".

(الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح: ۱/۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۴۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۵، شركة علمية ملتان)

(۲) "وإذا طلق الرجل امرأته تطليقةً رجعيةً أو رجعتين، فله أن يراجعها في عدتها رضيت بذلك أو لم ترض". (الفتاوىٰ العالمكيرية: ۱/۴۷۰، الباب السادس في الرجعة، رشيديه)

(۳) "وإذا قال لامرأته: أنت طالق وطالق وطالق ولم يعلقه بالشرط، إن كانت مدخولةً، طلقت ثلاثاً".

(الفتاوىٰ العالمكيرية ۱/۳۵۵، الباب الثاني في إيقاع الطلاق، رشيديه)

(وكذا في الدر المختار: ۳/۲۹۴، باب طلاق غير المدخول بها، سعيد)

کا بچہ بسم اللہ پڑھتا ہے تو خداوند تعالیٰ اس کے ماں باپ کو بخش دیتے ہیں اور آج یہ بچے شیطان کے شیدائی ہیں۔ بندہ نے جا کر سلام کیا اور ڈھول بند کرا کر بچوں کو ڈانٹا، تمام بچوں کے والدین کو طلب کیا، جس کی شادی تھی اسے بھی طلب کیا، مسئلہ بیان کیا اور کہا کہ اسے بند کیا جائے، انہوں نے کہا کہ ہم بھی تو جانتے ہیں لیکن بند نہیں کریں گے۔

میں نے عرض کیا کہ میں نے خدائی حکم سنانا تھا، ہدایت اللہ دے سکتا ہے میں نہیں، لیکن میں آپ کی ڈھول والی برات کے ساتھ نہیں جاؤں گا، میں یہ کہہ کر چلا آیا۔ چند آدمی جو اسلامی قدر جانتے تھے وہ مجھے واپس بلا کر لے گئے اور کہنے لگے: اس سے قبل ۴/ افراد نے اس ماہ ڈھول بجایا ہے اگر آپ ان پر اسلامی تعزیرات لگائیں گے تو ہم ابھی ڈھول واپس کر دیں گے، میں نے کہا انشاء اللہ، اگر آپ لوگوں کا ساتھ ہوا تو ضرور ان پر تعزیرات لگائی جائے گی۔

جب علی محمد گھر واپس آئے تو انہوں نے کہا کہ اگر صرف دو ڈھول اور ایک آدمی جائے گا تب بھی ڈھول بجا کر جاؤں گا، اس پر محلّہ کے لوگوں کو جوش آیا کہ ایک طرف امام صاحب قرآن وحدیث کا ثبوت دیتے ہیں اور یہ لوگ پھر بھی نہیں مانتے تو اس پر لوگوں کو جوش آیا، اعلان کیا کہ جو لوگ قرآن وحدیث پر چلنے والے ہیں وہ امام صاحب کے پیچھے اور جو لوگ شیطان کی پیروی کرنا چاہتے ہیں وہ ڈھول کے ساتھ جاؤ۔ اس پر ۴/ افراد امام صاحب کے ساتھ اور ۲۲/ افراد ڈھول والی بارات کے ساتھ چلے گئے، ۲۲/ کے بارے میں امام صاحب نے اعلان کیا کہ اب ان کا نکاح کوئی مسلمان نہیں پڑھ سکتا ہے۔

جب لڑکی والے کے گھر بارات گئی تو عقدِ نکاح کے لئے کوئی مسلمان تیار نہ ہوا، انہوں نے کہا جب امام صاحب کا اعلان ہے تم نہیں پڑھا سکتے، اس پر وہاں کا قاضی جو دور موجود تھا وہاں بھی گئے، اس نے کہا کہ امام صاحب کو بلا کر لاؤ اور ڈھول بند کرو، ہم تحقیقات کریں گے، پھر نکاح پڑھا جائے گا۔ بندہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا، تمام واقفیت کرائی۔ تب تک محمد رفیق ولد فیروز الدین نکاح پڑھانے لگا، نہ ہی اس نے چھ کلمے سیکھے، صفتِ ایمان، دعائے قنوت اور نہ ہی نماز کا سبق آتا ہے نہ روزہ رکھتا ہے اور نہ نماز پڑھتا ہے اور نہ ہی نکاح کے ارکان جانتا ہے۔ اس نے نکاح کی رسم ادا کی اور لڑکی کو لے کر لڑکے کے گھر چلے گئے۔

بندہ نے ۱۶/ جون کو اپنے گاؤں کے اسلامی آدمیوں کی کمیٹی طلب کی، جس میں نوٹس جاری کی گئی کہ یہ

۲۴/ افراد آ کر صفائی پیش کریں ورنہ ان لوگوں کے ساتھ اسلامی بائیکاٹ کیا جائے گا، جن پر مورخہ ۱۷/ کو ان میں ۱۴/ افراد حاضر ہوئے، انہوں نے آ کر ۲۲/ افراد کی طرف سے غلطی مان لی، اس اسلامی کمیٹی میں قاضی و چند مولوی صاحب تھے۔

ڈھول بجانے والے کو ۲۰۰/ روپے جرمانہ باقی جو لوگ بارات کے ساتھ گئے تھے، ۶۰/ روپیہ جرمانہ ڈال کر توبہ وغیرہ کرائی، جرمانہ ادا ہوگیا، مسکینوں کو پیسہ دیا گیا اور نکاح کے بارے میں دریافت کیا گیا تو لڑکے کے باپ نے کہا نکاح کیا تھا۔ ایسے ہی اس لڑکے نے کاپی دیکھ کر کلمہ وغیرہ پڑھائے تھے جب کہ اسے آتے ہی نہیں تھے۔ ہم نے دریافت کیا کہ لڑکا نماز کا پابند ہے یا نہیں؟ کہا لڑکا نماز جانتا ہی نہیں، لڑکا روزے رکھتا ہے کہ نہیں؟ کہا نہیں۔ تو اس پر علمائے کرام نے کہا پھر اس لڑکے کا نکاح نہیں ہے اس کا نکاح ٹوٹ گیا اور یہ نکاح علی محمد کے لڑکے کا آپ جا کر کرائیں۔

بندہ نے باقاعدہ صفائی لے کر کہ اس نے ازدواجی زندگی تو اختیار نہیں کی ہے، جب حلفی شہادت مل گئی، بندہ نے نکاح پڑھا، محمد رفیق ولد فیروز الدین کو نوٹس جاری کیا کہ مورخہ ۲۲/ جون کو اپنی صفائی پیش کریں، کیونکہ آپ کا نکاح ٹوٹ گیا ہے، لیکن وہ یہ سن کر اپنی ڈیوٹی پر چلا گیا۔

بندہ کے پاس محمد رفیق کا سسر آیا، بندہ نے اس سے کہا آپ محمد رفیق کو لاؤ اس سے بیان لے کر تحقیق کی جائے گی۔ جب لڑکا آیا تو اس کی جگہ غلط بحث کرنے کے لئے صوفی سید محمد اور محمد رشید تیار ہوگئے کہ لڑکے کا نکاح نہیں ٹوٹا ہے۔ بندہ نے کہا کہ اگر نہیں ٹوٹا ہے تو عالم کو فتوی لکھو جو حکم وہ قرآن وحدیث سے دیں اس پر عمل کرنا ہوگا، لیکن پھر بھی غلط باتیں کہتے رہے۔

آخر کار بندہ نے بھری مجلس میں کہا کہ لڑکے کو لاؤ، چھ کلمے، صفت ایمان، دعائے قنوت اگر لڑکا محمد رفیق سنادے تو پھر اس کا نکاح نہیں ٹوٹا بلکہ میرا ٹوٹ گیا ہے، میرا پھر دوبارہ نکاح پڑھو، کیونکہ میں نے نوٹس جاری کیا ہے کہ اس کا نکاح ٹوٹ گیا ہے، کیونکہ جب اعلان تھا ایک طرف اسلام اور کفر کا اور اس نے بھی کفر کا ساتھ دیا ہے، دوسرے اسلام سے واقفیت بھی نہیں ہے۔

لڑکا حاضر ہوا پہلا کلمہ بھی نہیں سنایا، اس پر باقی مسلمانوں نے کہا کہ اب اس پر جرمانہ لگایا جائے۔ بندہ نے کہا جرمانہ تو لگائیں گے لیکن اس کا نکاح بھی دوبارہ پڑھنا ہے۔ اس پر بندہ نے ۵۰/ روپیہ محمد رفیق پر لگائے

اورصوفی سید محمد کو کہا کہ اگر آپ کو میرے نکاح پڑھنے سے شرم آتی ہے تو خود جا کر پڑھائیں اور آپ کی جو ذمہ داری ہے کہ لڑکے کو چھ کلمے اور صفت ایمان اور دعائے قنوت اور نماز کا سبق پڑھائیں، اسے الحمد کی قسم بھی دی تھی۔ سننے میں آیا کہ وہ لوگ مولود والوں کے پاس سے فتویٰ لائے ہیں کہ نکاح نہیں ٹوٹا ہے اس لئے انہوں نے نکاح دوبارہ نہیں پڑھوایا ہے، جب توبہ جرمانہ وغیرہ ادا ہو چکا ہے۔ لہٰذا اس مسئلہ کے بارے میں قرآن پاک و حدیث کی روشنی میں جواب سے نوازیں اور صوفی سید محمد اور محمد رشید جو کہ غلط بحث کرتے ہیں ان کے بارے میں بھی واضح فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بے علمی اور جہالت کی باتیں پڑھ کر بہت افسوس ہوا کہ مسلمان کلمہ اور صفت ایمان سے بھی واقف نہیں، پھر اور مسائل کا کیا ذکر۔ صورتِ مسئولہ میں اگر نکاح کا ایجاب وقبول دو گواہوں کی موجودگی میں کرادیا گیا تو وہ نکاح شرعاً صحیح ہوگیا، اگرچہ ایجاب وقبول کرنے والا خود کلمے اور نماز وغیرہ سے ناواقف ہو(۱) اور نکاح پڑھانے والے یا انکار کرنے والے یا تقریر کرنے والے کسی کا نکاح نہیں ٹوٹا، سب کا نکاح اپنی جگہ برقرار ہے۔ مالی تعزیر شرعاً درست نہیں، جس جس پر تعزیر کی گئی وہ غلط کی گئی، کذا فی البحر الرائق(۲)۔ باجہ وغیرہ بھی ممنوع ہے(۳)۔ نکاح کو سنت طریقہ پر انجام دیا جائے جو کہ ایجاب وقبول سے دو

---

(۱) "و ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما و قبول من الآخر .... و شرط سماع كل من العاقدين لفظ الآخر، ليتحقق رضاهما، و شرط حضور شاهدين حرين مكلفين، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۹/۳، ۲۱، ۲۲، سعيد)

(و كذا في الهداية، كتاب النكاح: ۳۰۵/۲، ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(و كذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۷۶/۲، ۱۸۱، ۱۸۲، مكتبه امداديه ملتان)

(۲) "والحاصل أن المذهب عدم التعزير بأخذ المال". (البحر الرائق، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۶۸/۵، رشيديه)

(و كذا في رد المحتار، كتاب الحدود، مطلب في التعزير بأخذ المال: ۶۲/۴، سعيد)

(و كذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الحدود، فصل في التعزير: ۱۶۷/۲، رشيديه)

(۳) "و في البزازية: استماع صوت الملاهي كضرب قصب و نحوه حرام، لقوله عليه السلام: "استماع =

گواہوں کے سامنے منعقد ہوجاتا ہے(۱)۔ خطبہ پڑھنا مستحب ہے اور نکاح بغیر خطبہ کے بھی درست ہوجاتا ہے(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۲/۱۰/۸۰۴ھ۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھانا

سوال[۵۳۰۸]: اس طرف امام صاحب بوقتِ نکاح دولہا و دولہن کو ایجاب وقبول وکلمہ وغیرہ پڑھاتے ہیں دلہن بالغہ ہو یا نابالغہ، بعض آدمی اس پر معترض ہوئے کہ بالغہ سے کلام نہ کرنا چاہئے، امام صاحب نے کہا اس میں کیا نقصان ہے؟ دریافت طلب یہ امر ہے کہ شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟ آیا ایجاب وقبول وکلمہ وغیرہ دونوں کو پڑھانا چاہئے یا صرف دولہا کو؟ اگر صرف دولہا کو تو دولہن کو پڑھانا ثواب ہے یا گناہ؟ مع دلیل تحریر فرمائیں۔

ازبیاور ضلع اجمیر، عبدالوہاب۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

بوقتِ عقدِ نکاح کلمہ پڑھانا احادیث اور صحابہ اور مجتہدین سے منقول نہیں، البتہ اگر دولہا و دولہن کے متعلق علم ہو کہ ان کے عقائد اچھے نہیں خلافِ شرع ہیں تو جس کے عقائد خلاف شرع ہوں ان کو تجدیدِ ایمان کے لئے کلمہ پڑھانا ضروری ہے اور جس کے عقائد موافق شرع ہوں اس کو ضروری نہیں، ہر جگہ اس کا التزام کرنا غلطی ہے، خاص کر جب کہ دولہن کو کلمہ پڑھانے میں فتنہ کا اندیشہ ہو اس کی آواز کی وجہ سے، یا لوگوں کی بدگمانی اور اعتراض کی وجہ سے۔

= صوت الملاهي معصية، الخ". (ردالمحتار، كتاب الحظر والإباحة، فصل في البيع: ۳۴۹/۶، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الكراهية، فصل في البيع: ۳۸۰/۸، رشيديه)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، فصل في صفة الأذكار، ص: ۳۱۹، قديمي)

(۱) (راجع، ص ۶۰۹، رقم الحاشية: ۱)

(۲) "و يندب إعلانه و تقديم خطبة" (الدر المختار، كتاب النكاح: ۸/۳، سعيد)

(وكذا في فتاوى دار العلوم ديوبند، باب: متعلقات نکاح: ۱۵۹/۷، مكتبه امداديه ملتان)

اور اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم نہ ہو، بلکہ بظاہر اس کا عقیدہ درست معلوم ہوتا ہوتو پھر اس کوکلمہ پڑھانے کی کوئی ضرورت نہیں، خطبۂ مسنونہ پڑھ کر ایجاب وقبول کرادیا جائے، ہاں اگر اس کے عقیدہ کی خرابی کا علم ہوتو ضرور تجدید ایمان کرائی جائے، ایسی حالت میں بالغہ کوبھی زور سے اس طرح کلمہ پڑھانا چاہئے کہ آس پاس کے ایک دو آدمی کم ازکم ضرورسن لیں، نابالغہ کو پڑھانے کی کیا ضرورت ہے؟ اگر احتیاطاً بلا التزام وبلا مفاسد پڑھایا جائے تو زور سے پڑھانا ضروری نہیں آہستہ کافی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ۵/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۱۳/ جمادی الاولیٰ/ ۵۸ھ۔

نکاح کے وقت کلمہ پڑھنا

سوال[۵۳۰۹]: اگر کسی شخص نے کلمہ نہیں پڑھا ہے اور اس کی شادی ہورہی ہے تو کیا نکاح پر بھی کوئی اثر پڑسکتا ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

الف: نفسِ ایمان تو کلمۂ شہادت کی تصدیق واقرار سے حاصل وثابت ہوہی جائے گا۔ البتہ اس کے درجات بہت ہیں۔ ایک درجہ شش کلمات سے حاصل ہوتا ہے ان کو نہ پڑھنا نہ سیکھنا بڑی محرومی ہے۔

ب: شہادتین کی تصدیق حاصل ہونے کے بعد ارکان کی ادائیگی جب صحیح طور پر ہوتو اس کو غلط یا ناقص نہیں کہا جائے گا۔ البتہ ایمان کی پختگی وتجدید کے لئے کلمہ پڑھتے رہنا لازم ہے، اور یہ افضل الذکر ہے، کما ورد فی الحدیث.

---

(۱) "عن إسمٰعيل بن إبراهيم، عن رجل من بني سليم قال: خطبت إلى النبي صلى الله عليه وسلم أمامة بنت عبد المطلب، فانكحني من غير أن يتشهد". (سنن أبي داؤد، باب في خطبة النكاح: ۱/ ۲۸۹، امداديه ملتان)

مفتی کفایت اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "کلمہ پڑھانا نکاح میں نہ داخل ہے نہ مسنون"۔ (کفایت المفتی، الباب الثامن، کتاب النکاح، عنوان: نکاح کا شرعی طریقہ: ۵/ ۱۵۱، دارالاشاعت کراچی)

ج: کلمہ پڑھائے بغیر بھی نکاح صحیح ہو جائے گا، کیونکہ وہ پہلے سے ہی مسلمان ہے، نکاح کے وقت مسلمان کو کلمہ پڑھانا شرعاً لازم نہیں۔ پڑھا دیا جائے تو بھی درست ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۱/۶/۹۳ھ۔



فتاوی محمودیہ

اربابِ فتاویٰ، اہلِ علم اور شائقینِ مطالعہ کے لئے

مفتی اعظم ہند مولانا **محمود حسن گنگوہی** رحمہ اللہ تعالیٰ

کے

فتاویٰ کے دس ہزار سے متجاوز جزئیات پر حاوی ایک انمول تحفہ!!!

فضل مولی ابن القاضی فضل خالق

فصل فی الشھود فی النکاح

(نکاح میں گواہوں کا بیان)

نکاح میں خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنانا

سوال[۵۳۱۰]: فتاوی عالمگیری :۲/۸۴۳(۱) میں ہے کہ اگر کسی نے نکاح میں خدا اور رسول کو گواہ بنایا اور اس طرح کہا میں نے خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنایا، تو کافر ہو جائے گا۔ اور اگر اس نے کہا کہ دائیں اور بائیں ہاتھ کے فرشتوں کو گواہ بنایا تو کافر نہیں ہوگا۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

فتاوی عالمگیری کی عبارتِ مسئولہ یہ ہے:"رجل تزوج امرأةً، ولم يحضر الشهود، قال: "خدائے را و رسول را گواه کردم" أو قال: "خدائے را وفرشتكان را گواه کردم" كفر. ولو قال: "و فرشتهٔ دستِ راست گواه کردم، وفرشتهٔ دستِ چپ را گواه کردم" لايكفر، كذا في الفصول العمادية". عالمگیری مصری، ص: ۲٦٦، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتد(۲)۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ ہر جگہ، ہر وقت حاضر و ناظر ہونا اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے، کسی اور فرشتہ یا پیغمبر کے لئے بھی یہ ثابت کرنا درست نہیں، بلکہ شرک ہے۔ جس نے کسی عورت سے نکاح کیا اور وہاں کوئی گواہ سامنے نہیں تھا، بلکہ خدا اور رسول کو گواہ بنایا تو اس نے رسول (کو) خدا کی طرح حاضر ناظر مانا، یا تمام فرشتوں کو گواہ بنایا تو ان کو خدا کی طرح حاضر ناظر مانا، لہٰذا یہ مشرک ہو گیا۔ اگر داہنے یا بائیں ہاتھ کے کاتبِ اعمال

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بالأنبياء عليهم السلام الخ: ۲/ ۲٦٦، رشيديه)

(۲) (الفتاوى العالمكيرية، المصدر السابق)

فرشتوں کو گواہ بنایا تو اس سے مشرک نہیں ہوا، اس لئے کہ وہ ہر وقت اور ہر جگہ اس کے ساتھ موجود رہتے ہیں، خدائے پاک کی طرف سے مسلط ہیں، دوسرے کسی فرشتہ کی یہ شان نہیں۔ تو نکاح دونوں صورتوں میں نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ۔

خدا اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کرنا

سوال[۱۱۱۵۳]: زید ایک بیوہ عورت کو لے کر وطن سے دوسری جگہ دور چلا گیا اور وہاں پہونچ کر بیوہ عورت نے زید سے راضی خوشی میں کہا کہ میں بعوض ۳۰۰/ روپیہ مہر پر آپ کے نکاح میں آنا منظور کرتی ہوں، زید نے خدا اور رسول کو گواہ قرار دیکر بعوض ۳۰۰/ روپیہ مہر پر بیوہ عورت کو قبول کیا (منظور کرلیا)۔ نکاح کے وقت زید اور بیوہ عورت ان دونوں فرد کے سوا اور دوسرا کوئی فرد نہیں تھا اور دونوں ساتھ میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، کچھ عرصہ بعد اس سے بچہ پیدا ہوا۔ بچے کو حلالی قرار دیا جائے گا یا حرامی؟ زید کا نکاح ہوا یا نہیں؟ قرآن وحدیث کے حوالہ سے جواب سے مطلع فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلياً:

اس طرح نکاح کرنے سے نکاح نہیں ہوتا(۲)، انعقادِ نکاح کیلئے دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا مجلسِ عقد میں بطورِ گواہ ایجاب وقبول سننا ضروری ہے(۳)، تنہائی میں نکاح نہیں ہوتا۔ خدا اور رسول کو گواہ بنا کر

---

(۱) "ومن تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، لايجوز النكاح، كذا في التجنيس و المزيد". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۸، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، ۳/۱۵۵، رشيديه)

(۲) "رجل تزوج امرأة بشهادة الله ورسوله، كان باطلاً، لقوله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "لانكاح إلا بشهود". وكل نكاح يكون بشهادة الله وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله تعالىٰ عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر". (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ۱/۳۳۴، رشيديه)

(۳) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أورجل =

نکاح کرنے سے ایک قول پر ایمان سلامت نہیں رہتا ہے، کتب فقہ فتاوی قاضی خاں وغیرہ میں لکھا ہے کہ اس طرح نکاح کرنے سے آدمی ایمان سے خارج ہوجاتا ہے، کیونکہ اس نے خدائے پاک کی طرح حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس کو بھی حاضر ناظر اور عالم الغیب اعتقاد کیا۔

ایسے نکاح سے جو اولاد پیدا ہو، اس کے ثابت النسب اور غیر ثابت النسب ہونے کو کیا دریافت کرتے ہیں۔ اس مرد اور عورت کو سچی توبہ کرا کے کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا جائے:

"رجل تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، كان باطلاً، لقوله صلى الله عليه وسلم: "لانكاح إلا بشهود". وكل نكاح يكون بشهادة الله. وبعضهم جعلوا ذلك كفراً؛ لأنه يعتقد أن الرسول صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب، وهو كفر"(١)۔

"ماكان في كونه كفراً اختلاف، فإن قائله يؤمر بتجديد النكاح وبالتوبة والرجوع عن ذلك بطريق الاحتياط"(٢)۔

اس کے بعد گواہوں کے سامنے باقاعدہ نکاح کرایا جائے، اور جو اولاد پہلے نکاح سے پیدا ہوچکی ہے اس کو اولادِ زنا کہنے سے بھی احتیاط کیا جائے۔ یہی صورت احوط ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

= وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ٢/٣٠٦، شركة علمية ملتان)

(وكذا في الدرالمختار، كتاب النكاح: ٣/٢١، ٢٢، سعيد)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ٣/١٥٥، رشيديه)

(١) (فتاوىٰ قاضي خان على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، فصل في شرائط النكاح: ١/٣٣٤، رشيديه)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ١/٢٦٨، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ٣/٣٢٠، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ٣/١٥٥، رشيدية)

(٢) (مجمع الأنهر، باب المرتد: ١/٦٨٨، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب السير، الباب التاسع في أحكام المرتدين، منها ما يتعلق بتلقين الكفر: ٢/٢٨٣، رشيديه)

اللہ کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا

سوال[۵۳۱۲]: عنایت اللہ نے ایک غیر مسلم شادی شدہ عورت سے ناجائز تعلق پیدا کرلیا اور اس کو اپنے گھر لے آئے، لوگوں کے دریافت کرنے پر کہا کہ میں نے اس کو مسلمان کرلیا ہے اور نکاح کرلیا ہے، لال محمد نے نکاح پڑھایا جو مر چکے، گواہ اللہ میاں تھے۔ ایسی صورت میں یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر عورت مسلمان ہونے کا اقرار کرتی ہے تو وہ مسلمہ ہے، لیکن وہ عنایت اللہ کی بیوی نہیں، عنایت اللہ کا نکاح اس سے منعقد نہیں ہوا: "ولا ینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین مسلمین رجلین، أو رجل وامرأتین". هدایه(۱)۔

نکاح کے لئے دو مردوں، یا ایک مرد اور دو عورت کا موجود ہونا ضروری ہے، صرف اللہ میاں کی گواہی صحتِ نکاح کے لئے کافی نہیں (۲)، اللہ میاں تو ہر چیز کو دیکھتے ہیں حلال ہو یا حرام۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۸۹/۲/۲۵ھ۔

ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی نکاح میں

سوال[۵۳۱۳]: ایک بالغہ عورت نے شوہر کے ماں باپ اور بہن کو شاہد بنا کر اپنے دیور سے شادی کرلی ہے۔ تو شرعاً یہ شہادت معتبر ہے یا نہیں، جبکہ عورت کے کسی رشتہ دار کو نکاحِ ثانی کا بالکل علم نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر بہن بالغہ ہے تو شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگیا ہے، کیونکہ بالغہ کو اپنا نکاح اپنے کفو میں کرنے کا اختیار

---

(۱) (الهدایة، کتاب النکاح: ۳۰۶/۲، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی الدر المختار، کتاب النکاح: ۲۱/۳، ۲۲، سعید)

(وکذا فی فتح القدیر، کتاب النکاح: ۱۹۹/۳، مصطفی البابی الحلبی مصر)

(۲) "ومن تزوج امرأةً بشهادة الله ورسوله، لا یجوز النکاح، کذا فی التجنیس والمزید". (الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۲۶۸/۱، رشیدیه)

(وکذا فی مجمع الأنهر، کتاب النکاح: ۳۲۰/۱، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۱۵۵/۳، رشیدیه)

حاصل ہے(۱)اور دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کا گواہ ہونا ضروری ہے(۲)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔
حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند،۳/۱۱/ ۸۸ھ۔

نکاح کے لئے گواہ کم از کم کتنے ہوں؟

سوال[۵۳۱۴]: ۱......اگر کوئی مقام کفرستان ہو اور مسلمان دور دراز فاصلہ پر ہوں، محض ایک ہی مسلمانوں کا گھر ہو، نیز لڑکی جوان العمر عاقلہ بالغہ ہو اور لڑکا بھی جوان ہو، وہ ہر دو روبرو ایک مرد اور ایک عورت کے اپنا نکاح کرلیں، مجبوری و مسلمان نہ ہونے واندیشہ نیز حرام سے بچنے کی غرض سے۔کیا نکاح جائز ہے؟

۲......ہر دو گواہاں مرد و عورت کے ہمراہ ایک لڑکی مسلمان چودہ سالہ جس کو کئی مرتبہ حیض آچکا ہے وہ بھی بوقتِ نکاح موجود ہوتی ہے، کیا لڑکی کی شہادت از روئے شرع معتبر ہے؟ حضرت مولانا حافظ محدث اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تحریر فرمایا ہے کہ ہر دو استفتاء موافق چھ سوالات از روئے شرع محمدی نکاح ہو گیا ہے، یہ نہیں ٹوٹ سکتا؟ مگر بکر کہتا ہے کہ مدرسہ سہارنپور کا فتویٰ بمعہ آیاتِ قرآن واحادیث مستفسرہ، معہ مہر مدرسہ ہونا چاہئے۔

۳......اگر بکر دوسری جگہ دختر کو دیدے تو جو افعال حرام ہوگا اس کا عذاب کس کی گردن پر ہوگا؟ کیا دوسری جگہ دینا جائز ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱،۲......حنفیہ کے نزدیک ایجاب وقبول کم از کم دو عاقل مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے ہونا

---

(۱) "فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، والأصل أن كل من تصرف في ماله تصرف في نفسه و مالا: أي للولي .... الاعتراض في غير الكفو، الخ". (الدرالمختار، باب الولي: ۳/ ۵۵، سعيد)
(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، شركة علمية ملتان)
(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/ ۱۵۵، رشيديه)
(وكذا في سكب الأنهر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/ ۳۲۰، دارإحياء التراث العربي بيروت)

ضروری ہے، ایک مرد اور ایک عورت کی گواہی سے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اگر ایک مرد اور دو عورتوں نے ایجاب وقبول نکاح باقاعدہ سنا ہے تو ان کی شہادت معتبر ہے، اور چودہ سالہ لڑکی کی جب کہ وہ بالغہ ہے شہادت معتبر ہے(۱)۔

۳.....تاوقتیکہ یہ معلوم نہ ہو کہ نکاح شریعت کے موافق منعقد ہوا یا نہیں، اس پر حکم نہیں لگایا جاسکتا، اگر نکاح کے منعقد ہونے کی صرف یہی صورت ہے جو کہ پہلے سوال کے نمبر:ا و۲ میں مذکور ہے تو شرعاً نکاح نہیں ہوا، بکر کو جائز ہے کہ اپنی دختر کا نکاح اس کی رضامندی سے دوسری جگہ کردے، ہاں اگر دختر دوسری جگہ رضامند نہ ہو تو زید ہی سے دوبارہ باقاعدہ نکاح کردے، دختر بالغہ کی مرضی کے خلاف بکر کو کسی جگہ اس کا نکاح کرنا جائز نہیں اور پہلے سوال نمبر:ا و۲ میں جو الفاظ ہیں وہ کافی نہیں۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا فتویٰ ہمارے سامنے نہیں، معلوم نہیں وہاں کیا سوال لکھا گیا ہے؟ اور انہوں نے کیا جواب مرحمت فرمایا ہے؟ اس لئے اس کے متعلق کچھ نہیں لکھا جاسکتا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳/۵/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۳/ جمادی الاولی/ ۱۳۵۶ھ۔

باپ بھائی کی شہادت سے نکاح

سوال[۵۳۱۵]: اگر کسی عقد میں لڑکی کا والد اور بالغ بھائی گواہ کی حیثیت سے ہوں اور قاضی صاحب نے بھائی کے ایک دوست کی موجودگی میں نکاح پڑھایا ہو اور قاضی صاحب نے مذکورہ اشخاص کی موجودگی میں پردہ کی آڑ سے لڑکی سے ایجاب وقبول کرایا ہو تو کیا شرعاً عقد درست ہو جائے گا؟ جبکہ عقد کے

---

(۱) قال العلامة المرغيناني رحمه الله تعالىٰ: "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية، ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۲۱، ۲۲، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۵۵، رشيديه)

وقت صرف ایک بھائی، لڑکی کا باپ اور قاضی اور بھائی کا ایک دوست موجود تھے؟

الجواب حامداًومصلیاً:

درست ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند۔

نکاح میں باپ اور بھائی کی گواہی

سوال[۵۳۱۶]: ایک مرد اور ایک اجنبیہ عورت میں تعلق قائم ہوا، جب ایک مرتبہ لڑکی کا خط پکڑا گیا تو تعلق ظاہر ہوا، اب لڑکی کہتی ہے کہ میری شادی ۱۵/ رمضان رات میں بارہ بجے ہوچکی ہے۔ میرے باپ اور بھائی گواہ ہیں۔ تو اس کا نکاح ثابت ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر والد اور بھائی کے سامنے نکاح کا ایجاب وقبول ہوا تو یہ بھی صحتِ نکاح کیلئے کافی ہے(۲)،

---

(۱) "(أمر) الأب (رجلاً أن يزوّج صغيرته فزوجها عند رجل أو امرأتين) والحال أن (الأب حاضر صح)؛ لأنه يجعل عاقدًا حكماً (وإلالا، ولو زوج بنته البالغة) العاقلة (بمحضر شاهد واحد، جاز)".

(الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: الخاص على العام: ٣/٢٤، سعيد)

وانظر أيضاً: (الهداية، كتاب النكاح: ٢/٣٠٧، شركة علمية)

(وكذا البحر الرائق، كتاب النكاح: ٣/١٦١، ١٦٩، رشيديه)

(٢) "(ولاينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين عاقلين بالغين مسلمين أو رجل و امرأتين عدولاً) أما اشتراط الشهادة، فلقوله عليه الصلاة والسلام: "لانكاح إلا بشهود، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ٣/١٩٩، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، المبحث الرابع: آراء الفقهاء في اشتراط الشهادة: ٩/٦٥٥٩، رشيديه)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ٢/٤٥٢، ٤٥٣، دار الكتب العلميه بيروت)

دوسرے لوگ اب تجسس نہ کریں، دونوں کی گواہی پر اکتفا کریں۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۲/۵ھ۔

صرف عورتوں کی گواہی سے نکاح

سوال [۵۳۱۷]: زید محلّہ کی مسجد میں بلا اجرت امامت کے فرائض انجام دیتا ہے، محلّہ کی نکاح خوانی بھی اسی کے سپرد ہے، معتبر ذریعہ سے پتہ چلا ہے کہ عرصہ ہوا زید نے اپنا خود نکاح ایک بیوہ عورت سے چار عورتوں کی گواہی سے پڑھ لیا۔ پہلی بیوی دوسرے مقام پر رہتی ہے، دوسری بیوی ساتھ رہتی ہے۔ ایسے شخص کا امامت کرنا اور اس سے نکاح پڑھوانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

محض عورتوں کی گواہی سے (اگرچہ وہ چار ہوں) نکاح صحیح نہیں ہوتا (۱)، جس نے ایسا کیا غلط کیا، اس کو لازم ہے کہ اپنی اس غلطی پر توبہ واستغفار کرے (۲) اور کم از کم دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سامنے دو بارہ ایجاب وقبول کرے (۳)۔ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں بیویوں کے حقوق برابر ادا کرے، یہ طریقہ ایک کو

---

(۱) "ولا ينعقد بشهادة المرأتين بغير رجل، الخ". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، ۲۶۸، رشيديه)

"ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(۲) "واتفقوا على أن التوبة من جميع المعاصي واجبة، وأنها واجبة على الفور لايجوز تأخيرها، سواء كانت المعصية صغيرةً أو كبيرةً، الخ". (شرح العلامة النووي على صحيح مسلم، كتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قديمي)

(وكذا في روح المعاني، تحت آية: ﴿ياأيها الذين آمنوا توبوا إلى الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(۳) "جب نکاح سابق صحیح نہیں ہوا تو سنت طریقہ سے دوبارہ ایجاب وقبول کردے"۔ (كما تقدم في الحاشية رقمها: ۱)

الگ ڈال کر اس کے حقوق سے دست کش ہوکر دوسرے بیوی کے ساتھ زندگی بسر کی جائے ناانصافی اور ظلم ہے(۱)۔ اگر یہ شخص اپنی اصلاح نہ کرے تو اس کو امام بنانا مکروہ تحریمی ہوگا، پھر اچھا یہ ہے کہ اس سے نکاح بھی نہ پڑھوایا جائے (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۹/۱/۹۰ھ۔

تعیینِ گواہاں کے بغیر مجمع میں نکاح

سوال[۵۳۱۸]: یہاں پر ایک بارات مسجد میں آئی، نماز مغرب کے بعد نکاح ہونا تھا، نکاح خواں نے کہا کہ گواہ لاؤ، لڑکی کے باپ نے کہا کہ خدا کے گھر میں بیٹھے ہیں، گواہ کی کیا ضرورت ہے، تم نکاح پڑھاؤ۔ اس وقت لڑکی کی اجازت بھی کوئی ظاہر نہیں کی گئی تو یہ نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

جب مجمع کے سامنے ایجاب وقبول کرایا گیا ہے تو وہی سب گواہ ہیں، مستقلاً مقرر کر کے گواہ بنانا ضروری نہیں (۳)۔ اگر لڑکی کے والد نے پہلے ہی کہہ دیا ہو کہ فلاں لڑکے سے اتنے مہر پر تمہارا نکاح کر رہا ہوں اور لڑکی

---

(۱) "عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم قال: "من كانت له امرأتان، فمال إلى إحداهما، جاء يوم القيامة وشقه مائل". (سنن أبي داؤد، كتاب النكاح، باب القسم: ۱/۲۹۰، سعيد)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۲/۶۲۵، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب القسم: ۳/۳۸۱، رشيديه)

(۲) "ويكره إمامة عبد وأعرابي وفاسق وأعمى". (الدر المختار). "(قوله: وفاسق) من الفسق و هو الخروج عن الاستقامة، ولعل المراد به من يرتكب الكبائر كشارب الخمر، والزاني وآكل الربا و نحو ذلك .... بل مشى في شرح المنية على أن كراهة تقديمه كراهة تحريم، الخ". (رد المحتار، كتاب الصلوة، باب الإمامة، مطلب في تكرار الجماعة في المسجد: ۱/۵۵۹، ۵۶۰، سعيد)

(۳) "(ولو بعث) مريد النكاح (أقواماً للخطبة، فزوجها الأب) أوالولي (بحضرتهم، صح)، فيجعل المتكلم فقط خاطباً والباقي شهوداً، به يفتى". (الدر المختار). "وعليه الفتوى؛ لأنه ضرورة في جعل =

نے انکار نہ کیا ہوتو بھی اجازت ہے، اگر پہلے نہ کہا ہو اور نکاح کے بعد جا کر خبر کردے اور لڑکی خبر سن کر اس کو منظور کرے بلکہ خاموش رہے تب بھی وہ نکاح پختہ اور لازم ہو جاتا ہے(۱)، ہاں! خبر سن کر فوراً اس نے انکار کردیا کہ مجھے منظور نہیں تو وہ جب ہی ختم ہو جاتا ہے اور دوسری جگہ نکاح کرنے کا حق ہوتا ہے(۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۰/۴/۹۰ھ۔

تجدیدِ نکاح کے وقت بھی گواہوں کا موجود ہونا ضروری ہے

سوال[۵۳۱۹]: احتیاطاً اگر نکاح کو دہرانا ہے تو اس وقت بھی کیا شاہد و مہر کی ضرورت ہے یا میاں

= الکل خاطباً، فیجعل المتکلم فقط، والباقي شهود". (ردالمحتار: ۳/۲۷، کتاب النکاح، مطلب في عطف الخاص علی العام، سعید)

"رجل زوّج ابنته من رجل في بیت وقومٌ في بیت آخر یسمعون ولم یشهدهم، إن کان من هذا البیت إلی ذلک البیت کوة رأوا الأب منها، تقبل شهادتهم .... رجل بعث أقواماً لخطبة امرأة إلی والدها، فقال الأب: زوّجت، وقبل عن الزواج واحدٌ من القوم، لایصح النکاح، و قیل: یصح، وهو الصحیح، وعلیه الفتوی". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۶۸، کتاب النکاح، الباب الأول في تفسیره شرعاً الخ، رشیدیه)

(۱) "(فإن استأذنها هو: أي الولي -وهو السنة- (أو ولیه أورسوله أوزوجها) ولیها وأخبرها رسوله أوفضولي عدل (فسکتت) عن رده مختارة أو ضحکت غیر مستهزأة، الخ". (الدرالمختار: ۳/۵۸، ۵۹، کتاب النکاح، باب الولي، سعید)

(وکذا في الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۷، ۲۸۸، کتاب النکاح، الباب الرابع في الأولیاء، رشیدیه)

(وکذا في البحر الرائق: ۳/۲۹۲، کتاب النکاح، باب الأولیاء والأکفاء، رشیدیه)

(۲) "بالغة زوّجها أبوها، فبلغها الخبر، فقالت: لا أرید، أو قالت: لاأرید فلاناً، فالمختار أنه رد في الوجهین". (الفتاویٰ العالمکیریة: ۱/۲۸۸، کتاب النکاح، الباب الرابع في الأولیاء، رشیدیه)

(وکذا في بدائع الصنائع: ۳/۵۹۲، کتاب النکاح، فصل في الخیار بین الزوجین، دارالکتب العلمیة بیروت)

"لأن الفرقة بالخیار فسخ للعقد، والعقد إذا انفسخ، یجعل کأنه لم یکن". (ردالمحتار: ۳/۷۰، کتاب النکاح، باب الولي، سعید)

بیوی دونوں کا نکاح وایجاب قبول کافی ہوگا؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس وقت بھی شاہدوں کا ہونا ضروری ہے، صرف شوہر و بیوی کا تنہائی میں ایجاب وقبول کافی نہیں (۱)۔ مہر بھی متعین کیا جائے گا، گذشتہ مہر کافی نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۵/محرم/ ۶۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، ۲۶ محرم ۶۸ھ۔

بھائی وبہنوئی کی گواہی کے بیان میں اختلاف

سوال[۵۳۲۰]: ۱...... زید عمرو کا حقیقی بھائی ہے، زید عمرو کے حق میں اس کے نفع کی شہادت دیتا ہے، نہ نقصان کی، آیا زید کی شہادت عمرو کے حق میں نفع کے واسطے شرعاً قبول ہے یا نہیں؟

۲...... منگنی کی مجلس کے چار گواہ دیندار معزز رئیس اور دو گواہ معمولی تھے، چار گواہاں کہتے ہیں کہ ایجاب کے بعد قبول نہیں سنا اور دو گواہ معمولی ایک حقیقی بھائی مدعی کا دوسرا بہنوئی مدعی کا یعنی رشتہ دار کہتے ہیں قبول مدعی نے کیا ہے۔ آیا یہ اختلاف شہادت میں ہوا یا نہیں، اس اختلاف کی وجہ سے یہ شہادت شرعاً مقبول ہے یا نہیں؟ نیز بہنوئی کی شہادت بوجۂ رشتہ دار ہونے کے شرعاً مقبول ہے یا مردود؟

۳...... جو گواہ مدعیٰ علیہ کی طرف سے مختار ہے وہ ہی گواہ ہمراہ مدعی متفق ہوکر مدعی علیہ کے ساتھ مخاصمت کرتا ہے اور مدعی کے ساتھ مدعیٰ علیہ کے برخلاف اس کے حقوق کو پامال کرنے کیلئے مشورہ کرتا ہے۔ کیا اس کی شر

---

(۱) "ولاینعقد نکاح المسلمین إلا بحضور شاهدین حرین عاقلین بالغین". (الهدایة: ۲/ ۳۰۶، کتاب النکاح، شرکة علمیه ملتان)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی الشهادة: ۳/ ۳۹۴، دارالکتب العلمیه بیروت)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب النکاح: ۳/ ۱۵۵، رشیدیه)

(۲) "المهر یتکرر بالعقد مرةً وبالوطئ أخری .... والطلاق بعد الدخول یعقب الرجعة ویوجب کمال المهر". (فتاویٰ قاضی خان، کتاب النکاح، فصل فی تکرار المهر: ۱/ ۳۹۲، ۳۹۳، رشیدیه)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الفصل الثالث فی تکرار المهر: ۱/ ۳۲۳، رشیدیه)

عاً شہادت مقبول ہے یا مردود؟ لہٰذا عنداللہ جواب بعباراتِ فقہ ارقام فرما کر اجر عظیم حاصل فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اصلی واقعہ کا جواب مدعی و مدعیٰ علیہ و گواہان کے بیان دیکھ کر اور حسبِ ضرورت تنقیحات کر کے پہلے مفصل لکھا جا چکا ہے، اس مرتبہ جو سوالات کئے گئے ہیں صرف ان کا جواب دیا جاتا ہے:

۱...... بھائی ہونا گواہی قبول ہونے سے مانع نہیں: "شهادة الأخ لأخية وأولاده جائز. اھ". فتاوی عالمگیری: ۳/ ٤٥٤ (۱)۔

۲...... یہ شہادت میں اختلاف نہیں کیونکہ چار گواہ اپنے سننے کی نفی کرتے ہیں، نفسِ قبول کی نفی نہیں کرتے، پس اگر مدعی کا بھائی اور مدعی کا بہنوئی عادل ہیں اور مدعی کیطرف سے قبول کرنے کی شہادت دیتے ہیں تو شرعاً ان کی شہادت قبول ہوگی، محض بھائی اور بہنوئی ہونے کی وجہ سے شہادت رد نہیں کی جاسکتی (۲)۔

رہی یہ بات کہ ان کی اس شہادت سے نکاح کو منعقد قرار دیا جائے یا محض منگنی کی پختگی پر محمول کیا جائے، تو یہ موقوف ہے مدعی اور مدعیٰ علیہ اور گواہی کے پورے بیان اور مجلس کی پوری کیفیت سامنے ہونے پر جس کو پہلے لکھا جا چکا ہے۔

۳......اگر مدعیٰ علیہ نے کسی شخص کو وکیل بنایا تھا اور وکیل یہ کہتا ہے کہ مجھے نکاح کا وکیل بنایا تھا اور میں نے عقد کر دیا ہے اور مدعی وکیل بنانے کا تو اقرار کرتا ہے، لیکن عقد کا انکار کرتا ہے تو اس سے وکالت تو ثابت

---

(۱) (الفتاوى العالمكيرية، الفصل الثالث فيمن لاتقبل شهادته للتهمة الخ، كتاب الشها دات: ۳/ ٤۷۰، رشيديه)

"أما سائر القرابات كالأخ والعم و الخال ونحوهم، فتقبل شهادة بعضهم لبعض، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/ ۳۵، دارالكتب العلمية بيروت)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب الشهادات، باب من تقبل شها دته ومن لاتقبل: ۷/ ۱۵۶، رشيديه)

(وكذا في خلاصة الفتاوى، كتاب الشهادات، الفصل الثاني في الشهادات: ۴/ ۵۹، امجد اكيڈمی لاهور، پاكستان)

(۲) (راجع الحاشية المتقدمة آنفاً)

ہوجائیگی، لیکن عقد کیلئے مستقل شہادت درکار ہے (۱) اگرلڑکی بالغہ ہے تو عقد کیلئے اس کی اجازت اور رضا بھی ضروری ہے (۲) اور شرعاً وکیل ہونا بھی شہادت کے رد کا سبب نہیں، اور بلا وجہ کسی کی مخالفت کرنا اور اس کو اذیت پہونچانا، پامال کرنا سخت گناہ ہے، اس سے ہر شخص کو اجتناب لازم ہے، قال الله تعالی: ﴿والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير ما اكتسبوا، فقد احتملوا بهتاناً وإثماً مبيناً﴾ (۳)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/۱/۵۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف ۱۸/محرم/۵۶ھ۔

نکاح میں شہادتِ فاسق کا حکم

سوال [۵۳۲۱]: کیا فرماتے ہیں علمائے دین وحاملان شرع متین زادهم الله شرفاً ومجداً مُباحثۂ ذیل میں:

۱......زید کہتا ہے کہ بموجبِ کتب متداولہ نزد احناف، مثلاً: قدوری، کنز الدقائق، شرح وقایہ، ھدایہ، ردالمحتار، درمختار، درالمنتقی، مجمع الأنهر، فتاویٰ ھندیہ، فتح القدیر، البحر الرائق، خانیہ، وغیرہ بوقتِ انعقادِ نکاح دومرد یا ایک مرد دوعورت گواہ-خواہ عادل ہوں یا فاسق-کافی ہیں۔ اور اس

---

(۱) "ولاينعقد نكاح المسلمين إلابحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين. اعلم أن الشهادة شرط في باب النكاح، لقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكاح إلابشهود". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، شركة علمية ملتان)

(وكذا في البحرالرائق، كتاب النكاح: ۳/۱۵۵، رشيديه)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "لايجوز نكاح أحد على بالغة صحية العقل من أب أو سلطان بغيرإذنها، بكراً كانت أوثيباً، الخ".

(الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

"ولا تجبر بكر بالغة على النكاح: أي لا ينفذ عقد الولي عليها بغير رضاها". (البحرالرائق، باب الأولياء والاكفاء: ۳/۱۹۴، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۱۴، مكتبه شركة علمية ملتان)

(۳) (سورة الأحزاب: ۵۸)

صورت میں فاسق کی شہادت سے نزد احناف نکاح صحیح ہے، اس لئے کہ حدیث شریف جو کہ فتح القدیر وغیرہ کتب میں مذکور ہے وہ مقیّد بقیدِ عدالت نہیں ہے۔

اور نزد احناف یہ قاعدہ اصولِ فقہ میں طے شدہ ہے کہ "مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے" بایں روایت "المطلق يجري على إطلاقه" ارشادِ نبوی ہے: "لا نكاح إلا بشهود". اس حدیث شریف میں لفظ "شہود" بوجۂ قاعدہ مسلمہ فاسق وعادل ہر دو قسم شاہد کو شامل ہے۔

البتہ بوقتِ نزاع نزدِ قاضی بدیں طور کہ مثلاً زوج مدعیٔ نکاح ہے اور عورت منکرہ ہے، یا بالعکس گواہان انعقاد نکاح - جو کہ فاسق ہیں - صرف ان کی شہادت سے نزد قاضی یہ نکاح شرعاً ثابت نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ صریح فرمان واجب الاذعان بابت گواہ مقبول الشہادت یہ ہے: ﴿وأشهدوا ذوي عدل منكم﴾. ﴿ذوا عدل منكم﴾. ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾" اور اس صورت میں فیصلۂ شرعیہ بموجبِ حدیث شریف "واليمين على من أنكر" حلف پر ہے اور بصورت مذکورہ بوقتِ نزاع نزد قاضی گواہانِ فاسق شرعاً ہیچ ہیں۔

اور عمر یہ کہتا ہے کہ جب کہ گواہان فاسق کی شہادت سے انعقادِ نکاح صحیح ہے اور بوقتِ انعقادِ نکاح ان کی شہادت مانی جاتی ہے تو بوقتِ نزاع بھی ان کی گواہی معتبر کیوں نہیں رکھی جاتی، اس لئے کہ مقصود از گواہان انعقاد نکاح اظہار نکاح بوقتِ نزاع ہے اور جب یہ مقصود فوت ہوگیا تو گواہان مذکورہ لا طائل ثابت ہوں گے تو گویا نکاح بغیر شہود ہوا جو کہ نزدِ احناف ناجائز ہے۔

زید اس کے جواب میں علاوہ دلائلِ نقلیہ مذکورہ یہ کہتا ہے کہ گواہان فاسق لا طائل نہیں، بلکہ کار آمد ہیں، اس لئے کہ بوجہ گواہان مذکورہ مواخذۂ اخروی زنا سے بریت ہے۔ نیز مواخذۂ دنیاوی جو کہ حد ہے وہ ساقط ہے، بموجبِ حدیث شریف: "الحدود تندرأ بالشبهات".

اور اہلیتِ شہادت اور اداء اور مقبولیتِ شہادت نزد قاضی میں بڑا فرق ہے جس سے کتب فقہ مملو اور مشحون ہیں، منفی نزد قاضی مقبولیت شہادت ہے نہ اہلیت، پس محلِ نفی واثبات وسلب وایجاب علیحدہ ہے اور یہ مردودیت شہادت زجراً بوجہ فسق ہے۔ خانگی معاملات غیر نزاعی اور قضائی معاملات نزاعی میں فرق نہیں ہے۔

۲...... زید کہتا ہے کہ ڈاڑھی منڈوانا، یا قبضہ سے کم رکھنا موجبِ گناہ ہے اور بوجۂ ارتکاب فعل، مذکورہ

شخص عادل قابل قبول شہادت شرعاً نہیں ہے گو کہ صوم وصلوۃ اور امور کا پابند ہو اور دیگر منہیاتِ شرعیہ سے بھی مجتنب ہو، بموجبِ حدیث شریف جو کہ متفق علیہ شیخین ہے:

"عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما قال: قال رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم: "خالفوا المشركين أو فروا اللحى أحفوا الشوارب". وفي روايته: "انهكوا الشوراب واعفوا اللحى" متفق عليه".

اور یہ قاعدہ اصول فقہ میں ثابت ہے کہ امر وجوب کے لئے ہے، خصوصاً جب کہ وہ مقرون بالوعید ہو۔ وبروایتِ ردمختار، دربارۂ قطع لحیہ: "فلم يُبحه أحد".

اور اس روایت سے باجماع خیر القرن سلف صالحین تا خلف صالحین عدمِ اباحتِ قطعِ لحیہ ثابت ہے۔ اور بصورتِ قطعِ لحیہ خلاف اجماع بھی لازم آتا ہے جو کہ موجبِ فسق ومخلِ عدالت شاہد ہے، اس لئے کہ اجماع فی نفسہ مستقل حجتِ شرعیہ قابلِ عمل ہے۔ اور گواہ عادل کے معنی یہ ہیں کہ "گناہ کبیرہ واصرارِ صغیرہ سے محترز ہو" اور بصورتِ مذکورہ عدمِ احتراز از گناہ مذکورہ ثابت ہے۔

عمرو کہتا ہے کہ دور حاضرہ میں ڈاڑھی منڈوانا، یا ایک قُبضہ سے کم رکھنا عام رواج ہے اور اس میں اکثر بلکہ قریب قریب تمام عالم مبتلا ہیں، اب اگر یہ فعل مخلِ قبولِ شہادت ہے تو گواہ ڈاڑھی دار کا ملنا زمانِ مشاہد میں قریب ناممکن عادی ہے اور اس قید کی وجہ سے شب وروز حلف کاذب فریق منکر دلیرانہ ادا کرے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ دروازۂ حق تلفیٔ حقوق العباد بجائے بستہ ہونے کے وا ہو جائے گا، کیونکہ نہ ڈاڑھی دار گواہ موافقِ معیارِ شرعی دستیاب ہوں گے اور نہ حق رسی صحیح طریق پر ہو سکے گی۔ اس لئے یہ فعل مذکور بلحاظ ضرورت شدیدہ دورِ حاضر میں مخلِ عدالتِ گواہ نہیں ہے، کیونکہ بموجبِ روایتِ فقہیہ بوجۂ اختلافِ زمانہ حکم بدل جاتا ہے جیسا کہ اس روایت سے ظاہر ہے: "الحكم يختلف باختلاف الزمان"۔

علاوہ ازیں اگر یہ فعل شرعاً موجبِ فسق اور مخلِ قبولِ شہادت ہے تو نزد امام ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فاسق صاحبِ مروت اور وجیہہ کی شہادت قابلِ قبول ہے، چنانچہ روایت کتبِ فقہ ہدایہ وغیرہ میں مصرح موجود ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ڈاڑھی منڈانا یا ایک قبضہ سے کم رکھنے والا لائق قبول شہادت نہ ہو؟

اس کے جواب میں زید کہتا ہے کہ دین کی تکمیل ہو چکی، چنانچہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿الیوم

أكملت لكم دينكم﴾ الآية نصوصِ صریحہ اوراجماع اورسنتِ متوارثہ جمیع انبیاءعلیہم السلام سے یہ فعل ناجائز ثابت ہے۔

لہٰذا اب دورِ حاضرہ میں کسی طرح احکام متقررہ شرعیہ قابلِ ترمیم اور تنسیخ نہیں ہیں اور نہ ہوں گے اور تردیدروایت امام ابو یوسف بمقابلۂ نصِ صریح خود کتب فقہ ہدایہ وغیرہ سے ثابت ہے۔

اور دیگر روایت پیش کردہ احکام متقررہ منصوصہ شرعیہ پر ہرگز ہرگز حاوی نہیں ہے، اس پر "الف لام الحكم الخ" شاہدِ عدل ہیں، لہٰذا ضرورتِ دوَرحاضرہ بمقابلۂ احکامِ متقررہ شرعاً ہیچ ہے اور رواج دین متقررہ پر ہرگز غالب نہیں ہوسکتا۔

"الإسلام يعلو ولا يعلى" صریح فرمان ہے، ہرمسلمان پر اتباعِ دین لازم اورضروری ہے اور دین کو اپنی ضروریات اورخواہشات کے تابع کرنا محلِ خطرہ ہے۔ پس بموجب فرمانِ والاشان: ﴿فاسئلوا أهل الذكر﴾ الآية۔ علمائے کرام سے استدعا ہے کہ مُباحثۂ زیدوعمرو پرنظرِ عمیق شرعی فرما کر بالتفصیل بحوالۂ روایات معتبرہ اظہار فرمائیں کہ زیدحق پر ہے یا عمرو، تاکہ نزاع موجودہ طے ہوجائے؟ واللہ اعلم واحکم۔

المستفتی: احمداحسن ابن سیدابوالحسن، ازٹونک راجپوتانہ، محلّہ قافلہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

زیدوعمرکا مباحثہ پڑھا، عمرکا کہنا کہ "جب شہادتِ فاسق سے انعقاد صحیح ہے تو بوقتِ نزاع بھی اس کا اعتبار ہونا چاہیے" قیاس مع الفارق اوراصول وفروعِ فقہ وحدیث کے خلاف ہے اور بوقتِ نزاع اس شہادت کا اعتبار نہ کرنے سے اصل انعقاد میں بھی اعتبار نہ کرکے اس کومعدوم اور لاطائل سمجھ کر انعقاد بلا شہادت (جو کہ ناجائز ہے) ماننا بھی غلط ہے اورعدمِ تفقہ پرمبنی ہے، جیسا کہ امورذیل سے واضح ہے:

الامرالاول: شاہد کی دوحالتیں ہیں جو اپنی شرائط اورآثار کے اعتبار سے بالکل متمیز ہیں: ایک حالتِ تحمل، دوسری حالتِ ادا:

"إن للشاهد حالتين: حالة التحمل وحالة الأداء، وإن من شرط الأداء الحرية والبلوغ والإسلام، فيشترط وجود ذلك عند الأداء، اه" معين الحكام، ص: ۸۱(۱)۔

---

(۱) (معين الحكام، الفصل السابع في ذكر البيّنات، الفصل الرابع، ص: ۷۰، مصطفى البابي الحلبي مصر) =

اس سے معلوم ہوا کہ حریت، بلوغ، اسلام سے قبل تحمل شہادت کر کے بعد میں ادا کر دینا درست اور شرعاً معتبر ہے جیسا کہ روایت حدیث کے متعلق بھی یہی قاعدہ ہے:

"يصح التحمل قبل وجود الأهلية، فيُقبل روايةُ مَن تحمل قبل الإسلام وروى بعده، وكذا رواية مَن سمع قبل البلوغ وروى بعده، اهـ". مقدمه ابن صلاح، ص: ۵۸(۱)۔

الامر الثانی: جس عارض کی وجہ سے شہادت رد کر دی جاتی ہے اس کے مرتفع ہونے سے اہلیت پیدا ہو کر شہادت قبول کر لی جائے گی، مثال کے طور پر چند جزئیات نقل کرتا ہوں:

"إذا شهد الصبي في حادثة فردّت، ثم أعادها بعد البلوغ، تُقبل. وكذا العبد إذا شهد في حادثة فردت، ثم أعادها بعد العتق، تقبل. وكذا الذمي إذا شهد على حكم فردت، ثم أعادها بعد الإسلام، تقبل. وكذا الأعمى إذا شهد فردت، ثم أعادها بعد ما أبصر، تقبل، اهـ". معين الحكام، ص: ۸۱(۲)۔

الامر الثالث: فاسق میں شہادت کی اہلیت ہے، کسی عارض کی وجہ سے اس کی شہادت قبول کرنے کو منع کر دیا گیا، اگر اس میں نفی اہلیت نہ ہوتی تو اس کی شہادت نہ قبول کرنے کا حکم "نہی عاجز" کے قبیل سے ہوتا جو کہ

= "وأما الشرائط في الأصل فنوعان: نوع هو شرط تحمل الشهادة، ونوع هو شرط أداء الشهادة .... وأما البلوغ والحرية والإسلام والعدالة، فليست من شرائط التحمل، بل من شرائط الأداء، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۹/۵۰۸، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۷/۹۵، رشيديه)

(۱) (علوم الحديث لابن الصلاح، النوع الرابع والعشرون: معرفة كيفية سماع الحديث وتحمله وصفة ضبطه، ص: ۱۲۸، دارالفكر، بيروت)

(۲) (معين الحكام، الفصل السابع في ذكر البينات، الفصل الرابع، ص. ۷۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۹/۷، دارالكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۷/۹۵، رشيديه)

شارع سے محال ہے، كما تقرر فى كتب الأصول (۱)۔ اور جو عارض "فسق" مانع عن القبول ہے وہ لازمِ ذات نہیں، بلکہ قابلِ انفکاک ہے "بطریق توبہ"، اسی لئے تحت حکم الحاکم داخل نہیں۔ پس اگر تحملِ شہادت تو بحالتِ فسق ہے اور ادا بعد التوبہ ہو تو شرعاً یہ تحمل بھی معتبر اور ادا بھی معتبر (۲)۔

الامر الرابع: اگر فاسق بحالتِ فسق بھی شہادت دے اور قاضی کو تحری سے اس میں صدق راجح معلوم ہو تو اس پر حکم نافذ کرنا درست ہے، کیوں کہ بسا اوقات فاسق مختلف کبائر میں مبتلا رہتا ہے، لیکن کذب سے اجتناب کرتا ہے اور اسی کی یہاں ضرورت ہے:

"وكذا ينعقد النكاح بشهادة الفاسقين عندنا، وعنده لا ينعقد. وجه قول الشافعي رحمه الله تعالى أن مبنى قبول الشهادات على الصدق، ولا يظهر الصدق إلا بالعدالة؛ لأن خبر مَن ليس بمعصوم عن الكذب يحتمل الصدق والكذب، ولا يقع الترجيح إلا بالعدالة، واحتج في انعقاد النكاح هكذا في الأصل والظاهر في عدم النكاح بقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكاح إلا بولي وشاهدي عدل".

ولنا عمومات قوله تعالىٰ: ﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم﴾ الآية. وقوله عليه الصلوة والسلام: "لانكح إلا بشهود". والفاسق شاهد بقوله سبحانه وتعالىٰ: ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ قسّم الشهود إلى مرضيّين وغير مرضيّين، فيدل على كون غير المرضيّ -وهو الفاسق-

---

(۱) "ونحن نقول: إن النهي يراد به عدم الفعل مضافاً إلى اختيار العباد، فإن كفّ عن المنهي عنه باختياره، يثاب عليه، وإلا يعاقب عليه. وإن لم يكن ثمه اختيار، سمي ذلك الكف نفياً ونسخاً، لا نهياً، كما إذا لم يكن في الكوز ماء ويقال له: لا تشرب، فهذا نفي. وإن قيل له ذلك بوجود الماء، سمي نهياً، فالأصل في النهي عدم الفعل بالاختيار، الخ". (نور الأنوار، باب النهي، ص: ٦٣، سعيد)

(۲) "بل من شرائط الأداء حتى لو كان وقت التحمل صبياً عاقلاً أو عبداً أو كافراً أو فاسقاً، ثم بلغ الصبي وعتق العبد وأسلم الكافر وتاب الفاسق، فشهدوا عند القاضي، تقبل شهادتهم". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/۸، دار الكتب العلميه بيروت)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الشهادة: ۹۵/۷، رشيديه)

شاهداً أولأن حضرة الشهود في باب النكاح لدفع تهمة الزنا، لاللحاجة إلى شهادتهم عند الجحود والإنكار؛ لأن النكاح يشتهر بعد وقوعه، فيمكن دفع الجحود والإنكار بالشهادة بالتسامع، والتهمة تندفع بحضرة الفاسق، فنعقد النكاح بحضرتهم.

وأما قوله: الركن في الشهادة هو صدق الشاهد، فنعم، لكن الصدق لايقف على العدالة لامحالة، فإن من الفَسقة مَن لايبالي بارتكابه، هكذا في الأصل. والظاهر أنواعاً: أنواع من الفسق ويستنكف عن الكذب والكلام في فاسق تحرى القاضي الصدق في الشهادة، فغلب على ظنه صدقه. ولو لم يكن كذلك، لايجوز القضاء بشهادته عندنا. وأما الحديث فقدروى عن بعض نَقَلة الحديث أنه قال: لم يثبت عن رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم، ومن يثبت فلا حجة له فيه". بدائع صنائع: ۲۷۰/۶ (۱)۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ فاسق کی شہادت بالکلیہ ہر حال میں مردود نہیں، بلکہ بعض اوقات میں مقبول بھی ہے۔

الامر الخامس: فاسق کی شہادت مقبول نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ قاضی کے ذمہ اس کی شہادت کا قبول کرنا واجب نہیں، یہ مطلب نہیں کہ اس کی شہادت کو (بعد تحری) قبول کرنا صحیح بھی نہیں ہے:

"باب القبول وعدمه: أي من يجب قبول شهادته ومن لم يجب، لامن يصحّ قبولها أو لايصح، لصحة الفاسق مثلاً". درمختار۔ "أي لصحة القضاء بشهادته: أي وقد ذكره مما لايقبل". طحطاوی: ۲۳۹/۳ (۲)۔

الامر السادس: بعض مشائخ نے ایک قاعدہ کلیہ بیان فرمایا ہے کہ ''جو شخص نکاح میں ولی بن سکتا ہے، وہ شاہد بھی بن سکتا ہے'' اور حنفیہ کے نزدیک فسق مانعِ ولایت نہیں، پس اس کی شہادت بھی درست ہے:

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب الشهادة: ۲۸/۹، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۲) (حاشية الطحطاوی علی الدرالمختار، باب القبول وعدمه: ۲۳۹/۳، مکتبه دارالمعرفة بیروت)

(وکذا فی الدرالمختار، باب القبول وعدمه: ۴۷۲/۵، سعید)

"ومن ذلك قول الشافعي وأحمد رحمهما الله تعالیٰ: إنه لاولاية لفاسق مع قول أبی حنيفة ومالك رحمهما الله تعالیٰ: إن الفسق لا يمنع الولاية". ميزان شعرانی :۱۱۶/۲(۱)۔

بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ جو شخص جس عقد کو خود قبول کرسکتا ہے، اس کی موجودگی میں وہ عقد درست ہوتا ہے اور فاسق عقدِ نکاح کو خود قبول کرسکتا ہے، لہٰذا اس کی موجودگی............ (کافر بسببِ نص کے اس حکم میں داخل نہیں)۔ قاضی ابو یوسف رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کی شہادت پر بعض فقہاء کے نزدیک حکم کرنا صحیح ہے اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے اور فاسق کی شہادت پر حکم کرنا بعض صورتوں میں جائز ہے جیسا کہ امرِ رابع میں گذرا، پس اس کی موجودگی میں نکاح صحیح ہے:

"من مشايخنا من أصّل في هذا أصلاً، فقال: كل من صلح أن يكون ولياً في النكاح بولاية نفسه، يصلح شاهداً فيه، وإلافلا. وهذا الاعتبار صحيح؛ لأن الشهادة من باب الولاية؛ لأنها تنفيذ القول على الغير، والولاية هي نفاذ المشيئة. ومنهم من قال: كل مَن يملك قبول عقد نفسه، ينعقد ذلك العقد بحضوره، ومن لافلا. وهذا الاعتبار صحيح أيضاً؛ لأن الشهادة من شرائط ركن العقد، وركنه وهو الإيجاب والقبول، ولا وجود للركن بدون القبول، فكما لا وجود للركن بدون القبول حقيقةً لاوجود له شرعاً بدون الشهادة.

وعن أبي يوسف رحمه الله تعالیٰ أنه أصّل فيه أصلاً، وقال: كل من جاز الحكم بشهادته في قول بعض الفقهاء، ينعقد النكاح بحضوره، ومن لايجوز الحكم بشهادته عند أحد، لايجوز............ بحضوره. وهذا الاعتبار صحيح أيضاً؛ لأن الحضور لفائدة الحكم بها عند

(۱) (ميزان الشعراني، كتاب النكاح: ۱۰۹/۲، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

"هو البالغ العاقل الوارث ولو فاسقاً على المذهب مالم يكن متهتكاً". (الدرالمختار، باب الولی: ۵۴/۳، سعید)

"والفسق لايسلب الولاية على المشهور، الخ". (ملتقى الأبحر مع مجمع الأنهر، باب الأولياء والأكفاء: ۳۳۸/۱، دارإحياء التراث العربی بيروت)

الأداء، فإذا جاز الحکم بها فی الجملة، کان الحضور مفیداً". بدائع مختصراً: ۲/۲۵۳(۱)۔

انعقاد نکاح بشہادۃ الاعمیٰ کی دلیل یہی کلیات ہیں، بدائع: ۲/۲۵۵(۲)۔

الامر السابع: دراصل "اشتراط الشہود فی النکاح" کی علت "اثبات النکاح عند الجحود" نہیں کہ مقبول الشہادۃ کی شہادت ضروری اور غیر مقبول الشہادۃ کی شہادت لاطائل اور کالعدم ہے، بلکہ علت کچھ اَور ہے، کما سیجیء۔ البتہ مقبول الشہادۃ ہونا افضل ہے، ضروری نہیں، تاکہ بوقتِ جحو دثبوت میں سہولت رہے اور شہادتِ نکاح حضور عند العقد پر موقوف بھی نہیں، کما سیجی فی الأمر الثامن۔ لہٰذا انعقاد ایسے گواہ کی گواہی سے بھی ہو جائے گا جس کی شہادت قطعاً مقبول نہیں:

"وکذا کون شاهد النکاح مقبول الشهادة علیه لیس بشرط، لانعقاد النکاح بحضوره، وینعقد النکاح بحضور مَن لاتقبل شهادته علیه أصلاً، کما إذا تزوج امرأة بشهادة ابنیه منهما، وهذا عندنا، وعند الشافعیؒ: لاینعقد. وجه قوله أن الشهادة فی باب النکاح للحاجة إلی صیانته عن الجحود والإنکار، والصیانة لاتحصل إلا بالقبول، فإذا لم یکن مقبول الشهادة لاتحصل الصیانة.

ولنا أن الإشهاد فی النکاح لدفع تهمة الزنا لالصیانة العقد عن الجحود والإنکار،

---

(۱) (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی صفات الشاهد: ۳/۳۹۵، دارالکتب العلمیه بیروت)

"وفی شرح الطحاوی: کل من یصلح أن یکون ولیاً فی النکاح بولایة نفسه، یصلح أن یکون شاهداً فی النکح، ومن لافلا. إذا ثبت هذا، نقول: ینعقد النکاح بشهادة الفاسق والأعمی، الخ". (خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس فی الشهود: ۲/۱۴، امجد اکیڈمی، لاهور)

(وکذا فی ردالمحتار، کتاب النکاح، مطلب فی عطف الخاص علی العام: ۳/۲۴، سعید)

(۲) "وکذا بصرُ الشاهد لیس بشرط، فینعقد النکاح بحضور الأعمی، لما ذکرنا، الخ". (بدائع الصنائع، کتاب النکاح، فصل فی شرط الشهود: ۳/۴۰۳، دارالکتب العلمیه بیروت)

"إذا ثبت هذا، نقول: ینعقد النکاح بشهادة الفاسق والأعمی". (خلاصة الفتاویٰ، الفصل السادس فی الشهود، کتاب النکاح: ۲/۱۴، امجد اکیڈمی لاهور)

(وکذا فی الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشیدیه)

والتهمة تندفع بالحضور من غير قبول على أن معنى الصيانة يحصل بسبب حضورهما وإن كان لاتقبل شهادتهما؛ لأن النكاح يظهر ويشتهر بحضورهما، فإذا ظهر واشتهر، تقبل الشهاة فيه بالتسامع، فتحصل الصيانة. وكذا إذا تزوج امرأة بشهادة ابنيه لامنها، أو ابنيها لامنه، يجوز، لِمَا قلنا.

ثم عند وقوع الحجر والإنكار ينظر: إن وقعت شهادتهما لواحد من الأبوين، لاتقبل، وإن وقعت عليه تقبل؛ لأن شهادة الابن لأبويه غير مقبولة وشهادتهما عليه مقبولة". بدائع: ۲/۲۵۵(۱)۔

الامر الثامن: اگر "اثبات النکاح عندالجحود" کو "اشتراط الشہود فی النکاح" کی علت ہی کہا جاوے، فائدہ اور منفعت کے درجہ میں نہ مانا جائے، تب بھی گواہانِ انعقاد کا عادل ہونا لازم نہیں، کیونکہ ثبوت عندالقاضی شہودِ انعقاد کی شہادت پر موقوف نہیں، لیکن بابِ نکاح میں بطریقِ استفاضہ شہادت بالتسامع بھی کافی ہوتی ہے اوراس پر ائمۂ ثلاثہ: امام ابوحنیفہ، امام شافعی امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ کا اتفاق ہے، امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ نفسِ شہادت کو بھی ضروری نہیں مانتے، بلکہ اعلان وتشہیر کو ضروری اور کافی سمجھتے ہیں:

"ومن ذلك قول أبي حنيفة: إنه تجوز الشهادة بالاستفاضة في خمسة أشياء: في النكاح، والدخول، والنسب، والموت، وولاية القضاء، مع قول أصحاب الشافعي رحمه الله تعالىٰ في الأصح من مذهبه جواز ذلك في ثمانية أشياء: في النكاح، والنسب، والموت، وولاية القضاء، والملك، والعتق، والوقت، والولاء. ومع قول أحمد رحمه الله تعالىٰ: إنه تجوز في تسعة أشياء، الثمانية المذكورة عند الشافعية، والتاسعة: الدخول، اهـ". ميزان: ۲/۲۰۵(۲)۔ "ومن

(۱) (بدائع الصنائع، كتاب النكاح، فصل في شرط الشهود: ۳/۴۰۴، دارالكتب العلميه بيروت)

(۲) (ميزان الشعراني، كتاب الشهادات: ۲/۲۰۰، مصطفى البابي الحلبي مصر)

"ولايشهد أحد بمالم يعاينه بالإجماع، إلا في عشرة على مافي شرح الوهبانية: منها العتق والولاء عندالثاني، والمهر على الأصح، بزازية. النسب والموت والنكاح والدخول وولاية القاضي وأصل الوقف، الخ". (الدرالمختار، كتاب الشهادات: ۵/۴۷۰، ۴۷۱، سعيد)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل في شرائط الركن: ۹/۹، دارالكتب العلميه بيروت)

ذلك قول الأئمة الثلاثة: إنه لايصح النكاح إلا بشهادة مع قول مالك رحمه الله تعالىٰ إنه يصح من غير شهادة، إلا أنه يعتبر فيه الإشاعة وترك التراضی بالكتمان". ميزان: ۲/۱۱۸(۱)۔

الامر التاسع: قضاء اور دیانت میں فرق کثیر ہے، نکاح، طلاق، عتاق وغیرہ کی بے شمار جزئیات اس کی شاہد اور اس پر متفرع ہیں، کمالایخفی علی من طالع کتب الفقة، ولا إلا من لم یرزق التفقه(۲)۔

الامر العاشر: یہ تمام گفتگو اس وقت ہے کہ زید وعمر دونوں مقلد اور حنفی ہوں اور قولِ امام کو حجت کو سمجھتے ہوں اور خود منصبِ اجتہاد کے مدعی نہ ہوں۔ اگر ایسا نہیں تو نزاع بیکار ہے، کیونکہ اس صورت میں نہ ان کے لئے کسی عالم، مفتی، مجتہد، غوث، صحابی، کا قول وفعل حجت ہے خواہ وہ نصِ قرآنی یا حدیثِ صحیح پر ہی کیوں نہ مبنی ہو، بلکہ حدیث کا ترجمہ اور روایت بالمعنیٰ کیوں نہ ہو، نہ کسی کتاب فقہ کی نقل کافی ہے بلکہ جو کچھ ان کی سمجھ میں آئے گا وہ کریں گے خواہ اس کا ماخذ کچھ بھی ہو اور خواہ کسی طرح سمجھا ہو ﴿والله يهدى من يشا إلى صراط مستقيم﴾۔ لہٰذا ان کو اولاً مسئلۂ تقلید کا فیصلہ ضروری ہے، کیونکہ یہ اسی پر مبنی ہے: ﴿تلك عشرة كاملة﴾۔

۲...... داڑھی منڈوانا یا ایک قبضہ تک پہونچنے سے پہلے کٹانا بلاشبہ ممنوع اور ناجائز ہے، روایاتِ حدیث وفقہ اس پر صراحۃً دال ہیں، ملاعلی قاریؒ مرقاۃ شرح مشکوۃ شریف میں فرماتے ہیں:

"قص اللحية كان صنيع الأعاجم، وهو اليوم كثيرٌ من أهل الشرك وعَبَدة الأوثان كالإفرنج والهنود ومَن لاخلاق لهم فی الدين من الفرقة الموسومه بالقلندرية فی زماننا،اه"(۳)۔

---

(۱) (ميزان الشعرانی، كتاب النكاح: ۲/۱۱۱، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(۲) "ولو نوى الطلاق: أي بقوله: أنت طالق عن وثاق، لم يديّن في القضاء؛ لأنه خلاف الظاهر، إلا أن يكون مكرهاً، ويديّن فيما بينه وبين الله تعالیٰ؛ لأنه يحتمله. ولو نوى به الطلاق عن العمل، لم يديّن فی القضاء ولافيما بينه وبين الله تعالیٰ .... ولو صرح فقال: أنت طالق من هذا لعمل، صدق ديانةً لاقضاءً، الخ". (فتح القدير، باب إيقاع الطلاق: ۴/۶، مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)

(وكذا فی الهداية، باب إيقاع الطلاق: ۲/۳۵۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(۳) (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الطهارة، باب السواک، الفصل الأول: ۲/۹۱، رشيديه)

جس امر کے متعلق شارع علیہ الصلوۃ والسلام کی نصِ صریح موجود ہے اور اس پر اجماع بھی ثابت ہے، آج اس کے خلاف اعتقاد رکھنا، یا فتویٰ دینا درحقیقت اس کو منسوخ کرنا اور دعوائے نبوت کرنا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ اختلافِ زمان سے بعض احکام بدل جاتے ہیں، لیکن احکامِ منصوصہ کبھی نہیں بدلتے، اگر ایسے تبدیل کا حکم عام ہوجائے تو آج پابندِ صلوۃ وجماعت بھی بہت کم دستیاب ہوتے ہیں، اسی طرح غور کر کے دیکھا جائے تو شریعت کے بہت امر ونواہی اس نوع کے ملیں گے کہ جن پر عمل کرنے والے خال خال ہیں، اسی طرح کتنی سنتیں رہی ہوں گی جو مردہ ہوچکی ہیں۔ مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ان احکام کو بسط سے بیان کیا ہے جو اختلافِ زمان سے مختلف ہوگئے ہیں (۱)۔

رہا عمرو کا یہ کہنا کہ حقیری کا دروازہ بند ہوجائے گا تو یہ عذر کوئی مقبول عذر نہیں، کتنے مقدمات ہیں جو مطابقِ شریعت طے ہوتے ہیں اور کتنے خلافِ شریعت، کوئی عدالت اور حکومت دنیا میں علی منہاج النبوۃ نہیں۔ ان حالات کے پیشِ نظر تو عمرو کے قول کے موافق بیشتر واکثر بلکہ باستثنائے بعض قلیل (کالعدم) تمام احکام کا بدل جانا کچھ غیر مناسب نہیں، لہذا دینِ اسلام کیا ہوا، جو کچھ وقت پر مناسب سمجھا وہی ہوا قطع نظر اس سے کہ شرع کا یہ حکم دائمی ہے یا وقتی ہے، پس داڑھی کا حکم تو وہی رہے گا جو کہ منصوص ہے۔

رہا شہادتِ فاسق کا مسئلہ تو اس کے متعلق پہلے جواب میں معلوم ہوچکا ہے کہ بغیر تحری کے حکم نافذ کرنا ناجائز ہے اور تحری کے بعد اگر صدق کا غلبۂ ظن ہوجائے تو حکم جائز ہے، مطلقاً اس کی شہادت کا قبول کرنا ممنوع نہیں، عادل کو اس کے مقابلہ میں یقیناً ترجیح ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۷/ ۱۱/ ۵۷ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبد اللطیف، ۷/ ذی الحجہ/ ۵۷ھ۔

= (وكذا في بذل المجهور، باب السواك من الفطرة: ۱/ ۳۳، إمداديه ملتان)

(۱) "فكثيرٌ من الأحكام تختلف باختلاف الزمان، لتغير عرف أهله، أو لحدوث ضرورة، أو فساد أهل الزمان، بحيث لو بقي الحكم على ما كان عليه، أولاً، لَلزم منه المشقة والضرر بالناس ولخالف قواعد الشرعية المبنية على التخفيف والتيسير ودفع الضرر والفساد، لبقاء العالم على أتم نظام وأحسن أحكام، ولهذا ترى مشايخ المذهب خالفوا ما نص عليه المجتهد في مواضع كثيرة بناها على ما كان في زمنه، لعلمهم بأنه لو كان في زمنهم، لَقال بما قالوا به أخذاً من قواعد مذهبه، الخ". (رسائل ابن عابدين، =

10

بعض گواہ نکاح کے مقر ہوں بعض منکر تو کیا کیا جائے؟

سوال[۵۳۲۲]: ۱...... ایک بالغ لڑکا اور ایک بالغ لڑکی دونوں نے چھپ کر نکاح کرلیا ہے، اب دونوں کے والدین کو خبر نہیں۔ نکاح کے ایک کاغذ پر وکیل کے دستخط اور دولہا دولہن کے دستخط اور قاضی کے دستخط ہیں، ان سبھوں کی موجودگی میں نکاح ہوا ہے۔ جب نکاح کا چرچا ہوا تو بعض لوگوں کی ڈر سے ایک گواہ اور قاضی دونوں انکار کر رہے ہیں کہ نکاح نہیں ہوا ہے اور انکار کرنے والوں کے دستخط بھی ہیں، دستخط کر کے بھی انکار کر رہے ہیں۔ ابھی دولہا اور دولہن اور ایک گواہ اور وکیل یہ چاروں کہہ رہے ہیں کہ نکاح ہوا ہے۔ اب بتائیے کہ یہ نکاح صحیح ہوا یا نہیں؟ اب لڑکا اور لڑکی کے والدین کو کوئی اعتراض نہیں؟

۲...... دولہا اور دولہن اور وکیل اور ایک گواہ یہ چاروں قرآن مجید کی حلف لینے کیلئے تیار ہیں کہ نکاح ہوا ہے، اور ایک گواہ اور قاضی دونوں دستخط کرنے کے باوجود بھی قرآن مجید کی حلف لینے کے لئے تیار ہیں کہ نکاح نہیں ہوا، لہٰذا من جانب پنچایت حلف دلوا سکتے ہیں کہ نہیں؟ از روئے شرع مفصل و مدلل تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر لڑکا لڑکی دونوں ہم کفو اور بالغ ہیں اور ایک گواہ اور وکیل کا بیان یہ ہے کہ ہمارے سامنے لڑکے سے یہ کہا گیا کہ یہ لڑکی تمہارے نکاح میں دے، اور لڑکے نے یہ کہا کہ میں نے اس کو قبول کیا اور لڑکی بھی اسی مجلس میں موجود تھی تو شرعاً یہ نکاح صحیح ہوگیا(۱)، کسی سے حلف لینے کی ضرورت نہیں، دونوں کے والدین کو اعتراض

= نشر العرف في بناء بعض الأحكام على العرف: ۲/۱۲۵، سهيل اكيڈمی، لاهور)

(۱) "وعلى هذا إذا زوّج الأب ابنته البالغة بمحضر شاهد واحد، إن كانت حاضرةً ،جاز وإن كانت غائبةً، لم يجز، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۷، شركة علميه ملتان)

وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۲۰۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(وكذا في ردالمحتار على الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۳/۲۵، سعيد)

(وكذا في حاشية الشلبي على تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۵۷، دار الكتب العلمية بيروت)

نہیں ہے تو اپنے اطمینان کیلئے دوبارہ ایجاب وقبول کرادیں، بات کو طول نہ دیں، انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۲/۱۱/۲۵ھ۔

قاضی، گواہ، نوشہ بے شرع ہونے کے ساتھ نکاح

سوال[۵۳۲۳]: اگر قاضی، گواہ، نوشہ(۱) بے شرع ہوں تو نکاح صحیح ہوجاتا ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

صحیح ہوجاتا ہے(۲)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک عورت پر دو شخصوں کا دعوائے نکاح

سوال[۵۳۲۴]: تجمل علی اور عبدالنور نامی دو شخصوں نے ایک عورت پر زوجیت کا دعویٰ کرکے ہر ایک نے اپنا نکاح پہلے ہونے کے دعویٰ پر شاہد پیش کیا۔اس عقد کی شہادت طلب کی گئی تو تجمل علی نے ایک وکیل اور ایک شاہد پیش کیا اور دوسرے شاہد نے باوجود طلب کے شہادت دینے سے انکار کیا اور کہا کہ میں ایک مرتبہ پنچایت میں شہادت دے چکا ہوں، دوبارہ مقررہ حاکم کے پاس شہادت نہیں دونگا۔عبدالنور نے ایک وکیل اور ایک شاہد اپنے بہنوئی اور شاہد اُن کے باپ کو پیش کیا اور عورت بالغہ ہے۔لہٰذا عورت سے دریافت کیا گیا تو اس نے جواب دیا کہ میرا نکاح پہلے عبدالنور سے ہوا ہے، اس کے چند روز بعد جبراً تجمل علی کے ساتھ نکاح کردیا گیا۔

---

(۱)''نوشہ: دولھا، نوجوان بادشاہ''۔(فیروز اللغات، اردو، ص:۱۳۲۲، فیروزسنز، لاہور)

(۲) نکاح دراصل گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کا نام ہے، لہٰذا سوال میں مذکورہ تینوں کے بے شرع ہونے کی وجہ سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑےگا، نکاح صحیح ہوجائےگا:''وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر، الخ''.

(الدرالمختار، كتاب النكاح: ۹/۳، سعيد)

''ويصح بشهادة الفاسقين والأعميين، كذا في فتاوى قاضي خان''. (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

''وجاز كونهما فاسقين أو محدودين في قذف أو أعميين، الخ''. (مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ۱/۳۲۱، دار إحياء التراث العربي بيروت)

میرے شوہر عبدالنور مجھ کو لے آئے، لہٰذا اب تین سال سے میں اطمینان سے اپنے شوہر کے پاس ہوں اور میرے دو اولاد ہیں۔ ایک عالم نے بھی عبدالنور کے نکاح کے صحیح ہونے کا فتویٰ دیا، ایک مفتی نے بھی عبدالنور کا نکاح صحیح ہونے کا فتویٰ دیا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

باپ کی شہادت سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے (۱)، البتہ اگر زوجین میں سے کوئی منکر ہو تو باپ کی شہادت اولاد کی موافقت میں قضاءً معتبر نہیں ہوتی (۲)، صورتِ مسئولہ میں کوئی منکر نہیں، لہٰذا اس نکاح کو ناجائز نہیں کہا جائے گا۔ عبدالنور کا نکاح صحیح ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین، دارالعلوم دیوبند۔



(۱) "أمر الأب رجلاً أن يزوّج صغيرته، فزوجها عند رجل أو امرأتين والحال أن الأب حاضر، صح؛ لأنه يجعل عاقداً حكماً، و إلا لا". (الدرالمختار). "فاندفع ما أورده في النهاية: من أنه تكلف غير محتاج إليه، فإن الأب يصلح شاهداً". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في عطف الخاص على العام: ۲۴/۳، سعيد)

"قال في النهاية: هذا تكلف غير محتاج إليه في المسئلة الأولى؛ لأن الأب يصلح أن يكون شاهداً في باب النكاح، فلا حاجة إلى نقل المباشرة من المأمور إلى الآمر حكماً، الخ". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۲۰۶/۳، مصطفى البابي الحلبي بمصر)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۱۸۴/۲، امداديه ملتان)

(۲) قال العلامة ابن الهمام: "وأما الأخوان بأن يزوج الأب ابنته بشهادة ابنيه، فأنكر الزوج وادّعاه الأب والبنت كبيرة، أو المرأة فشهد، لاتقبل. ولوكان الزوج هو المدعي والمرأة منكرة، أو الأب، قبلت، هذا قول أبي يوسف. وعند محمد: تقبل وإن كان المدعي الأب أو المرأة أيضاً، والأصل أن كل شئ يدعيه الأب فشهادتهما فيه باطلة وإن لم يكن فيه منفعة له لشبهة الأبوة عند أبي يوسف، لثبوت منفعة نفاذ كلامه. وقال محمد: كل شئ للأب فيه منفعة حجدا وادعاء، فشهادة ابنيه فيه باطلة، وكذا كل شئ وليه ممايكون خصماً فيه كالبيع ونظائره". (فتح القدير، كتاب النكاح: ۲۰۵/۳، مصطفىٰ البابي الحلبي مصر)

(وكذا في بدائع الصنائع، كتاب النكاح: ۵۲۸/۵، ۵۲۹، رشيديه)

فصل فی الإکراہ علی النکاح

(زبردستی نکاح کرانے کا بیان)

مار پیٹ اور آبروریزی کے خوف سے اپنی بیٹی کا نکاح کرانا

سوال[۵۳۲۵]: میں حلفیہ بیان دیتا ہوں کہ میرے فرزند غلام رسول کا مسماۃ نورانی کے ساتھ ناجائز تعلق مشہور تھا، مسماۃ نورانی کے سسر اور خاوند سدا نے مشورہ کیا کہ ایک رات نورانی کو میرے گھر روانہ کردیا جائے، میں اس وقت موجود نہ تھا۔ جب نورانی میرے فرزند کے پاس آکر بیٹھی تو فوراً محمد نور مسماۃ نورانی کا سسر بھی پہنچ گیا، محمد نور نے آکر غلام رسول اور نورانی دونوں کو پکڑا اور شوروغل مچایا، میرا فرزند تو بھاگ گیا، نورانی کو لے کر وہ گھر چلے گئے، لوگ بھی سن کر جمع ہوگئے، چرچا ہوگیا۔

صبح سویرے محمد نور اور اس کی برادری کے تمام لوگ ہتھیار ڈنڈے لیکر میرے گھر پر حملہ کردیئے اور ہم کو آکر پکڑ لیا اور شہر کا نمبردار بھی ان کے ساتھ ہوگیا تھا، تمام دن ہم کو قید رکھا اور بُرا بھلا کہتے رہے اور کہا: یا فرزند ہمارے حوالہ کرو چاہے ہم اس کو قتل کریں یا جو ہماری مرضی ہو، فرزند صاحب تو ڈر کے مارے بھاگ گئے۔ پھر انہوں نے کہا: یا اپنی دختر کا محمد نور کے پوتا محمد اسلام سے نکاح کردو، یا تمہاری عورت اور دختر کو ہم جبریہ اٹھاتے ہیں اور تم اگر مقابلہ کروگے تو قتل کردیئے جاؤگے، نمبردار نے تو ہم کو مارا بھی ہے۔ میں اکیلا تھا، گھبرایا، تب ہم نے ڈر اور پیٹ کی وجہ سے کچھ سوچے بغیر اپنی دختر معصومہ کا جس کی عمر تقریباً چار سال ہے نکاح کردیا اور میرے گواہ موجود ہیں اور یہ بات تمام لوگوں کو معلوم ہوچکی ہے۔

بیانِ گواہ حسین بخش

''میں مسجد میں بیٹھ کر اور بقبلہ رو بیٹھ کر کلمۂ ''اشھد'' کہہ کر حلفیہ بیان کرتا ہوں کہ اللہ بخش کے گھر پر محمد نور وغیرہ تمام برادری نے بمع ہتھیار حملہ کر کے اللہ بخش کو پکڑ لیا اور تمام دن قید رکھا اور تقاضا کیا کہ یا فرزند

ہمارے حوالہ کرو، ہم اس کو قتل کرتے ہیں، وہ غلام رسول تو کہیں بھاگ گیا اور یا تو دختر کا نکاح کردو، یا پھر ہم جبر یہ لے جائیں گے"۔

بیانِ گواہ محمد بخش

"میں مسجد میں بیٹھ کر روبقبلہ بیان کرتا ہوں"............ کچھ اضافہ کے ساتھ وہی بیان۔

جنابِ مفتی صاحب! اس معاملہ کو ایک عالم فاضلِ دیوبند کے سامنے پیش کیا گیا تو ان فاضل نے یہ تحریر کردیا کہ یہ نکاح محض بد اور ناعاقبت اندیشی اور سوئی خیار اور ظلم بدتمیزی سے کیا گیا ہے جو باتفاقِ ائمۂ اربعہ اصلاً باطل ہے اور جس پاداش میں یہ نکاح ہوا، اس میں اللہ بخش اور معصومہ کا کیا قصور ہے، اگر ایسے نکاح درست قرار دیئے جائیں تو پھر غریب کی تو جگہ بھی دنیا میں نہیں۔ جواب سے نوازیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس ظلم اور تشدد کے باوجود نکاح منعقد ہوگیا اور لازم ہوگیا: "والأصل أن تصرفات المکره کلها قولاً متعقدةٌ عندنا، إلا أن مایحتمل الفسخ منه کالبیع والإجارة یفسخ، و مالا یحتمل الفسخ منه کالطلاق والعتاق والنکاح والتدبیر والاستیلاد والنذر فهو لازم، کذا فی الکافی". و فتاوی عالمگیری: ۳/ ۵۹۰(۱)۔

جیسے کہ ظلم وتشدد سے مجبور ہوکر کوئی طلاق دیدے تو واقع ہوجاتی ہے۔ ناعاقبت اندیش اور سوئے خیار وہ ہوتا کہ لالچ میں کہیں غیرِ کفو میں نکاح کردیا جاتا، جس سے سوئے اختیار ثابت ہوکر آئندہ اس کا کیا ہوا نکاح

(۱) (الفتاوی العالمکیریة، کتاب الإکراه، الباب الأول: ۵/ ۳۵، رشیدیه)

"إذا أکره علی أن یعقد عقداً من العقود، فهو علی وجهین: إن کان عقداً لا یبطله الهزل مثل الطلاق والنکاح والعتاق، جاز العقد، ولا یبطل بالإکراه. وإن کان عقداً یبطله الهزل مثل البیع والشراء والإجارة وغیرها، فإنه لا یجوز، ویبطل، الخ". (تنقیح الفتاوی الحامدیة، کتاب الإکراه: ۲/ ۱۵۶، مکتبه میمنیه مصر)

(وکذا فی البحر الرائق، کتاب الإکراه: ۸/ ۱۳۶، رشیدیه)

محلِ کلام ہوتا جیسا کہ علامہ شامی نے ردالمحتار میں تفصیل سے بیان کیا ہے(۱)،صورتِ مسئولہ اس میں داخل نہیں۔غریب کے متعلق جو اشکال نکاح پر ہے وہ ہی مسئلۂ طلاق پر بھی ہوسکتا ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیو بند، ۱۳/۱۰/۸۹ھ۔

نکاح بذریعۂ اکراہ

سوال[۵۳۲۶]: زید کی ایک لڑکی ہے اس کو دس آدمی مل کر یہ کہتے ہیں کہ لڑکی کا نکاح بکر کے ساتھ کردو اور اگر نہیں کرتے تو ہم تم کو ماریں گے۔اب اگر لڑکی کا باپ بخوفِ جان بکر سے اپنی لڑکی کا نکاح کردے تو وہ جائز ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

بلا وجہ اس طرح جبر کرنا گناہ اور ناجائز ہے،مگر نکاح اس صورت سے بھی منعقد ہوجاتا ہے:"نکاح المکره صحيح، اهـ". شامی: ۲/۳۷۳(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۸/شوال/۶۶ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ۔

---

(۱) "وفي شرح المجمع: حتى لو عرف من الأب سوء الاختيار لسفهه أو لطمعه، لا يجوز عقده إجماعاً، الخ". (ردالمحتار، باب الولي: ۳/۶۶، ۶۷، سعيد)

(۲) (رد المحتار، كتاب النكاح، مطلب: هل ينعقد النكاح بالألفاظ المصحفة نحو تجوزت: ۳/۲۱، سعيد)

"والأصل أن تصرفات المكره كلها قولاً منعقدة عندنا، إلا أن مايحتمل الفسخ منه، كالبيع والإجارة، يفسخ. ومالا يتحمل الفسخ منه كالطلاق والعتاق والنكاح والتدبير والاستيلاد والنذر، فهو لازم، كذا في الكافي". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الإكراه، الباب الأول: ۵/۳۵، رشيديه)

(وكذا في تنقيح الفتاوىٰ الحامدية، كتاب الإكراه: ۲/۱۵۶، مكتبه ميمنيه مصر، ومكتبه تاجران كتب بازار قندهار ،افغانستان)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الإكراه: ۸/۱۳۶، رشيديه)

جبراً نکاح

سوال[۵۳۲۷]: ہندہ کا عقدِ نکاح بزمانۂ بلوغِ ہندہ، زید کے ساتھ اس کے والدین نے کردیا، ہندہ اس نکاح پر قطعی رضامند نہ تھی اور نہ بروقتِ ایجاب وقبول ہندہ سے اجازت نکاح لی گئی، ہندہ نے اس مقام پر بہت آہ وفغاں کرکے اظہار ناراضگی بھی کیا مگر حسبِ رواجِ ہندوستان ہندہ کی والدہ، نانی وغیرہ نے ہندہ کو چُپ کرکے دبالیا اور کہا کہ تو بڑی بے حیا لڑکی ہے، ننگ خاندان وغیرہ کہہ کر آہ وفغاں سے روک دیا۔ علاوہ ازیں ہندہ کو اس وقت یہ علم بھی یقینی طور پر نہ تھا کہ بالغہ باکرہ لڑکی کا نکاح اس کی مرضی کے خلاف والدین وغیرہ نہیں کرسکتے ہیں، اس وجہ سے بھی ہندہ بصدرنج وملال خاموش ہوکر زید کے یہاں چلی گئی۔

ہندہ کے والدین ناخواندہ اور حکم شرع سے ناواقف تھے، اس وجہ سے ان کو ہندہ کے انکار کی اہمیت نہ ہوئی اور ہندہ کو زید کے ساتھ رخصت کردیا۔ جب ہندہ زید کے یہاں چلی گئی، حسبِ رواج ہندہ اور زید تنہا مکان میں رہے۔ چونکہ یہ نکاح ہندہ کی مرضی کے خلاف منعقد ہوا تھا اس وجہ سے زید وہندہ میں خلوتِ صحیحہ نہ ہوئی، اگر زید ہندہ کی طرف بڑھا تو ہندہ نے اس کی دست درازی کو روک دیا، غرض کہ زید وہندہ میں کوئی تعلقِ زن وشوئی کا پیدا نہ ہوا۔ اسی ردوکد میں زید نے ہندہ کو اکثر نہایت بےدردی سے یہاں تک مار پیٹ کیا کہ ہندہ کی تندرستی بھی خراب ہوگئی، مگر ہندہ نے اس کی مقاربت کو کبھی گوارہ نہ کیا۔ ہندہ بخوفِ جان اپنے میکے میں چلی آئی، زید نے ہندہ کو جبراً لیجانا چاہا مگر ہندہ خود نہیں گئی۔

زید وہندہ کے رشتہ داروں میں نہایت جھگڑے، فساد، مار پیٹ ہوئی یہاں تک کہ آپس میں مقدمہ بازی شروع ہوگئی۔ ہندہ کی طرف سے دعویٰ استقرارِ طلاق، دینِ مہر۔ زید کی طرف سے دعویٰ دخلِ زوجیت عدالت منصفی میں رجوع ہوگیا۔ ہندہ کے رشتہ داروں نے زید کو پیغام دلوایا کہ فریقین میں تنازعہ طویل ہوگیا، آرام کے ساتھ زندگی بسر ہونے کی کوئی توقع نہیں، بہتر ہے کہ تو ہندہ کو اپنی زوجیت سے علیحدہ کردے، ہندہ تجھ کو ایک ہزار روپے دینِ مہر کا معاف کرتی ہے، مگر زید اس کے لئے آمادہ نہیں۔ بالآخر مقدمہ بازی ہوکر زید کا دعویٰ خارج ہوگیا اور ہندہ کا دعوی زید پر ڈگری ہوا۔ لہٰذا اس صورت میں کیا حکم ہے؟ نکاحِ متذکرہ جائز ہوا یا نہیں؟ اور عدت ضروری ہے یا نہیں؟ اور اگر نکاح منعقد ہوگیا تو اس سے چھٹکارہ کی کیا صورت ہے؟

المستمس: شمشاد خان، ماموں حقیقی ہندہ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر ہندہ نے عقد کے بعد اس نکاح کو رد کر دیا تھا تو وہ رد ہو گیا تھا، اگر رد نہیں کیا بلکہ سکوت کیا اور شوہر کے گھر چلی گئی (اگر چہ خوشی سے نہ گئی ہو) اور وہاں پہونچ کر شوہر کے سامنے نکاح کو رد نہیں کیا اور اس کے بعد سختی سے تنگ آ کر مقدمہ کی نوبت آئی اور مسلمان حاکم نے شوہر کی سختیوں کی تحقیق کر کے تفریق کر دی ہے تو شرعاً یہ تفریق معتبر ہے۔ اب اس کو عدتِ طلاق تین حیض گزار کر نکاح کرنا جائز ہوگا۔

یہ سب حکم اسی وقت ہے کہ حاکم مسلمان ہو، اگر حاکم غیر مسلم ہے تو اس کی تفریق معتبر نہیں، کسی مسلمان حاکم کی عدالت میں مقدمہ پیش کر کے تفریق کا حکم حاصل کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

بہتر یہ ہوتا کہ فیصلہ کی نقل اور مدعی اور مدعیٰ علیہ کا بیان استفسار کے ساتھ آتا، تاکہ تمام پہلوؤں پر غور کیا جا سکتا۔ سوال مجمل اور مبہم ہے جو کچھ اس سے متبادر ہوتا ہے اس کے مطابق جواب صحیح ہے، مگر احتیاط یہ ہے کہ کاغذاتِ مقدمہ مفتی صاحب کو دکھلا کر دوبارہ تحقیق کی جائے۔ سعید احمد غفرلہ۔

صحیح: عبداللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۵ھ۔

ضمیمہ:

سوال جو بجواب تنقیح مکرر آیا، چنانچہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے، سائل نے حسبِ طلب مقدمہ کی مسل روانہ کی جو حسبِ ذیل کاغذات پر مشتمل تھی:

۱- عرضی دعویٰ: جس میں مدعیہ نے دعویٰ کیا ہے کہ شوہر نے مجھے طلاق دے دی۔

۲- بیان تحریری مدعیٰ علیہ: جس میں اس نے تحریر کیا ہے کہ میں نے طلاق نہیں دی۔

۳- نقلِ فیصلۂ حاکمِ مسلم: جس میں حاکم نے بوجۂ عدم پیروی وغیر حاضریٔ مدعیٰ علیہ یکطرفہ مدعیہ کا دعویٰ ڈگری کر دیا۔

۴- نقل عرضی دعویٰ خاوند برائے دخلِ زوجیت۔

۵- فیصلۂ حاکم: جس میں مدعی کے دعویٰ کو خارج کر دیا ہے اور عورت کو آزاد اور فیصلۂ حاکمِ اول کو بحال رکھا گیا ہے۔

ان کاغذات کے ملاحظہ کے بعد حسب ذیل جواب دیا گیا:

الجواب حامداً ومصلیاً:

مسماۃ سروری بیگم مدعیہ ہے اور دعویٰ یہ نہیں کہ ''شوہر تنگ رکھتا ہے، لہذا تفریق کردی جائے'' بلکہ دعویٰ یہ ہے کہ ''شوہر نے طلاق دے دی ہے''۔ اصولِ شرع کے موافق مدعیہ کے ذمہ ضروری تھا کہ اپنے دعوی کے ثبوت میں دو عادل گواہ پیش کرتی، اور گواہ موجود نہ ہونے کی صورت میں مدعیٰ علیہ شوہر سے قسم لی جاتی کہ میں نے طلاق نہیں دی۔ اگر مدعیہ گواہ پیش کردیتی، یا گواہ موجود نہ ہونے کی حالت میں مدعیٰ علیہ قسم سے انکار کردیتا تب عورت کے حق میں مقدمہ فیصل کیا جاتا۔ مگر کاغذات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مدعیہ سے گواہ نہیں طلب کئے گئے نہ مدعیٰ علیہ سے قسم لی گئی، بلکہ مدعیٰ علیہ کے غیر حاضر ہونے کی وجہ سے مدعیہ کے حق میں فیصلہ کیا گیا۔

یہ فیصلہ اصولِ شریعت کے خلاف ہے، اس کا نفاذ شرعاً درست نہیں، اولاً: اس وجہ سے کہ مدعیہ سے گواہ نہیں طلب کئے گئے۔ ثانیاً: اس لئے کہ مدعیٰ علیہ سے قسم نہیں لی گئی۔ ثالثاً: اس لئے کہ مدعیٰ علیہ کے غیر حاضر ہونے کی صورت میں فیصلہ کیا گیا۔ جو کہ قضاعلی الغائب ہے اور قضاءعلی الغائب ایسی صورت میں ناجائز ہے:

"فإذا صحت الدعوى، سأل المدعىٰ عليه عنها، فإن أقرأ وأنكر، فبرهن المدعي قضى عليه، وإلا حلف و طلبه". بحر(۱)۔ "ولا يقضىٰ على غائب وله: أي لا يصح بل و لا ينفذ على المفتىٰ به، بحر. إلا بحضور نائبه. الخ". درمختار(۲)۔

دوسرا دعویٰ شوہر کا دخلِ زوجیت کے متعلق جو خارج کیا گیا ہے اس کے خارج کرنے کی بناء پر زیادہ تر مسماۃ سروری بیگم کے دعوی کی کامیابی بیان کی گئی ہے اور اس کی شرعی حیثیت اوپر معلوم ہوچکی۔ اب تمام صورت کا شرعی جواب اسی قدر ہے کہ اگر ہندہ نے بعد عقد اس نکاح کو رد کردیا تھا، تب تو رد ہوگیا، اگر رد نہیں کیا بلکہ اجازت دیدی تو جائز ہوگیا(۳)۔

---

(۱) (البحر الرائق، كتاب الدعوى: ۳۴۵/۷، ۳۴۶، رشيديه)

(۲) (الدر المختار، فصل في الحبس، مطلب في أمر الأمير و قضائه: ۴۰۹/۵، سعيد)

(۳) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً. فإن =

پس اگر نکاح کو فسخ کرانا چاہتی ہے تو اس طرح دعویٰ کرنا چاہئے کہ ”شوہر سختی کرتا ہے، اس لئے نکاح فسخ کر دیا جائے“ اور یہ دعویٰ حاکم مسلم کی عدالت میں ہو(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۹/ ۸/ ۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبداللطیف، ۲/ رمضان/ ۱۳۵۵ھ۔

ایضاً

سوال[۵۳۲۸]: ہندہ کا نکاح جبراً اس کے بھائیوں نے زید سے کر دیا، باپ کا انتقال ہو چکا تھا، ہندہ عاقل بالغ تھی، رخصتی بھی جبراً کی گئی، اس حالت میں ایک سال ہوا، شاید دو مرتبہ اسی سال میں بیوی کی ملاقات ہوئی۔ اس طریقہ سے ہندہ زید سے ہرگز خوش نہیں اور نہ نکاح کو مانتی ہے۔ اس حالت میں ہندہ زید کی زوجہ ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو تفریق کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اگر ہندہ نے صاف صاف انکار کر دیا تھا اور پھر بھی بھائیوں نے اس کا نکاح کر دیا اور نکاح ہو جانے کی خبر سن کر ہی ہندہ نے انکار کر دیا اور اس نکاح کو نامنظور کر دیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، پھر اس کا زید کے ساتھ

= فعل ذلک فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، كذا في السراج الوهاج ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ۱/ ۲۸۷، رشيديه)

"ولا تجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية بالبلوغ، فإن استأذنها هو: أي الولي وهو السنة ". (الدرالمختار). "وإن زوجها بغير استيمار، فقد أخطأ السنة، و توقف على رضاها، بحر عن المحيط. الخ ". (ردالمحتار، باب الولي: ۳/ ۵۸، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۴، رشيديه)

(۱) "وأهله أهل الشهادة: أي أدائها على المسلمين.......... و به علم أن تقليد الكافر صحيح، وإن لم يصح قضاءه على المسلم حال كفره، الخ ". (الدرالمختار، مطلب الحكم الفعلي: ۵/ ۳۵۴، سعيد)

"فيشترط أهلية القضاء، ولا يجوز تحكيم الكافر، الخ". (الهداية، باب التحكيم: ۳/ ۱۴۳، امداديه ملتان)

(وكذا في فتح القدير، باب التحكيم: ۷/ ۳۱۶، مصطفى البابي الحلبي مصر)

رخصت ہونا اور ملاقات کرنا سخت گناہ ہوا، ایسی صورت میں وہ زید کی زوجہ نہیں (۱)۔ اگر ہندہ نے نکاح ہوجانے کی خبر سن کر خاموشی اختیار کی اور پھر زید کے ساتھ رخصت ہوکر چلی گئی اور زید کو اپنے اوپر قابو دے دیا تو یہ نکاح صحیح اور لازم ہوگیا (۲) اگرچہ دل میں اس سے ناخوش ہو، اب ہندہ زید کی بیوی ہے، دوسری جگہ نکاح کا اس کو اختیار نہیں جب تک زید طلاق نہ دیدے، اس کو چاہئے کہ زید کے ساتھ رہ کر اس کے حقوق ادا کرے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۸/۹/۸۸ھ۔

بیوہ کا زبردستی نکاح

سوال [۵۳۲۹]: ایک بیوہ عورت ہے، اس کے ہمراہ ایک لڑکی بھی ہے، بیوہ ہونے کے بعد تقریباً سال بھر اپنے میکے میں رہ کر گزر بسر کیا۔ بعد ازاں اس کے باپ نے ایک جگہ نکاح کی بات چیت کی، نکاح ہونے کی خبر سن کر اس کا پہلا خسر اس کے میکے میں آیا اور کہا کہ تم میرے یہاں چلو، میں اپنے دوسرے لڑکے کے ساتھ تمہارا نکاح کردوں گا، مگر وہ عورت جانے کے لئے کسی بھی طرح رضامند نہ ہوئی۔

آخرکار عورت کی لڑکی کو اس کا خسر گود میں لے کر اپنے گھر چلا گیا، لڑکی کو لینے کے لئے عورت نے

---

(۱) "لا يجوز نكاح أحد على بالغة صحيحة العقل من أب أو سلطان بغير إذنها، بكراً كانت أو ثيباً، فإن فعل ذلك فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته جاز، و إن ردته بطل، كما في السراج الوهاج". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۷، رشيديه)

"و لا تجبر البالغة البكر على النكاح، لانقطاع الولاية على البلوغ، فإن استأذنها هو: أي الولي وهو السنة". (الدرالمختار). "و إن زوجها بغير استيمار فقد أخطأ السنة، و توقف على رضاها، بحر عن المحيط". (رد المحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/۱۹۴، رشيديه)

(۲) "و لو كانت البكر قد دخل بها زوجها، ثم قالت: لم أرض، لم تصدق على ذلك، وكان تمكينها إياه من الدخول بها رضا، إلا إذا دخل بها و هي مكرهة". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الرابع في الأولياء: ۱/۲۸۹، رشيديه)

(و كذا في المبسوط للسرخسي، كتاب النكاح، باب نكاح البكر: ۳/۷، غفاريه)

اصرار کیا مگر وہ نہ مانا، لہذا مجبوراً عورت لڑکی کی محبت سے اس کے پیچھے پیچھے چلی گئی۔ گھر جاکر اس کے خسر نے نکاح کی مجلس منعقد کی جب عورت سے نکاح کی منظوری لی گئی، اس کے جواب میں عورت نے کہا کہ میرے باپ اور بھائی کو بلوالو، چنانچہ اس کا خسر گالی گلوچ دینے لگا، عورت اٹھ کر دوسرے گھر چلی گئی، اس کے خسر نے نکاح پڑھادیا، پھر بچہ کے ساتھ کچھ دنوں تک وہ عورت اس پہلے خسر کے یہاں رہی۔

نکاح کے چھٹے مہینے اس عورت کی لڑکی پیدا ہوئی جس کی بنا پر عورت کو نکال دیا اور کہا کہ جس کے نطفہ سے ہو لے کر جاؤ، یہ تمہارا بچہ ہمارے کام کا نہیں، لہذا عورت نے اپنے باپ کو بلوایا اور باپ کے ہمراہ اپنے میکے میں چلی آئی اور وہاں سے ایک مسلم شخص کو بتایا کہ فلاں کے نطفے سے ہے، چنانچہ اب وہ عورت اس کے یہاں مقیم ہے۔ آیا اس عورت کا نکاح جائز ہوا یا ناجائز؟ اور دوسرے شخص سے اس کو نکاح کرنے کا اختیار ہے یا نہیں؟ یہ بھی ارشاد ہو کہ جب کہ نکاح پڑھانے والے لوگ کہتے ہیں کہ عورت نے منظور کیا تھا اور عورت ہر حال میں بیان کرتی ہے کہ میں نے نہیں منظور کیا، میں دوسری جگہ چلی گئی۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر نکاح کے بعد بھی عورت نے انکار کیا ہے تو شرعاً نکاح صحیح نہیں ہوا، اور اگر نکاح کے بعد انکار نہ کیا، بلکہ اجازت دیدی خواہ دوسروں کے برا بھلا کہنے ہی سے اجازت دی ہو تو نکاح صحیح ہوگیا۔ پہلی صورت میں دوسری جگہ نکاح درست ہے، دوسری صورت میں جب تک شوہر طلاق نہ دے اور عدت نہ گذر جائے دوسری جگہ نکاح صحیح نہیں:

قال في الفتاوی الهندية: "لا يجوز نكاح أحدٍ على بالغة صحيحة العقل من أب، أو سلطان بغير إذنها، بكراً أو كانت ثيباً، فإن فعل ذلك، فالنكاح موقوف على إجازتها، فإن أجازته، جاز. وإن ردته، بطل. اهـ". هنديه: ١/٢٨٧(١)۔ قال في الفتاوی الهندية: "لا يجوز

---

(١) (الفتاوی العالمكيرية، الباب الرابع في الأولياء: ١/٢٨٧، رشيديه)

"(ولا تجبر بكر بالغة على النكاح): أي لا ينفذ عقد الولي عليها بغير رضاها عندنا، الخ".
(البحر الرائق، باب الأولياء والأكفاء: ٣/١٩٤، رشيديه)

"وإن زوجها بغير استيمار، فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها، بحر عن المحيط". =

للرجل أن يتزوج زوجة غيره. اهـ". هنديه: ۱/ ۲۸۰(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، ۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ،　　صحیح: عبداللطیف، ۶/ جمادی الثانیہ/ ۵۹ھ۔

ایضاً

سوال[۵۳۳۰]: ایک بیوہ عورت کا نکاح زبردستی ایک نابالغ سے کردیا گیا بغیر اس کی رضا مندی کے، اور اس کا نشانی، انگوٹھا بھی درج کرلیا، مگر وہ یہ کہتی رہی کہ مجھ کو ساری کو بھی نہ لگا لو تب بھی اس کے یہاں نہ رہوں گی۔ پھر اسی کے مکان پر ایک سال گزر بسر کرتی رہی، کیونکہ بیوہ اسی کے بھائی کی عورت تھی یعنی جس کے ساتھ نکاح ہوا، جنھوں نے جبراً نکاح کیا تھا، انھوں نے اپنی مرضی سے دوبارہ نکاح کردیا جہاں وہ رضا مند تھی۔

الجواب حامداً و مصلياً:

اگر نکاح کے بعد بھی اس نے انکار کردیا تھا اور وہ راضی نہ تھی تو وہ نکاح صحیح نہیں ہوا تھا اور پھر جس جگہ اس کی رضا مندی سے نکاح ہوا ہے وہ صحیح اور درست ہے۔

اور اگر نکاح ہوجانے پر وہ رضا مند ہوگئی تھی تو نکاح صحیح اور لازم ہوگیا تھا(۲) پھر دوسری جگہ جو نکاح

= (ردالمحتار، باب الولی: ۳/ ۵۸، سعید)

(۱) (الفتاویٰ العالمکیریة، القسم السادس: المحرمات التی یتعلق بها حق الغیر: ۱/ ۲۸۰، رشیدیه)

(۲) "لا یجوز نکاح أحد علی بالغة صحیحة العقل من أب أو سلطان بغیر إذنها بکراً کانت أو ثیباً، فإن فعل ذلک فالنکاح موقوف علی إجازتها، فإن أجازته جاز، وإن ردته بطل، کذا فی السراج الوهاج".

(الفتاویٰ العالمکیریة، کتاب النکاح، الباب الرابع فی الأولیاء: ۱/ ۲۸۷، رشیدیه)

"و لا تجبر البالغة البکر علی النکاح، لانقطاع الولایة بالبلوغ، فإن استأذنها هو: أی الولی، وهو السنة". (الدرالمختار). "وإن زوجها بغیر استیمار فقد أخطأ السنة، و توقف علی رضاها".

(ردالمحتار، باب الأولیاء: ۳/ ۵۸، سعید)

(وکذا فی البحر الرائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۳/ ۱۹۴، رشیدیه)

ہوا، وہ صحیح نہیں ہوا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح :سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ ہٰذا،۵/۹/۵۹ھ۔

لڑکی کا جبراً نکاح

سوال[۵۳۳۱]: ۱......ایک بارہ سالہ لڑکی کو کسی ظالم نے عداوۃً زبردستی باہر جنگل سے اٹھا کر اور بلا رضا مندی لڑکی کے بلا اجازت وارثین کے اس کا نکاح کر دیا گیا، یہاں تک کہ اس لڑکی کے والدین و وارثین کو کچھ خبر تک بھی نہیں ہے بلکہ وہ شب وروز اس گمشدہ لڑکی کے متلاشی ہیں۔اس صورت مذکورہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یا دوسرے کسی امام کے نزدیک یا حدیث وقرآن کی رو سے یہ نکاح صحیح و درست ہوسکتا ہے یا نہیں؟اور ایک مولوی صاحب نے پانچ روپیہ کے عوض باوجود حالات معلوم ہونے کے دو گواہوں کے روبرو نکاح پڑھا دیا۔از روئے شریعت اس نکاح پڑھانے والے کی بھی کوئی گرفت ہے یا نہیں؟

اور بروقتِ نکاح جس وقت لڑکی سے اجازت طلب کی گئی تو اس نے صاف انکار کر دیا کہ میں یہاں نکاح نہیں کرتی تو لوگوں نے اس لڑکی کو کاغذ پر انگوٹھا لگانے پر مجبور کیا، مگر لڑکی نے صاف انکار کر دیا اور انگوٹھا بھی نہیں لگایا۔ پھر اس جگہ سے لڑکی کو اٹھا کر دوسرے ضلع میں لے گئے، وہاں پر دو آدمیوں نے مارنے کی دھمکی دی اور زبردستی پکڑ کر انگوٹھا لگوایا۔اب یہ انگوٹھا نکاح ہونے کی حجت و دلیل ہوسکتا ہے یا نہیں؟ براہ مہربانی اس کا جواب مفصل مع دلائل تحریر فرمائیں۔

۲......وعدہ خلافی کرنا کیسا ہے؟

الجواب حامداً و مصلياً:

۱......شرعاً یہ نکاح صحیح نہیں ہوا، جس شخص نے باوجودِ علم کے یہ نکاح پڑھایا ہے وہ سخت گناہ گار ہے،لڑکی

---

(۱) اگر نکاح پر رضا مند ہوگئی تو اب منکوحۃ الغیر ہونے کی وجہ سے نکاح ثانی درست نہیں ہوا:

"لايجوز للرجل أن يتزوج زوجة غيره، كذا في السراج الوهاج". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، القسم السادس المحرمات التي يتعلق بها حق الغير: ۱/۲۸۰، رشيديه)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في شرط الا تكون منكوحة الغير: ۳/۴۵۱، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في رد المحتار، باب المهر، مطلب في النكاح الفاسد: ۳/۱۳۲، سعيد)

اگر بالغہ ہوتو اس پر جبر کا حق کسی کو حاصل نہیں "لاتجبر البالغة البکر علی النکاح، لانقطاع الولایة بالبلوغ، اھ". درمختار: ۲/۴۸۹(۱)۔

اگر نابالغہ ہوتو اس کا نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے: "الولی شرط صحة نکاح صغیر، اھ". درمختار۔ "الموصوف محذوف: أی شخص صغیر، الخ. فیشمل الذکر والأنثی". شامی: ۲/۴۸۵(۲)۔

بہکا کر لے جانے والے، زبردستی نکاح پڑھانے والے، انگوٹھا لگانے والے اور جو لوگ اس میں شریک ہوئے اور باوجود قدرت جن لوگوں نے اس حرکت سے نہیں روکا سب گنہ گار ہیں، سب کے سب توبہ کریں سب کے ذمہ توبہ لازم ہے(۳) اور ضروری ہے کہ جس طرح ممکن ہو لڑکی کو اس کے اولیاء کے پاس پہنچائیں۔

۲...... وعدہ خلافی کرنا شرعاً گناہ ہے مگر یہ کہ کوئی مانعِ قوی پیش آجائے یا وہ وعدہ ہی خلافِ شرع ہو، کذافی الحموی شرح الأشباہ(٤)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ، جواب صحیح: عبداللطیف، ۲۰/رجب/۶۴ھ۔

---

(۱) (الدر المختار، باب الولی: ۳/۵۸، سعید)

(وکذا فی الهدایة، باب فی الأولیاء والأکفاء: ۲/۳۱۴، مکتبه شرکة علمیه ملتان)

(وکذافی النهر الفائق، باب الأولیاء والأکفاء: ۲/۲۰۲، امدادیه ملتان)

(۲) (الدر المختار مع رد المحتار، باب الولی: ۳/۵۵، سعید)

(وکذا فی حاشیة الطحطاوی علی الدر المختار، باب الولی: ۲/۲۲، دار المعرفة بیروت)

(۳) "واتفقوا علی أن التوبة من جمیع المعاصی واجبة وأنها واجبة علی الفور لایجوز تأخیرها، سواء کانت المعصیة صغیرةً أو کبیرةً. والتوبة من مهمات الإسلام وقواعده المتأکدة، ووجوبها عند أهل السنة بالشرع". (شرح النووی علی الصحیح لمسلم، کتاب التوبة: ۲/۳۵۴، قدیمی)

(وکذا فی روح المعانی، سورة التحریم، تحت الآیة: ﴿یآیها الذین اٰمنوا توبوا إلی الله توبةً نصوحاً﴾: ۲۸/۱۵۹، دار إحیاء التراث العربی بیروت)

(۴) "الخلف فی الوعد حرام، کذا فی أضحیة الذخیرة". قال العلامة الحموی: "وأما من عزم علی=

بالغہ کا نکاح جبراً

سوال[۵۳۳۲]: ایک بالغ لڑکی کا نکاح اس کے باپ نے اس کی مرضی کے بغیر زید سے کردیا اور نکاح سے قبل لڑکی زید کے یہاں جانے سے انکار کرتی رہی اور نکاح کے بعد رخصتی کے وقت اس نے صراحت کے ساتھ کہا کہ میں زید کے ساتھ نکاح کرنا نہیں چاہتی، لیکن جب والد صاحب نے بالجبر اس کو گھر سے رخصت کرنا چاہا تو وہ صدمہ سے بے ہوش ہوگئی اور ایسی حالت میں اس کو زید کے یہاں بھیجدیا گیا۔ لڑکی دینی تعلیم یافتہ اور پابندِ شرع ہے اور زید اور اس کا گھرانہ جاہل ہے، بلکہ شریعت سے استہزاء وتمسخر کا عادی ہے۔ لڑکی کے تنفر کا بڑا سبب یہی ہے کہ زید کے بارے میں پہلے سے بدستور مشہور تھا کہ وہ آوارہ اور آزاد طبع ہے۔

چنانچہ رخصتی کے بعد بھی لڑکی نے حتی الامکان زید کو اپنے اوپر قابو نہیں دیا حتی کہ اس کی ساس نے اس کے ہاتھ وغیرہ باندھ کر شوہر کو اس کے پاس حق زوجیت ادا کرنے کیلئے بھیجا۔ زید نے لڑکی کے ساتھ جب بھی قربت کی اسی جبر وقہر کی حالت میں کی۔ نکاح کو بارہ سال گذر چکے ہیں، اس دوران میں بار بار زید کے مکان سے فرار ہوکر اپنے عزیزوں کے یہاں جاتی رہی اور اب اس سے تین بچے بھی ہوگئے، مگر لڑکی کی نفرت وکراہت کا وہی عالم ہے۔ اس صورت میں کیا نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ اور اب اس کے بارے میں کیا حکم ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

جب یہ ظلم وستم بارہ سال سے ہو رہا ہے اور تین بچے بھی ہو چکے ہیں تو اتنی مدت تک مسئلہ کیوں دریافت نہیں کیا، حرام وحلال کی اہمیت کا تقاضا یہ تھا کہ جب اس قسم کا نکاح کیا گیا فوراً دریافت کیا جاتا کہ یہ نکاح صحیح

= الوفاء، ثم بدأله فلم يف بهذا، لم يوجد منه صورة نفاق، كما في الإحياء من حديث طويل عند أبي داؤد والترمذي مختصراً بلفظ: "إذا وعد الرجل أخاه ومن نيته أن يفي فلم يف، فلا إثم عليه". وقيل: عليه، فيه بحث فإن أمر ﴿أوفوا بالعقود﴾ مطلق، فيحمل عدم الإثم في الحديث، على ما إذا منع مانع من الوفاء، الخ". (غمز عيون البصائر شرح الأشباه والنظائر، (رقم القاعده: ۱۲)، كتاب الحظر والإباحة: ۲۳۶/۳، إدارة القرآن كراچی)

(وكذا في مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، كتاب الآداب، باب الوعد، الفصل الثاني: ۲۱۵/۸، رشيديه)

ہوا یا نہیں، لڑکی کو رخصت کرنا حلال ہے یا حرام ہے، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر شوہر کو زبردستی اس پر مسلط کرنا جائز ہے یا معصیت ہے؟ ان سب حوادث کے بعد آج دریافت کرنا شبہ پیدا کرتا ہے۔ اب شوہر سے طلاق لی جائے یا بذریعۂ شرعی کمیٹی تفریق کرائی جائے (۱)، پھر جب عدت گذر جائے تب نکاحِ ثانی کے اقدام کی گنجائش ہوگی (۲)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

جبراً اقرارِ نکاح

سوال[۵۳۳۳]: مسماۃ راحت النساء اپنی پھوپھی کے گھر گئی تھی، کچھ لوگ وہاں پہونچے اور لڑکی سے کہا کہ تمہارے والد تم کو فلاں جگہ بلاتے ہیں۔ لڑکی ان کے ساتھ چلی، راستہ میں ایک جنگل میں ان لوگوں نے لڑکی سے کہا کہ تم اقرار کرو کہ تمہارا عقد فلاں کے ہمراہ کردیا گیا، اگر تم اقرار نہیں کرتی تو ہتھیار دکھلا کر کہا کہ ختم کردیا جائے گا۔ لڑکی نے جان کے خوف سے ہاں کردی اور عقد ہوگیا۔ پھر لڑکی کسی طرح بہانہ کرکے وہاں سے بھاگ کر آگئی۔ اب وہ نکاح ہوگیا تھا یا نہیں؟ لڑکی نہ پہلے راضی تھی نہ اب راضی ہے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

لڑکی پر یہ بہت بڑا ظلم ہوا، ایسا کرنے والے سب لوگ سخت گنہگار ہوئے، اس کے باوجود یہ نکاح منعقد ہوگیا (۳)۔ لڑکی صبر کرے اور منتظر رہے کہ ظالموں پر کیسا وبال آتا ہے، اگر برداشت نہیں کرسکتی تو کسی

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿فإن خفتم ألا یقیما حدود الله فلا جناح علیهما فیما افتدت به﴾ (البقرة: ۲۲۹)

"ویجب لوفات الإمساک بالمعروف". (الدرالمختار، کتاب الطلاق: ۳/۲۲۹، سعید)

(۲) قال الله تعالیٰ: ﴿فإذا بلغن أجلهن فلا تعضلوهن أن ینکحن أزواجهن﴾ (البقرة: ۲۳۲)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة". (بدائع الصنائع، کتاب الطلاق، فصل فی شرائط جواز الرجعة: ۴/۳۹۶، دارالکتب العلمیه بیروت)

(۳) "طلاق وإیلاء وظهار ورجعة ونکاح .... یشمل ما إذا أکره الزوجة أو الزوج علی عقدالنکاح کما هو مقتضی إطلاقهم". (ردالمحتار، کتاب الطلاق، مطلب فی المسائل التی تصح مع الإکراه: ۳/۲۳۶، سعید)

"(قوله: یستحق رضاها): أی یصدر ما من شانه أن یدل علی الرضاء؛ إذ حقیقیة الرضاء غیر =

طرح خوشامد کرکے مہر معاف کرکے طلاق لے لے(۱)۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

بالغہ کو بہکا کر لے جا کر اس سے نکاح کر لینا

سوال[۵۳۳۴]: آج کل پنجاب میں یہ مرض عام پھیل گیا ہے کہ عموماً کنواری لڑکیاں محض فساق سے خفیہ ناجائز تعلقات پیدا کر لیتی ہیں، کئی دنوں کے بعد وہ فساق ان کو والدین کے گھر سے کوئی موقع پا کر لے بھاگتے ہیں، اور کسی اَور علاقہ میں جا کے نکاح کر لیتے ہیں، کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک باکرہ کا نکاح بغیر اجازتِ ولی جائز ہے جس سے فساق نے ناجائز نفع اٹھانا شروع کر دیا ہے جس کی وجہ سے فساد برپا ہو رہا ہے۔

کیا آج کل انسدادِ فتنہ کے واسطے امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے قول عدمِ جوازِ نکاح باکرہ بغیر رضائے ولی پر فتویٰ نہیں دیا جاسکتا، اور اس پر عمل جائز نہیں جبکہ دیگر ائمہ بھی امام شافعی کے متفق ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اس مرض کا علاج یہ نہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کو ترک کر دیا جائے، بلکہ یہ ہے (کہ) بعد بلوغ لڑکیوں کی شادی میں اپنے رواج، یا قومی مصالح، یا ذاتی منافع کی بناء پر تاخیر نہ کی جائے، نیز شادی

= مشروط في النكاح لصحته مع الإكراه والهزل". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/ ۲۱، سعيد)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۲/ ۱۰، دارالمعرفة بيروت)

"عن أبي هريرة رضي الله تعالىٰ عنه أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال: "ثلث جدهن جدٌ، وهزلهن جد: النكاح والطلاق، والرجعة". (مشكوة المصابيح، باب الخلع والطلاق، الفصل الثاني: ۲/ ۲۸۴، قديمي)

(۱) قال الله تعالىٰ: ﴿فإن خفتم ألا يقيما حدود الله، فلا جناح عليهما فيما افتدت به﴾ (سورة البقرة: ۲۲۹)

"إذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله، فلابأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، فإذا فعلا ذلك، وقعت تطليقة بائنة ولزمها المال". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الطلاق، الباب الثامن في الخلع، الفصل الأول: ۱/ ۴۸۸، رشيديه)

سے قبل لڑکی سے استیذان کیا جاوے تاکہ اس کی رضا وعدمِ رضا کا بھی اندازہ ہو جائے۔ یہ علاج مذہبِ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے موافق اور احادیث سے ثابت ہے، دیگر ائمہ بھی اسی میں متفق ہیں۔ جبکہ متفق علیہ اور مسنون طریقہ موجود ہے پھر مذہب کو چھوڑنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے(۱)۔ دوسرے امام کے قول پر فتویٰ دینا اس مسئلہ میں درست نہیں (۲)۔

نــــوٹ: اگر بالغہ لڑکی غیرکفو میں اپنا نکاح خود کرے تو امام صاحبؒ کے ایک قول کے مطابق اس کا نکاح ہی درست نہیں ہوتا اور یہی قول مفتیٰ بہ بھی ہے(۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ۔

الجواب صحیح: سعید احمد، عبداللطیف، ۲۶/۱۱/۱۳۶۲ھ۔



(۱) "وعن عمر بن الخطاب وأنس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنهما عن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم قال: "في التوراة مكتوب: من بلغت ابنته اثنتي عشرة سنةً، ولم يزوجها فأصابت إثماً فإثم ذلك عليه".

(مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب الولي في النكاح، الفصل الثالث، ص: ۲/ ۲۷۱، قديمي)

"وقال صلى الله عليه وسلم: "ولا تنكح البكر حتى تستأذن". (مشكوة المصابيح، الفصل الأول، ص: ۲۷۰، قديمي)

"(قوله: وهو السنة) بأن لها فلان يخطبك أو يذكرك فسكتت، وإن زوّجها بغير استيمار فقد أخطأ السنة، وتوقف على رضاها". (ردالمحتار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/۵۸، سعيد)

(وانظر أيضاً البحر الرائق، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۳/ ۱۹۹، رشيديه)

(۲) "وفي الفتح: قالوا: المنتقل من مذهب إلى مذهب باجتهاد وبرهان، آثم، يستوجب التعزير، فبلا اجتهاد وبرهان أولى". (الحموي شرح الأشباه، كتاب الحدود والتعزير، الفن الثاني، الفوائد: ۲/ ۱۷۱، إدارة القرآن كراچي)

(وانظر أيضاً ردالمحتار، كتاب الحدود، باب التعزير، مطلب فيما إذا ارتحل إلى غير مذهبه: ۴/۸۰، سعيد)

(۳) "(ويفتى) في غير الكفؤ (بعدم جوازه أصلاً) وهو المختار للفتوى (لفساد الزمان)". (الدرالمختار، كتاب النكاح، باب الولي: ۳/ ۵۶، ۵۷، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۲/ ۳۱۴، شركة علمية)

(وكذا في ملتقى الابحر، كتاب النكاح، باب الأولياء والأكفاء: ۱/ ۴۸۸، ۴۹۰، غفاريه)

فصل فی ألفاظ النکاح

(نکاح کے الفاظ کا بیان)

ایجاب وقبول کے الفاظ

سوال[۵۳۳۵] : ان لفظوں سے نکاح ہوتا ہے کہ نہیں کہ کسی نے گواہوں کے روبرو کہا: ''میں نے اپنی فلاں لڑکی کا نکاح تمہارے ساتھ کیا''۔ آیا نکاح ہوا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ان الفاظ سے نکاح صحیح ہوجاتا ہے(۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، دارالعلوم دیوبند، صحیح: سید مہدی حسن غفرلہ۔

اشارۂ سر، یا لفظِ ''منظور'' سے قبولِ نکاح

سوال[۵۳۳۶] : ہندہ باکرہ ہے اور وہ جب گواہوں کے سامنے آئی تو استحیاءً اس نے ایجاب کا جواب لفظ ''قبلت'' یا کسی اَور لفظ سے نہیں دیا بلکہ خاموش رہی، یا سر سے منظوری کا اشارہ کیا، یا بجائے ''قبلت'' کے ''منظور ہے'' کا لفظ کہنے سے نکاح بلاتردد منعقد ہوگا یا نہیں؟

امیر علی، صاحب معرفت حامد میاں مدرسہ شاہی مرادآباد۔

---

(۱) ''و ینعقد متلبساً بإیجاب من أحدهما و قبول من الآخر و ضعا للمضی؛ لأن الماضی أدل علی التحقیق، کزوجت نفسی أو بنتی أو موکلتی منک، ویقول الآخر: تزوجت، الخ''. (الدرالمختار، کتاب النکاح: ۳/ ۹، ۱۰، سعید)

(وکذا فی بدائع الصنائع، کتاب النکاح، ۳/ ۳۲۲، دارالکتب العلمیة بیروت)

الجواب حامداً ومصلياً:

خاموش رہنے اور سر ہلانے سے منعقد نہیں ہوگا اور لفظ ''منظور ہے'' کہنے سے منعقد ہو جائے گا:

''وينعقد بإيحاب وقبول، وضعا للمضى، وبما وضع أحدهما له والأخر للاستقبال. كزوجنى، فإذا قال: زوجت أو قبلت أو بالسمع والطاعة، اه، بزازيه، اهـ. نص عبارتها: قال: زوّجى نفسكِ منه، فقالت: بالسمع والطاعة، صح، اهـ. ونقل هذا الفرع فى البحر عن النوازل ونقله فى موضع اخر عن الخلاصة، فافهم''. در وشامى مختصراً (١)۔

''الإشارة إنّما تعتبر إذاصارت معهودةً، وذلك فى الأخرس دون المعتقل، ولأن الضرورة فى الأصل لازمة و فى العارضى على شرف الزوال، اهـ''. مجمع الأنهر: ٢/٧٣٣(٢)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ١٩/ ذیقعدہ/ ٧٠ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

صحیح: عبد اللطیف، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

''لڑکی خدا کے واسطے دیدی'' کہنے سے نکاح کا حکم

سوال[٥٣٣٧]: زید نے اپنی دختر ہندہ- جس کی عمر تقریباً چار پانچ سال کی ہے- زید نے اپنے ہوش و عقل کے ساتھ یہ الفاظ کہے۔ کہ ''میں نے اپنی دختر مسماۃ ہندہ خالد کے پسر کو اللہ واسطے دیدی ہے''۔ خالد نے اسی مجلس میں اپنے پسر کے لئے قبول کیا۔ آیا عند الشرع صورت مسئولہ میں نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلياً:

یہ الفاظ کہ ''میں نے اپنی دختر ہندہ کو خالد کے پسر کو اللہ واسطے دیدی ہے''، کنایاتِ نکاح میں سے ہیں،

---

(١) (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: كثيراً ما يتساهل فى إطلاق المستحب على السنة: ٣/١٠، سعيد)

(وكذا فى البزازية على هامش الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ٤/١٠٩، رشيديه)

(٢) (مجمع الأنهر، مسائل شتى: ٢/٧٣٣، دار إحياء التراث العربى بيروت)

اگر بہ نیتِ نکاح یہ الفاظ کہے ہیں یا کوئی دوسرا قرینہ وغیرہ نکاح پر موجود ہے اور اس مجلس کو مجلسِ عقدِ نکاح سمجھا گیا ہو اور گواہوں نے بھی یہی سمجھا ہو کہ ان الفاظ سے مقصود نکاح ہے تو شرعاً نکاح منعقد ہو گیا ورنہ نہیں:

"وإنما يصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريحان، وما عداهما كناية. وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية غير المقيدة بالحال كهبة وتمليك و صدقة وعطية و قرض و سلم واستيجار وصلح و صرف. وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة و فهم الشهود المقصود". درمختار: ۲/۱۳ ٤(۱)۔ فقط۔

"والحاصل أن كناياته على ثلثة أنواع، ما ينعقد به إجماعاً اهـ". زيلعي. قال الشلبي: "وذلك كالتمليك والهبة والصدقة و نحوها"(۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۲۰/۲/۵۵ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف۔

لفظ "اجرت" سے نکاح

سوال [۵۳۳۸]: کیا فرماتے ہیں علمائے دینِ متین اور مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ:

مسماۃ ہندہ نے جو کہ عاقلہ بالغہ ثیبہ بیوہ ہے اور عمر اس کی بیس سال سے متجاوز ہے، زید نے ایک مختصر سا کام کیا، زید نے بعد انجام دہی ہندہ سے مذاقاً کہا کہ "مجھ کو اس کی اجرت چاہیے جو خاص خصوصیت رکھتی ہو" اس وقت ہندہ نے بہت خوش ہو کر کہا کہ "اس صلہ میں مجھ کو لے لیجیے، میں نے اپنے ہی کو آپ کے حوالہ کیا"۔

تب زید نے کہا کہ خوب مضبوط ہو کر کہو پھر ہندہ نے اور بھی مستعدی اور مضبوطی سے پُر زور الفاظ میں کہا اور زید نے اس قول کو ہندہ سے بار بار کہہ کر تین چار دفعہ کہلوایا اور ہندہ نے ہر بار اقرار کیا اور زید قبول کرتا

---

(۱) (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۲/۳ ۱، ۱۷، سعيد)

(۲) (تبيين الحقائق مع حاشية العلامة الشلبي، كتاب النكاح: ۲/ ۴۵۲، دار الكتب العلميه بيروت)

"و ما ينعقد به النكاح، فهو نوعان: صريح و كناية، فالصريح لفظ النكاح والتزويج، وماعداهما و هو ما يفيد ملك العين في الحال كناية، كذا في النهر الفائق ناقلاً عن المبسوط، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح و ما لا ينعقد به: ۱/ ۲۷۰، رشيديه)

رہا اور یہ واقعہ تین چار عورتوں اور ایک مرد کے مواجہہ میں ہوا، پھر دوسرے دن بھی زید نے اس معاملہ کو دوبارہ تجدید وتصدیق ہندہ سے کی، چنانچہ اسی طرح ہندہ اپنی ذات کو زید کے سپرد کرتی رہی اور زید قبول کرتا رہا۔ پھر زید نے کہا کہ: اس قول سے پھر تو نہ پلٹوگی؟

ہندہ نے کہا کہ نہیں اور ہندہ نے محبت واخلاص سے اور محبت وصداقت سے کہی، اس میں کوئی بناوٹ یا مذاق کا پہلو نہ تھا، اور حقیقۃً ہندہ نے محبت واخلاص سے واقعی طور پر کہا تھا۔ تب پھر زید نے کہا کہ دیکھو اب تو رجسٹری ہوگئی، ہندہ نے اسے بھی تسلیم کرلیا۔ پس ایسی حالت میں زید اور ہندہ کا باہم عقد ومنا کحت شرعاً منعقد ہو گیا یا نہیں؟ بحوالۂ کتبِ فقہ جواب سے مطلع فرمائیں۔ بینوا توجروا۔

اور صورت عقد منا کحت ہوجاتے کے مہر کیا قرار پائیگا، شوہر کے خاندان کا لیا جاوے گا (زید) یا زوجہ یعنی مسماۃ ہندہ کے خاندان کا؟ بینوا توجروا۔

المستفتی: محمد خلیل مقیم درگاہ شریف، کچھوچھہ، ضلع فیض آباد، یوپی۔

تنقیحات

باسمہ تعالیٰ

۱- وہ مختصر سا کام کیا تھا (اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہے یا نہیں؟)

۲- جس وقت ہندہ نے زید سے اس کام کیلئے کہا تھا اس وقت اجرت کا کوئی تذکرہ آیا یا نہیں؟ اگر آیا تو کیا اجرت قرار پائی؟ اگر نہیں تو کیا دونوں کے ذہن میں لینے دینے کا ارادہ تھا یا نہیں؟ یا محض تبرعاً واستحساناً کام کیا؟ اور دل میں کوئی اجرت کی نیت نہ تھی؟ مہر میں اجرت کا ذکر آیا۔

۳- ہندہ نے بعینہ یہی الفاظ کہے یا کچھ اور؟ اس کے جواب میں زید نے کن الفاظ سے قبول کیا؟

۴- ہندہ نے یہ الفاظ بنیتِ نکاح کہے یا کچھ اور؟ اس کو زید نے بنیتِ نکاح قبول کیا یا کسی اور نیت سے؟

۵- حاضرین مرد اور عورتوں نے بھی اس کلام کو نکاح سمجھا یا کچھ اور؟

اولاً جواب لکھا تھا لیکن تشقیقات کے باعث محلِ اشکال وتأمل تھا، اس لئے بعد میں مناسب معلوم ہوا کہ تشقیقات واغلاقات کو سائل سے حاصل کرلیا جائے تاکہ جواب صاف اور بے تردد ہو، لہٰذا امورِ مذکورہ بالا کو حل کر دیجئے، پھر انشاء اللہ جواب واضح تحریر کردیا جائے گا۔

از: دارالافتاء مدرسہ مظاہر علوم۔

جواباتِ تنقیح

۱-وہ کام یہ تھا کہ ہندہ نے زید کو دوسیر کی مٹھائی دی اور کہا کہ اس کو فلاں بزرگ کے نام فاتحہ پڑھ دو، اس نے پڑھ دیا تھا۔ پس واقعۃً اجرت لینا مقصود بھی نہ تھا۔

۲-اس کام کی نہ کوئی اجرت ہو سکتی ہے، نہ کوئی تذکرہ تھا، نہ ضرورت ہی تھی، نہ لینا مقصود تھا، دونوں کے ذہن میں اجرت لینے دینے کا بالکل خیال نہ تھا، یہ کام تو تبرعاً واحساناً کیا، بعد میں محض مذاقاً اجرت کو کہا تھا، نہ اجرت ٹھہری تھی، نہ ذکر آیا تھا، نہ نیت تھی، نہ موقع ہی تھا۔ صورت یہ تھی کہ ۸/ رجب کو ملاّ نے فاتحہ دیتے ہیں، پیسہ روپیہ چراغی کے نام سے لیتے ہیں، اسی بنا پر زید نے کہا کہ ہماری چراغی ملنی چاہیے ورنہ اجرت کیسی؟ اور چراغی بھی مقصود نہ تھا نہ زید کا یہ پیشہ ہے۔

۳-ہندہ نے بعینہ وہی الفاظ کہے تھے (اور اس کا اصل منشاء یہ ہی ہے کہ میں من کل الوجوہ اپنے اوپر زید کو کلی اختیار دیتی ہوں، اس کا لب ولہجہ اور عنوانِ محبت واخلاص وہی تھا جو لکھا ہے۔ زید نے کہا کہ "میں بسر وچشم قبول کرتا ہوں مگر مضبوط رہنا"، اس نے کہا کہ "ہاں ہاں میں مضبوط ہوں" اور پھر دوسرے دن رجسٹری والا مضمون پیش آیا اور ہندہ نے بھی تسلیم کیا۔

۴-ہندہ نے بنیتِ نکاح یہ الفاظ نہیں کہے مگر زید نے بنیتِ نکاح ہی قبول کیا اور خیال کیا کہ علماء سے دریافت کر کے جیسا ہوگا ویسا ہی کیا جائے گا۔

۵-حاضرین میں چند عورتیں تھیں ایک مرد بھی تھا، اس کلام کو نکاح نہیں سمجھا مگر مذاقاً یہ طنز لگایا، مگر نکاح نہ سمجھا۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جن الفاظ سے نکاح منعقد ہو جاتا ہے وہ دو قسم پر ہیں: اول صریح، دوم کنایہ۔

"اس صلہ واجرت میں آپ مجھ کو لے لیجئے" کنایاتِ نکاح میں سے ہے صریح نہیں، اور کسی کام کی اجرت میں نکاح کر دینا یعنی عورت کو اجرت قرار دینا شرعاً درست ہوتا ہے گو اس کی صحت کے لئے چند شرطیں ہیں:

اول: ادائے الفاظ کے وقت نکاح کی نیت ہو (ہندہ نے بہ نیتِ نکاح یہ الفاظ نہیں کہے)۔

دوم: حاضرین اور گواہوں نے اس کو نکاح سمجھا ہو (یہاں ایسا نہیں ہوا)۔

سوم: کوئی قرینہ بھی ارادۂ نکاح پر ہو (اس صورت میں یہ بھی نہیں)۔

چہارم: با قاعدہ اجارہ کیا گیا ہو اور عورت کو ایسے کام کی اجرت قرار دیا گیا ہو کہ اس پر اجرت لینا شرعاً جائز ہو (صورتِ مسئولہ میں یہ بھی مفقود ہے)۔ پس یہ نکاح شرعی نکاح نہیں ہوا بلکہ لغو اور بیکار ہے اس پر کوئی شرعی حکم مرتب نہ ہوگا:

"وإنما يصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريح، وما عداهما كناية. وهو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة فلا يصح بالشركة في الحال، خرج الوصية، غير المقيدة بالحال، كهبة و تمليك و صدقة و عطية وقرض وسلم و استيجار و صلح وصرف، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة و فهم الشهود المقصود". در مختار (١)۔

"(قوله: وسلم واستيجار) و هذا إذا جعلت المرأة رأس مال السلم أو جعلت أجرةً، فينعقد إجماعاً، و قال تحت (قوله: بشرط نية أو قرينة) بعد بسط الكلام و ملخصه: إنه لا بد في كنايات النكاح من النيةمع قرينة أو تصديق القابل للموجب و فهم الشهود والمراد أوإعلامهم به". درمختار: ٢/٤١٥، ٤١٦(٢)۔

شرط کا معدوم ہونا جوابِ تنقیح سے واضح ہوا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۸/ ۸/ ۵۷ھ۔

اس سوال کی تنقیح مع جوابِ تنقیح نقل کی گئی ہے۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، صحیح: عبد اللطیف، ۹/ شعبان/ ۵۷ھ۔

---

(١) (الدر المختار، كتاب النكاح: ٣/١٦ - ١٨، سعيد)

(وكذا في ملتقى الأبحر على هامش مجمع الأنهر، كتاب النكاح: ١/٣١٨، ، دارإحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ٢/٩، دارالمعرفة بيروت)

(٢) (الدرالمختار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ٣/١٧، ١٨، سعيد) .... =

لفظ ''جان بخشی'' سے نکاح، غیر عادل لوگوں کی گواہی نکاح میں

سوال[۵۳۳۹]: احمد ابراہیم ایک لڑکی مسلمہ باکرہ مسماۃ حافظہ بی بی کو بہکا کر کسی گاؤں میں لے گیا اور اس گاؤں کے امام مسجد سے کہا کہ ہم دونوں کا نکاح پڑھا دیجئے، امام موصوف نے انکار کیا کہ میں ایسے جھگڑے کے نکاح نہیں پڑھاتا ہوں۔ چنانچہ امام صاحب کے اس انکار کی وجہ سے مذکورہ لڑکی نے دو مرد اور دو عورت کے سامنے احمد ابراہیم صوفی کو اپنے جاں بخشی کردی، مگر مہر کا ذکر اور تسمیہ اس مجلس میں نہیں ہوا۔ منجملہ ان دو مردوں کے ایک ان میں سے ناکح احمد ابراہیم کا پھوپھی زاد بھائی ہے اور دوسرا رشتہ سے سالا یا بہنوئی ہے اور مذکورہ دو عورتیں ان میں سے ایک ناکح کی پھوپھی ہوتی ہے، نیز یہ بھی فرض کر لیجیے کہ شہودِ مذکورہ غیر عدول یعنی فاسق ہی ہیں۔

اب عقد مذکورہ کی جب کہ لڑکی کے والدین کو اطلاع ہوئی تو وہ اپنی لڑکی کو گاؤں سے واپس لے آئے اور بھری مجلس میں مثلاً زید سے لڑکی مذکورہ کا نکاح پڑھا دیا۔ چنانچہ احمد ابراہیم صوفی نے مسماۃ حافظہ بی بی اور زید ناکح ثانی کے خلاف عدالت میں نالش دائر کردی ہے(۱) تو لڑکی نے اپنے تحریری بیان میں یہ بیان دیا کہ ''نہ تو مجھے احمد ابراہیم نے کسی گاؤں میں مجھے بہکایا اور نہ ہی میں نے ذات بخشی کی'' یعنی یہ واقع ہی سراسر جھوٹ ہے اور من گھڑت ہے (چونکہ لڑکی اس وقت والدین اور زید ناکح ثانی کے قبضہ میں ہے اس وجہ سے لڑکی سے یہ بیان تحریری دلوایا) چنانچہ اب گذارش ہے کہ:

(الف): حافظہ بی بی مذکورہ کے انکار اور جحود کی بنا پر نیز قطع نظر اس سے قضائے قاضی کیلئے اس مدعی احمد ابراہیم کے ذمہ مذکورہ شہود نکاح پر شہادتِ عدولی کی بینہ عدول کی مزید ضرورت ہو یا نہ ہو ذات بخشی کے وقت مہر کے عدم ذکر اور عدم تسمیہ کے باوجود نیز شہود مذکورہ کے غیر عدول ہونے کے باوجود نفسِ عقدِ اول یعنی ذات بخشی والا عقد کنائی صحیح اور عقدِ ثانی یعنی زید کا عقد غیر صحیح ہوگا یا نہیں؟

= ''(قوله: وسلم) أطلقه، وفيه تفصيل: إن جعلت المرأة رأس مال السلم، فإنه ينعقد إجماعاً .... (قوله: واستيجار) .... فإن جعلت المرأة أجرةً، صح، الخ''. (حاشية الطحطاوي على الدرالمختار، كتاب النكاح: ۱۹/۲، دارالمعرفة بيروت)

(۱) ''نالش: دعویٰ، حاکم کے سامنے چارہ جوئی''۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۳۴۵، فیروز سنز، لاہور)

(ب): نیز احمد ابراہیم صوفی کے ذمہ آیا یہ ضروری ہے کہ اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے علاوہ شہودِ نکاح کے جنہیں غیر عدول فرض کیا گیا ہے کسی اَور بینہ عدول کو پیش کرے یا یہی شہود نکاح غیر عدول رشتہ مذکورہ کے ثبوتِ دعویٰ اور قضائے قاضی کیلئے کافی ہیں؟

(ج): نیز پھوپھی زاد بھائی اور حقیقی پھوپھی کا رشتہ کسی ادائے شہادت میں خواہ وہ شہادتِ نکاح ہو یا غیر نکاح ہو مدعی کے خلاف اثر انداز ہوسکتا ہے؟ نیز ادائے شہادت میں کسی قسم کا رشتہ اور قرابت قابلِ قبول نہیں؟

(د): اگر مدعی احمد ابراہیم صوفی کے ذمہ دعویٰ مذکورہ کے ثبوت کے لئے علاوہ شہودِ نکاح کے جو کہ غیر عدول ہیں کسی اور شہود نکاح کے جو کہ غیر عدول ہیں کسی اَور شہود عدول کی مزید ضرورت ہو اور وہ میسر نہ آئیں تو مذکورہ عقد اول اور ثانی دیانۃً اور قضاءً کس قسم کے ہونگے؟ صحیح یا غیر صحیح؟

(ہ): اگر شہودِ نکاح میں سے ایک مرد عادل یا مستور الحال ہو تو مدعی کے ثبوتِ دعویٰ اور قضائے قاضی کے لئے اس ایک مرد عادل یا مستور الحال کی شہادت کافی ہوگی یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

نوٹ: واضح ہو کہ یہ دونوں عقد کفو میں ہوتے ہیں۔

الجواب حامداً و مصلیاً:

(الف): کسی لڑکی کو بھگانا بڑی بے غیرتی اور کمینہ پن ہے۔ سوال میں عقدِ نکاح کے متعلق محض ''جان بخشی'' کا تذکرہ ہے، اگر محض لڑکی نے اپنی جان بخشدی اور احمد ابراہیم نے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ سکوت اختیار کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوا۔ اگر باقاعدہ طرفین سے ایجاب وقبول ہوا ہے اگرچہ بجائے لفظ نکاح کے ''جان بخشی'' کا لفظ استعمال کیا گیا ہو تو نکاح منعقد اور صحیح ہوگا (۱)۔ مہر کا ذکر صحتِ نکاح کے لئے ضروری نہیں بغیر ذکر و تسمیۂ مہر بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے اور مہر مثل لازم ہوتا ہے (۲)۔

---

(۱) (راجع، ص: ۲۶۴، رقم الحاشیہ: ۲)

(۲) "وإن تزوجها و لم يسم لها مهراً، أو تزوجها على أن لا مهر لها، فلها مهر مثلها، الخ". (الفتاوى العالمكيرية، الباب السابع في المهر، الفصل الثاني: ۱/۳۰۴، رشيديه)

(و كذا في الهداية، باب المهر: ۲/۳۲۴، مكتبه شركة علمية ملتان)

(و كذا في مجمع الأنهر، باب المهر: ۱/۳۴۵، ۳۴۶، دار إحياء التراث العربي بيروت)

اور انعقادِ نکاح کیلئے گواہوں کا عادل ہونا ضروری نہیں ہے(۱)، البتہ اگر مقدمہ عدالت میں پہنچے گا تو قاضی غیر عدول کی شہادت کو رد کر دیگا، اس صورت میں عقد کے صریح اور کنائی ہونے میں کوئی فرق نہیں، لہٰذا صریح کو کنائی پر کوئی فوقیت نہیں ہوگی (۲)۔

(ب): عدالت میں دعویٰ پیش کرنے کے لئے شہود کا عدول ہونا ضروری ہے، غیر عدول کی شہادت کو قاضی قبول نہیں کرے گا، الّا یہ کہ صحتِ واقعہ مشہود لھا کا غلبۂ ظن حاصل ہوجائے (۳)۔

---

(۱) "ویصح بشهادة الفاسقین والأعمیین، كذا فی فتاوی قاضی خان". (الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الفصل الأول: ۱/۲٦۷، رشيديه)

(و كذا فی الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰٦، مكتبه شركة علمية)

(۲) "وإنما یصح بلفظ تزويج و نكاح؛ لأنهما صريح، وما عداهما كناية. هو كل لفظ وضع لتمليك عين كاملة، فلا يصح بالشركة فی الحال، خرج الوصية غير المقيدة بالحال كهبة و تمليك و صدقة وعطية و قرض و سلم واستيجار و صلح وصرف ، وكل ما تملك به الرقاب بشرط نية أو قرينة، و فهم الشهود المقصود، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۱٦-۱۸، سعيد)

(و كذا فی حاشية الطحطاوی علی الدر المختار، كتاب النكاح: ۲/۸۰۹، دارالمعرفة بيروت)

(وأيضاً النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷٦، إمداديه ملتان)

(۳) "و منها: العدالة لقبول الشهادة علی الإطلاق، فإنها لا تقبل علی الإطلاق بدونها، لقوله تعالیٰ: ﴿ممن ترضون من الشهداء﴾ والشاهد المرضیّ هو الشاهد العدل، الخ". (بدائع الصنائع، كتاب الشهادة، فصل فی شرائط الركن: ۹/۱۵، دار الكتب العلمية بيروت)

"فلو قضی بشهادة فاسق نفذ وأثم، فتح، إلا أن يمنع منه: أی من القضاء بشهادة الفاسق الإمام، فلا ينفذ، الخ". (الدرالمختار). "(قوله: بشهادة فاسق نفذ) قال فی جامع الفتاوی: وأما شهادة الفاسق فإن تحری القاضی الصدق فی شهادته، تقبل، وإلا فلا. فقال: و فی الفتاوی القاعدية: هذا إذا غلب علی ظنه صدقه، و هو مما يحفظ، درر، أول كتاب القضاء. و ظاهر قوله: و هو مما يحفظ اعتماده، اهـ".

(ردالمحتار، كتاب الشهادات: ۵/۴٦۲، سعيد)

(و كذا فی الهداية، كتاب الشهادة: ۳/۱۵۵، مكتبة شركة علمية ملتان)

(ج): یہ رشتہ مانع قبول شہادت نہیں(۱)۔

(د): اگر عدالتِ قاضی میں ثبوت نہ ہو اور قاضی کو صحتِ واقعہ کا شہادت سے غلبۂ ظن حاصل نہ ہو تو وہ عقد کو غیر معتبر مانے گا، ایسی صورت میں قاضی کو چاہیے کہ ناکح کو کہے کہ تم طلاق دے دو، احتیاط کا تقاضہ یہی ہے، اگر وہ طلاق نہ دے تو قاضی خود نکاح کو فسخ کردے(۲)۔

(ہ): صرف ایک مرد عادل یا مستور الحال کی شہادت پر قضاء جائز نہیں (۳)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۷/شوال/ ۶۷ھ۔

---

(۱) "وأما ماعدا هؤلاء من الأقارب، فتقبل شهادة أحدهم للآخر، فتقبل شهادة الربيب، و شهادة الأخ لأخيه، و أخته، وأولادهما، و كذا الأعمام و أولاده، و الأخوال والخالات، و العمات، و تقبل شهادة الرجل لأم امرأته و أبيها و لزوج ابنته و لامرأة أبيه و لأخت امرأته". (شرح المجلة، الفصل الثالث فی شروط الشهادة الأساسية، (رقم المادة: ۱۷۰۰)، ص: ۱۰۳۱، دار الكتب العلميه بيروت)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الرابع فيمن تقبل شهادته و من لا تقبل، الفصل الثالث: ۴۷۰/۳، رشيديه)

(و كذا فی بدائع الصنائع، كتاب الشهادة: ۳۵/۹، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) جیسا کہ حاشیہ نمبر: ۵ سے معلوم ہوا کہ اگر قاضی کو ظن غالب سے اس کی صداقت پر یقین ہو شہادت کو قبول کرے گا، ورنہ نہیں اور شہادت قبول نہ کرنے کی صورت میں قاضی ان کے درمیان تفریق کرے گا: "وهو الذی فقد شرطاً من شرائط الصحة كشهود .... بل يجب على القاضی التفريق بينهما. الخ". (الدر المختار، باب المهر، مطلب فی النكاح الفاسد: ۱۳۱/۳، ۱۳۳، سعيد)

(۳) "و ما سوى ذلک من الحقوق، يقبل فيها شهادة رجلين، أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال، مثل النكاح والطلاق والوكالة والوصية و نحو ذلک، الخ". (الهداية، كتاب الشهادة: ۱۵۳/۳، ۱۵۴، مكتبه إمداديه ملتان)

(و كذا فی الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول: ۴۵۱/۳، رشيديه)

(و كذا فی شرح المجلة، الباب الأول فی الشهادة، الفصل الأول، (رقم المادة: ۱۶۸۵)، ص: ۱۰۳، مكتبه حنفيه كوئٹه)

عورت کا یہ قول کہ "میں فلاں شخص کے ساتھ رہوں گی" نکاح نہیں

سوال [۵۳۴۰]: اگر کوئی عورت صرف دو مردوں کے سامنے کہہ دے کہ میں ہمیشہ فلاں مرد کے ساتھ رہوں گی، اگر وہ مرد موجود نہ ہو تو اس طرح نکاح ہوا یا نہیں جبکہ دونوں ایک دوسرے سے نکاح کرنے پر راضی ہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ایسا کہنے سے خواہشِ نکاح کا اظہار ہوا، لیکن نکاح منعقد نہیں ہوا (۱)۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۸ھ۔

الجواب صحیح: بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ۱۴/۴/۸۸ھ۔

الفاظِ نکاح کتنی بار کہے جائیں؟

سوال [۵۳۴۱]: ۱...... نکاح منعقد ہونے کیلئے کتنے الفاظ کی ضرورت ہے کہ اس کے بغیر نکاح جائز نہ ہو؟

۲...... ناکح ایجاب وقبول کے الفاظ کو صرف ایک بار کہے یا تین بار کہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

۱...... دو لفظ: ایک ایجاب، دوسرا قبول ہو تو نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ کم از کم دو گواہوں کے سامنے ہونا ضروری ہے (۲)۔

---

(۱) "وأما ركن النكاح فهو الإيجاب والقبول، وذلك بألفاظ مخصوصة، الخ". (بدائع الصنائع، فصل في ركن النكاح: ۳/۳۱۷، دار الكتب العلمية بيروت)

(وكذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ۱/۲۶۷، رشيديه)

(وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/۱۷۶، امداديه ملتان)

(۲) "ولا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين أو رجل وامرأتين، عدولاً كانوا أو غير عدول، الخ". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/۳۰۶، مكتبه شركة علميه، ملتان)

۲......ایک بار کہنا کافی ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفی عنہ، دارالعلوم دیوبند،۲۴/۱۰/۸۵ھ۔

انعقادِ نکاح کے لئے نکاح کا اقرار کافی نہیں اور بعض الفاظِ نکاح

سوال[۵۳۴۲]: ہندہ اور زید کے درمیان تین چار سال سے محبت کا خط خطوط تھا اور ہندہ نے بعض خطوں میں یہ لکھا تھا کہ ''میں آپ ہی کو خاوند بناؤں گی'' اور بعض میں یہ کہ ''آپ کو شوہر بنانا چاہتی ہوں'' اور اکثر خطوں میں اس نے زید کو خاوند سے تعبیر کیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ اظہار بھی کیا ہے کہ ''آپ اور میرے درمیان نکاح منعقد ہو چکا ہے'' کیونکہ اس کو معلوم تھا کہ جو خطوط اس نے زید کے پاس بھیجے تھے ان کو زید نے دو تین بالغ آدمیوں کے سامنے پڑھ کر اس کو تین بار آدمیوں کے سامنے قبول کر لیا ہے، یہ کہہ کر کہ ''میں اس کو اپنی زوجیت میں قبول کرتا ہوں''۔

اب ہندہ کے باپ نے ان تمام باتوں کا علم ہو جانے اور ہندہ کے بہت سے خطوط ہاتھ لگ جانے کے باوجود بھی اس کو دوسری جگہ شادی میں دے دیا اور اس نے بھی خواہ اپنے والدین کے خوف سے یا دنیوی طمع کی خاطر اپنے نکاح کی اذن دے دی۔ اب صورتِ اُولیٰ میں مذہب حنفی کے مطابق نکاح منعقد ہوا یا نہیں؟ برتقدیر اول نکاحِ ثانی کا کیا حکم ہے؟ اور اس جرم کا مرتکب کون؟ اور اس کی کیا سزا؟ مع الادلة الشريفة بينوا توجروا۔

شہر میرٹھ مدرسہ اسلامیہ اندرکوٹ۔

= (وكذا في النهر الفائق، كتاب النكاح: ۲/ ۱۸۱، ۱۸۲، إمداديه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۲۱، ۲۲، سعيد)

(۱) "وينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر وضعا للمضى كزوجت، ويقول الآخر: تزوجت، الخ". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۹، سعيد)

"وينعقد بالإيجاب والقبول وضعا للمضى، أو وضع أحدهما للمضى والآخر لغيره مستقبلاً .... فإذا قال لها: أتزوجك بكذا، فقالت: قد قبلت يتم النكاح". (الفتاوى العالمكيرية، الباب الثاني فيما ينعقد به النكاح وما لا ينعقد به: ۱/ ۲۷۰، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۵، مكتبه شركة علميه ملتان)

الجواب حامداً ومصلیاً:

الفاظ بالا: ’’میں آپ ہی کو خاوند بناؤں گی، آپ کو شوہر بنانا چاہتی ہوں، آپ اور میرے درمیان نکاح منعقد ہو چکا ہے‘‘ نکاح کے لئے ایجاب نہیں۔ پہلے اور دوسرے الفاظ سے خواہش ظاہر کی ہے، تیسرے الفاظ سے اقرار کیا ہے جو کذب ہے، انشائے عقد کے لئے کوئی لفظ نہیں، نیز خاوند سے تعبیر کرنا بھی ایجاب کے لئے کافی نہیں۔

اگر ہندہ نے یہ ہی الفاظ لکھے ہیں اور زید نے انہی کو گواہوں کے سامنے پڑھ کر قبول کیا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوا، والدین نے جو ہندہ کی اجازت سے اس کا نکاح کیا ہے وہ صحیح اور معتبر ہے۔ لیکن اگر ہندہ نے کچھ ایسے الفاظ بھی لکھے ہیں جو ایجاب کے لئے کافی ہیں اور زید نے ان کو سنا کر گواہوں کے سامنے قبول کیا ہے تو وہ صحیح اور معتبر ہے اور والدین کا کیا ہوا نکاح معتبر نہیں، والبسط فی ردالمحتار: ۲/۴۰۹ (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تبارک وتعالیٰ واعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۳۰/ ۷/ ۵۸ھ۔

الجواب صحیح: سعید احمد غفرلہ، مفتی مدرسہ مظاہر علوم، ۲/ شعبان/ ۵۸ھ۔

صحیح: عبد اللطیف، مدرسہ مظاہر علوم، ۳/ شعبان/ ۵۸ھ۔

---

(۱) ’’(قوله: فتح) فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب‘‘.

’’وصورة: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب أحضرت الشهود وقرأته عليهم، وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إنَّ فلاناً كتب يخطبني فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوجت نفسي من فلان، لاينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح، وبإسماعهم الكتاب أو التعبير عنه منها قد سمعوا الشطرين، بخلاف ما إذا نفيا‘‘. (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/۱۲، سعيد)

’’ولا بكتابة حاضر بل غائب، بشرط إعلام الشهود، بما في الكتاب، وما لم يكن بلفظ الأمر، فيتولى الطرفين، فتح. ولا بالإقرار على المختار، خلاصة. كقوله: هي إمرأتي؛ لأن الإقرار إظهار لما هو ثابت وليس بإنشاء‘‘. (الدرالمختار). (قوله: المراد هنا أن الإقرار لا يكون من صيغ العقد، الخ‘‘ (ردالمحتار، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۳/۱۲، ۱۳ سعيد) .... =

10

شربت پر پھونک مار کر ایک گھونٹ پینے سے نکاح

سوال[۵۳۴۳]: چھوٹے چھوٹے بچوں کو کلمہ پڑھ کر شربت پر پھونک مار کر پلا دینے سے نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

صرف اتنی بات سے نکاح نہیں ہوجاتا(۱)۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۹۴/۴/۱۶ھ۔

حمائل پر ہاتھ رکھ کر اقرار سے نکاح نہیں ہوتا

سوال[۵۳۴۴]: میرا نام زہرہ خاتون ہے، والد کا نام نذیر محمد خان ہے، ساہوا گاؤں ضلع چورو کی رہنے والی ہوں، میری ایک بڑی بہن مقصودہ بانو ہے جو میری ہی طرح طلاق کے بعد تعلیم حاصل کر کے رتن گڑھ میں ملازم ہے۔ ہم دونوں بہنوں کی شادی ایک ساتھ ہوئی تھی اور ۱۴، ۱۵/ سال کی عمر میں ہوئی تھی، ہم دونوں سسرال پہونچ گئیں، دونوں آٹھویں اور دسویں پاس تھیں۔ ہم لوگ گاؤں اور پچھڑے ہوئے قصبے میں پلے ہیں، نہ ہم میں اسلامی شعور تھا اور نہ ہم مذہب کی الف ب سے واقف تھے، صرف کلمہ طیبہ آتا تھا، حلال وحرام، نکاح

= "وفي الفتاوى: رجل وامرأة أقرا بالنكاح بين يدي الشهود، و قالا بالفارسية: "ما زن وشوئیم" لا ينعقد النكاح بينهما، هو المختار". (خلاصة الفتاوى، كتاب النكاح: ۲/۴، مكتبه امجد اكيڈمی)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/۱۹۲، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۱) نکاح نام ہے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول کا، بغیر ایجاب وقبول کے نکاح منعقد نہیں ہوتا: "النكاح ينعقد متلبساً بإيجاب من أحدهما وقبول من الآخر". (الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/۹، سعيد)

(وكذا في الهداية، كتاب النكاح: ۲/۵ + ۳، شركة علمية ملتان)

(وكذا في تبيين الحقائق، كتاب النكاح: ۲/۴۴۸، دار الكتب العلمية بيروت)

"سئل فيما إذا خطب زيد لابنه الصغير بنتَ عمرو الصغيرة، وقرأ الفاتحة ولم يجر بينهما عقد شرعي، فهل لا يكون مجرد القرأة نكاحاً؟ الجواب: نعم". (تنقيح الفتاوى الحامدية، مسائل منثورة من أبواب النكاح: ۱/۲۹، مكتبه ميمنيه مصر)

وطلاق کی اہمیت یا فرق سے ذرا بھی واقف نہیں تھے، والدین نے بہت ناز سے پیار سے پالا تھا، والد سرکاری کمپاؤنڈر تھے، ریٹائرڈ ہونے کے بعد پریکٹس کررہے ہیں۔

غرض یہ کہ سسرال سے میری والدہ کنیز فاطمہ کا قریبی رشتہ تھا، لہٰذا گھر کی ایک دوعورتوں نے خاصا پیار دیا مگر میرا شوہر دو چار دن بعد سے ہی جھگڑے اور گالیاں پر آمادہ تھا، اس کا کہنا تھا کہ وہ مجھ سے شادی کرنا نہیں چاہتا تھا اور اب وہ میری صورت بھی دیکھنا نہیں چاہتا، وہ سامنے رہنے والی ایک لڑکی سے محبت کرتا تھا اور اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ بعد میں (میں) گھر آ گئی، والدین نے میرے شوہر اور سسرال والوں کو بہت نوازا، بہت سمجھایا مگر جو جھگڑے، گالی گلوچ، مار پیٹ شروع ہوچکی تھی وہ کم نہ ہوسکی بلکہ اضافہ ہی ہوتا رہا۔

میرے ہی کمرے میں میرا شوہر محمد شفیع اپنی محبوبہ سے سبھی کچھ کرتا رہا، میرا خاموش رہنا ضروری تھا، میں خاموشی پر بھی گالیاں کھاتی اور پٹتی رہی: ''طلاق دیدوں گا، طلاق دے کر ہی رہوں گا، تُو تو تیرے باپ کے گھر ہی اچھی لگتی ہے''۔

مجھے گھر روانہ کردیا گیا اور والدین نے فٹ بال کی طرح ٹھوکر مار کر سسرال واپس کردیا، میرے شوہر نے پھر جھگڑا کیا کہ ''تو طلاق کے قابل ہے، میں تجھے دیدوں گا اور سفید چادر اوڑھا کر گھر سے ذلیل کرکے نکالوں گا''۔ ایک روز بہت جھگڑا ہوا، جب میں مقابلہ میں تھک گئی تو دو تین عورتوں نے بیچ بچاؤ کیا تو اَور غضب ہوگیا: ''نکال دو اس رانڈ کو، میں نے اسے طلاق دی، اسے دھکے دے کر نکالو''۔ میں والدین کے ہاں بھجوادی گئی، والدین نے، سارا ماجرا سن کر نرس کی ٹریننگ میں ڈالدیا، اب میں ہوسٹل میں ٹریننگ کرنے لگی اور اپنے کو طلاق شدہ سمجھنے لگی۔

میرے والد کے بھائی جناب نور محمد خان کی سالی کے لڑکے جن کا نام واجد حسین خان ہے۔ یہ جے پور میں رہتے ہیں۔ ان کی خالہ نور محمد خان کی اہلیہ نے میری شادی سے پہلے ان کے پیغام میرے نام اشارۃً بھجوائے تھے، چونکہ میری شادی میری والدہ کی رشتہ داری میں ہونا طے ہوگئی تھی اس لئے خاموشی اختیار کی گئی۔ غرضیکہ واجد حسین خان مجھ سے ملنے ہوسٹل آتے رہتے تھے اور گھنٹوں باتیں ہوتی رہتی تھیں، اخلاقی طور پر ہم ایک دوسرے کے بہت ہی قریب تھے، ان کے گھر بھی آنا جانا تھا، میری ٹریننگ بھی ختم ہوچکی تھی۔

ایک دن واجد صاحب مجھے گھر لے گئے دنیاداری کی باتیں ہوتی رہیں، مجھے رات میں واجد صاحب

کے گھر میں قیام کرنا پڑا، اس رات ہم دونوں میں یہ بھی طے ہوگیا کہ ہم ایک دوسرے سے شادی کرلیں گے'' ہم دونوں نے ہی حمائل شریف پر ہاتھ رکھ کر عہد کیا کہ ہم دونوں شادی کرلیں گے''۔ اور اسی رات ہم ایک دوسرے میں ضم ہوگئے، میرے بطن سے واجد حسین صاحب کا نطفہ قرار پایا اور ایک دو دن انہیں کے گھر رہ کر اپنے گاؤں چلی آئی۔

مجھے سروس کرنا تھی، میری سسرال کے کچھ معتبر لوگ میرے گھر آئے اور والدین سے کہا کہ لڑکا کہتا ہے کہ ''میں نے طلاق نہیں دی، لڑکی کو بھیج دو''، لہٰذا مجھے سسرال بھیج دیا گیا، وہاں جاکر میں نے اپنے کو ہر طرح محفوظ رکھا اور اس جال سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ میرا شوہر جو مجھے طلاق دے چکا تھا اب وہ یہ چاہتا تھا کہ وہ شادی اس لڑکی سے کرے اور نوکری مجھ سے کرائے اور خدمت بھی میں کروں، لیکن وہ جھگڑے بھی برابر کرتا رہا اور آنگن میں بیٹھ کر کہتا ہے: ''جانِ من نوکری کرو نوکری، طلاق دے چکا تو کیا ہوا، تجھے اس گھر سے جانا ہے''۔

میری زبان تو کھل ہی چکی تھی لہٰذا ایک سوال کے چار جواب دیتی اور پٹتی، چنانچہ ایک دن بہت بڑا ہنگامہ ہوا، اگر چند عورتیں نہ بیچ بچاؤ کرتیں تو شاید مار ہی ڈالتا۔ جھگڑے اور طلاق کی اطلاع میرے والدین کو پہونچی تو میرے بڑے بھائی محمد بشیر مجھے لینے آئے، پھر جھگڑا ہوا، میرے شوہر نے کہا کہ طلاق دیدی تو کیا ہوا میں اس بدمعاش رانڈ کو نہیں بھیجوں گا۔

غرضیکہ میں اپنے بڑے بھائی صاحب کے ساتھ والدین کے گھر آگئی، میرا رجحان تعلیم کی طرف ہوگیا۔ میں نے واجد صاحب کے نطفے سے ایک لڑکے کو جنم دیا، جو اس وقت گیارہ سال کا ہے۔ میں واجد حسین خان صاحب کو اپنا شوہر ۱۹۷۴ء سے تسلیم کرتی ہوں، اس طرح وہ بھی مجھے اپنی بیوی تسلیم کرتے ہیں ''ہم دونوں نے حمائل شریف پر ہاتھ رکھ کر ایک دوسرے کو زن وشوہر تسلیم کیا ہے، لیکن نکاح کے دو بول نہیں پڑھے یا سنے''۔

۱۹۷۵ء میں میں نے لڑکے کو جنم دیا، اردو پڑھی، عربی پڑھی اور دینیات سے واقفیت حاصل کی، ان دنوں میں جے پور میں ڈاکٹری کی تعلیم حاصل کررہی ہوں۔ بچہ میرے پاس رہتا ہے، اردو، دینیات اور انگلش کی تعلیم حاصل کررہا ہے۔ واجد ایک عدد بیوی کے شوہر اور ایک بچی کے باپ ہوچکے ہیں، اب وہ مجھے اور بچے کو

نوازنا چاہتے ہیں، وہ کثیر تعداد کو روشناس کرا چکے ہیں کہ میں ۱۹۷۴ء سے ان کی بیوی ہوں اور یہ بچہ جن کا نام انہوں نے خود ہی رکھا تھا یعنی آصف کے وہ والد ہیں یا آصف ان کا بیٹا ہے۔

لہٰذا کیا واجد حسین خان صاحب سے میرا نکاح ہو چکا ہے یا مجھے نکاح پڑھنا ہوگا؟ اگر نکاح پڑھنا ہوگا تو بچہ کی ہیئت کیا رہے گی؟ یہ بچہ تو انہیں کے نطفے سے ہے؟ مجھے میرے پہلے شوہر سے طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر پہلے شوہر کے طلاق دینے کے گواہ موجود ہیں (۱) یا خود شوہر کو طلاق کا اقرار ہے اور اس اقرار کے گواہ ہیں تو طلاق ہوگئی (۲)۔ وقتِ طلاق سے تین مرتبہ ماہواری آنے پر عدت ختم ہوگئی اور دوسرے نکاح کا آپ کو حق ہوگیا (۳)۔ لیکن حمائل شریف ہاتھ میں رکھ کر دونوں کا عہد کر لینا کافی نہیں، بلکہ گواہوں کے سامنے

---

(۱) "والشرط فيها شهادة رجلين أو رجل وامرأتين، سواء كان الحق مالاً أو غير مال كالنكاح والطلاق والعتاق والوكالة والوصاية ونحو ذلك مما ليس بمال، كذا في التبيين". (الفتاوىٰ العالمكيرية، كتاب الشهادات، الباب الأول: ۳/۴۵۱، رشيديه)

(وكذا في الهداية، كتاب الشهادة: ۳/۱۵۳، امداديه، ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب الشهادة: ۵/۴۶۵، سعيد)

(۲) "ان من أقر بطلاق سابق، يكون ذلك إيقاعاً منه في الحال؛ لأن من ضرورة الاستناد الوقوع في الحال، وهو مالك للإيقاع غير مالك للاستناد". (مبسوط السرخسي: ۴/۱۰۹، مكتبه حبيبيه كوئٹه)

(وكذا في رد المحتار، كتاب الطلاق: ۳/۲۹۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب الطلاق: ۳/۴۲۸، رشيديه)

(۳) قال الله تعالىٰ: ﴿والمطلقت يتربصن بأنفسهم ثلاثة قروء﴾. (سورة البقرة: ۲۲۸)

"وهي حرة ممن تحيض فعدتها ثلاثة أقراء، سواء كانت الحرة مسلمةً أو كتابيةً". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۶، رشيديه)

"وتحل للأزواج بمجرد انقطاع العدة؛ لأن انقضاؤها بانقضاء الحيضة الثالثة، وقد انقضت بيقين". (بدائع الصنائع، فصل في شرائط جواز الرجعة: ۴/۳۹۶، دار الكتب العلميه بيروت)

ایجاب وقبول لازم ہے، بغیر اس کے نکاح نہیں ہوتا (۱)۔ واجد حسین خان صاحب کے ساتھ جو تعلق ہوا وہ زنا کاری ہے اور زنا سے بچہ پیدا ہوا، اس کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوگا (۲)۔ گذشتہ زندگی سے تائب ہوکر واجد حسین صاحب سے نکاح کرلیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

أملاه العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۲۲/ ۷/ ۱۴۰۶ھ۔



(۱) "و لا ينعقد نكاح المسلمين إلا بحضور شاهدين حرين عاقلين بالغين مسلمين رجلين، أو رجل وامرأتين". (الهداية، كتاب النكاح: ۲/ ۳۰۶، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في الدر المختار، كتاب النكاح: ۳/ ۲۱، ۲۲ سعيد)

(وكذا في فتح القدير، كتاب النكاح: ۳/ ۱۹۹، مصطفى البابي الحلبي مصر)

(۲) "عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها قالت: كان عتبة بن أبي وقاص عهد إلى أخيه سعد بن أبي وقاص أن ابن وليدة زمعة مني .... فقال رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: "هو لك يا عبد بن زمعة! الولد للفراش و للعاهر الحجر". (مشكوة المصابيح، كتاب النكاح، باب اللعان، الفصل الأول: ۲/ ۲۸۷، قديمي)

"قال أصحابنا: لثبوت النسب ثلاث مراتب: الأول: النكاح الصحيح، و ما هو في معناه من النكاح الفاسد، والحكم فيه أنه يثبت النسب من غير دعوة، و لا ينتفي بمجرد النفي، وإنما ينتفي باللعان، فإن كانا ممن لا لعان بينهما، لا ينتفي نسب الولد، كذا في المحيط". (الفتاوىٰ العالمكيرية، الباب الخامس عشر، في ثبوت النسب: ۱/ ۵۳۶، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل التاسع والعشرون في ثبوت النسب: ۴/ ۷۸، إدارة القرآن كراچي)

فصل فی النکاح بالکتابة و الهاتف

(تحریر اور ٹیلیفون کے ذریعے نکاح کا بیان)

نکاح بذریعۂ خط

سوال[۵۳۴۵]: دولہا افریقہ میں اور دولہن ہندوستان میں اور نکاح پڑھانا ہے تو اس کی کیا صورت ہے؟ خلاصہ تحریر فرمائیں۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

دلہن یا اس کا ولی دولہا یا اس کے ولی کو بذریعۂ خط اجازت دیدے اور اس خط کے پہنچنے پر دولہا یا اس کا ولی گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کرالے، مثلاً دلہن نے لکھا کہ ''میں تم کو وکیل بناتی ہوں، تم میرا نکاح اپنے سے کرلو''۔ اس پر دو گواہوں کے سامنے کہے کہ ''فلانہ بنت فلاں نے مجھے اپنی طرف سے اپنے نکاح کا وکیل بنایا ہے، میں نے اس سے اپنا نکاح کرلیا''۔ یا دلہن کے ولی (باپ) نے دولہا کے ولی (باپ) کو لکھا کہ ''میں تم کو وکیل بناتا ہوں کہ میری فلاں لڑکی کا نکاح تم اپنے لڑکے سے کرلو''۔ اس پر وہ گواہوں کے سامنے کہہ دے کہ ''میں نے فلاں کی لڑکی فلاں کا نکاح اپنے لڑکے فلاں سے کردیا'' بس نکاح ہوجائے گا، ایک ہی شخص کا کہنا ایجاب وقبول دونوں کے قائم مقام ہوجائے گا(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفرلہ۔

---

(۱) "فإنه قال: ينعقد النكاح بالكتاب كما ينعقد بالخطاب، و صورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغ الكتاب، أحضرت الشهود وقرأته عليهم، وقالت: زوجت نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني زوجت نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوّجت نفسي من فلان، لا ينعقد". (ردالمحتار، مطلب: التزوج بارسال كتاب: ۳/۱۲، سعيد)

(و كذا في مجمع الأنهر: ۱/۳۲۰، كتاب النكاح، دارإحياء التراث العربي، بيروت) .... =

خط کے ذریعہ نکاح

سوال[۵۳۴۶]: فاطمہ نے لکھنؤ سے رفیق مقیم کلکتہ کے پاس رجسٹری خط بذریعہ ڈاکخانہ بھیجا جس میں تحریر کیا کہ ''بھائی رفیق صاحب میں آپ سے نکاح کرنا چاہتی ہوں اس لئے میں نے اپنے کو آپ کی زوجیت میں دے دیا، امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے''، پھر دستخط کر دیا۔ جب رفیق کے پاس یہ خط پہونچا تو دس پانچ روز اپنے پاس خط ڈالے رہے پھر دو آدمیوں کو گواہی کے لئے بلایا کہ ''میری حقیقی پھوپھی زاد بہن مسماۃ فاطمہ بنت حبیب خان نے لکھنؤ سے میرے پاس بذریعہ ڈاک رجسٹری خط بھیجا ہے جس کا مضمون یہ ہے''۔

اس کے بعد فاطمہ کا ایجاب نامہ پڑھ کر سنایا گیا اور وہ خط بھی گواہوں کو دکھایا، پھر کہا کہ ''آپ لوگ گواہ رہیں میں نے فاطمہ کی بات منظور کر لی اور اس کو اپنی زوجیت میں لے لیا اور اس کا نکاح اپنے سے کر لیا''۔ اب کیا اس صورت میں نکاح ہو گیا یا نہیں؟ اس مسئلہ کے بارے میں دارالعلوم دیوبند سے کل فتویٰ نمبر: ۴۸۸ آیا ہے، اس کی نقل یہ ہے۔

''مذکورہ صورت میں جبکہ رفیق نے دو گواہوں کے سامنے جب فاطمہ کا خط سنا کر ان کے سامنے ہی اس نکاح کو قبول کر لیا اور فاطمہ کی طرف سے خود وکیل بن کر ایجاب کیا اور پھر بحیثیتِ زوج قبولِ نکاح کیا اور اس ایجاب وقبول پر دو گواہ بنا لئے تو یہ نکاح صحیح ہوگا''۔ اس فتویٰ میں فاطمہ کی طرف سے خود وکیل بن کر ایجاب کی قید لگی ہوئی ہے، درمختار: ۲/۳۶۴، میں ہے۔ اور مولانا احمد علی سعید صاحب نائب مفتی دارالعلوم دیوبند کی تالیف کردہ کتاب ''عورت اور اسلام'' ص: ۴۲ بعنوان ''خط کے ذریعہ نکاح'' بنقل عبارت فتح القدیر پر جو تحریر ہے اس میں اس وکالت کی قید مذکور نہیں ہے۔ پس صورتِ مسئولہ کا فیصلہ از خود مشکل ہو گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ رفیق کو تو یہ کچھ معلوم تھا نہیں کہ خط سنانے کے ساتھ ہی فاطمہ کی طرف سے وکیل بن کر ایجاب کرنا، پھر بحیثیتِ زوج قبول کرنا ضروری ہے یا نہیں، اس نے خالی الذہن کے ساتھ وکیل ہونے یا نہ ہونے کی نیت کئے بغیر عورت کے ایجاب نامہ کو سنا کر بحیثیت زوج قبول کر لیا، اس پر دو گواہ بنا لئے۔ تو

= (وكذا في الفتاوى العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول: ١/ ٢٦٩، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ٣/١٤٨، رشيديه)

اب کیا یہ نکاح صحیح ہوگیا یا نہیں؟ اگر نکاح صحیح ہوگیا تو فبہا، اگر صحیح نہیں ہوا تو ایسے نکاح کے بعد جو رفیق نے اپنی منکوحہ سے وطی کی ہے، پھر اس فاطمہ کو طلاقِ مغلظہ دی ہے اس کا کیا ہوگا؟ کیا اس نکاح و وطی و طلاق مغلظہ کو کالعدم قرار دیا جائے؟ اور رفیق بلا عدت گزارے اور بلا حلالہ کے دوبارہ فاطمہ سے نکاح کرسکتا ہے؟ یا فاطمہ عدتِ طلاق گذار کر اور پھر رفیق یا کسی اُور شخص کے ساتھ نکاح کرسکتی ہے؟ صحیح نکاح نہ ہونے کی صورت میں رفیق اگر دوبارہ فاطمہ سے نکاح کرنا چاہے تو حلالہ کی ضرورت تو نہیں پڑے گی کیونکہ اس نے وطی کے بعد تین طلاق دی ہے؟

اب حضرت والا سے گذارش ہے کہ جواب تشفی بخش طور پر فی الفور براہ راست عطا فرمائیں تا کہ دس روز تک مل جائے، بڑی ہی عنایت ہوگی۔ اس سے قبل قریب ہی میں ایک خط حضرت والا کی خدمت میں برائے دعاء ارسال کرچکا ہوں، امید ہے کہ فراموش نہ فرمائیں گے۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

صورتِ مسئولہ میں وکالت کے علاوہ دوسری صورت بھی ہوسکتی ہے اور اس سے بھی نکاح درست ہوسکتا ہے:

"ینعقد النكاح بالكتاب، كما ينعقد بالخطاب، و صورته: أن يكتب إليها يخطبها، فإذا بلغها الكتاب، أحضرت الشهود، و قرأته عليهم، وقالت: زوجتُ نفسي منه، أو تقول: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني زوجتُ نفسي منه. أما لو لم تقل بحضرتهم سوى: زوجتُ نفسي من فلان، لا ينعقد؛ لأن سماع الشطرين شرط صحة النكاح .... قد سمعوا الشطرين بخلاف ما إذا انتفيا". شامي: ٢/٣٦٤(١)۔

اس لئے رفیق نے فاطمہ کو جو تین طلاق دی ہیں وہ معتبر ہونگی اور بغیر حلالہ کے فاطمہ کے ساتھ رفیق کا

---

(١) (رد المحتار، کتاب النکاح، مطلب: التزوج بارسال کتاب: ٣/١٢، سعید)

(و كذا في الفتاویٰ العالمكيرية، كتاب النكاح، الباب الأول فی تفسیره الخ: ١/٢٦٩، رشيديه)

(و كذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ٣/١٤٨، رشيديه)

نکاح دوبارہ جائز نہیں ہے(۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند،۶/ ۸/ ۸۶ھ۔

نکاح بذریعۂ تحریر

سوال[۵۳۴۷]: ایک نابالغ لڑکی نے جو برادری کے اعتبار سے انصاری ہے اس نے بنا کسی جبر ودباؤ اور لالچ کے بخوشی ایک بالغ شادی شدہ لڑکے صدیقی کے پاس یہ تحریر بھیجی کہ ”میں فلاں بنت فلاں نے اپنا نفس فلاں بن فلاں کے نکاح میں اتنے مہر پر دیدیا“۔لڑکے نے لڑکی کی اس تحریر کو دو گواہوں کے سامنے پڑھ کر سنائی اور کہا کہ ”یہ تحریر فلاں بنت فلاں نے اپنے نکاح کے لئے میرے پاس بھیجی ہے“ اور گواہوں کے روبرو لڑکے نے لڑکی کو اپنے نکاح میں قبول کرلیا۔کیا یہ نکاح صحیح درست ہوگیا؟

بعد نکاح وہمبستری لڑکی اپنے عزیز واقارب کے دباؤ یا خوف دلانے یا کسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر شوہر کی طرف سے بدظن ہو کر اپنی تحریر سے انکار کردے، یا یہ کہدے کہ یہ تحریر مجھ سے دھوکا دے کر لکھوائی ہے اور شوہر کو اپنا بھائی بھی کہدے تو کیا ایسی صورت میں نکاح میں کوئی فرق آئے گا؟

الجواب حامداً و مصلیاً:

شرعاً یہ نکاح صحیح (اور درست) ہوگیا(۲)۔نکاح اور ہمبستری کے بعد (اس) لڑکی کا اپنی تحریر سے

---

(۱) قال اللہ تعالیٰ: ﴿فإن طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجاً غيره﴾. (سورة البقرة: ۲۳۰)

"عن عائشة رضي الله تعالىٰ عنها: "أن رجلاً طلق امرأته ثلثاً، فتزوجت، فطلق، فسئل النبي صلى الله تعالىٰ عليه وسلم: أتحل للأول؟ قال: "لا، حتى يذوق عسيلتها كما ذاق الأول". (صحيح البخاري، كتاب الطلاق، باب من أجاز الطلاق الثلاث: ۲/ ۷۹۱، قديمي)

(وكذا في تبيين الحقائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۳/۱۶۳، ۱۶۴، دار الكتب العلمية بيروت)

(۲) "ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب مالم يكن بلفظ الأمر، فيتولى الطرفين" (الدر المختار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب. ۳/ ۱۲، سعيد)

"والأصل في ذلك أن الكتاب من الغائب بمنزلة الخطاب من الحاضر .... و لو قرأت =

انکار شرعاً معتبر نہیں (۱)۔ شوہر کو بھائی کہنے سے نکاح پر کوئی اثر نہیں پڑا (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، دار العلوم دیوبند، ٢٦/١٠/٨٥ھ۔

الجواب صحیح: بندہ نظام الدین عفی عنہ، مفتی دار العلوم دیوبند، ٢٦/١٠/٨٥ھ۔

کیا پرچہ پر پہیلی لکھ کر حل کراتے وقت ''نکاح'' کا لفظ لکھنے سے نکاح منعقد ہوجاتا ہے؟

سوال [۵۳۴۸]: مسمی زید کی سوتیلی ماں مع اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کے علیحدہ مکان میں رہتی ہے اور ان کے تعلقات مسمی بکر کے گھرانے سے خوشگوار تھے اور بکر کا لڑکا جس کے دوستانہ مراسم زید کے سبب سے سوتیلے بھائی سے تھے۔ اور کچھ دنوں تک اس کو ٹیوشن بھی پڑھایا تھا جس کی وجہ سے کثرت سے آمد ورفت رہتی تھی، اور اسی سبب سے دونوں گھرانوں میں پردہ کا بھی اہتمام نہ تھا۔

چند ماہ قبل مسمی بکر کا لڑکا جب ٹیوشن پڑھا چکا تو اس نے چال چلی کہ معمہ حل کرانے کے بہانے سے ان کے گھر آکر یہ معمہ لڑکی سے حل کرانے لگا (۳)، جس میں یہ تحریر تھی: ''میں جاوید سے .... کررہی

= الكتاب على الشهود، أو قالت: إن فلاناً كتب إليّ يخطبني، فاشهدوا أني قد زوجت نفسي منه، صح النكاح". (خلاصة الفتاوى، الفصل السابع عشر في النكاح بالكتاب والرسالة مع الغائب: ٢/٣٨، امجد اكيڈمی لاهور)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ٣/١٤٨، رشيديه)

(وكذا في التاتارخانية، الفصل الرابع عشر في النكاح بالكتاب: ٣/٥٤، إدارة القرآن كراچی)

(١) "جحود جميع العقود ما عدا النكاح فسخ". (الدر المختار، مسائل شتى: ٥/٣٥١، سعيد)

(٢) قال الشيخ المفتي عزيز الرحمن نور الله مرقده: ''اس صورت میں نکاح قائم ہے، عورت کے اس کہنے سے کچھ نہیں ہوا''۔ (فتاوى دار العلوم ديوبند: ١/٢١١، باب الظهار)

"قال أصحابنا: لا يصح ظهار المرأة من زوجها، وهو قول مالك والثوري والليث والشافعي". (أحكام القرآن للجصاص: ٣/٦٣٣، باب في ظهار المرأة من زوجها، قديمي)

(وكذا في الفتاوى الحقانيه، باب الظهار: ٤/٥٢٠، حقانيه)

(٣) ''معمہ حل کرنا: مخفی، پوشیدہ، مبہم، پہیلی، چیستان، پیچیدہ بات، الجھا ہوا مسئلہ حل کرنا''۔ (فیروز اللغات، ص: ١٢٦٥، فیروز سنز، لاهور)

ہوں اور یہ .... میری مرضی سے ہورہا ہے، اس پر کسی کی ذمہ داری نہیں ہے۔ لڑکی نے کہا تم ہی حل کرلو، مگر اس نے سمجھایا کہ یہ تو معمہ ہے اس کو حل کرنے میں کیا حرج ہے؟ جو الفاظ ان دوجگہوں پر فٹ ہوں وہ ان میں لکھنا ہے۔

بہرحال! کافی غور کرنے کے بعد لڑکے نے ''نکاح'' خالی جگہوں پر لکھوالیا اور اس کو بِنا ءبَنا کر جعلی وفرضی دستخط وکیل وگواہ بنا کر نکاح نامہ واقرار نامہ مرتب کرالیا۔ جب اس کا علم زید کو ہوا تو زید نے ہمشیرہ سے دریافت کیا کہ واقعہ کیا ہے؟ پرچہ لکھ کر دینے اور معمہ وغیرہ کا لڑکی نے اقرار کرلیا اور کہا کہ نہ تو میں نے نکاح کیا ہے، اور نہ میرے وہم وگمان میں تھا اور نہ میں کسی قاضی کے پاس گئی اور نہ ہی وکیل سے کچھ کہا اور نہ ہی کوئی گواہ آیا اور نہ تو میں نے کاغذ پر دستخط کئے اور میں حلفیہ کہتی ہوں کہ پرچہ لکھتے وقت میرے وہم وگمان میں بھی یہ بات نہیں تھی۔ اب اس صورت پر کیا پابندی عائد ہوگی؟

الجواب حامداً ومصلياً:

اس جعل سازی سے شرعاً نکاح منعقد نہیں ہوا، نکاح کیلئے گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول ضروری ہے، یہاں تحریر لکھتے اور دستخط کرتے وقت کوئی سامنے موجود ہوتے اور برضا ورغبت لڑکی تحریر لکھتی جس سے واقعۃً نکاح کرنا مقصود ہوتا اور لڑکا بھی اس پر دستخط کردیتا اور گواہ بھی دستخط کردیتے مگر زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ ادا نہ کئے جاتے اور سب کارروائی تحریری ہوتی، اور اس مجلس میں لڑکا لڑکی گواہ سب موجود ہوتے تب بھی اس تحریر سے شرعاً نکاح منعقد نہ ہوتا۔ ردالمحتار میں یہ مسئلہ مذکور ہے۔ تحریر غائب کے حق میں چند شرائط کے ساتھ معتبر ہوتی ہے، حاضر کے حق میں تحریر سے نکاح نہیں ہوتا (۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود غفرلہ، دارالعلوم دیوبند، ۱۶/ ۸/ ۹۳ھ۔

---

(۱) "ولا بكتابة حاضر بل غائب بشرط إعلام الشهود بما في الكتاب". "(قوله: ولا بكتابة حاضر) فلو كتب: تزوجتك، فكتبت: قبلتُ، لم ينعقد بحر. والأظهر أن يقول: فقالت: قبلت؛ إذ الكتابة من الطرفين بلا قول لا تكفي ولو في الغيبة، تأمل. (قوله: بل غائب) الظاهر أن المراد به الغائب عن المجلس وإن كان حاضراً في البلد، الخ". (ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب: التزوج بإرسال كتاب: ۱۲/۳، سعيد)

(وكذا في البحر الرائق، كتاب النكاح: ۱۴۸/۳، رشيديه) ....=

ٹیلیفون کے ذریعہ سے نکاح

سوال[۵۳۴۹]: ایک شخص امریکہ میں تعلیم پا رہا ہے وہ شادی کرنا چاہتا ہے، ہندوستان آنے کے لئے بہت روپیہ اور وقت خرچ ہوگا اس لئے وہ چاہتا ہے کہ بذریعۂ ٹیلیفون یا دوسرے ذریعہ سے نکاح کرے توامریکہ میں چند معتبر لوگوں کے سامنے بذریعۂ ٹیلیفون قبول کرسکتا ہے۔کیا اس طرح نکاح درست ہوگا؟ فقط۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

جو شخص امریکہ میں ہے وہاں بذریعۂ ٹیلیفون یا دیگر ذرائع (خط تار وغیرہ) سے کسی کو ہندوستان میں اپنا وکیل بنادے کہ وہ اس کی طرف سے فلاں لڑکی کے نکاح کو قبول کرلے، پھر یہاں مجلسِ نکاح منعقد کی جائے اور قاضی صاحب یا لڑکی کے والد وغیرہ جو بھی نکاح پڑھائیں وہ کہیں کہ ''میں نے فلاں لڑکی کا نکاح فلاں شخص سے جو کہ امریکہ میں ہے کیا'' اور وکیل کہے کہ ''میں نے اس لڑکی کو فلاں کے نکاح میں قبول کیا''، پس اس سے نکاح منعقد ہوجائے گا اور صحیح ہوجائے گا (۱)۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفا اللہ عنہ، دار العلوم دیوبند، ۲۰/۳/۸۹ھ۔

الجواب صحیح، بندہ محمد نظام الدین عفی عنہ، دار العلوم دیوبند۔



= (وكذا في حاشية الطحطاوي على الدر المختار، كتاب النكاح: ۲ /۷، دار المعرفة بيروت)

(وكذا في الفقه الإسلامي وأدلته، كتاب النكاح، المبحث الثاني، رابعاً: انعقاد الزواج بالكتابة و الإشارة، الناطق في حال الغيبة: ۹ / ۶۵۳۱، رشيديه)

(۱) ''بعض ٹیلیفون سیٹ ایسے ہوتے ہیں جن میں صرف ایک ہی بندہ سن سکتا ہے، باقی شرکاءِ مجلس نہیں سن سکتے، اور بعض ایسے سیٹ ہوتے ہیں جن میں یہ سہولت ہوتی ہے کہ تمام شرکاءِ مجلس بات کو سن سکتے ہیں، لہٰذا جس ٹیلیفون میں یہ سہولت موجود ہو تو اس میں عقدِ نکاح درست ہوگا اور جس میں یہ سہولت میسر نہ ہو اس میں عقدِ نکاح درست نہیں ہوگا، راجع للتفصيل: (خير الفتاوىٰ، كتاب النكاح، عنوان: ''فون پر ایجاب وقبول کا حکم'': ۴/ ۳۶۹، ۳۷۰، ملتان)

فصل فی نکاح الشغار

(نکاحِ شغار کا بیان)

آنٹہ سانٹہ کا نکاح

سوال [۵۳۵۰]: زید نے اپنی بہن کی شادی بکر کے ساتھ کردی اور بکر نے اپنی لڑکی کی شادی زید کے ساتھ کردی، بکر کی یہ لڑکی پہلی عورت کی ہے تو کیا اس طرح شادی ہوسکتی ہے؟

الجواب حامداً ومصلیاً:

ہوسکتی ہے(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی غفرلہ۔

آنٹہ سانٹہ میں نا اتفاقی ہوگئی

الاستفتاء [۵۳۵۱]: دو نکاح ہوئے آنٹہ سانٹہ میں، جس میں چند سال بعد آپس میں نا اتفاقی ہوگئی اور انھوں نے اس کی لڑکی چھوڑ دی اور دوسرے نے بھی ان کی لڑکی کو چھوڑ دیا۔ ایک لڑکی دوبارہ راضی ہوکر اپنے خاوند کے پاس چلی گئی اور دوسرے کی دوسری جگہ پر شادی کردی، اس لڑکی کے پہلے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے۔ اب اس کا نکاح جائز ہے یا نہیں؟

---

(۱) "قال ابن الهمام: وإنما قيد به، ؛ لأنه لو لم يقل على أن يكون بضع كل صداقاً للأخرىٰ أو معناه، بل قال: زوّجتک بنتي على أن تزوجني بنتک، ولم يزد عليه، فقبل، جاز النكاح اتفاقاً، ولا يكون شغاراً، أو لو زاد قوله: على أن يكون بضع بنتي صداقاً لبنتک فلم يقبل الآخر بل زوجه ابنته ولم يجعل صداقاً، كان نكاح الثاني صحيحاً اتفاقاً، الخ". (مرقاة المفاتيح شرح مشكوة المصابيح، باب إعلان النكاح والخطبة والشرط، الفصل الأول، ۶/۳۰۵، رشيديه)

(وكذا في ردالمحتار، كتاب النكاح، مطلب في نكاح الشغار: ۳/۱۰۶، سعيد)

(وكذا في النهر الفائق، باب المهر: ۲/۲۴۲، امداديه ملتان)

الجواب حامداً و مصلیاً:

جس لڑکی کے شوہر کا انتقال ہوگیا اور اس کی عدت چار مہینہ دس روز گذر گئے تو اس کا نکاح دوسری جگہ جائز ہے(۱)۔ جو لڑکی پھر اپنے شوہر کے پاس چلی گئی اس نے بھی ٹھیک کیا۔ یہ حکم اس وقت ہے کہ دونوں شوہروں نے اپنی اپنی بیوی کو طلاق نہ دی ہو، اگر طلاق دے دی ہو اور عدت بھی گذر گئی ہو تو پہلے شوہر کے پاس جانے کا حق نہیں رہا اور جس کے شوہر کا انتقال ہوگیا، اگر اس کو بھی طلاق دیدی تھی اور اس کی عدتِ طلاق گزر چکی تھی تو پھر انتقالِ شوہر کے بعد کوئی عدتِ وفات لازم نہیں (۲)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود عفی عنہ، مدرسہ دارالعلوم دیوبند۔

ہمشیرۂ داماد کے نکاح کی شرط پر لڑکی کا نکاح

سوال[۵۳۵۲]: ایک شخص اپنی لڑکی کا نکاح کرنا چاہتا ہے اس طریق پر کہ جس سے نکاح اپنی لڑکی کا کرتا ہے اس کی حقیقی ہمشیرہ سے خود نکاح کرنا چاہتا ہے، لڑکا مسمی عبداللہ اور لڑکی ہمشیرہ پر دونوں کی والدہ ایک

---

(۱) قال الله تعالیٰ: ﴿وإذا طلقتم النساء فبلغن أجلهن، فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف﴾. (سورة البقرة: ۲۳۲)

"وعدة الحرة في الوفاة أربعة أشهر و عشرة أيام، الخ". (الفتاویٰ العالمكيرية، الباب الثالث عشر في العدة: ۱/۵۲۹، رشيديه)

(وكذا في مجمع الأنهر، باب العدة: ۱/۴۶۵، دار إحياء التراث العربي بيروت)

(وكذا في النهر الفائق، باب العدة: ۲/۴۷۶، امداديه ملتان)

(۲) "إذا كان الطلاق بائناً دون الثلاث، فله أن يتزوجها في العدة و بعد انقضائها. وإن كان الطلاق ثلاثاً في الحرة و ثنتين في الأمة، لم تحل له حتى تنكح زوجاً غيره". (الفتاویٰ العالمكيرية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة و ما يتصل به: ۱/۴۷۲، ۴۷۳، رشيديه)

(وكذا في البحر الرائق، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۴/۹۴، ۹۶، رشيديه)

(وكذا في الهداية، باب الرجعة، فصل فيما تحل به المطلقة: ۲/۳۹۹، مكتبه شركة علميه ملتان)

(وكذا في بدائع الصنائع، فصل في حكم الطلاق البائن: ۴/۴۰۳، دار الكتب العلمية بيروت)

اور باپ دو ہیں۔ یہ صورت جائز ہے یا نہیں؟

میاں جی نورالحسن امام مسجد بہاری گڑھ، سہارنپور، ۸/ ذی قعدہ/ ۵۲ھ۔

الجواب حامداً ومصلیاً:

اگر کوئی اور مانعِ شرعی نہ ہو تو اس نکاح میں شرعاً کوئی قباحت نہیں بلاشبہ جائز ہے، لقولہ تعالیٰ:

﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾(۱)۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حررہ العبد محمود گنگوہی عفا اللہ عنہ، معین مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۱/۱۱/ ۵۲ھ۔

صحیح: عبداللطیف عفا اللہ عنہ، ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور، ۱۳/ ذیقعدہ/ ۵۲ھ۔



---

(۱) (سورة النساء: ۲۴)

﴿وأحل لكم ما وراء ذلكم﴾ إشارة إلى ما تقدم من المحرمات: أي أحل لكم نكاح ما سواهن الخ". (روح المعاني: ۴/۵، دار الفكر بيروت)

"أي ما عدا من ذُكرن من المحارم هن لكم حلال". (تفسير ابن كثير: ۱/ ۴۷۴، سهيل اكيڈمی لاهور)

"أسباب التحريم أنواع: قرابة، مصاهرة، رضا، جمع، ملك، شرك، إدخال أمة على حرة، فهي سبعة ذكرها المصنف بهذا الترتيب". (الدر المختار، كتاب النكاح، فصل في المحرمات: ۳/ ۲۸، سعيد)

دار الافتاء جامعہ فاروقیہ کراچی